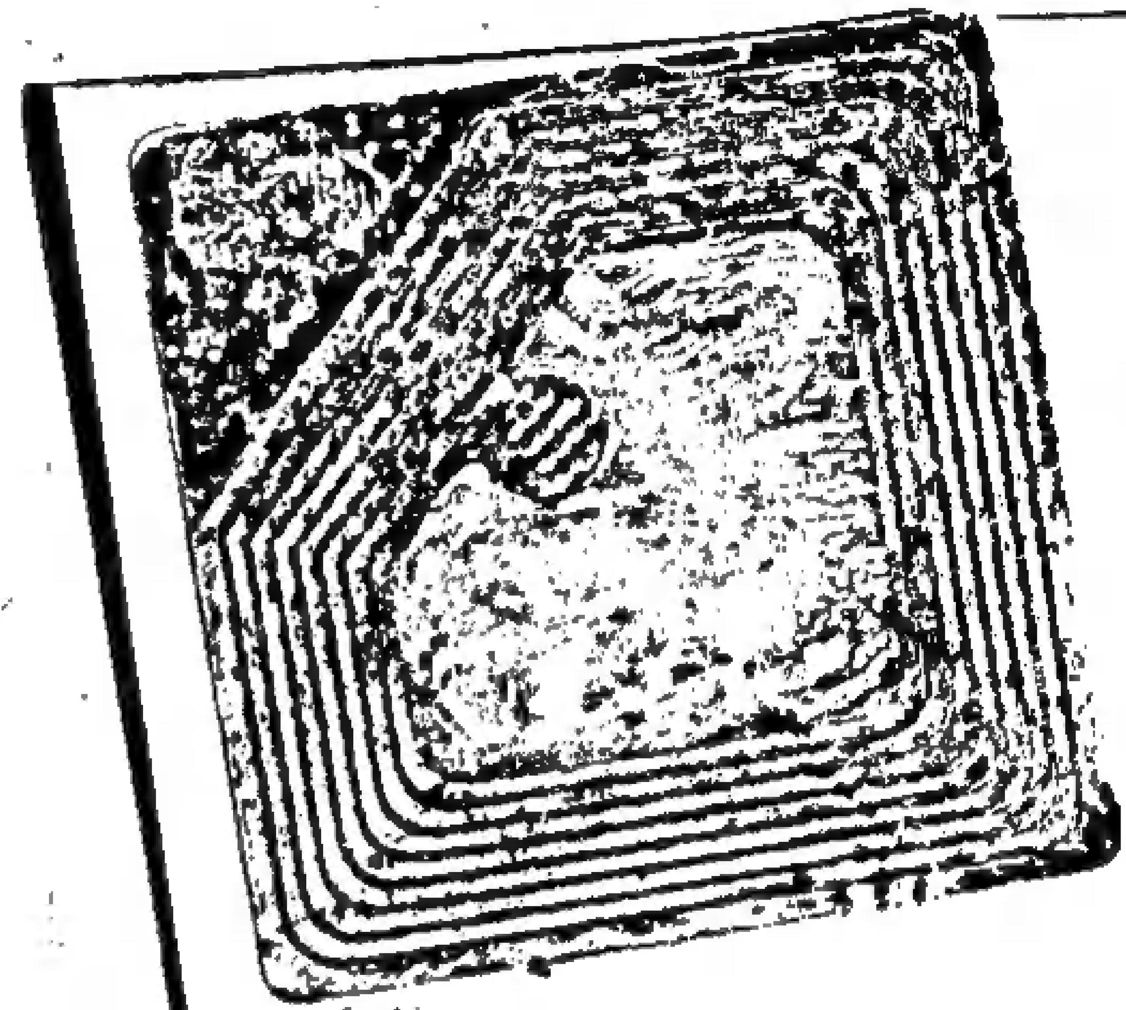
قومی سیرت کانفرنس برائے خواتین

۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء

مقالاتِ سیرت

"دورِ حاضر میں انتہا پسندی کا رجحان اور اُس کا خاتمہ تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں"

وزارتِ مذہبی امور، زکوٰۃ و عشر،
حکومت پاکستان



مقالات سیرت

۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۴

عنوان

"دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں"

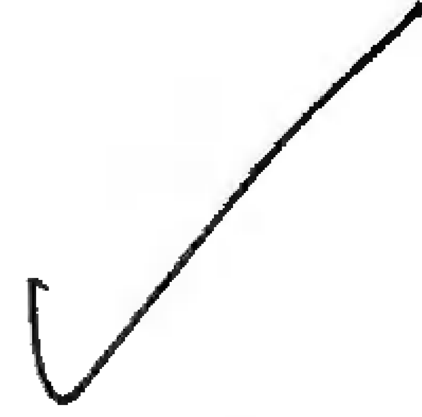
(خطبہ حجۃ الوداع 16 ، 161)



شائع کردہ

شعبہ تحقیق و مراجع، وزارتِ مذہبی امور، زکوٰۃ و عشر،

حکومتِ پاکستان، اسلام آباد



مطبوعہ: اظہار سنز پرنٹرز، ۹ ریٹی گن روڈ، لاہور

فہرست مقالات سیرت ۲۰۰۴ء

(ب) مقالات

عنوان: دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

پیش لفظ

نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ اور تعلیمات عالیہ بنی نوع انسان کے لیے ہر دور میں اور ہر خطہ میں قابل عمل اور باعثِ حسنات وثمرات ہیں۔

ہمارا ایمان ہے کہ تخلیق کائنات میں وہ لمحہ سب سے زیادہ حسین تھا جب اس مادی دنیا میں سب سے عظیم انسان کا ظہور ہوا اور وہ انسان خود حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی تھی۔ منصبِ نبوت سے سرفراز ہوتے ہی آپ ﷺ نے پیار و محبت و رحمت سے لوگوں کے ذہنوں اور دلوں میں گھر کر لیا۔ اس طرح قلیل وقت ہی میں ایسے عظیم الشان انسانوں کا گروہ وجود میں آیا جو ان کی سیرت وتعلیمات سے پورا آراستہ تھا۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ تاریخ کی روشنی میں ہوا۔ اس میں کسی قسم کے وہم وگمان، قیاس محض، تخمین وظن اور ماورائے فطرت روایات کا کوئی دخل نہیں۔ آپ ﷺ کی تاریخ حقائق سے آراستہ ہے اور ہم آپ ﷺ کے بارے میں اصل حقیقت آسانی سے معلوم کر سکتے ہیں۔ یہاں ہر چیز دن کی پوری روشنی میں جگمگا رہی ہے۔

آپ ﷺ کی شخصیت کے بہت سے پہلو ہیں اور آپ ﷺ کی سیرت نویسیوں، تذکرہ نگاروں اور محدثین نے آپ ﷺ کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کی ہیں جن کی وجہ سے ہم آپ ﷺ کے بارے میں ہر چیز جانتے ہیں آپ ﷺ کی بے داغ جوانی، آپ ﷺ کی اٹھان، آپ ﷺ کے عادات وخصائل، ابتدائی حالات اور پہلی وحی کے نازل ہونے تک کا لمحہ، ذہنی سفر اور ارتقاء وغیرہ نیز آپ کی داخلی اور باطنی زندگی سے متعلق مکمل واقفیت رکھتے ہیں۔

وزارت مذہبی امور، حکومت پاکستان نے نبی اکرم ﷺ کی حیات وتعلیمات کے فروغ کے لیے مختلف اقدام اٹھائے ہوئے ہیں کسی ایک موضوع پر مقالات سیرت کی طباعت بھی اسی زمرہ میں ایک قدم ہے۔ اس عمل سے ہمیں سیرت النبی علیٰ صاحبھا التحیۃ والسلام سے اس موضوع سے متعلق راہنمائی میسر آتی ہے۔

سال ۲۰۰۴ء میں قومی سیرت النبی کانفرنس کا موضوع ''دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ۔ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں'' مقرر کیا گیا تھا۔ جس پر بے شمار مقالات وزارت میں موصول ہوئے۔ البتہ ان میں سے صرف معیاری مقالات کو ہی شائع کر کے وزارت کی طرف سے استفادہ عام کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ وزارت کی یہ کوشش سیرت طیبہ کے فروغ واشاعت کے ضمن میں جاری مہم میں ممد ومعاون رہے گی۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

سیکرٹری

وزارتِ مذہبی امور، زکوٰۃ وعشر

''دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اُس کا خاتمہ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں''

حذافہ رفیق، لاہور

اتنی بات تو سبھی جانتے ہیں کہ مغربی استعمار جہاں جہاں بھی گیا وہاں وہاں لوگوں کو صرف سیاسی غلامی کی بیڑیوں ہی میں جکڑا حکمران کے دل و دماغ کو ایسے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی کہ لوگ غلامی کی بیڑیاں پہنانے والوں کو اپنا محسن بھی سمجھیں، دیکھیں تو انہیں کی آنکھوں سے دیکھیں، سنیں تو انہیں کے کانوں سے سنیں اور خوب و ناخوب کا فیصلہ انہیں کے دماغ سے کریں مختصر یہ کہ وہ افریشیائی قالب میں ایسی روح پیدا کرنا چاہتے تھے جسے مغرب کی ہر چیز پسند ہو ہر ادا پسند ہو، لیکن ایشیا اور افریقہ میں اسے کوئی چیز لائق توجہ نظر نہ آئے تا کہ تہذیب و تمدن میں فکر و نظر میں زندگی کی قدروں کے باب میں انہیں رہنما اور معلم کی حیثیت حاصل ہو جائے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے استعماری طاقتوں نے تعلیمی نظام کو اپنے رنگ میں رنگا دین اور دینی تعلیم کو سرکاری تعلیم گاہوں سے الگ تھلگ کر کے پڑھے لکھے لوگوں کی ایسی کھیپ تیار کرنا شروع کر دی جو ان کی آرزوؤں کی تکمیل کے لیے سہارا بن سکے اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ سیاسی آزادی حاصل ہونے کے بعد بھی ان خطوں میں فکری استعمار کی چھاپ باقی ہے۔

چنانچہ دینی تعلیم و تربیت اور دعوت اسلامی کی نشر و اشاعت کے نتیجے میں مسلم نوجوانوں کے اندر اسلامی بیداری کی لہر پیدا ہوئی تو استعماری نشریات ہی نے نہیں خود مسلم ملکوں میں بھی ارباب حل و عقد نے ان نوجوانوں پر رجعت پسندی، انتہا پسندی اور دہشت پسندی کی تہمتیں لگا کر اس بیداری کا گلا گھونٹنا چاہا نماز پڑھنا، داڑھی رکھنا یا لڑکیوں کا پردہ کرنا بھی انتہا پسندی کی علامت بن گیا نقاب استعمال کرنے والی لڑکیوں پر تعلیم گاہوں کے دروازے بند کر دیئے گئے، جلیل القدر علماء کو پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا گیا صرف اس جرم میں کہ یہ اسلام پسند کرتے تھے اسلام کا پرچار کرتے تھے اور اسلام ہی کو انفرادی اور اجتماعی زندگی کی بنیاد اور اساس بنانا چاہتے تھے لیکن انہیں اس کی اجازت نہ تھی جبکہ اشتراکیت اور سرمایہ داری کے پرچار پر کوئی پابندی نہ تھی اور ان لوگوں کو آج بھی اجازت ہے کہ یہ اپنی تنظیمیں بنائیں، اپنے نظریات کا پرچار کریں اور اپنی منزل تک پہنچنے کی کوشش کریں لیکن یہ ساری چیزیں اسلام پسندوں کے ممنوع ہیں۔

ما دخل الرفق فی شیئ الازانه

ولا دخل العنف فی شیئ الاشانه

جب چیز میں نرمی برتی جاتی ہے تو نرمی اسے حسین بنا دیتی ہے اور جب کسی چیز میں سختی داخل ہو جاتی ہے تو وہ اسے عیب دار کر دیتی ہے۔ (الحدیث النبی ﷺ)

يسروا ولا تعسروا

وبشروا ولا تنفروا

معنی ومفہوم:

درمیان سے دور ہٹ کر کنارے کھڑے ہونے کو "تطرف" کہتے ہیں اصلاً اس لفظ کا استعمال شروع شروع میں محسوس اور مرئی چیزوں کے لیے ہوتا تھا مثلاً کنارے چلنا، لیکن پھر بعد میں اس کا استعمال معنوی چیزوں کے لیے بھی ہونے لگا مثلاً دینی انتہا پسندی، فکری اور نظریاتی انتہا پسندی، سلوک اور رویہ میں انتہا پسندی۔ [۱]

"لسان العرب" میں انتہا پسندی کے لیے "تطرف" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور اس کے مندرجہ ذیل مفاہیم بیان کیے گئے ہیں۔

طرف يطرف طرفاً: اذا اطبق احد جفنيه على الاخر، الواحدة من ذلكه طرفة

والطرف: اطباق الجفن على الجفن

متطرف: لايثبت على امر [۲]

انتہا پسندی کے لیے "حد" کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔

الحد: الفصل بين الشيئين لئلا يختلط احدهما بالآخر اولئک يتعدىٰ احد هما على الآخر [۳]

"المنجد" میں "تطرف" کا مفہوم یوں بیان کیا گیا ہے:

تطرف: کنارہ پر آنا۔ الشئی۔ کنارہ پر ہونا، اعتدال سے گزر جانا

"الطرف" ہر شے کی آخری حد۔ ج۔ اطراف [۴]

"مصباح اللغات" میں بھی "تطرف" کے ضمن میں یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے [۵]

ARABIC - ENGLISH DICTIONARY میں "تطرف" کا مفہوم یوں بیان کیا گیا ہے:

طرف: End, Extremity

طرفانی: The one at the end, extreme [۶]

"الفرائد الدریہ" میں بھی "تطرف" کا معنی "Extreme" کے معنی میں لیا گیا ہے۔ [۷]

"القاموس العصری" میں بھی یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے:

طرف، حد، آخر، نہاية "Extremity" [۸]

لہٰذا مذکورہ بیان کردہ تمام مفاہیم سے جو مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ انتہا پسندی، اعتدال پسندی سے ہٹ جانے کو کہتے ہیں کسی کام میں توازن نہ رکھنا، حد پر پہنچ جانا...... انتہا پسندی کے ضمن میں آتا ہے۔

دینی اور مذہبی انتہا پسندی میں خط امتیاز

مذہبی انتہا پسندی کا جائزہ لینے کے لیے ضروری ہے کہ ''دین'' اور ''مذہب'' کو مختصراً واضح کر دیا جائے۔

''الدین'' کے معنی اطاعت اور جزا کے ہیں بطور استعارۃ دین بمعنی ''شریعت'' بھی آتا ہے اور دین ملت کی طرح ہے لیکن شریعت کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لحاظ سے اسے دین کہا جاتا ہے۔

''لغوی مفہوم انقیاد و اخلاص ہے مگر استعارۃ اس سے مراد ملت اور شریعت ہے اسلام ایک دین ہے اور اس کی جامعیت کی دلیل یہ بھی ہے کہ اس کو دین کہا گیا ہے اور دین ''کل زندگی کے دستور العمل کی حیثیت سے ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے''۔

''عمل بھی اور مکمل ضابطہ حیات اور دستور العمل بھی'' اس کا مجموعی نام دین ہے جس میں:

عقاید

عبادات

معاملات (انفرادی، اجتماعی، منزلی، سیاسی، اقتصادی، عسکری، عدالتی اور بین الاقوامی) سب شامل ہیں[9]

جبکہ ''مذہب ذھب سے اسم ظرف مکاں ہے وہ راستہ یا طریقہ جس پر چلا جائے، لہٰذا مذہب ایک مکمل ضابطہ حیات اور دستور العمل نہیں ہے بلکہ انسانوں کے خود ساختہ متعین کردہ طریقے مذہب کے زمرے میں آتے ہیں اور اس میں کوئی خدائی دستور یا قانون نہیں ہے۔ لہٰذا ''دینی انتہا پسندی'' سے مراد ہے کہ ان تمام اوامر و نواہی میں غلو میں مبتلا ہونا جو دین اسلام نے شعبہ ہائے زندگی سے متعلق تفویض کیے ہیں جبکہ ''مذہبی انتہا پسندی'' سے مراد ان مسالک اور طرق میں اعتدال سے گزر جانا ہے جو مختلف مکاتب فکر کے ہاں رائج ہیں اور چونکہ مختلف مکاتب فکر کی ترجیحات کے انداز میں فرق ہے اس لیے ان کے ''مسلک'' میں جو مراتب امتیاز ہیں ان کے لحاظ سے حد اعتدال سے گزرنا ''مذہبی انتہا پسندی'' تصور کیا جائے گا۔

دو قابل غور امور

(i) کیا دین کے اوامر و نواہی کی پابندی کرنا انتہا پسندی ہے؟

بہت سے لوگ جو اپنے اسلامی ناموں اور مغربی ذہن کے ساتھ مسلم ملکوں میں رہتے ہیں تو یہ لوگ اوامر اور نواہی کی پابندی ہی کو دینی انتہا پسندی شمار کرتے ہیں اسی طرح جن لوگوں نے غیر اسلامی افکار و رسوم کے مقابلہ میں سپر ڈال دی ہے ان کی نگاہ میں ہر وہ شخص جو کھانے پینے میں رہن سہن میں لباس و زینت میں اسلامی آداب کی پابندی کرتا ہے دینی انتہا پسندی اور تعصب کے روگ میں مبتلا ہے ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو نوجوان لڑکوں کو داڑھی رکھنے اور نوجوان لڑکیوں کو پردہ کی پابندی کرنے کو دینی شدت پسندی شمار کرتے ہیں ہم نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے جو اسلام کی سرزمین میں شریعت کے نفاذ اور اسلامی حکومت کے قیام کی دعوت کو دین میں انتہا پسندی شمار کرتے ہیں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے نزدیک دینی غیرت انتہا پسندی ہے جن کے نزدیک بھلائیوں کو فروغ دینے کی کوشش، جبکہ وہ ہٹ رہی ہوں اور برائیوں سے روکنے کا کام جبکہ ان کا ارتکاب ہو رہا

ہو، دین میں انتہا پسندی اور دوسروں کی شخصی آزادی میں مداخلت شمار ہوتی ہے ایسے لوگ بھی ہیں جن کے نزدیک غیر مسلموں کو کافر شمار کرنا بھی انتہا پسندی اور تعصب ہے حالانکہ ایمان کی یہ بنیاد ہے کہ مومن اس بات پر یقین رکھے کہ وہ حق پر ہے اور اس کے مخالفین باطل پر ہیں یہ وہ حقیقت ہے کہ جس میں کسی رواداری کی گنجائش نہیں ہے[۱]

(ii) کیا شرعی احکام میں محتاط رویہ انتہا پسندی ہے؟

یہ انصاف کی بات نہیں کہ ہم کسی انسان پر انتہا پسندی کا الزام صرف اس لیے لگائیں کہ اس نے اپنے لیے کوئی سخت فقہی رائے اپنالی ہے جبکہ وہ یقین رکھتا ہے کہ یہی رائے زیادہ صحیح اور درست ہے اور اس کے لیے شرعاً اس کی پابندی ضروری ہے اگرچہ دوسروں کی نگاہ میں وہ کمزور ہے اس لیے کہ جس رائے پر وہ عمل رکھتا ہے اور جس پر اسے یقین و اعتماد ہے اس کے بارے میں اسے پوچھا جائیگا ایسی حالت میں اگر وہ خود پر سختی برتتا ہے بلکہ خیال کرتا ہے کہ اس کا یہی رویہ زیادہ افضل ہے اور پرہیز گاری کی روح سے زیادہ ہم آہنگ ہے اسی کے ساتھ وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ یہ فرض اور واجب کے دائرے میں نہیں ہے لیکن وہ اپنے اندر ہمت پاتا ہے اور فرائض کی حدود پر جا کر رک جانا نہیں چاہتا بلکہ آگے بڑھ کر وہ نوافل کے ذریعے بھی قرب الٰہی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس پر انتہا پسندی کا الزام لگانا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

کچھ لوگوں کے نزدیک آسانی اور نرمی کا رویہ پسندیدہ ہوتا ہے تو کچھ لوگوں کا رجحان سختی اور شدت پسندی کی طرف مائل ہوتا ہے لہٰذا اگر کوئی شریعت اسلامیہ کی رو سے داڑھی منڈواتا ہے اور کوئی داڑھی کو واجب قرار دیتا ہے تو کیا اس پر انتہا پسندی کا الزام لگایا جا سکتا ہے اسی طرح جو عورتیں محتاط رویہ سے دستانہ اور نقاب استعمال کرتی ہیں اور اس کو دین کا جزو مانتی ہیں تو ان پر انتہا پسندی کا الزام لگا کر اس کا سر پھاڑا جائیگا اور کیا ہم انہیں مجبور کر سکتے ہیں کہ انتہا پسندی کی تہمت سے بچنے کے لیے جنت کو بیچ دیا اور جہنم خرید لیں۔ اسی طرح گانا، موسیقی، فوٹو گرافی، تصویر کشی سے اجتناب کرنے والوں کو انتہا پسند کہا جائے گا حقیقت میں ان کی بنیادیں ہمارے فقہ کے اندر موجود ہیں۔

انہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم اسے اپنی رائے سے دستبردار ہونے کے لیے مجبور کریں یا اس سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ ایسا رویہ اپنائے جو اس کا اعتقاد کے خلاف ہے ہم زیادہ سے زیادہ جو کچھ کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم جس چیز کو صحیح کہتے ہیں اس کی طرف اسے حکمت سے دعوت دیں اس سے اچھی طرح گفتگو کریں دلیل سے قائل کریں اسی طرح ممکن ہے کہ ہماری رائے زیادہ درست رائے قرار پائے[۱]

اہل مغرب کا اسلام کے خلاف انتہا پسند و معاندانہ رویہ:

''سید ابوالحسن علی ندوی'' مغرب کی اس ذہنیت کی یوں عکاسی کرتے ہیں:

''مغرب کی جانب سے اسلام اور مسلمانوں کو دہشت گردی، تشدد، خون ریزی اور قتل و غارت کے ساتھ وابستہ کرنا بظاہر کوئی نیا مشغلہ نہیں ہے۔ صلیبی جنگوں کا تذکرہ ہو یا جہاد کے حوالے سے اصلاحی تحریکات کو توسیع پسندانہ خون ریزی قرار دینا

ہو مغرب صدیوں سے اسلام اور مسلمانوں کو ''غیر امن پسند'' اور ''فسادی'' ہی قرار دیتا رہا ہے اس نوعیت کا تجزیہ کرتے وقت عام طور پر مغربی محقق، صیہونی ظلم وستم، بوسنیا ہرزے گووینا میں انسانیت سوز حرکات، چیچنیا میں مسلمانوں پر بدترین مظالم اور خود شکل اختلافات کی بناء پر شمالی آئرش ریاست میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کی شرم ناک خوں ریزیوں کو تجاہل عارفہ سے نظر انداز کر جاتے ہیں اور اگر کہیں بوئے خوں محسوس کرتے ہیں تو وہ انہیں مسلمانوں کے بارے میں وضع کردہ فسانوں ہی میں ملتی ہے''۔

کیا جہاد دہشت گردی کی تعریف میں آتا ہے؟ کیا مسلم حریت پسند تحریکات، بغاوت کی تحریک میں آتی ہیں؟ کیا انسانی حقوق، جان، عزت و ناموس کا تحفظ کرنا جارحیت ہے؟ اور کیا آنکھیں بند کر کے ان بے سہارا مستضعفین فی الارض مظلوموں پر پل پڑنا ہی معروضیت ہے؟ ہمارے خیال میں اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے مبالغے اور تواتر سے بعض الزامات کو اتنا دہرایا گیا ہے کہ بہت سے مسلمان خود بھی اس تکرار کذب کی سازش کا شکار ہو گئے ہیں۔[۱۲]

مغربی ذہنیت کی عکاسی قرآن میں:۔

مغرب کی اس معاندانہ روش کا اظہار قرآن میں بہت واضح انداز میں کیا گیا ہے:

''وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ۔''[۱۳]

مفاتیح الغیب میں امام رازی اس ضمن میں رقمطراز ہیں۔

''انهم یریدون مع ذلک ان یتبع ملتهم ولا یرمون منه بالکتاب بل یریدون منه الموافقةلهم فیما هم هم علیه فبین ذلک شده عداوتهم للرسول و شرح مایوجب الیاس من موفقتهم والملة هی الدین۔''[۱۴]

''تبیان القرآن'' میں مرقوم ہے:

''یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک آپ ان کی ملت یعنی ان کے تحریف شدہ دین کی پیروی نہ کر لیں اور ظاہر ہے یہ محال ہے آگے چل کر مزید فرماتے ہیں'' آیت میں بظاہر تو صراحتاً رسول اللہ سے خطاب ہے اور تعریض عام مسلمانوں سے ہے یعنی جبکہ رسول اللہ کا ان کی اتباع کرنا محال ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو وعید سنائی ہے اس کی نظیر یہ آیت ہے:

''لئن اشرکت لیحبطن عملک (اگر بہ فرض محال) آپ نے بھی شرک کیا تو آپ کے اعمال ضائع ہو جائیں گے''۔

تفسیر کشاف میں ہے: ''کانهم قالوا: لن ترضیٰ عنک وان ابلغت فی طلب رضا نا حتی تتبع ملتنا، اقناطا امنهم لرسول الله ﷺ عن دخولهم فی الاسلام، فحکی عزو جل کلامهم[۱۵]

''الدر المنثور'' کے مفسریوں رقم طراز ہیں:

''اخرج الثعلبی عن ابن عباس "ان یهود المدینه و نصاریٰ نجران کانوا یرجون ان یصلی النبی الی قبلتهم فلما صرف الله القبلة الی الکعبة فشق ذلک علیهم وایسوامنه ان یو افقهم عن دینهم فانزل الله (ولن

ترضی) ۱۷

ایک اور آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ یہود کی ذہنیت کی یوں عکاسی کرتے ہیں:

''وَدَّ کَثِیْرٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَکُمْ مِّنْ بَعْدِ اِیْمَانِکُمْ کُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِھِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ''۔ ۱۸

اس آیت کریمہ کے بارے میں تفسیر المنار میں محمد رشید فرماتے ہیں:

''ولکنھم شق علیھم ان یتبعو ھم فتمنووا ان یحرمو اھذہ النعمة و یرجعوا کفارا کما کانوا، و ذلک شان الحاسد یتمنی ان یسلب محسودہ النعمة ولولم تکن ضارة بہ، فکیف اذا کان یعلم ان تلک النعمة اذاتمت و ثبتت یکون من اثرھا سیادة المحسود علیہ وادخلہ تحت سلطانہ''

''فی ظلال القرآن'' میں ''سید قطب شہید'' فرماتے ہیں:

''یہ لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمان نہ صرف اپنے قبلے کو تبدیل کر لیں بلکہ اسلام سے بھی منحرف ہو جائیں اور یہ کہ اس وقت تک راضی نہیں ہو سکتے جب تک خود نبی کریم صلعم ان کی ملت کی اتباع قبول نہ کر لیں اور جب تک ایسا نہیں اس وقت تک ان کی پیکاران کی سازشیں اور ان کی ریشہ دوانیاں جاری رہیں گی یہ ہے جنگ کا اصل محور، جس پر انہوں نے دلیلوں اور حجتوں کے پردے ڈالے ہوئے ہیں۔'' ۱۹

مندرجہ بالا آیات کریمہ سے یہ بات اخذ کی جا سکتی ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مغربی ہتھکنڈے یہی چاہتے ہیں کہ مسلمان ان کی تہذیب و ثقافت اور انہیں کے رسم و رواج کو اختیار کریں اور پھر ان کی خواہش نفسانیہ کی پیروی کریں اس سے ان کے عقائد پر ضد پڑتی ہے لیکن قرآن نے واضح طور پر فرمایا:

''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ''

اس بات کی تائید مولانا ابوالحسن علی ندوی نے کی ہے۔

''اسلام اور مغربی تمدن جو زندگی کے دو متضاد نظریوں پر قائم ہیں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر نہیں رہ سکتے جب واقعہ یہ ہے تو ہم کیسے اس بات کی توقع کر سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی نئی نسل کی مغربی بنیادوں پر ایسی تعلیم و تربیت مخالف اسلام اثرات سے پاک ہو سکتی ہے۔''

قرآن وسنت میں انتہا پسندی کی حوصلہ شکنی:-

اسلام کی راہ اعتدال کی راہ ہے ہر چیز میں اعتدال کی راہ تصور اور عقائد میں، عبادت اور زہد میں، اخلاق اور رویہ میں معاملات اور قانون سازی میں اسی راہ کا نام اللہ نے ''صراط مستقیم'' رکھا ہے یہ راہ ان دینی اور فکری گروہوں کی راہ سے الگ ہے جن پر اللہ کا غضب ہوا یا جو راہ پانے کے بعد کھو بیٹھے اور جن کی راہوں پر غلو اور افراط و تفریط کی چھاپ پڑی ہوئی ہے۔ اسلام کی

عمومی خصوصیات میں میانہ روی اور اعتدال پسندی ایک اہم ترین خصوصیت ہے نیز راہ اسلام کی بنیادی نشانیوں میں یہ وہ اہم نشان راہ ہے جسے اللہ نے دوسری ملتوں کے مقابلے میں امت مسلمہ کا وصف قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

''وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ'' [۲۳]

''اور اسی طرح تو ہم نے تم مسلمانوں کو امت وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ رہو''

مفتی محمد شفیع آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس میں امت محمدیہ کو ''امت وسط'' یعنی معتدل امت فرما کر یہ بتلا دیا کہ انسان کا جوہر شرافت وفضیلت ان میں بدرجہ کمال موجود ہے اس کا فرض بھی اور قومی شان یہ ہے کہ لوگوں کو نیک کاموں کی ہدایت کرے اور بدی کے کاموں سے روکے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد مبارک ''الدین النصیحہ'' کا یہی مطلب ہے کہ برے کاموں میں کفر، شرک، بدعات، رسوم قبیحہ، فسق و فجور اور ہر قسم کی بداخلاقی اور نامعقول باتوں سے روکنا ہوگا سب سے پہلے اعتقادی اور نظری اعتدال کو لیجیے تو پچھلی امتوں میں ایک طرف تو یہ نظر آئیگا کہ رسولوں کو اللہ کا بیٹا بنا لیا اور ان کی عبادت اور پرستش کرنے لگے۔ ''وقالت الیھود عزیز ابن اللہ وقالت النصریٰ المسیح ابن اللہ'' اور دوسری طرف جب رسول ان کو جہاد کی دعوت دیتا ہے تو کہتے ہیں ''فاذھب انت وربک فقاتلا اناھنا قاعدون'' اس کے برعکس امت محمدیہ میں یہ اعتدال ہے کہ وہ رسول اور خدا کو اس کا مقام دیتے ہیں۔ اسی طرح عمل اور عبادات میں غلو اور فتوے اور ترک رُہبانیت۔ امت محمدیہ نے اس کے برخلاف ان غلو آمیز کاموں سے اجتناب کیا اسی طرح معاشرتی اور تمدنی اعتدال مثلاً بیٹیوں کو زندہ درگور کر دینا، جانوروں کے ذبیحہ کو حرام قرار دینا وغیرہ امت محمدیہ نے اور شریعت نے ان بے اعتدالیوں کا خاتمہ کیا۔

''لتکونوا شھداء علی الناس'' یعنی امت محمدیہ کو وسط اور عدل وثقہ اس لیے بنایا گیا کہ یہ شہادت دینے کے قابل ہو جائیں اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص عادل نہیں وہ قابل شہادت نہیں''۔ [۲۴]

جس طرح قرآن مجید کے اندر انتہا پسندی کا رویہ اختیار کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے بعینہٖ حدیث نبوی ﷺ میں بھی انتہا پسندی سے خبردار کیا گیا ہے اور اس کے لیے غلو، تنطع اور تشدید کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ امام احمد نے اپنی مسند میں، امام نسائی اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اور حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔

''ایاکم والغلو فی الدین فانما ھلک من قبلکم بالغلو فی الدین'' [۲۵]

''تم دین میں غلو کرنے سے بچو تم سے پہلے کے لوگ دین میں غلو ہی کے باعث ہلاک ہوئے۔''

اس حدیث مبارکہ میں ''قبلکم'' کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد سابقہ ادیان کے ماننے والے اہل کتاب ہیں اور ان میں خاص طور پر نصاریٰ مراد ہیں قرآن کا یہ خطاب انہیں لوگوں سے ہے:

''قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ'' [۲۶]

ان آیات میں ہم کو نصاریٰ کی طرح غلو کرنے سے منع کیا گیا ہے اور خوش بخت تو وہی ہے جو دوسرے کے انجام سے نصیحت اور عبرت پکڑے۔ ''اس آیت میں نصاریٰ کو خطاب ہے اور ان کی بداعتقادی اور خدا اور حضرت عیسیٰ کے متعلق ان کے باطل خیالات کی تردید کی گئی ہے اس کتاب میں اہل کتاب کو غلو فی الدین سے منع فرمایا گیا ہے غلو کے لفظی معنی حد سے نکل جانے کے ہیں ''الغلو فی الدین فھو مجاوزۃ الحد'' اپنی اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ دونوں کو اس چیز کا مخاطب اس لیے بنایا گیا کہ غلو فی الدین ان دونوں میں مشترک ہے''۔ [۲۷]

دنیا کی رھبانیت کی مذمت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

''لاتشددوا علی انفسکم فیشدد علیکم فان قوماً شددوا علی انفسھم فشدد علیھم فتلک بقایا ھم فی الصوامع و الداریات'' [۲۸]

رسول اللہ فرماتے تھے کہ اپنی جانوں پر سختی مت کرو نہیں تو تم پر سختی ہوگی کیونکہ بعض لوگوں نے اپنی جانوں پر سختی کی تھی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی اور ان کی نشانیاں ہیں گرجاؤں اور گھروں میں (وہ سختی کیا تھی درویشی) (دنیا کی لذتوں کو چھوڑ دینا) انہوں نے اس کو خود نکال لیا تھا اللہ نے ان پر فرض نہیں کی تھی''۔

غلو اور تنطع کا انجام دنیا اور دین دونوں کی ہلاکت ہے پھر اس ہلاکت اور تباہی سے بڑا خسارہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ [۲۹]

انتہا پسندی کا تاریخی پس منظر:

آنحضور ﷺ نے سفر آخرت پر روانہ ہونے سے پہلے صحابہ اکرام اور امت مسلمہ کو دو چیزوں سے تمسک کرنے کی تلقین کی تھی اور ضمانت دی تھی کہ جب تک ان چیزوں کو تھامے رہیں گے کبھی گمراہ نہ ہوں گے وہ دو چیزیں کیا تھیں؟

(i) قرآن (ii) حدیث

دورِ نبوی ﷺ میں انتہا پسندی کی حوصلہ شکنی:

انتہا پسندی کے لیے بدعت اور غلو کے الفاظ بھی استعمال کیے جاتے ہیں اس انتہا پسندی کا آغاز دور نبوی ﷺ کے آغاز کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے لیکن اس کی ترویج اس لیے نہ ہو سکی کہ نہ صرف قرآن کے تیس پارے بلکہ اس قرآن کی عملی تفسیر حضور ﷺ موجود تھے صحابہ کرام اپنے ہر عمل میں حضور ؐ کی پیروی کرتے تھے اور ان سے رہنمائی لیتے تھے۔

حدیث میں آتا ہے کہ:

''لوگوں نے حضرت عائشہ سے دریافت کیا کہ آپ ؐ گھر کی تنہائیوں میں کیا کرتے ہیں پھر ازواج مطہرات کا جواب سن کر ان لوگوں نے آپ ؐ کے عمل کو قلیل سمجھا۔ پھر ان لوگوں میں سے کسی نے کہا میں کبھی گوشت نہیں کھاؤں گا کسی نے کہا میں کبھی شادی نہیں کروں گا کسی نے کہا میں کبھی بستر پر نہیں سوؤں گا پھر جب آنحضرت ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ ؐ نے فرمایا کہ کیا بات ہے کچھ لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں حالانکہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور شادیاں بھی کرتا ہوں پس جو شخص میری سنت کو

پسند نہیں کرتا وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔"

انتہا پسندی کا رد دورِ صحابہ میں:

صحابہ کرامؓ اپنی زندگیوں میں بدعات کے خلاف برسرِ پیکار رہے رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال نبوی ﷺ کے بعد پہلا اختلاف یہ پیدا ہوا کہ آپؐ کے بعد خلیفہ کون ہیں لیکن حضرت ابوبکرؓ نے ثقیفہ بنی ساعدہ پہنچ کر سارا معاملہ سنبھال لیا اسی کے بعد جمع قرآن کا مسئلہ تھا جس کے بارے میں صحابہ کرامؓ کے پاس رسول اللہ ﷺ کا کوئی فرمان اور سنت موجود نہ تھی اور یہاں انتہا پسندی کے امڈ آنے کا خدشہ تھا لیکن اس معاملے کو بھی سلجھا دیا گیا۔ جب حضرت ابوبکرؓ کا دور گزر گیا اور اس میں لوگ اس طرح چلتے رہے جس طرح زمانہ نبوی میں چلتے تھے اسی طرح دور فاروق بھی گزر گیا اور کوئی مسلمان ایسا ظاہر نہیں ہوا جو شریعت خداوندی اور سنت نبی ﷺ کی مخالفت کر کے انتہا پسندی کی طرف مائل ہو۔

جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو ان کے آخری دور میں اختلاف رونما ہوا اور جو ہونا تھا وہ ہو گزرا حتی کہ عبداللہ ابن سبا کے پروپیگنڈہ کی وجہ سے حضرت عثمان بحالت مظلومی شہید کر دیئے گئے۔

البدایہ والنہایہ میں مرقوم ہے: سب سے پہلا فتنہ حضرت عثمان کا قتل اور آخری فتنہ دجال ہے۔" [۲۱]

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں: "قتل عثمان کے پروپیگنڈہ کے نتیجہ میں ہونے والی جنگ جمل وصفین کے زمانے سے باقاعدہ خوارج اور روافض رونما ہوئے اور اس وقت سے بدعات ہونے لگیں۔ [۲۲]

دور بنوامیہ و بنوعباس۔۔۔ مذہبی انتہا پسندی کا عروج

بنوامیہ کے آخری زمانے میں معبد جہنی نے عقیدہ قدر ظاہر کیا پھر اس کا شاگرد جہم بن صفوان ظہور پذیر ہوا جس نے بدعت معبد پر اسمائے الٰہیہ اور صفات الٰہیہ کے انکار کے عقیدہ کا اضافہ کیا۔ پھر خلیفہ مامون الرشید کے زمانہ میں معتزلہ رونما ہوئے جو فلسفہ سے متاثر تھے ان کا خیال تھا کہ بعض قرآنی آیات اور احادیث نبوی ﷺ ان کے فلسفیانہ نظریات سے میل نہیں کھاتی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے بھی اس معاملہ میں معتزلہ کی مدد کی اور عقیدہ خلق قرآن کو ماننے پر علماء کو مجبور کیا جن میں سب سے مقدم امام احمد بن حنبل تھے اور اس سے پہلے وہ ساری باتیں ہوئیں جو تاریخ میں مدون ہیں اس کے بعد جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا بدعت بڑھتی گئی حافظ ابن کثیر عبداللہ المامون بن ہارون الرشید کے متعلق لکھتے ہیں:

"اس میں تشیع بھی تھا، اعتزال بھی اور سنت صحیحہ سے جہالت بھی"۔ [۲۳]

لہٰذا خلافت عباسیہ کے دور زوال میں خلفائے عباسیہ اور حنابلہ میں اختلافات بہت سنگین صورت اختیار کر گئے شہر کے کوتوال نے اعلان کر دیا کہ بغداد میں کسی ایک جگہ پر بھی دو حنبلی جمع نہ ہوں ساتھ ہی خلیفہ راضی باللہ نے حنابلہ کے لیے ایک تعدید آمیز تحریر لکھی جس میں اس نے لکھا تھا "اگر تم لوگ اپنے قبیح مذہب اور طریق کج سے باز نہ آئے تو میں تم لوگوں کے ساتھ مار پیٹ، قتل وقتال اور تفریق وتشتیت ہر قسم کا برا معاملہ کروں گا تلواریں تمہاری گردنوں پر ہونگی اور آگ تمہارے گھروں اور

مکانوں میں"۔ [۴۴]

فقہی اختلاف کی صورت اس قدر سنگین ہوگئی کہ حرم بیت اللہ میں آئمہ اربعہ کے نام سے چار مصلے قائم کر دیئے گئے یہ واقعہ تقریباً ۸۰۴ھ کا ہے اس وقت بھی علمائے حق نے اس کی مخالفت کی یہ تفریق یہاں تک بڑھی کہ ایک دوسرے کی اقتداء متروک ہوگئی حنفی جماعت ہو رہی ہوتو شوافع اور حنابلہ بے پرواہ ہوکر بیٹھے رہتے گویا یہ اذان اور نماز ان کے لیے قائم نہیں ہوئی احناف بھی ایسا ہی کرتے حرم کعبہ میں اختیار کی جانے والی اس بدعت کا ساری دنیائے اسلام پر اثر ہوا اور لوگ ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگے۔ [۴۵]

سقوط بغداد کا سب سے بڑا سبب مسلمانوں کی فرقہ بندی ہی تھا سقوط بغداد کے قریب مختلف فقہی مسالک اور مذہبی فرقوں میں چپقلش اور شدید ہوگئی ہلاکو خان نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی ایک طرف علم و ہنر کا مرکز تباہ ہو رہا تھا اور دوسری طرف مسلمان امراء اور مسلم فرقے باہم دست وگریبان تھے۔' [۴۶]

علامہ ابن خلدون اپنی کتاب "تاریخ ابن خلدون" میں اس وقت کے فقہی اختلافات کے نتائج بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دولت عباسیہ کے کمزور ہو جانے سے بغداد فتنہ وفساد کا مرکز بن گیا تھا کبھی اہل سنت و جماعت اور شیعہ بوجہ اختلاف مذہب وعقائد جھگڑے کبھی حنبلیوں اور شافعیوں میں اختلاف برپا ہو جاتا نوبت قتال تک پہنچ جاتی تھی رفتہ رفتہ یہ فتنہ تمام شہر پر پھیل گیا"۔ [۴۷] ایسا بھی ہونے لگا کہ ایک شخص کا کوئی عمل ایک ہی جگہ اور ایک ہی وقت میں کسی کے ہاں حلال ہے اور کسی کے ہاں حرام یہ چیز عوام کے یہاں باعث انتشار بنی۔ [۴۸]

عہد بنو عباس میں اہل حدیث اور اہل الرائے مکتبہ فکر میں بھی متعدد اختلافات پائے جاتے تھے اس سلسلے میں دونوں مکاتب فکر غلو کا شکار ہوئے اہل الرائے میں سے کچھ لوگوں نے اس قدر غلو کیا کہ سرے سے حدیثوں کو ہی قبول کرنے سے انکار کر دیا اس کے علاوہ محدثین نے بھی رائے کے بارے میں غلو سے کام لیا اور یوں وہ مذہبی انتہا پسندی کا شکار ہوئے۔ [۴۹]

فقہی اختلافات کے اثرات:

فقہی اختلافات نے جب شدت اختیار کی تو نتیجہ فقہی جھگڑا و اختلاف کی صورت میں ظاہر ہوا جس نے امت مسلمہ پر منفی اثرات مرتب کیے نفرت یا عداوت اور محبت دونوں میں انسان غلو میں بڑھ جاتا ہے اس غلو نے دین کو تباہ کر کے رکھ دیا اور دین کا حلیہ بگاڑ دیا۔ [۵۰]

مظہر الدین صدیقی اپنی کتاب "علمائے کرام کا مستقبل" میں فقہی اختلافات کے اثرات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اس دور میں زوال کی انتہائی صورت نمودار ہوئی علماء نہ صرف اپنے فرائض سے غافل ہوگئے بلکہ دنیا کی طمع نے انہیں

ارباب اقتدار اور بادشاہوں کے اغراض کا آلہ کار اور عوام الناس کی عجائب پسند، ظواہر پرستی اور ان کی قدامت فکر و خیال کا معاون و مددگار بنایا وہ عوام کی خوش اعتقادیوں اور ان کی مشرکانہ رسوم پرستی کے حامی ہو گئے عام مسلمانوں کی اخلاقی پستی نے اتنا نقصان نہیں پہنچایا جتنا کہ علماء کی نفس پرستی نے''۔[۴۱]

فقہی اختلاف کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ صلحاء کو حیات اور بعد از موت مقدس سمجھا جانے لگا ان کی قبروں کی زیارت کی جاتی اور ان کے گرد خانہ کعبہ کی طرح طواف کیا جاتا۔[۴۲]

دولت عباسیہ کے آخری دور میں اجتہاد کا جوش و خروش کم ہو گیا حتیٰ کہ تیرھویں صدی میں بلاکوں خان کے ہاتھوں سقوط بغداد کے بعد علمائے اہل سنت نے مذہب میں بے جا قطع و برید کے خوف سے باتفاق رائے اجتہاد کا دروازہ بند کرنے اور صرف چار مذاہب کی ابتداء کرنے کا فیصلہ کر لیا اس کے بعد عربی ثقافت آہستہ آہستہ زوال پذیر ہونے لگی اور اس کے تمام گوشوں پر جمود طاری ہو گیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقلید کا رجحان عام ہو گیا فقہی اجتہاد ختم ہو گیا اور اوہام و بے بنیاد معتقدات کا زور ہو گیا۔[۴۳]

مورخین نے عثمانی ترکوں کے زوال کے اسباب بیان کرتے ہوئے ایک اہم سبب تقلید بیان کیا ہے ترکوں اور بالخصوص ان کے علماء میں تقلید اور قدامت پرستی زیادہ تھی اور حریت اور وسعت نظر کمتر اس وجہ سے اکثر انہوں نے جدید اصلاحات کی مخالفت کی اور جدید علوم و فنون کو رد کرتے رہے۔[۴۴]

مذہبی انتہا پسندی کی مروجہ صورتیں:

عصر حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کی جو موجودہ صورت ہے اسے دیکھ کر ایک مسلمان ہی نہیں ایک غیر مسلم بھی یہ سوچتا ہے کہ کیا مسلمانوں میں فرقہ واریت اور آپس کے جھگڑوں کا اصل سبب فقہی اختلافات کا پایا جانا ہے؟ کیا مسلمانوں کو ان کے مذہب نے ایسا خون آشام بنا دیا ہے کہ باہمی نفرت تصادم اور خون خرابے کے سوا ان کا کوئی مشغلہ نہیں؟ جب ایک عام تجزیہ نگار مسلمانوں کی صورتحال کا مقابلہ غیر مسلموں کے ساتھ کرتا ہے تو اس کے ذہن میں سوال اٹھتا ہے کہ کیا سبب ہے کہ عیسائیت میں ۲۵۰ سے زیادہ علیحدہ علیحدہ چرچ اور مسلکی و فقہی اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کے خلاف ایسی نفرت و دشمنی نہیں پائی جاتی جیسی کچھ مسلمان علاقوں میں آج مسلکوں میں پائی جاتی ہے اس تاثر کو شدید بنانے میں عالمی ابلاغ عامہ کا بڑا ہاتھ ہے شاید ہی کوئی دن ایسا ہو جب بین الاقوامی ذرائع ابلاغ مسلمانوں کے حوالے سے تشدد اور قوت کے استعمال کا ذکر اپنی سرخیوں میں نہ کرتے ہوں۔

عالمی سطح پر امت مسلمہ کے اختلافات باہمی دشمنی اور آپس کے خون خرابے اور تشدد و قوت کے استعمال کی کہانیاں جب بار بار نظروں سے گزرتی ہیں تو غیر ہی نہیں اپنوں کو بھی یقین سا آجاتا ہے کہ مسلمانوں کے باہمی اختلافات کے بارے میں جو کچھ دکھایا جا رہا ہے وہ سچ ہی ہوگا یہ بات بھی بہت شد و مد کے ساتھ کہی جاتی ہے کہ دینی مدارس سے فارغ علماء اور آئمہ اسلام سے زیادہ اپنے مسلک کو اہمیت دیتے ہیں اور ان کی یہ انتہا پسندی مذہبی منافرت اور تشدد کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے بلکہ اب تو دینی

درسگاہوں کو تشدد اور لاقانونیت کی تربیت گاہیں بنا کر پیش کیا جارہا ہے۔[۴۵]

مذہبی انتہا پسندی میں علمائے امت کا کردار:

مقلدین و غیر مقلدین کے اختلافات و انتہا پسندی:

مقلدین یا حنفی حضرات امام ابوحنیفہ کے مقلدین اور غیر مقلدین جنہیں وہابی یا اہلحدیث کہا جاتا ہے یہ چاروں فقہی مسالک میں سے کسی کی تقلید نہیں کرتے ان دونوں مکاتب فکر میں بہت سے مسائل میں اختلافات پائے جاتے ہیں یہ مسائل اگرچہ فروعی نوعیت کے ہیں جن مسائل میں مقلدین و غیر مقلدین میں اختلاف ہے وہ مسائل مندرجہ ذیل ہیں:

مسئلہ غیب غیر مقلدین الحدیث کے نزدیک علم غیب کسی مخلوق کو حاصل نہیں جبکہ مقلدین میں سے بریلوی حضرات کے نزدیک انبیاء اور اولیاء کو علم غیب حاصل ہے اسی طرح استمداد با الغیر الحدیث کے نزدیک کوئی بھی خدا کے سوا دافع بلانہیں اور نہ نافع جبکہ مقلدین میں سے بریلوی حضرات کے نزدیک انبیاء اور اولیاء کو نافع و دافع بننے کی قوت حاصل ہے اسی طرح عرس مولود۔ اہل حدیث قبروں پر عرس کرنے کو بدعت کہتے ہیں اور مولود وغیرہ کی مجلسوں میں بھی شریک نہیں ہوتے جبکہ بریلوی حضرات کے نزدیک عرس مولود وغیرہ جائزہ ہے اسی طرح نذر لغیر اللہ اہل حدیث کے نزدیک جو چیز غیر اللہ کے لیے نذر کی جائے وہ حرام ہے جبکہ مقلدین کے نزدیک ایسی چیز حلال ہے۔ تقلید شخصی کیا ایک ہی امام کی تقلید واجب ہے یا نہیں یہ بھی مقلدین اور غیر مقلدین کے درمیان باعث نزاع رہا ہے غیر مقلدین کے نزدیک کسی امام معین کی تقلید درست نہیں جبکہ مقلدین تقلید کے قائل ہیں۔

قرات فاتحہ خلف امام اہل حدیث کے نزدیک امام اور مقتدی دونوں پر قرات فاتحہ فرض ہے جبکہ مقلدین کے نزدیک قرات فاتحہ خلف امام درست نہیں۔ رفع الیدین ایک اور باعث نزاع مسئلہ دونوں میں رفع الیدین کا ہے غیر مقلدین کے نزدیک رکوع میں جاتے اور سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرنا ضروری ہے جبکہ مقلدین کے نزدیک درست نہیں۔ اسی طرح سینہ پر ہاتھ باندھنا اہل حدیث سینہ پر جبکہ مقلدین زیر ناف ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں۔

یہ اختلافات محض کچھ فروعی مسائل کے بارے میں ہیں ورنہ اصول دین پر تو دونوں فرقے متفق ہیں لیکن اس کے باوجود انتہا پسندی کا یہ حال ہے کہ مقلد غیر مقلد کو کھائے جاتا ہے یہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں مذہب کے نام پر ایک دوسرے کو کیسی گندی گالیاں دی جاتی ہیں۔

مشتاق احمد نظامی لکھتے ہیں:

''اگر حنفی وہابی جھگڑوں اور لڑائیوں کے استغاثے آپ محافظ خانہ فوجداری میں ملاحظہ فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ آمین بالجبر اور ولا الضالین کے پڑھنے پر کتنا خون بہا ہے''۔[۴۶]

انہی اختلافات کے نتیجے میں فریقین میں قتل و غارت کا سلسلہ جاری ہے جس نے ملک کی امن و سلامتی کو شدید نقصان پہنچایا ہے علامہ احسان الٰہی ظہیر کا قتل بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔ ۱۹ مارچ ۱۹۹۵ء میں مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان کے

نائب ناظم تبلیغ کاموئکی کی مرکزی جامع مسجد اہل حدیث کے خطیب مولانا حنیف نارووال مرید کے روڈ کے قریب فائرنگ سے شدید زخمی ہوگئے۔[۷۹]

دونوں فرقے ایک دوسرے کے خلاف زہر افشانی میں مصروف ہیں جس سے اختلافات کی خلیج مزید وسیع ہوتی جا رہی ہے ایک دوسرے کے خلاف زہر آلود لٹریچر شائع کیا جاتا ہے ایک دوسرے پر کفر کے فتوے صادر ہوتے ہیں۔ انہی اختلافات کی ایک مثال ''فتاوی رضویہ'' ج ۶ ص ۸۷ کی یہ عبارت ہے جس میں لکھا ہے۔

''وہابی اصلاً مسلمان نہیں ان کے پیچھے نماز باطل محض ہے ان سے مصافحہ ناجائز و گناہ ہے جس نے کسی وہابی کی نماز جنازہ پڑھی تو تجدید اسلام اور تجدید نکاح کرے۔''[۸۰]

مقلد و غیر مقلد اپنے اختلافات میں اس قدر دور نکل گئے ہیں کہ مسلمان ہونے کے باوجود مساجد علیحدہ کر لی گئی ہیں ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز پڑھنا متروک ہوگیا ہے یہاں تک کہ اب بھی کچھ مساجد ایسی ہیں جن کے دروازوں پر لکھا ہے کہ اس مسجد میں وہابیوں کا داخلہ ممنوع ہے۔

مسلمانوں کی اسی مذہبی انتہا پسندی کی آڑ میں دشمنان اسلام مسلمانوں کے خلاف خوفناک سازشوں میں مصروف ہیں وہ ان اختلافات کا فائدہ اٹھا کر اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کر رہے ہیں اور مسلمان سوئے ہوئے ہیں۔

دیوبندی و بریلوی اختلافات:

اہل سنت والجماعت میں سنی حنفی مسلک کی دو بڑی جماعتیں بریلوی اور دیوبندی ہیں ان دونوں فرقوں میں جزئی اور فروعی مسائل میں اختلافات ہمیشہ سے موجود رہے ہیں اور بعض اوقات انہی مسائل پر ان میں شدید نزاع و جدال برپا رہا ہے مثلاً ان میں جن امور میں اختلاف ہے مسئلہ علم غیب مسئلہ نور و بشر، مسئلہ مختار کل، مسئلہ حاضر و ناظر، مسئلہ ندائے یا رسول اللہ، توسل و استمداد، مسئلہ میلاد، فاتحہ، گیارھویں، تیجہ دسواں چالیسواں، مسئلہ سماع موتی وغیرہ وغیرہ۔ دیوبندی اور بریلوی اختلافات آنے والے دور پر بری طرح اثر انداز ہوئے اس کا سبب صرف ایک تھا جس کا ذکر خود قرآن نے کیا ہے:

''وقال الرسول یارب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا''

''رسول نے کہا میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑی ہوئی چیز قرار دے دیا ہے''

جب اختلافات حق طلبی سے آگے بڑھ جاتے ہیں تو نزاع صرف لفظی و تعبیری اور عبارات کا ہے اور پھر لوگ انہی امور کو اپنی فتح و شکست کا سوال بنا لیتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ اس میں خود پرستی شامل ہو جاتی ہے علمائے دین کا یہ اختلاف اگرچہ تحقیق حق کے سوا کسی چیز پر مبنی نہیں ہوتا لیکن اگر احساس ذمہ داری خوف خدا اور عدل موجود ہو تو اختلافات مضر صورت اختیار نہیں کرتے لیکن اگر اس عنصر کا فقدان ہو اور اختلافات کے ساتھ عناد، غصہ، خودغرضی، رشک وحسد، جماعت بندی یا سیاسی مصلحتوں کی آمیزش ہو جائے تو نیک مقاصد و منصوبے بھی خطرناک صورت اختیار کر لیتے ہیں اس اصول کے پیش نظر دونوں طرف سے رسہ کشی ہوئی

اور کفر کے فتوے لگائے گئے۔ یہ کفر کے فتوے خود عالم دین ایک دوسرے پر لگاتے رہے۔

ہم نے ان معمولی مسائل میں اپنی قیمتی توانائیاں صرف کردی ہیں اور اصول دین کا اصل میدان ہم نے دشمن کی یلغار کے لیے چھوڑ دیا ہے۔

محمد بن علوی ایسی صورتحال بیان کرتے ہیں:

''ہم مسلمانوں میں کتنے ہی ایسے جاہل موجود ہیں جو دین کے بارے میں انتشار و افتراق پیدا کرنے پر تلے ہوئے ہیں وہ آئمہ متقدمین میں عیب نکالتے ہیں فتنوں کی آگ بڑھکاتے ہیں اور علماء کی قدر کم کرتے ہیں ہر شے میں شر کے متلاشی، شیطان کے مطیع، مادیت کے پرستار اور مغرب وحکومت کے طالب ہوتے ہیں یہ عوام کی تشویش میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔''[۵۰]

اگر غور کیا جائے تو دیوبندی بریلوی اختلافات کا تعلق نہ ایمانیات سے ہے اور نہ ہی اعتقادات سے لہٰذا حرف آخر کے طور پر ہی کہا جاسکتا ہے کہ جب تک ان اختلافات کو جزئی اور فروعی نہ سمجھا گیا اس وقت تک آئندہ کی تلخیاں کسی طور پر کم نہیں ہوسکتیں۔

شیعہ سنی اختلافات:

شیعہ سنی اختلافات بھی بہت انتہا پسندی کی صورت اختیار کر چکے ہیں مثلاً نظریہ حیات، تحریف قرآن، صحابہ کرام سے بغض و عداوت وغیرہ۔ دونوں طرف سے ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگائے جارہے ہیں ماضی میں سپاہ صحابہ کی تنظیم تحریک جعفریہ کے ساتھ کشمکش پائی جاتی تھی جواب بھی جاری ہے سپاہ صحابہ کے سربراہ حق نواز جھنگوی بھی ۱۹۸۹ء میں خانپور میں خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''شیعت اسلام کا حصہ نہیں کفر ہے اس کا دور دور تک اسلام سے کوئی واسطہ نہیں''۔[۵۱]

دونوں طرف سے لڑائی میں کئی گناہ شہری ہلاک ہو چکے ہیں۔ ۷ جولائی ۱۹۹۴ء میں امامیہ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن اور تنظیم ناموس صحابہ کی لڑائی میں صلح کروانے کی خاطر آنے والی اسلامی جمعیت طلباء کے طالب علم جاوید اقبال بٹ کو گولی ماردی گئی جبکہ سات طلبہ اور دو یونیورسٹی ملازمین اس فائرنگ سے زخمی ہوئے بعد میں ان میں سے بھی دو طالب علم ہلاک ہوگئے یہ افسوسناک واقعہ پنجاب یونیورسٹی میں پیش آیا۔[۵۲]

شیعہ سنی اختلافات کے نتیجے میں صحابہ اکرام کے متعلق توہین آمیز لٹریچر شائع ہو رہا ہے۔ ہمارے ہاں شیعہ سنی اختلافات ہی کی بنا پر محرم کے آغاز میں مذہبی فضا میں تناؤ اور کھچاؤ آجاتا ہے شیعہ سنی فرقوں کے درمیان دھمکی آمیز بیانات کی یلغار ہو جاتی ہے۔ اہل تشیع اپنی عبادت گاہوں سے باہر نکل کر اہل سنت کی اکثریتی آبادی میں ماتمی جلوس نکالتے ہیں اور ایسی حرکات کرتے ہیں جو فسادات کا باعث بنتی ہیں مثلاً بعض مقامات پر اہل تشیع کسی عمارت کے جھنڈے اتارنے پر اصرار کرتے ہیں

کسی بورڈ کے جس پر صحابہ کرام کے نام لکھے ہوتے ہیں اتارے جانے کی ضد کرتے ہیں جس سے بعض اوقات اشتعال پیدا ہوتا ہے۔[۵۳]

شیعہ سنی اختلافات نے بھی حکومت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا یہاں تک کہ سقوط بغداد کی وجہ بھی خلیفہ بغداد کے شیعہ وزیر ابن علقمی کی غداری تھی اور اس غداری کی وجہ بغداد میں ہونے والا شیعہ سنی فساد تھا جس میں شیعوں کے ظلم وستم کی وجہ سے خلیفہ بغداد نے بہت سے شیعوں کو قتل کرا دیا ابن علقمی اس واقعہ سے اس قدر مشتعل ہوا کہ ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ کرنے کی دعوت دے ڈالی۔ عصر حاضر میں پاکستان میں جن فرقوں کے اختلافات نے مسلم معاشرے کو شدید نقصان سے دوچار کیا ہے اور انتہا پسندی کا شکار ہوئے ہیں یہی فرقے ہیں جو اوپر بیان کر دیئے گئے ہیں ان کے اختلافات اگرچہ جزئی اور فروعی ہیں لیکن اس کے باوجود ان میں شدید کشمکش پائی جاتی ہے۔ ان اختلافات کے نتیجہ میں کئی جانیں ضائع ہو چکی ہیں تمام مکاتب فکر غلو اور انتہا پسندی کا شکار ہیں۔ ہماری یہ حالت دیکھ کر ملت اسلامیہ کو تباہ و برباد کرنے کے خواہشمند دشمنان اسلام کے حوصلے بلند ہو رہے ہیں اور وہ ملت اسلامیہ میں مزید افتراق و انتشار پیدا کرنے میں مصروف ہو گئے ہیں۔

عبادات میں انتہا پسندی کی صورتیں

(i) تلاوت قرآن:

بہت زیادہ مقدار میں تلاوت کرنا اور اس میں بہت تیزی کا مظاہرہ کرنا بھی انتہا پسندی کی شکل ہے اس سے نہ حروف کی درست ادائیگی ہوتی ہے اور نہ ہی ترتیل وتثبیت کا درست خیال رکھا جاتا ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ:

"عن ابی مسلمه عن عبدالله بن عمرو قال قال رسول الله : اقراء القرآن فی کل شهر قال قلت انی اجد قوت قال فاقراه فی سبع ولا ترد علی ذلک"

''ابو مسلمہ نے عبداللہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن ختم کرو۔ ہر ماہ میں ایک بار میں نے کہا کہ مجھ میں قوت اور آپؐ نے فرمایا ختم کرو سات دن میں اور اس سے زیادہ قرآت نہ کرو''۔

اس کی ایک اور شکل رات میں مسجد کے منارہ پر چڑھ کر با آواز بلند یا سپیکر میں ایک یا دو پارہ کے قریب پڑھنا ایسے لوگ ریاکاری کے روبرو ہوتے ہیں اور دین میں غلو پیدا کرنیکا سبب بنتے ہیں شبینہ گویا تلاوت قرآن کا مقابلہ ہوتا ہے ایک قاری آتا ہے اور کچھ دیر تک تلاوت کرتا ہے اس کے بعد دوسرا آتا ہے اور پھر تیسرا لوگ تماشائیوں کی طرح بیٹھے ہر قاری کی قرأت پر تبصرہ کرتے رہتے ہیں کہ کس کی آواز اچھی ہے اور کسی کا ترنم زوردار ہے۔ اس طرح تلاوت کی غلو آمیز کثرت بھی انتہا پسندی ہی ہے۔

(ii) نماز میں انتہا پسندی کیسے؟

نماز میں غلو کی صورت اور انتہا پسندی یہ ہے کہ امام لمبی لمبی قرأت کرے حالانکہ آپؐ نے اس سے منع فرمایا ہے اسی طرح لمبے لمبے خطبے ارشاد فرمائے جاتے ہیں جو کہ غلو کے زمرے میں آتے ہیں۔ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ:

"عن عبداللہ بن جابر قال: کنت اصلی مع النبی ﷺ فکانت صلاته قصدا و خطبة قصداً"[۵۵]

حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتا تھا تو آپؐ کی نماز میانہ روی کی مثال ہوتی تھی اور آپؐ کا خطبہ اعتدال کا نمونہ ہوتا تھا"۔ یہی طریقہ نماز با جماعت میں اختیار کرنا چاہیئے کہ نہ بہت لمبی ہو اور نہ اتنی جلدی ادا کی جائے کہ خیال گزرے کہ سبحان اللہ بھی تین مرتبہ پڑھی یا نہیں یہ عبادت میں تفریط ہے افراط یہ ہے کہ امام صاحب سجدے میں ایسے گئے گویا سو گئے۔ آپ ﷺ نے اس طرز عمل کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے اور اسے فتنہ قرار دیا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل کی روایت کہ نماز کسان چھوڑ کر چلا گیا آپ ﷺ نے حضرت معاذ سے مخاطب ہو کر غصے میں فرمایا کہ:

"افتان انت یا معاذ! 'اے معاذ تم لوگوں کو فتنوں میں ڈالتے ہو۔ [۵۶]

(iii) مسلسل روزہ رکھنا:

اسلام میں مسلسل روزہ رکھنا اک انتہا پسند عمل ہے جس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص نہایت عابد و زاہد صحابی تھے انہوں نے یہ عہد کر لیا کہ ہمیشہ دن کو روزہ رکھیں گے اور رات بھر عبادت کریں گے ان سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ

"جو ہمیشہ روزے سے رہتا ہے گویا اس نے روزہ ہی نہیں رکھا اور نہ افطار کیا"۔ [۵۷]

- حدیث نبوی ﷺ ہے: **انہ لیس من البران تصوموا فی السفر و علیکم برخصة اللّٰہ التی رخص لکم فاقبلوھا**"[۵۸]

"سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی کا کام نہیں اور تمہارے لیے ضروری ہے کہ اللہ کی دی ہوئی رخصت سے فائدہ اٹھالو۔"

(iv) ذکر الٰہی:

اللہ تعالیٰ کو بذریعہ تسبیح و تہلیل یاد کرنا اس سلسلہ میں بہت سے غالیانہ اور بدعیہ اذکار دریافت کے لیے گئے ہیں نماز کے علاوہ شریعت نے ذکر تسبیح اور درود شریف وغیرہ اجتماعی طور پر پڑھنے کا حکم نہیں دیا بلکہ ہر شخص کو الگ الگ جو پڑھنا ہو پڑھے اب ان اذکار کو اجتماعی طور پر پڑھنا غلو ہے۔ [۵۹]

(v) اجتماعی دعا کا تصور:۔

دعا عبادات میں سے اہم عبادت ہے اس میں بھی اجتماعیت، جہر، تقلید و تخصیص شرح کی تعلیمات پر موقوف ہے۔ مروجہ اجتماعی دعا جو فرض نماز کے سلام کے بعد سنن و نوافل کے بعد اور اطعام و ضیافت کے بعد اور وعظ و نصیحت اور تعلیم و گشت اور نماز جنازہ اور دفن اور میت اور ختم قرآن کے بعد تعزیہ کے موقع پر حاجی لوگوں کے حج جانے کے موقع اور آنے کے موقع اور مجاہدین کو رخصت کرنے کے موقع اور تبلیغی جماعت کے الوداع کے موقع اور شادیوں اور غموں اور ولیمہ کے دعوت کھانے کے موقع

پر اور مریضوں کی عیادت کے موقع پر، نکاح بندی اور صلح بین الخصوم کے موقع پر، خیرات وصدقات مساکین کو دیتے ہوئے جو سب مل مل کر ہاتھ اٹھا اٹھا کر کرتے ہیں یہ طریقہ اس کیفیت و اجتماعیت خصوصاً علی الدوام نہ نبی اکرم ﷺ سے اور نہ صحابہ کرام سے اور نہ تبع وتابعین سے ثابت ہے نہ انہوں نے کسی کو اس کی ترغیب دی حالانکہ یہ سارے مواقع ان کی زندگی میں بار بار پیش آتے تھے کسی بھی موقع پر وہ دعا کے لیے اکٹھے نہ ہوتے تھے۔[۱۰]

معاملات میں انتہا پسندی کی صورت

(i) تبذیر واسراف:۔

معاملات میں غلو اور انتہا پسندی کی ایک شکل اسراف اور تبذیر ہے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات اعتدال پر مبنی ہیں اور ان میں افراط وتفریط کی طرف جھکاؤ نہیں پایا جاتا۔

''موجودہ دور میں اسراف وتبذیر اپنی انتہا کو پہنچ گیا ہے مسلمان جنہیں قرآن مجید نے سختی کے ساتھ اس برے عمل سے منع فرمایا ہے وہ اللہ کے حکم اور اسراف وتبذیر کے برے نتائج سے آنکھیں بند کر کے اندھا دھند تعیشات، نمود ونمائش، فخر وریا میں مال لٹا رہے ہیں، مذہبی تقریبات، نکاح شادی، ختنہ عقیقہ میں بے حد اسراف کیا جاتا ہے ان مذہبی طریقوں کے علاوہ ایسی غیر شرعی رسومات بھی خود گھڑ لی گئی ہیں جنہوں نے اسراف کے سینکڑوں دروازے کھول دیئے ہیں جن میں تھوڑا خرچ کیا جائے یا زیادہ، غیر شرعی طریقہ ہونے کی وجہ سے وہ تبذیر واسراف میں ہی شمار ہوتا ہے۔[۱۱]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً إِلَى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا''[۱۲]

مزید فرمایا ''وَالَّذِيْنَ إِذَآ أَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا''[۱۳]

رہبانیت:۔

اخلاق دراصل انسانوں کے باہمی تعلقات میں خوش نیتی اور اچھائی برتنے کا نام ہے یا یوں کہیے کہ ایک دوسرے پر جو انسانی فرائض عائد ہیں ان کو ادا کرنے کو کہتے ہیں اخلاق کی اسی حقیقت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اخلاق کے وجود کے لیے باہم انسانوں میں تعلقات اور وابستگی کا وجود ضروری ہے جو رہبانیت، تجرد اور جوگی پن میں نہیں پائی جاتی گوشہ نشینی نے مذہب میں اکثر نیکی اور دینداری کی بہترین شکل کی حیثیت حاصل کر لی ہے اسلام نے اپنے اصول اخلاق میں راہبانہ جوگیانہ اور مجردانہ زندگی کی ہمت افزائی نہیں کی ہے پورا قرآن انسانی جدوجہد اور انسانی مجمع کے ساتھ عمل صالح کی تعلیم سے بھرا پڑا ہے تجرد کا ایک اشارہ بھی قرآن میں موجود نہیں یہ معاملات میں غلو کی شکل ہے اور اسلام میں ممنوع ہے۔[۱۴]

''عن عائشه انا سامن اصحاب رسول الله ﷺ عن عمله فى السر فكانهم تقالوها..... الخ''[۱۵]

''لوگوں نے حضرت عائشہ سے دریافت کیا کہ آپؐ گھر کی تنہائیوں میں کیا کرتے ہیں پھر ازواج مطہرات کا جواب

سن کر ان لوگوں نے آپؐ کے عمل کو قلیل سمجھا پھر ان لوگوں میں سے کسی نے کہا میں گوشت نہیں کھاؤں گا کسی نے کہا میں شادی نہیں کروں گا کسی نے کہا میں کبھی بستر پر نہیں سوؤں گا پھر جب آنحضرت ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ کیا بات ہے کچھ لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں حالانکہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور شادیاں بھی کرتا ہوں پس جو شخص میری سنت کو پسند نہیں کرتا وہ مجھ میں سے نہیں ہے"۔

پس انتہا پسندی اور غلو خواہ وہ عقاید میں ہو، عبادات میں یا معاملات و اخلاق میں، ناپسندیدہ ہے اور اسلام کے مزاج اعتدال کے سراسر منافی ہے لہٰذا اس سے بچنا از حد ضروری ہے۔

(iii) معاملہء تکفیر:

انتہا پسندی کا ایک انتہائی رخ یہ ہے کہ جب انسان دوسروں کو خطا کار مان کر ان کی جان و مال کو مباح قرار دیتا ہے اس کی نگاہ میں دوسروں کے لیے نہ کوئی حرمت ہوتی ہے نہ کوئی لحاظ اس کیفیت کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب تکفیر کا سیلاب برپا کیا جاتا ہے عام لوگوں پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ لوگ تو اسلام سے نکل گئے یا اسلام میں سچے دل سے داخل ہی نہیں ہوئے۔

"پھر کیا وجہ ہے کہ ہمارے ہاں آئے دن ایک فرقہ دوسرے فرقے کی تکفیر کرتا رہتا ہے ایک دوسرے پر تبرئی کرتا ہے اور برا بھلا کہتا ہے جائزہ لیا جائے تو اس طرز عمل کے پیچھے تین بنیادی عناصر کارفرما نظر آتے ہیں۔

اول: خود اپنے بنیادی عقیدے اور دوسرے فرقے کے عقیدے کے بارے میں معلومات کی کمی اور غیر مصدقہ معلومات پر بھروسہ کرنا۔

دوم: ہر فارغ التحصیل بلکہ طالب علم کا اپنے آپ کو مقام افتاء و قضا پر بٹھا دینا۔ نتیجتاً وہ ایسے بہت سے معاملات میں جن میں فیصلے کا حق صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو حاصل ہے بلا کسی تردد کے اپنا فتوئ جاری کر دیتا ہے وہ یہ بھول جاتا ہے کہ آخر حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک جلیل القدر صحابی کو مخاطب کرتے ہوئے یہ بات کیوں فرمائی تھی کہ کیا تم نے فلاں شخص کو قتل کرنے سے قبل اس کے دل کو چیر کر دیکھ لیا تھا کہ اس میں ایمان تھا یا نہیں؟

سوم: معلوم یہ ہوتا ہے کہ شاید اپنے بین الانسانی تعلقات کو بھی اپنی سیاسی وابستگیوں کے تابع کر دیا گیا ہے اور جب کسی مسلک کے ماننے والوں کا کسی لادینی جماعت کے ساتھ اتحاد ہو جاتا ہے تو وہ اپنے مسلکی اختلافات کو سیاسی وابستگی کی روشنی میں دیکھتے ہیں اگر اس سے آگے بڑھ کر کہا جائے کہ ہمارے ہی مسلکی تشدد عموماً سیاسی عناصر کے مفادات کی روشنی میں ہوتا ہے تو غلط نہ ہوگا۔ [۶۷]

آپ ﷺ نے واضح فرمایا:

"جس نے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہہ کر پکارا تو یہ تہمت دونوں میں سے کسی ایک کی طرف لوٹ آئیگی جسے کافر کہا گیا ہے"۔ [۶۸]

اگر یقینی طور پر وہ کافر نہیں ہے تو یہ تہمت کہنے والے پر لوٹ آئے گی اور اسی پر چسپاں ہو کر رہ جائے گی۔

مذہبی انتہا پسندی کے اسباب

اس عالم آب و گل میں کوئی چیز بغیر سبب کے نہیں ہوئی اس کے پیچھے کچھ اسباب و محرکات ہیں کوئی سبب بغیر سبب کے پیدا نہیں ہوتا اللہ کا یہی قانون اس کائنات میں جاری و ساری ہے ایسی حالت میں سبب کا جاننا بہت اہمیت رکھتا ہے اب ہم ان اسباب و محرکات کا جائزہ لیتے ہیں جنہوں نے دین میں انتہا پسندی اور غلو کو اس منزل پر پہنچایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس انتہا پسندی کا کوئی ایک سبب نہیں ہے بلکہ لا تعدد انواع و اسباب ہیں۔ ان میں سے کچھ اسباب دینی ہیں کچھ سیاسی، کچھ سماجی ، اقتصادی ہیں، کچھ نفسیاتی اور کچھ صفات و اسباب ایسے ہیں جنہیں ان سب کا مرکب قرار دیا جا سکتا ہے یہ اسباب مندرجہ ذیل ہیں:۔

(i) دینی بصیرت کا نہ ہونا:۔

دینی بے بصیرتی، حکمت دین اور مقاصد کے سلسلے میں بے بضاعتی اور روح دین سے دوری، غلو اور انتہا پسندی کے بنیادی اسباب ہیں لیکن اس سے مراد دین سے مکمل بے خبری نہیں ہے مکمل بے خبری اور جہل مطلق سے انتہا پسندی کا جذبہ ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس سے اخلاقی گراوٹ اور شریعت سے آزادی کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے۔

یہی لوگ اصل میں دین میں شدت اور انتہا پسندی پیدا کرنے والے ہیں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حدیث میں وارد ہوا ہے کہ:

"لایقبض اللّٰہ العم انتزاعا ینتزعه من الناس ولکن یقبض العماء حتی اذا لم یبق العلم اتخذ الناس روسا جهالا فسئلو افافتوا بغیر" [۱۸]

"لوگوں پر دشواریاں علماء کی طرف سے نہیں آئیں گی بلکہ ان لوگوں کی طرف سے آئیں گی جو علم کے بغیر فتویٰ دینگے یہی لوگ عوام کے لیے مصیبت بنیں گے۔"

"جب ناقص اور ادھورے علم کے ساتھ خود پسندی اور فریب نفس بھی شامل ہو جائے وہ اس جہل مطلق سے زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے جس میں جہل کا اعتراف بھی پایا جاتا ہے"۔ [۱۹]

(ii) قرآن فہمی میں کمی:

قرآن فہمی میں کمی ایسا اہم اور بنیادی سبب ہے جو کہ فہم دین کے سلسلے میں انتہا پسندی اور انحراف کا باعث ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کی اتباع میں لگے رہتے ہیں جبکہ یہ شیوہ راسخین فی العلم کا نہیں ہوتا بلکہ ان لوگوں کا طریقہ جن کے دلوں میں ٹیڑھ پائی جاتی ہے۔

"فیتبعون ماتشابه منه ابتغاء الفتنة تاویله" [۲۰]

غالی اور بدعتی حضرات قدیم زمانے سے متشابہات کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ اسی سے اپنی جھولی بھرتے ہیں اور اسی کو اپنا

اثاثہ بناتے ہیں محکمات سے اعراض کرتے ہیں جبکہ محکمات ہی قول فیصل کی حیثیت رکھتے ہیں۔آج کے دور کے غالیوں کا بھی یہی اسلوب ہے کہ وہ بھی اہم ترین مسائل کے سلسلے میں متشابہات ہی کو بنیاد بنا کر سخت ترین نتائج کا استخراج کرتے ہیں۔اسی بنیاد پر افراد اور جماعتوں کے صحیح اور غلط ہونے کا حکم لگاتے ہیں اور اسی سے تعلقات کی نوعیت متعین کرتے ہیں اور اسی کی بنیاد پر یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ کون مسلمان ہے اور اس سے تعلق قائم کیا جاسکتا ہے کہ نہیں اور کون خدا کا منکر ہے اور اس سے جنگ کی جائے یہی وہ غلطی ہے جس میں آج کے دور کے تکفیر کے داعی پڑھے ہوئے ہیں اور ماضی میں اسی غلطی کا ارتکاب خوارج نے کیا۔حضور ﷺ نے خوارج کے بارے میں فرمایا کہ:

''یقرؤن القران ولا یحاوز تراقیھم'' [۱۹]

''وہ لوگ قرآن پڑھتے تو ہیں لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا''

(iii) عوام کی جہالت کے باعث مذہبی انتہا پسندی

انتہا پسندی کا ایک بہت بڑا سبب عوام کی جہالت و ناخواندگی ہے ہماری عوام کی اکثریت ان پڑھ اور جاہل ہے اور نہ ہی دین کا صحیح شعور رکھتی ہے اس کے باعث عوام الناس بہت سے ایسے امور انجام دیتے ہیں جنہیں وہ عین دین سمجھ کر کرتے ہیں مگر وہ دین کی عین ضد ہیں۔

(iv) فرقہ پرستی اور مذہبی انتہا پسندی:

''فرقہ بندی جس چیز کا نام ہے وہ یہ ہے کہ فروع کے اختلافات کو اہمیت دے کر اصولی اختلاف بنا دیا جائے اور اس میں اتنا غلو کیا جائے کہ اس پر ایک گروہ بنے اور ہر گز وہ اپنے مسلک کو بمنزلہ دین قرار دے کر دوسرے گروہوں کی تکفیر و تذلیل کرنے لگے۔اپنی نمازیں اور مسجد الگ کرلے حتیٰ کہ اصل دین کے کام میں بھی دوسرے گروہوں کے ساتھ اس کا تعاون ناممکن ہو جائے۔'' [۲۰]

ہمارا مذہبی طبقہ دنیوی مفادات کے حصول کے لیے لوگوں کو الگ الگ گروہوں میں تقسیم کئے رکھتا ہے۔تاکہ اس کی دنیوی جاہ میں کوئی کمی واقع نہ ہو۔

(v) فروعی احکام کے مراتب بیان کرنے میں افراط:

اسلامی شریعت میں عقائد اور بنیادی تعلیمات اصل کی حیثیت رکھتے ہیں اور کچھ آداب زندگی، اعمال و معاملات فروع کی حیثیت رکھتے ہیں آج لوگ ان فروعی مسائل کو بنیاد بنا کر ایک دوسرے سے الجھے ہوئے ہیں۔اپنا سارا وقت ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو تسلیم کروانے میں لگا دیتے ہیں اور بنیادی فرائض سے پہلو تہی برتتے ہیں۔ان فروعی مسائل میں اس حد تک انتہا پسندی کا رویہ اختیار کرتے ہیں کہ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں۔

اسی طرح کچھ لوگوں نے نوافل کا فرائض اور واجبات سے زیادہ احترام کیا ہے۔مثلاً بہت سے متاخرین صوفیہ کے ہاں

اذکار اور تسابیح کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے لیکن یہ اہتمام بہت سے اجتماعی فرائض مثلاً انکار منکر اور اجتماعی و سیاسی ظلم کے مقابلہ کے سلسلہ میں نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح انفرادی عبادات مثلاً نماز ذکر کا اہتمام ان اجتماعی، عبادات سے زیادہ کیا گیا جن کا فائدہ دوسروں تک پہنچتا ہے مثلاً جہاد، فقہ، نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرنا وغیرہ لوگوں نے فروعی اعمال کا زیادہ اہتمام کیا اور اسلام کی بنیادی باتوں، عقیدہ، ایمان، توحید اور اخلاص سے غفلت اور بے توجہی برتی۔

(vi) اندھی تقلید کے باعث انتہا پسند رویہ:

''بعض معتقدات و رسومات آباء و اجداد سے متوارث چلی آرہی ہیں انسان انہیں اس قدر مقدس اور متبرک خیال کرتا ہے کہ انہیں دل کی انتہائی گہرائیوں میں جگہ دے دیتا ہے حالانکہ ان کے خلاف اللہ کے کھلے کھلے احکامات موجود ہوتے ہیں۔ انسان انہیں تنقید کی حد سے بالاتر خیال کرتا ہوا کبھی اتنا سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ ذرا احکام خداوندی کی روشنی میں انہیں پرکھ کر دیکھ تو لے''۔ [۳]

سورۃ الاعراف میں ہے کہ:

''وَإِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَ نَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ط قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ط اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ'' [۴]

''اور جب کوئی برا کام کرتے ہیں ہم نے اپنے آباء و اجداد کو اسی طرح کرتے پایا اور اللہ نے بھی ہم کو یہ حکم کیا ہے تو کہہ دے کہ اللہ برے کام کا حکم نہیں کرتا۔ اللہ کے ذمہ وہ باتیں کیوں لگاتے ہو جو تمہیں معلوم نہیں''۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

''اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' [۵]

(vii) شخصی رجحان کی بناء پر مذہبی انتہا پسندی:

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ دین کے معاملہ میں لوگوں کے رجحان میں فرق پایا جاتا ہے کچھ لوگوں کے نزدیک آسانی اور نرمی کا رویہ پسندیدہ ہوتا ہے تو کچھ لوگوں کا رجحان سختی اور شدت پسندی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ ایسی صورتحال کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان کا علم کتابوں کے ذاتی مطالعہ تک محدود ہوتا ہے جہاں غور و فکر، بحث و مباحثہ، اخذ و رد اور تحلیل و تجزیہ کا کوئی موقع نہیں ہوتا۔ ان لوگوں نے خود ہی ایک چیز پڑھی اور سمجھی اور اسی سے استنباط کرنے لگے پس کچھ دین دار حضرات اپنے دینی جوش اور شدت احساس کے باعث بعض دوسرے مسلمانوں کو بے دین قرار دینے میں جلد بازی سے کام لیتے ہیں اور ان کے تئیں سختی اور دشمنی کا رویہ اپناتے ہیں۔

(viii) علمائے سوء کے باعث انتہا پسندی:

بعض پیشہ ور علماء حاکموں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے خلاف فیصلے کرتے ہیں ان کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔ ان کی یہ روش دین میں غالیانہ تصورات کو جنم دیتی ہے۔

''وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ط اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ'' [۶]

''بکثرت لوگوں کا یہ حال ہے کہ علم کے بغیر محض اپنی خواہشات کی بناء پر گمراہ کن باتیں کہتے ہیں ان حد سے گزرنے والوں کو تمہارا رب خوب جانتا ہے''۔

لہٰذا عوام الناس کو مخالف شریعت غالی و متعصب علماء سے خبردار رہنا چاہیے۔

مذہبی انتہا پسندی کا ممکنہ حل۔۔۔تجاویز

''یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ''[۷۷]

اس غلو اور انتہا پسندی کی قرآن نے وجہ بیان کی ہے:

''وَ مَا اخْتَلَفَ فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ''[۷۸]

''اور ان لوگوں نے اختلاف نہیں کیا مگر وہ لوگ جن کو کھلی کھلی ہدایت آچکی تھی اس کے باوجود حق اور ہدایت کو چھوڑ کر اس لیے اختلاف کیا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑا اور زیادہ کرنا چاہتے تھے۔''

مذہبی انتہا پسندی کے مسلکی اثرات سے امت مسلمہ کو بچانے کے لیے ہم ذیل میں چند تجاویز پیش کرتے ہیں ان تجاویز پر اگر خلوص دل سے عمل کیا جائے تو بہت حد تک اس زہر کو کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔

رواداری:

رواداری انتہا پسندی کے خاتمہ کے لیے نہایت موثر ثابت ہو سکتی ہے اسلام تو غیر مسلموں کے ساتھ بھی رواداری کا درس دیتا ہے۔

''وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ''[۷۹]

''عن عبداللہ بن عمر وقال قال رسول اللہ ﷺ ان من اکبر الکبائر ان تلعن الرجل والدیہ قیل یا رسول اللہ و کیف عین الرجل والدیہ قال یسب الرجل اباالرجل فیسب اباہ ویسب امہ فیسب امہ''[۸۰]

''حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ آنحضورؐ نے فرمایا بڑے سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اپنے ماں باپ کو کون گالی دے گا آپؐ نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے شخص کے باپ کو گالی دے وہ اس کے باپ کو گالی دے دوسرے کی ماں کو گالی دے وہ اس کی ماں کو گالی دے''۔

اسوہ حسنہ ﷺ سے رواداری کی مثالیں:

خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد حجر اسود کو اپنی جگہ نسب کرنیکا معاملہ ہے ہر قبیلہ اپنا حق مقدم سمجھتا ہے نزاعی صورتحال ہے جس کے نتائج سخت خوفناک محسوس ہوتے ہیں توجہ فرمایئے کہ داعی امن واخوت کا کیا عمل ہے کسی انتہا پسندی سے کام نہیں لیا بات محبت واخوت کی تھی۔ دلوں کو جوڑنے کی تھی جنگ وجدال کی بجائے امن وآشتی کی تھی آپ نے چادر زمین پر بچھائی اور اس میں حجر اسود

76504

رکھا اور تمام قبائل کو چادر پکڑنے کو فرمایا اور خود اقدس مبارک سے پتھر نصب کر دیا۔[۸۱]

☆۔کفار کے ظلم وستم کے مقابلہ میں طاقت سے جواب دینے کی بجائے قیام وامن سے حبشہ ہجرت کرنیکا حکم دیا۔

☆۔قریش کے قطع تعلق کا جواب قطع تعلق سے نہیں دیا بلکہ امن وامان کی خاطر شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے۔

☆۔سفر طائف میں آپ کی دعوت پر لبیک کہنے کی بجائے وہ لوگ آپ کی ایزارسانی کا سبب بنے تو آپ نے امن و عافیت کی دعا کی۔

☆۔سفر ہجرت کے دوران سراقہ بن مالک جشعم نے تعاقب کیا تو اس کو بھی پروانہ امن لکھ دیا۔

☆۔یثاق مدینہ میں نہایت مصالحت پسندی سے تمام اقوام کے حقوق کی پاسداری کا خیال رکھا۔

☆۔اہل نجران کے عیسائیوں سے جو شرائط طے کی تھیں ان میں ان کے جان، مال، عبادت گاہوں کو تحفظ دیا۔[۸۲]

☆۔صلح حدیبیہ کے موقع پر آپؐ نے امن قائم کرنے کی خاطر اپنے نام کیساتھ رسول اللہؐ نہ لکھنے کی بھی اجازت دے دی۔

☆۔فتح مکہ کے موقع پر ''لا تثریب علیکم الیوم'' فرما کر دائمی امن واخوت کی عملی مثال قائم کردی۔

☆۔حجتہ الوداع کے موقع پر ان تمام رسموں کو ختم کرنیکا اعلان کر دیا جو امن واخوت کو درہم برہم کرنے اور معاشرے کی تباہی کا سبب تھیں۔[۸۳]

ہماراالمیہ ہے کہ آج ہم نے ان بینظیر نمونوں کو پس پشت ڈال دیا ہے اور افراط وتفریط کا شکار ہو گئے ہیں۔

(ii) تمسک بالسنہ اتباع نبوی ﷺ:

ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ جن بنیادوں پر قرآن نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہمیں اپنا تعلق استوار کرنے کی ہدایت کی ہے ہم وہ بنیادیں اپنائیں آپ ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں بلکہ اس ایمان کی اصل روح آپ کی ذات پر سچا اور پکا اعتماد ہے اور خدا کی معرفت کا جو طریقہ آپؐ نے بتایا اور سکھایا ہے اس سے بڑھ کر نہ کوئی اور طریقہ ہوسکتا ہے نہ ہی ہے ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے عرض کی ''یارسول اللہ ﷺ ہم کبھی کبھی یہود سے ایسی باتیں سنتے ہیں بڑی اچھی معلوم ہوتی ہیں کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ ہم ان میں سے بعض باتیں نوٹ کرلیا کریں آپؐ نے فرمایا ''جس طرح یہود ونصاریٰ اپنے دین کے بارے میں حیرانیوں میں پڑ گئے اسی طرح تم بھی پڑنا چاہتے ہو میں نے تمہارے سامنے اللہ کا دین بالکل روشن اور شفاف صورت میں رکھا ہے اگر آج موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو ان کے لیے بھی میری پیروی کے سوا چارہ کار نہ تھا''۔[۸۴]

دوسری شرط آپ ﷺ کی کامل اطاعت ہے زندگی کے معاملات میں جو احکام و ہدایت آپؐ نے دیں اس کی بے چون وچرا تکمیل کی جائے قرآن میں آتا ہے کہ: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَکُمْ''[۸۵]

یہ اطاعت محض ظاہری یا رسمی قسم کی معلوم ومطلوب نہیں ہے، بلکہ ضروری ہے کہ آدمی پورے طور پر اپنے آپ کو خدا کی کتاب وسنت کے فیصلوں کو دل کے پورے اطمینان کے ساتھ قبول کیا جائے اور ان کے خلاف دل کے اندر کسی قسم کی بدگمانی اور

شک نہ رہے۔[۸۶]

(iii) قرآن وسنت کا درست مطالعہ اور علوم قرآن سے واقفیت:۔

''ایک مسلمان کے لیے سب سے اہم چیز یہ ہے کہ وہ قرآن کو ایک اعلیٰ اور برتر کلام مان کر ہر کسی کو اسی حیثیت سے سمجھنے کی کوشش کرے جو قرآن کے ماننے والے ہیں ان میں بہت سے لوگ اس کو محض حلال وحرام کے بتلانے کا فقہی ضابطہ سمجھتے ہیں۔علم باطن کے اسرار وحقائق ان کے نزدیک کشف ومشاہدہ سے حاصل ہوتے ہیں بہت سے لوگ اس کو محض اچھی نصیحتوں کا مجموعہ سمجھتے ہیں۔ بہت سے لوگ اس کو نزع کی سختیوں کے دور کرنے اور ایصال ثواب کی کتاب سمجھتے ہیں بہت سے لوگ اس کو دفع آفات وبلیات کا تعویز سمجھتے ہیں۔جس طرح عیسائی دل کی جانب والے جیب میں انجیل رکھے پھرتے ہیں اسی طرح اس خیال کے مسلمان جب گھر سے نکلتے ہیں تو جیب میں قرآن رکھ کے نکلتے ہیں۔اسی طرح کی غلط فہمیوں میں پڑے ہوئے مسلمان ناممکن ہے کہ قرآن حکیم سے وہ فائدہ اٹھا سکیں جس کے لیے وہ فی الحقیقت نازل ہوا۔''[۸۷]

''اہم چیز یہ ہے کہ انسان کے اندر قرآن مجید کے تقاضوں کے مطابق اپنے ظاہر وباطن کو بدلنے کا مضبوط ارادہ ہو قرآن کے گہرے مطالعہ سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ قرآن کے تقاضے اور مطالبے اس کی اپنی خواہشوں اور چاہتوں سے بالکل مختلف ہیں۔ وہ دیکھتا ہے کہ اس کے نظریات بھی قرآن سے بیشتر الگ ہیں اس کے معاملات وتعلقات بھی قرآن کے مقرر کردہ حدود سے بالکل ہٹے ہوئے ہیں وہ اپنے باطن کو بھی قرآن سے دور پاتا ہے اور اپنے ظاہر کو بھی اس سے بالکل منحرف محسوس کرتا ہے۔''[۸۸]

''حق مومن کو یہ عہد کرنا چاہیے کہ خواہ کچھ ہو میں اپنے آپ کو قرآن کے تقاضوں کے مطابق بنا کے رہوں گا اور وہ ہر قسم کی قربانیاں دے کر ہر طرح کے مصائب جھیل کر ہر طرح کی ناگواریاں برداشت کر کے اپنے آپ کو قرآن کے مطابق بنانے کی کوشش کرتا ہے۔پس ضروری ہے کہ قرآن کو تدبر کے ساتھ پڑھا جائے۔

(iv) قرآن سے غلط طرز استدلال سے اجتناب:

اسی طرح قرآن کی آیات کی غلط تاویلات سے اجتناب برتنا چاہیے اور چاہیے کہ آیات کو ان کے اصل مقام سے ہٹانے اور ان میں کجی پیدا کرنے سے باز رہے۔ بسا اوقات لوگ اپنے طبعی رجحان کی وجہ سے کسی نظریہ مسلک یا مکتب فکر کو پسند کرتے ہیں پھر اس کی تائید میں نصوص تراشتے ہیں آدمی پہلے تو ایک رائے قائم کر لیتا ہے پھر اس کے حق میں دلیلیں تلاش کرتا ہے حالانکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے دلائل کو دیکھے پھر اس کے بعد کوئی رائے قائم کرے۔''دینی نصوص کے ٹکڑے کر دینا، ایک کو دوسرے سے کاٹ دینا اور ایک موضوع سے متعلق تمام چیزوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر نہ دیکھنا غلط طریقہ ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ کسی بھی مسئلہ سے متعلق جتنے بھی نصوص آئے ہوں ان سب کو پیش نظر رکھا جائے ایک دوسرے کو ساتھ ملا کر دیکھا جائے اور اس پورے مجموعہ نصوص کو سامنے رکھ کر ہی منشاء ومراد کو سمجھنا چاہیے۔''

اسی طرح متشابہات کی پیروی سے اعراض برتنا چاہیے۔

(v) حدود کا لحاظ:

اللہ تعالیٰ نے حلال و حرام کی حدود کو واضح کر دیا ہے اب کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرائے لیکن ہمارے ہاں یہ بیماری بکثرت پیدا ہو چکی کہ جن امور کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں ٹھہرایا ان کو حرام قرار دیا جا رہا ہے اور جن امور کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار نہیں دیا ان کو فرض کا درجہ دیا جا رہا ہے۔ جس کی وجہ سے انتہا پسندی کے رجحانات غالب ہیں بعض اہم کو غیر اہم قرار دیا جاتا ہے اور بعض کی ادائیگی پر کافر قرار دیا جاتا ہے۔ اس انتہا پسندی کی روش سے نجات تو ممکن ہے اگر ہر مسلک مقلدین، غیر مقلدین، دیو بندی، بریلوی، شیعہ، سنی تمام فریق اعتدال و توازن سے کام لیں۔ حرام کو حلال اور مومن کو کافر قرار نہ دیں۔

(vi) کفر و شرک کے فتوؤں سے گریز:

ارشاد نبویؐ ہے: ''کل مولود یولد علی الفطرت''[۸۹]

اس حدیث کے مطابق کسی آدمی کو کافر مشرک قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ اس کے کافر ہونے پر واضح دلیل نہ ہو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس حدیث کے مطابق کسی آدمی کو کافر و مشرک قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ اس کے کافر ہونے پر واضح دلیل نہ ہو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو کسی کو کافر کہتا ہے اگر وہ واقعی کافر ہے تو ٹھیک ورنہ کہنے والے کا قول اس کی اپنی طرف لوٹ جاتا ہے۔''[۹۰]

لہٰذا اگر کوئی مسلمان خواہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتا ہو اگر اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے صحابہ کرام کی شان میں گستاخی نہیں کرتا قرآن مجید کو حق مانتا ہے آخرت پر یقین رکھتا ہے تو وہ ہمارا بھائی ہے اور اگر وہ شرک کرے، رسول ﷺ یا صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرے تو وہ ہمارا دشمن ہے بشرطیکہ اس کے کفریہ شرکیہ کلمات ہم نے اپنے کانوں سے سنے ہوں یا اس کے متعلق کوئی واضح شہادت ہو محض وہم و گمان کی بناء پر کسی کو کافر قرار دینا انتہا پسندی کی آگ کو مزید ہوا دینا ہے۔

(vii) تفرقہ و انتشار پھیلانے والوں سے قطع تعلق:

جو دین میں فتنہ و انتشار برپا کرتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کو حکم فرمایا:

''اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ''[۹۱]

جس طرح اللہ نے اپنے محبوب ﷺ سے فرمایا کہ فتنہ پھیلانے والوں سے کوئی واسطہ نہ رکھیں ایسے ہی ہمیں بھی ایسے فرقہ پرست لوگوں کو مساجد کی اماموں اور مدارس کی نظامتوں سے الگ کر دینا چاہیے اگر ہم ان اسلام کے دشمنوں کی سریلی آوازوں اور لچھے دار تقریروں سے لطف اندوز ہونے کے لیے ان کو ہزاروں روپے نذرانے دیکر اپنے جلسوں میں بلوائیں اور یہ امت میں فتنہ اور انتہا پسندی کے جذبات کو فروغ دیں تو یہ ہماری حماقت ہوگی۔

(viii) علماء کے باہمی روابط:

انتہا پسندی اور جماعت کا ایک سبب علماء کے درمیان رابطہ ہے مختلف مکاتب فکر کے علماء کرام ایک دوسرے سے بات کرنا تو درکنار ایک دوسرے کا نام سننا بھی گوارا نہیں کرتے اور اس وجہ سے عوام میں بھی غلط قسم کے جذبات ورجحانات ابھرتے ہیں اگر مختلف مکاتب فکر کے علماء آپس میں رابطہ رکھیں تو یہ کیفیت ختم ہوسکتی ہے اگرچہ ''رابطہ اسلامی'' ایک ایسی تنظیم پہلے ہی موجود ہیں لیکن اس میں وسعت کی ضرورت ہے اگر اس میں تمام مسالک کے ہر مکتب فکر کے علماء کو مساوی نمائندگی دی جائے اور اس کی ذیلی شاخیں تمام اسلامی ممالک میں قائم کی جائیں تو علماء کے آپس مل بیٹھنے کی صورت ہوسکتی ہے یہی ایک وہ واحد طریقہ ہے جس سے باہمی غلط فہمیاں دور ہوسکتی ہیں وقت کی سب سے اہم ضرورت آپس میں رابطہ وضبط پیدا کرنا ہے۔

(ix) دشواریوں سے اعراض۔ آسانیوں کی طرف رغبت:

ہمیں سختی سے اپنے آپ کو الگ کرلینا چاہیے اور اعتدال اور میانہ روی کے پہلو کو اپنانا چاہیے ایک مسلمان کسی ایک مسئلہ میں یا جملہ مسائل میں اپنے لیے وہ پہلو اپنائے جس میں زیادہ احتیاط اور آسانی پائی جاتی ہے لیکن اگر وہ ہمیشہ کے لیے ہی ''زیادہ احتیاط'' کا راستہ اپنائے اور آسانی کی راہ بالکل چھوڑ دے تو دین احتیاطی مشکلات کا مجموعہ ہوکر رہ جائے گا جس میں صرف شدت اور سختی پائی جائے گی لیکن اللہ بندوں کے لیے وسعت اور آسانی چاہتا ہے۔

کسی عبادت کے لیے ایسی کسی چیز کو شرط قرار نہ دیا جائے جس کی ادائیگی میں دشواری ہو شریعت میں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنیکا حکم لازمی اس لیے قرار نہیں دیا گیا۔

''لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواک عند کل صلوۃ''[٩٢]

اگر کسی دشواری کا حکم دیا جائے تو پھر اس میں تدریج کا خیال رکھا جائے۔

طبعی میلان اور تنفر کا خیال رکھا جائے اسلام میں غلام، نابینا، مجہول النسب کی امامت کی حرمت کا حکم اسی لیے ہے۔

(x) فقہی مسائل میں اعتدال کی راہ:

اس سلسلے میں اہم پہلو یہ ہے کہ ایک تو الفاظ حدیث کا تتبع کیا جائے دوسرا یہ کہ فقہاء کے اصول کو سامنے رکھ کر مسائل کا استنباط کیا جائے شرعاً ان دونوں اصولوں کی اہمیت مسلم ہے ہر دور کے فقہا محققین کا یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ ان دونوں اصلوں کا لحاظ رکھتے تھے ''یعنی حق کا مرکز افراط وتفریط کے بیچ میں ہے جو اہل حدیث ہیں انہیں چاہیے کہ اپنے اختیار کردہ مسلک کو مجتہدین سلف کی رایوں پر پیش کرلیا کریں اسی طرح جو اہل تخریج ہیں اور مجتہدین کے اصول پر مسائل کا استنباط کیا کرتے ہیں انہیں بھی چاہیئے کہ حتیٰ الوسع اور صریح نصوص کو اپنے اصول اور رائے پر قربان نہ کریں اور نہ ایسا طریقہ اختیار کریں کہ فرمودہ نبوی ﷺ کی صریح مخالفت کا بار انہیں اٹھانا پڑے۔[٩٣]

اگر امت مسلمہ غلو سے اپنے قوائے فکریہ کو آزاد کر لے اور اپنی آنکھوں پر سے تعصب کے پردے ہٹا کر اصل تصویر دیکھنے لگے تو بہت سے لفظی نزاعات ختم ہو جائیں اور مذہبی اختلافات کی شور انگیز فضا کسی قدر امن وسکون کی خوش گواریوں میں بدل جائے''۔[۹۴]

(xi) قومی ابلاغہ عامہ:

قومی ابلاغ عامہ کی ذمہ داری بھی اس سلسلے میں غیر معمولی طور پر اہم ہے حکومتی ابلاغ عامہ ملک کے بڑے اور چھوٹے تمام نمائندہ علماء کو یکے بعد دیگرے ٹی وی پر بلا کر خود ان سے براہ راست اس مسئلے کا حل دریافت کریں اور معروضیت وکشادگی کے ساتھ ان کی آراء کو بغیر کسی ترمیم کے نشر کریں یہ سمجھنا کہ اس طرح کشیدگی بڑھ جائے گی بے بنیاد و اہم ہے اخبارات، ریڈیو، لٹریچر، پمفلٹ اور علمی وتحقیقی مجلات میں علماء کو انتہا پسندی کے برے نتائج سے آگاہ کیا جائے اور ان کو بتایا جائے کہ یہ ان کی ملت اور ملک کے لیے بہت بڑا زہر قاتل ہے۔

(xii) مسلمانوں سے حسن ظن:

ہمیں چاہیے کہ مسلمانوں سے حسن ظن کو مقدم رکھیں آنکھوں سے تشدد کی سیاہ عینک اتار کر دیکھیں اور یہ فرض کر لیں کہ اللہ کے بندوں میں بھلائی ہے اور یہ جان لیں کہ انسان پیدائشی مجرم اور گنہگار نہیں ہے۔ یہی اصل اور بنیاد ہے اور اس طرح مسلمانوں کے حالات و واقعات کو بھلائی پر محمول کرنا چاہیے''لوگوں کے ساتھ معاملات میں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ یہ لوگ زمین پر بسنے والے انسان ہیں۔ پروں والے فرشتے نہیں ہیں اور نہ ان کی تخلیق نور سے ہوئی ہے پھر ایسی حالت میں تعجب نہیں ہے کہ لوگ ٹھوکر کھائیں اور پھر اٹھ جائیں غلطی کریں اور پھر راہ راست پر آجائیں''۔[۹۵]

اس سلسلے میں آپؐ کا اسوہ یہ تھا کہ ایک قریشی نے آپؐ سے زنا کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا اور اس کے تئیں حسن ظن رکھا اس کے باطن میں نیکی کا جذبہ پوشیدہ ہے پس ہمیں بھی لوگوں سے معاملات کرتے ہوئے اور ان کو دین کی تعلیم دیتے ہوئے تشدد وتعمق سے اعراض کرنا چاہیے اسی بات کی اسلامی شریعت متقاضی ہے۔

(xiii) شہرت پسندی سے اعراض:

غلو کا ایک اہم ترین سبب یہ ہے کہ انسان چاہتا ہے کہ اس کے ہر نیک کام کا چرچا ہو اس سے بچنا بہت ضروری ہے۔
حدیث نبوی ﷺ ہے کہ:

''عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعوذوا باللہ من جب الحزن قالوا یا رسول اللہ وما جب الحزن، قال وادفی جھنم یتعوذ منہ جھنم کل یوم اربع منۃ:قیل یا رسول اللہ ومن یدخلھا قال القراء المرائون باعمالھم''[۹۶]

''ابو ھریرہ کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگ جب الحزن سے پناہ مانگو لوگوں نے پوچھا کہ اے رسول اللہ جب الحزن کیا ہے فرمایا وہ جہنم میں ایک وادی ہے جس سے خود جہنم روزانہ چار سو بار پناہ مانگتی ہے لوگوں نے پوچھا کہ اس میں کون داخل ہوگا فرمایا علماء جو دکھاوے کے لیے عمل کرتے ہیں''۔

(xiv) فقہاء و اسلاف کرام کے اسباب اختلاف کا علم:

اسلام میں ''اختلاف کے اصول و آداب'' کے مصنف ڈاکٹر طہ جابر فیاض لکھتے ہیں: ''موجودہ دور میں اختلاف کو کم کرنے میں یہ چیز کافی معاون ہوسکتی ہے کہ فقہاء و اسلاف کرام کے اسباب اختلاف اور ان کی معقولیت کا صحیح علم و معرفت حاصل ہو جائے کیونکہ ان کے اختلافات اپنے موضوع کی بنیادوں پر قائم ہوا کرتے تھے اور وہ حضرات مجتہد تھے جنکا ہر فرد طلب حق کی راہ میں گم شدہ حکمت کا جویا ہوا اور اس کے نزدیک اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ وہ گمشدہ حکمت اس کے ذریعے اس کے کسی بھائی کے ذریعہ ثابت اور ظاہر ہو رہی ہو۔[۹۷]

حرف آخر

امت مسلمہ آج جس زوال و انحطاط کا شکار ہے اس سے ہر درد مند مسلمان خون کے آنسو رو رہا ہے زوال امت کے اسباب میں سے ایک بنیادی سبب مسلمانوں کا باہمی انتشار اور مذہبی انتہا پسندی ہے اسی انتہا پسندی نے امت مسلمہ کو مذہبی گروہوں میں تقسیم کردیا ہے جس سے ان کا اندرونی محاذ بالکل کمزور ہوگیا یکجہتی اور اتحاد کے رشتے کمزور پڑ گئے ایسے میں بیرونی دشمنوں کے لیے کامیابی حاصل کرنا بڑا آسان ہوگیا۔

زندہ قومیں اپنے ماضی اور حال کی غلطیوں سے مستقبل کے لیے راہنمائی حاصل کرتی ہیں اور مزید تباہی کی بجائے ترقی کی سعی کرتی ہیں لیکن بدقسمتی سے ہم نے اپنے ماضی کی کوتاہیوں سے سبق حاصل نہیں کیا آج بھی امت مسلمہ انتہا پسندی اور فرقہ واریت کی لپیٹ میں ہے مسجدوں اور امام بارگاہوں میں فائرنگ اور دھماکے انتہائی افسوسناک صورتحال کی نشاندہی کر رہے ہیں مسلمانوں کی آخری جائے پناہ بھی محفوظ نہیں رہی ان انتہا پسندانہ رجحانات کی وجہ سے ہماری نوجوان نسل کا دین سے ذہنی، فکری اور عملی رشتہ بتدریج کمزور ہوتا جارہا ہے۔ دینی اور روحانی اقدار روبہ زوال ہیں اور تعلیم یافتہ طبقے کا مذہبی قیادت پر سے اعتماد اٹھتا جارہا ہے آج ہم کسی بھی مسلمان محلے میں داخل ہوجائیں اور وہاں کی مساجد اور دینی مراکز کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ یہ ساری جگہیں مسلمانوں کے اختلافات و اقتدار کی جنگ کا شکار ہیں اس طرح ہمارے یہ مراکز رشد و ہدایت کا مرکز بننے کی بجائے اختلاف و نفرت کی آماج گاہ بن گئے ہیں عالمی سامراج اور ان کے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ایجنٹ یہی چاہتے ہیں کہ خارجی سطح پر مسلمان ممالک آپس میں لڑتے رہیں اور داخلی سطح پر مسلمان مکاتب فکر آپس میں دست و گریبان رہیں یہ ایک دوسرے کو کافر سمجھ کر باہم قریب نہ ہوں اپنی جدوجہد میں باہمی اتحاد و اعتماد، رواداری اور اشتراک عمل کی کوئی صورت نہ اپنائیں اور اسلام دشمن طاغوتی اور استعماری طاقتیں مسلمانوں کی تقدیر سے کھیلیں تاکہ ایک وقت ایسا آجائے کہ اسلامی قوت مسلمانوں کی اندرونی چپقلش

اور بیرونی سامراجی سازش کے باعث ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دم توڑ دے اور اس کا نام صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے اب ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان دشمنان اسلام کی ان سازشوں کو سمجھیں اور باہم متحد ہو کر ان کی مکروہ سازش کو خاک میں ملا دیں اور باہم انتہا پسندانہ طرز عمل کو خیر باد کہہ کر "خیر امور او سطها" کا عملی نمونہ پیش کریں۔" **ولا تجعل یدک مغلولة الی عنقک ولا تبسطها کل البسط**" کا ایسا بینظیر نمونہ پیش کریں کہ چار دانگ عالم میں اسلام کی حقانیت کا بول بالا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ التجا ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی انتہا پسند رویے کو اعتدال و توازن میں بدل دیں۔

(آمین)

حواشی

۱۔ یوسف قرضاوی، ڈاکٹر، اسلامی بیداری انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں، ص ۹، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، مکتبہ العربیہ، س۔ن

۲۔ افریقی، ابن منظور، لسان العرب، ۹/۲۱۳، بیروت، ۱۹۵۶م/۱۳۷۵ھ

۳۔ ایضا، ۳/۱۴۰

۴۔ الیسوعی، لوئیس معلوف، المنجد، ص ۶۰۵، دارالاشاعت کراچی، طبع اول ۱۹۶۰م

۵۔ بلیاوی، ابوالفضل عبدالحفیظ، مصباح اللغات، ص ۵۰۸، اسلامی اکادمی، اردو بازار لاہور، دسمبر ۱۹۸۸م

۶۔ Arabic English Dictionary by S.Spiro, P ۲۷۶،۱۹۲۳

۷۔ الفرائد الدریہ، عربی انگلیزی، ص ۴۰۳، بیروت ۱۹۶۴م

۸۔ الیاس انطون الیاس، القاموس العصری، الطبعۃ الثالثۃ عشرہ، المطبعۃ المصریہ، القاہرہ، ۱۹۲۵م

۹۔ ادارہ معارف اسلامیہ، ۲/۲۷۱، پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۹۶م

۱۰۔ اسلامی بیدار، ص ۳۰۔۳۱

۱۱۔ ایضا، ص ۳۳۔۳۵

۱۲۔ ابوالحسن علی ندوی، مولانا، مسلم ممالک میں اسلامیت و مغربیت میں کشمکش، مقدمہ ص ۱۱ مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۸۱م

۱۳۔ البقرہ ۲: ۱۲۰

۱۴۔ رازی، فخر الدین، امام تفسیر کبیر (مفاتیح الغیب) ۴/۲۹، بیروت، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰م

۱۵۔ سعیدی، غلام رسول، بیان القرآن، ص ۵۴۴، رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز، الطبعۃ الثالث ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹م

۱۶۔ الزمخشری، محمود بن عمر، تفسیر کشاف، ۱/۱۸۲، دار الکتاب عربی، بیروت، س۔ن

۱۷۔ السیوطی، عبدالرحمن بن ابی بکر، الدر المنثور، ۱/۲۰۶، دار المکتبہ العلمیہ، بیروت، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰م

۱۸۔ البقرہ ۲: ۱۰۹

۱۹۔ رشید رضا، محمد تفسیر المنار، ۱/۴۲۰، بیروت، الطبعۃ الثانیہ

۲۰۔ قطب شہید، سید، فی ظلال القرآن، ۱/۱۱۹، اسلامی اکادمی پاکستان، اگست ۱۹۸۹ء

۲۱۔ المائدہ ۵: ۵۱

۲۲۔ مسلم ممالک میں اسلامیت ومغربیت میں کشمکش، ص ۲۴۴

۲۳۔

۲۴۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارة المعارف کراچی، طبع جدید محرم ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء ملخص ۱/ ۳۶۸۔۳۷۲

۲۵۔ ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب قدر حصی الرمی، الکتب الستہ، ص ۲۶۶۰، ح ۳۰۲۸

۲۶۔ المائدہ ۵: ۷۷

۲۷۔ کاندھلوی، ادریس، مولانا، معارف القرآن، ۲/ ۶۱۹۔ دار العلوم کراچی، شعبان ۱۳۸۹ھ

۲۸۔ سنن ابی داؤد۔ کتاب الادب۔ باب فی الحسد، الکتب الستہ، ص ۱۵۸۳، ح ۴۹۰۹

۳۱۔ ابن کثیر، عماد الدین، البدایہ والنہایہ، ۷/ ۳۷۹، نفیس اکیڈمی لاہور، طبع اول جنوری ۱۹۸۹ء

۳۲۔ احمد بن حجر، شیخ، بدعات اور ان کا شرعی پوسٹ مارٹم، مترجم مولانا رئیس الاحرار ندوی، ص ۶۶۔۶۷، الدار السلفیہ بمبئی ۱۹۸۶ء

۳۳۔ البدایہ والنہایہ: ۱۰/ ۲۷۵

۳۴۔ فرید واجدی، دائرة المعارف، ۱۱/ ۱۲۳

۳۵۔ سلفی، محمد اسماعیل، مولانا، تحریک آزادی فکر، ص ۸۰

۳۶۔ عالم اسلام اور عیسائیت، شمارہ جولائی ۱۹۹۲ء ص ۵، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، اسلام آباد

۳۷۔ ابن خلدون، عبد الرحمن، تاریخ ابن خلدون، مترجم علامہ حکیم احمد حسین الہ آبادی، ص ۲۹۷، نفیس اکیڈمی کراچی، فروری ۱۹۷۱ء

۳۸۔ طٰہٰ جابر فیاض العلوانی، ڈاکٹر، اسلام میں اختلاف کے اصول وآداب، مترجم ڈاکٹر ایم اختر، ص ۱۲۹، المکتبہ تعمیر انسانیت لاہور ۱۹۸۷ء

۳۹۔ احمد امین مصری، ڈاکٹر فجر الاسلام، ۲/ ۶۸۶۔۶۸۷، ادارہ طلوع اسلام لاہور، س۔ن

۴۰۔ عبد الغفار حسن، مولانا، دین میں غلو، ص ۲۵، رباط العلوم الاسلامیہ، عالمگیر روڈ کراچی ۳۰۴۳

۴۱۔ مظہر الدین صدیقی، علمائے کرام کا مستقبل، ص ۷۔۸ دفتر اقبال اکیڈمی لاہور ۱۹۲۳ء

۴۲۔ ابوزہرہ محمد شیخ، اسلامی مذاہب، ص ۲۸۷، ملک برادرز کارخانہ بازار فیصل آباد، ۱۹۷۰ء

۴۳۔ صبحی محمصانی، فلسفہ شریعت اسلام، مترجم مولوی محمد احمد رضوی، ص ۱۴۸

۴۴۔ جیراجپوری، محمد اسلم، تاریخ الامت، ۷/ ۱۶۹

۴۵۔ ماہنامہ ترجمان القرآن، انیس احمد، ڈاکٹر، مسلکی منافرت اور تشدد، ص ۴۷۔۴۸ ادارہ ترجمان القرآن، فروری ۲۰۰۲ء

۴۶۔ نظامی، مشتاق احمد، خون کے آنسو، ص ۸۲

۴۷۔ روزنامہ جنگ لاہور، ۱۹ مارچ ۱۹۹۵ء

۴۸۔ احسان الٰہی ظہیر، علامہ بریلویت تاریخ وعقاید، ص ۲۶۳

۴۹۔ الفرقان ۲۵: ۳۰

۵۰۔ محمد بن علوی، انسان کامل، ص ۴۴۶

۵۱۔ خلافت راشدہ، ربیع الثانی جمادی الاول ۱۴۱۴ھ

۵۲۔ ایشیا ۱۹ جولائی ۱۹۹۴ء، ج ۲۹، شمارہ ۳۳۱، پنجاب یونیورسٹی کا افسوسناک سانحہ

۵۳۔ خلافت راشدہ، ۶ جولائی اگست ۱۹۹۳ء، جلد نمبر ۴، اداریہ ماہ محرم اور امن و امان

۵۴۔ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النہی عن الصوم الدھر، الکتب الستہ ، ص ۸۶۴، ح ۵۰۶۳

۵۵۔ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب تخفیف الصلاۃ والخطبہ ، رقم الحدیث ۱۴۳۳، حدیث مرفوع للنبی ﷺ

۵۶۔ اسلامی بیداری افکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں، ص ۲۰

۵۷۔ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب حق الجسم فی الصوم، الکتب الستہ ، ص: ۱۵۳، ح ۱۹۴۲ء

۵۸۔ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب من ظلل علیہ واشتد الحر۔ الکتب الستہ ، ص ۱۵۲، ح ۱۹۴۲

۵۹۔ اختلاف امت اور صراط مستقیم، ۱/۱۲۰۔۱۲۱

۶۰۔ التحقیق الحسن فی نفی الدعاء الاجتماعی بعد الفرائض والسنن، ص ۱۱۳

۶۱۔ تبذیر و اسراف ، قرآنی تعلیمات سلسلہ نمبر ۸ تلخیص ص: ۱۔۹، انجمن اشاعت قرآن کریم، س۔ن

۶۲۔ بنی اسرائیل ۱۷: ۲۹

۶۳۔ الفرقان ۲۵: ۶۷

۶۴۔ (ندوی، سلمان سید، سیرت النبی، ۶/ ۶۹۸۔۷۰۱، دینی کتب خانہ لاہور، س۔ن)

۶۵۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، الکتب الستہ ص ۴۳۸، ح ۵۰۶۳

۶۶۔ ماہنامہ ترجمان القرآن، انیس احمد، ڈاکٹر مسلکی منافرت اور تشدد، ص ۵۲، ادارہ ترجمان القرآن ، فروری ۲۰۰۲

۶۷۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من کفر اخاہ بغیر تاویل

۶۸۔ صحیح مسلم، کتاب العلم، باب رفع العلم وقبضہ وظہور الجہل والفتن فی آخر، رقم الحدیث ۴۸۲۸، حدیث شریف مرفوع للنبی ﷺ

۶۹۔ اسلامی بیداری افکار اور انتہا پسندی کے نرغہ میں، ص ۱۰۲

۷۰۔ آل عمران ۳: ۷

۷۱۔ صحیح مسلم، کتاب المسافرین وقصرھا، باب ترتیل القرائۃ واجتناب الھذ وھوالافراط فی السرعۃ ، رقم الحدیث ۱۳۵۸، حدیث شریف مرفوع للنبی ﷺ

۷۲۔ مودودی، ابوالاعلی سید، رسائل و مسائل، ۱/ ۱۹۹، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۸۰ء

۷۳۔ پرویز، ابلیس و آدم، ص ۱۵۳، سلسلہ معارف القرآن ، ادارہ طلوع اسلام کراچی، س۔ن

۷۴۔ الاعراف ۷: ۲۸

۷۵۔ التوبہ ۹: ۳۱

۷۶۔ الانعام ۶: ۱۱۹

۷۷۔ النساء ۴: ۱۷۱

۷۸۔ البقرہ ۲: ۲۱۳

۷۹۔ الانعام ۶: ۱۰۸

۸۰۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، ۳/ ۳۹۷

۸۱۔ ابن ہشام، سیرت ابن ہشام، مترجم سید یٰسین علی حسنی نظامی دہلوی ص ۱۲۸، ادارہ اسلامیات ، طباعت سوم ۱۹۹۴ء

۸۲۔ نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظام محاصل، ص ۲۷۲، مکتبہ چراغ راہ کراچی، ستمبر ۱۹۶۶ء
۸۳۔ طاہر محمود اشرفی، رواداری سیرت طیبہ کی روشنی میں، ص ۳۲۔۳۳، عمر پبلیکشنز لاہور، ۲۰۰۰ء
۸۴۔ مشکوۃ المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنہ، ۸۵۸، ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری ج ۳۵/۱۶۵
۸۵۔ محمد ۴۷:۳۳
۸۶۔ النساء
۸۷۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، سیاسی وثیقہ جات، ص ۲۳۸
۸۸۔ ایضاً ص ۲۶۵
۸۹۔ صحیح بخاری ۲/۹۲۳۴
۹۰۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من کفر اخاہ بغیر تاویل
۹۱۔ الانعام ۶:۱۵۹
۹۲۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارت، باب السواک الکتب الستہ ص ۷۲۲، ح ۵۸۹۔
۹۳۔ ترجمان السنہ، ص ۵۳۰۔۵۳۱
۹۴۔ اصلاحی، صدرالدین، اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ ص ۱۱۸، اسلامک پبلیکشنز لاہور، ۱۹۶۷م
۹۵۔ اسلامی بیداری، ص ۲۸۲۔۲۸۴
۹۶۔ سنن ابی ماجہ، کتاب الطہارۃ، باب الانتفاع بالعلم والعمل، الکتب الستہ ص ۲۴۹۳، ح ۲۵۶
۹۷۔ اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب، ص ۱۵۰۔۱۵۱

”دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اُس کا خاتمہ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں“

بشریٰ بیگ، کراچی

محبت کے یوں جس نے دریا بہائے   دل ان کا بھی چھینا جو سر لینے آئے
یہ بندہ نوازی کے جوہر دکھائے   کہ جو کھائے اور جواہر لٹائے
خوشی اپنی غیروں کے غم میں بھلا دی   دیا درد جس نے اسے بھی دوا دی
اٹھائیں جن سے اذیتیں انہی کے حق میں دعائیں مانگیں   کسی میں یہ شان حلم بھی ہے ایسا کوئی حلیم بھی ہے

انتہا پسندی کا رجحان کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ کیوں پیدا ہوتا ہے اور کہاں رنگ دکھاتا ہے؟ اس کی کئی سطحیں کئی درجے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ کبر و نخوت، غصہ و جلال اور انتہاء پسندی کا مظاہرہ صرف وہ لوگ کیا کرتے تھے جو واقعی کہیں حاکم، بادشاہ، حکمران ہوتے جاگیردار، نمبردار، جہانگیرو جہاں دار ہوتے یا ملک وڈیرے، لوگوں کے ان داتا غلاموں کے آقا ہوتے اور جو مال، دولت یا طاقت کے نشہ سے سرشار ہوتے جن کا دماغ عرش معلیٰ پر ہوتا اور دوسرے سب کے سب فرش نشیں، خاک بسر روندے جانے کے قابل، ذلیل کمینے نظر آتے۔ ان کے حکم سے سرتابی محکوموں، مملوکوں کے لیے ممکن نہ تھی۔ رعایا ان کے اشارہ چشم و ابرو کے صدقہ میں امان پاتی تھی اور عوام کالانعام، بے چون چرا زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ کیونکہ معمولی سی ”آزادانہ حرکت“ بھی گستاخی میں شمار ہو کر موجب قہر و عتاب خسروانہ ہو سکتی تھی۔

ہر عمل کا ردعمل لازمی ہے۔ زمانہ پلاٹ کھاتا ہے، وقت بدل جاتا ہے، قدریں، قیمتیں بدل جاتی ہیں۔ بہت سے تاج شاہی الٹ دیئے جاتے ہیں اونچے جھنڈے گر جاتے ہیں اکڑی گردنیں خم ہو جاتی ہیں جن کے در پہ نقارے بجا کرتے تھے ان کو پوچھنے، پوجنے والا کوئی نہیں رہتا اور ادھر جو پہلے کبھی ڈرتے رہتے تھے، پسے چلے آرہے تھے سینہ پھلا کر چلنے لگتے ہیں جو سر اٹھانا، آنکھوں سے آنکھیں ملانا حاشیہ خیال میں بھی نہ لاسکتے تھے جو برداشت کے کوڑے سے پٹتے رہے طاقت کی چکی میں پستے رہے۔ غصہ و نفرت کی آگ میں جلتے رہے، بالآخر پھٹ پڑے سر اٹھانے لگے اور زور و قوت حاصل کرنے میں ہر حد سے آگے نکل گئے۔ حد سے نکل کر سمت کا شعور باقی نہیں رہتا۔ ادب، تمیز، شائستگی، برداشت کمزوری کا باعث بن سکتے ہیں اور کمزوری، مظلومی، مجبوری کا پیش خیمہ ہے یہ مجبوری اور معذوری ہی تو مطلوب نہیں کمزوری کسی صورت میں قابل قبول نہیں۔ طاقت چاہیے طاقت، طاقت زور و قوت ہر قیمت پر تاکہ دوسروں کو اس کا تماشا دکھا سکیں۔ تماشہ شعبدہ بازی کے بغیر نہیں دکھایا جاسکتا اور قوت حاصل کرنے کے لیے چاہے جائز ہو یا ناجائز۔ اسلحہ کا حصول بھی ضروری ہے کیونکہ اسلحہ طاقت کا ذریعہ اس کا سبب اور اس کی دلیل بھی ہے۔ اس لیے دولت اور اسلحہ لازم و ملزوم ہیں۔ یہ دونوں اپنے اثرات میں بھی یکساں ہوتے ہیں۔ دولت آجائے تو آدمی بے قابو ہو جاتا

ہے اور اسلحہ مل جائے تو ہاتھ پاؤں مچلنے لگتے ہیں اور جنہیں بیک وقت دونوں حاصل ہو جائیں تو وہ گویا انتہا پسندی کے جنگلی بھینسے پر سوار ہو جاتے ہیں جو کھیل ہی کھیل میں اپنے سامنے آنے والے کو کچل کر روند کر اپنے سینگوں پر اچھال کر خوش ہوتا ہے یہ بھی دوسروں کو کچل کر، روند کر اس کی پگڑی عزت اچھال کر نیچا دکھا کر بہت خوش ہوتے ہیں تفریح لیتے ہیں۔

غرض ایک طرف مال دولت، طاقت کا نشہ بھی آدمی کو حواسوں میں نہیں رہنے دیتا اور کئی پہلوؤں سے انتہا پسندی پر مجبور کر دیتا ہے حاکمانہ حیثیت و مرتبہ اور اقتدار چاہے جس درجہ کا ہو آدمی کو بلند و برتری کا احساس دلاتا ہے اور انتہا پسندی پر اکساتا ہے۔ اس کی علامتیں بہت سی ہیں جو الگ الگ یا ایک ساتھ بھی ظاہر ہوتی ہیں اور ہو سکتی ہیں مثلاً غرور و تکبر، رعونت و فرعونیت، ظلم و جبر، کروفر، غصہ، غیض و غضب، فحش کلامی، بد مزاجی، تند خوئی وغیرہ وغیرہ۔ اور دوسری طرف مظلومی، مجبوری محرومی، معذوری اور مہجوری بھی صبر و ضبط کے بندھن توڑ دیتی ہے۔ نتیجتاً آدمی سفلہ پن پر اتر آتا ہے اکھڑ اجڈ ہو جاتا ہے، بغاوت و سرکشی پر آمادہ نزدیک، دور کی، ہر چیز کو الٹ پلٹ کر توڑ پھوڑ کر آگ لگا دینا چاہتا ہے، محرومی نا امیدی بھی پیدا کرتی ہے اور اپنی حد سے گزر کر خودکشی و خودسوزی تک پہنچا دیتی ہے۔

مختصر یہ کہ چاہے حاکمانہ و مقتدرانہ حیثیت ہو یا محکمانہ، طرز عمل اور رویہ کی دو انتہائیں ہیں۔ انتہا پسندی ظلم و فساد کو جنم دیتی ہے اور اگر ظلم و فساد ہر جگہ پھیل جائے، خشکی و تری میں ہر طرف اسی کا راج بلکہ مزاج ہو تو پھر تباہی و بربادی میں لمحوں کی دیر رہ جاتی ہے اور یہ ہوتا ہے انسانوں کے اپنے ہی کرتوتوں کے نتیجہ[1] کتاب مقدس کے سنہری الفاظ یہ ہیں:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔[2]

خشکی اور تری (ہر جگہ فساد ہی) فساد برپا ہو گیا (ہے) لوگوں کے اپنے (کرتوتوں اور) اعمال کے سبب تاکہ مزا چکھایا جائے ان کو ان کے بعض اعمال کا شاید کہ وہ پھر جائیں اور باز آ جائیں اپنی روش سے۔

اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے — خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے — کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اسی سے — قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اسی سے

لغوی و اصطلاحی تحقیق:

مغربی میڈیا اور اس کے دانشوروں نے مسلمانوں کو مختلف ادوار میں مختلف ناموں سے نوازا ہے کبھی بنیاد پرست (Fundamentalist) کبھی جنونی (Fanatics) کبھی دہشت گرد (Terrorist) اور آج کل اس کے ساتھ انتہا پسند (Extremist) کے نام سے یاد کیا جا رہا ہے۔

مذہبی انتہا پسندی یعنی غلو فی الدین:

(Exaggeration in Religions) اس کے لیے پہلی اسلامی اصطلاح افراط ہے جس کا مادہ ''ف ر ط'' ہے

یعنی حد سے تجاوز کرنا [۳] حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: ان رسول اللہ ﷺ نهاک عن الفرطة فی الدین [۴] نبی کریم ﷺ نے دین میں انتہا پسندی سے منع فرمایا ہے قرآنی دعا سکھائی گئی: قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى [۵] اے ہمارے رب ہم ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی انتہا پسندی کرے۔ اسلام میں افراط کو پسند کیا گیا ہے اور نہ تفریط (کمی کرنا) امام کفوی نے اپنی کلیات میں افراط وتفریط بیان کرتے ہوئے لکھا ہے التجاوز عن الحدویقابله التفریط [۶] افراط کہتے ہیں حد سے تجاوز کرنا اور اس کے مقابلہ پر تفریط کا لفظ آتا ہے۔

دوسری اسلامی اصطلاح ''غلو'' ہے یعنی حد سے تجاوز کرنا لسان العرب کے مطابق اس کا مصدر ''غلوا'' ہے [۸] امام مناوی نے غلو کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے :الغلو مجاوزة الحد و الغلو فی الدین التصلب والتشدد فیه حتی مجاوزة الحد [۹] غلو کہتے حد سے تجاوز کرنا اور غلو دین میں تصلب تشدد اور حد سے تجاوز کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے امام قرطبی لکھتے ہیں غلو فی الدین یعنی مذہبی انتہا پسندی کا لفظ یہودی و نصاریٰ کے لیے استعمال ہوتا ہے جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں انتہا پسندی کی رائے اختیار کی [۱۰] موسة نظرة النعیم کے مطابق قرآن وحدیث میں غلو تین مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔(۱) غلو فی الدین (۲) غلو فی القران (۳) غلو فی العلم [۱۱] انتہا پسندی کی ضد اعتدال ہے جس کے لیے عربی میں ''تحمل'' ''تسامح'' اور انگلش میں Tolerance کا لفظ استعمال ہوتا ہے اصطلاح میں اس سے مراد لوگوں کے آزادی عقیدہ کے حق کا عقلی اور عملی اعتراف ہے اس مفہوم کو Encyclopaedia of Britanica میں اس طرح بیان کیا گیا ہے [۱۲]

"The intellectual and practical acknowledgement of the right of others to live in accordance with religious beliefs that are not accepted to live in accordance with religious beliefs that are not accepted as one's own [۱۳]

تحمل یا برداشت Tolerance یا تسامح کے متضاد کے طور پر انتہا پسندی کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کے لیے عربی میں ''تعیز'' اور انگلش میں Prejudice کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جس کا مطلب ہے کسی خاص موقف کا سختی سے ساتھ دینا اس کے خلاف کسی قسم کی بات سننے سے سخت انکار کرنا اور موقف کے نہ ماننے والوں کو غلط سمجھنا ہے۔ عدم تحمل کے رجحان میں ایک انتہا پسندانہ پسند یا ناپسند کرنے کا رویہ ہوتا ہے جس میں پسند کو تمام تر عیوب کے باوجود بہترین قرار دیا جاتا ہے اور ناپسند کو تمام تر خوبیوں کے باوجود بدترین قرار دیا جاتا ہے۔ [۱۴]

اعتدال بردباری اللہ تعالیٰ کی ان صفات میں سے ہے جن کا قرآن پاک میں متعدد بار ذکر ہوا مثلاً: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ۔ [۱۵] وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا۔ [۱۶] اور وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا۔ [۱۷]

حلیم وہ ذات ہے جو غصہ وغضب میں قابو سے باہر نہ ہوتی ہو۔ [۱۸] یہ اللہ تعالیٰ کی صفت حلم ہی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو برملا اپنی نافرمانی اور طاغوت کی اطاعت کرتے ہوئے دیکھتا ہے پھر بھی انہیں برداشت کرتے ہوئے اپنی نعمتوں کا تسلسل جاری

رکھتا ہے اور انتقام وعقوبت پر قدرت کے باوجود انہیں ڈھیل دیتا چلا جاتا ہے فرمان رسول ﷺ ہے کہ:

ولو یؤاخذ اللّٰہ الناس بظلمھم ماترک علی ظھرھا من دابۃ۔[۱۸]

اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے ظلم کی وجہ سے ان کا مواخذہ فرماتا تو زمین پر کوئی چلنے والا نہ بچتا۔

اللہ تعالیٰ کی ایک اور صفت ''الصبور'' بھی ہے جس کا مفہوم حلیم سے قریب تر ہے تاہم اس صفت کا ذکر قرآن میں موجود نہیں۔ [۱۹] آپ ﷺ نے فرمایا ''اس سے زیادہ اللہ کی جانب سے صبر کی کیا حد ہو سکتی ہے کہ لوگ تو اس کے لیے اولاد قرار دیں پھر بھی وہ ان سے درگزر کرے اور انہیں رزق بھی دیتا رہے۔[۲۰]

انتہاء پسندی کے اسباب ومحرکات:

قومی وبین الاقوامی عنوان کے تحت انتہاء پسندی کے رجحان کے عمومی اور انفرادی طور پر وہ کون سے اسباب اور محرکات ہیں جن کے وجود میں آنے سے ایک انسان انتہاء پسندی کا شکار ہو جاتا ہے اور کبھی نہ صرف یہ کہ اپنے حق یا اپنی عزت کے تحفظ کے لیے کمربستہ ہوجاتا ہے بلکہ بعض اوقات انصاف وعدالت کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر ظلم و بربریت پر آمادہ ہو جاتا ہے یہ اسباب ومحرکات اجمالاً مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ خلاف فطرت وخلاف طبیعت امور:

انسان کی فطرت ہے کہ جب فطرت وطبیعت کے موافق کسی امر کو کرتا ہوا پاتا ہے تو اس کی طبیعت خوش ہو جاتی ہے اور جب کوئی کام فطرت کے منافی دیکھتا ہے تو ناراض ہو جاتا ہے پھر خلاف طبیعت کام کبھی تو معمولی نوعیت کا ہوتا ہے اور کبھی اعتدال سے باہر ہوتا ہے جسے انسان دیکھ کر انتہا پسندی کا شکار ہو جاتا ہے۔

۲۔ عزت نفس کا مجروح ہونا:

انسان کو اللہ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اسے عزت وشرافت دی ہے جب کوئی انسان اپنی عزت کو پامال ہوتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس سے یہ صورتحال برداشت نہیں ہوتی اور وہ انتہاء پسندی کا شکار ہو جاتا ہے۔

۳۔ غصب حقوق:

انسان فطری لحاظ سے کمزور پیدا کیا گیا ہے اور اس کمزوری کی بناء پر ہر انسان دوسرے کے تعاون کا محتاج ہوتا ہے یہی تعاون ہر انسان کا حق بنتا ہے جس کی ادائیگی کا دوسرا انسان مکلّف ہے جب کوئی انسان دیکھتا ہے کہ اس کے حق کو غصب کیا جا رہا ہے تو یہ حالت اس کے لیے ناقابل برداشت ہوتی ہے۔

۴۔خیانت اور بددیانتی:

خیانت اور بددیانتی برے اوصاف ہیں اور انسان کی طبیعت اسے ناپسند کرتی ہے جب کسی انسان کے ساتھ خیانت کی جائے اور بددیانتی سے کام لیا جائے تو وہ اسے برداشت نہیں کرسکتا اور یہ چیز انتہا پسندی کا محرک بن جاتی ہے۔

۵۔غداری اور دغابازی:

ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ صاف صاف معاملہ کیا جائے اور فریب دھوکہ دہی اور غداری و دغابازی سے بچا جائے جب کسی انسان کے ساتھ کسی دوسرے شخص کی طرف سے یہ مکروہ صورتحال پیش آتی ہے تو وہ اسے برداشت نہیں کرسکتا اور بعض اوقات اپنے آپے سے نکل کر انتہا پسندی کا شکار ہو جاتا ہے۔

۶۔ظلم و بربریت:

ہر انسان عدالت و انصاف کا خواہاں اور ظلم و بربریت سے گریزاں رہتا ہے اگر کہیں کسی انسان پر ظلم ہوتا ہے اور بربریت کا شکار ہوتا ہے تو یہ صورتحال اس سے کسی طرح برداشت نہیں ہوتی اور وہ اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہوا آمادہ پیکار ہو جاتا ہے۔

۷۔بغض و عداوت:

ہر انسان دوسرے کی دوستی چاہتا ہے اور خواہاں رہتا ہے کہ دوسروں کے دل میں اس کے لیے اچھے جذبات قائم ہوں لیکن اگر کوئی شخص کہیں اس کے خلاف دل میں کدورت رکھتا ہے اور دشمنی پر اتر آتا ہے تو جواباً یہ بھی اس شخص کے لیے عداوت پر مبنی جذبات کا شکار ہو جاتا ہے۔

۸۔غیبت اور چغل خوری:

ہر انسان میں کمزوریاں ہوتی ہیں اور ہر انسان چاہتا ہے کہ اس کی کمزوریوں پر پردہ پڑا رہے جب کوئی انسان ان کمزوریوں کو دوسروں تک منتقل کرتا ہے تو یہ امر غیبت اور چغل خوری کی صورت اختیار کرتا ہے اور انسان کی قوت غضب کو للکارتا ہے۔

۹۔بہتان طرازی:

بعض اوقات کسی انسان پر ناکردہ گناہ کی صورت میں بھی باتیں بنتی ہیں اور دوسروں تک منتقل ہوتی ہیں جب متعلقہ شخص کو علم ہوتا ہے تو سخت ناراض اور سیخ پا ہوتا ہے یوں یہ صورت حال انتہا پسندی کا سبب بنتی ہے۔

۱۰۔جھوٹ:

جھوٹ ایک انتہائی برا وصف ہے اور یہ قول کے علاوہ انسان کے عمل و کردار میں شامل ہے یہاں تک کہ ہر خلاف

حقیقت چیز جھوٹ کے زمرہ میں آتی ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی جھوٹا معاملہ نہ کیا جائے لیکن اگر کہیں ایسی صورتحال پیش آتی ہے کہ کوئی انسان جھوٹ کا شکار بنتا ہے تو اس سے یہ حالت کسی طور پر برداشت نہیں ہوتی۔

۱۱۔ وعدہ خلافی:

ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ جو وعدہ کیا جائے وہ بر وقت اور صحیح طریقہ پر پورا ہو۔ اگر کہیں وعدہ خلافی کی صورت بنتی ہے تو یہ انسان کے انتہاء پسندی کا ذریعہ بنتی ہے۔

۱۲۔ بے حیائی:

شرم و حیاء ایک عمدہ وصف ہے اور ہر ذی شعور و باعزت انسان کا لباس ہے اگر کوئی انسان اس لباس کو اترتا ہوا دیکھتا ہے تو سیخ پا ہوتا ہے اور اس سے یہ صورتحال برداشت نہیں ہوتی۔

۱۳۔ فحش گوئی:

خوش گفتاری انسان کا زیور ہے اور بدگفتاری بداخلاقی کا پیش خیمہ ہے۔ دنیا کے بیشتر لڑائی جھگڑے بدگفتاری کے باعث چھڑتے ہیں جب کہیں انسان کے سامنے گندی اور غلیظ زبان استعمال ہوتی ہے تو وہ غیض و غضب میں آ کر انتہا پسندی کا شکار ہو جاتا ہے۔

۱۴۔ دورخاپن:

دورخاپن منافقت کا دوسرا نام ہے اگر کوئی شخص کسی کے سامنے اس کی اچھائی اور دوسرے کی برائی بیان کرتا ہے اور پھر دوسرے کے پاس جا کر اس کی اچھائی اور پہلے والے شخص کی برائی بیان کرتا ہے تو وہ دورخاپن ہے اور صاف طبیعت کا مالک ایسے انسان کو سخت ناپسند کرتا ہے بعض اوقات یہ صورتحال انتہا پسندی کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔

۱۵۔ بدگمانی:

بدگمانی سوء ظن اور تجسس بری صفات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے بعض اوقات بدگمانی خواہ مخواہ الزام تراشی اور بہتان طرازی کا ذریعہ بن جاتی ہے اور ایسے جذبات ابھر آتے ہیں جو برداشت سے باہر ہوتے ہیں۔

۱۶۔ جذبہ حسد:

انتہا پسندی کے اسباب میں سے ایک اہم سبب جذبہ حسد ہے مولانا سید سلیمان ندویؒ نے جذبہ حسد کے مختلف اسباب بیان کیے ہیں جس میں سے کچھ کا ذکر ہو چکا ہے مثلاً بغض و عداوت، جاہ پرستی وغیرہ اس کے ایک ہی مقصد کا حصول، کسی کا حلقہ اطاعت سے باہر نکلنا، کسی کا اعلیٰ مقام حاصل کرنا وغیرہ یہی وجہ ہے آپ ﷺ نے سختی کے ساتھ حسد سے بچنے کا حکم دیا ایسا کم

ولحسد فان الحسد یاکل الحسنات کماتا کل النار الحطب [۲۱] حسد سے بچو بیشک حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ حاسدوں کے حسد سے بچنے کے لیے اللہ سے پناہ مانگیں۔[۲۲]

۱۷۔غیض وغضب:

انتہاء پسندی کا ایک سبب غصہ بھی ہے جب انسان دوسرے کے افکار ونظریات سے اتفاق نہیں کرتا اور نہ فریق ثانی اپنے نظریات سے دستبردار ہوتا ہے تو ایسے میں غصہ آتا ہے اور انسان اپنی زبان یا عمل میں انتہاء پسندی کا شکار ہو جاتا ہے۔اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

لیس الشدید بالصرعة انما الشدید الذی یملک نفسه عندالغضب [۲۳]

یعنی پہلوان وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے۔

بہادر شاہ ظفر کے بقول:

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے ہو وہ کیسا ہی صاحب فہم و ذکاء

جسے عیش میں یاد خدا نہ رہا جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

انتہاء پسندی کے نقصانات:

انسان کی جب قوت برداشت جواب دے جاتی ہے تو وہ جنون کی اقسام میں سے ایک قسم کا شکار ہوتا ہے اور اس انتہاء پسندی کے نتیجے میں اس سے ایسے اعمال سرزد ہو جاتے ہیں جن کا جسمانی، مالی نقصان ساری زندگی بلکہ اس کے بعد بھی بھگتنا پڑتا ہے۔انتہاء پسندی کے مضرت رساں سات پہلو ہیں جنہیں میں مختصر اشارات کی شکل میں واضح کئے دیتی ہوں۔

(۱) پہلا یہ کہ انتہاء پسندی کے نتیجہ میں انسان دوسرے کو جسمانی جانی یا مالی نقصان پہنچاتا ہے تاکہ اپنے غصہ کی تسکین کر سکے۔ اسلام کسی بھی شخص کو بدلہ لینے سے نہیں روکتا، لیکن خود بدلہ لینے کی بھی اجازت نہیں دیتا بلکہ اس سلسلہ میں قاضی/جج کی ذمہ داری ہے وہ متاثرہ شخص کو بدلہ مالی، جسمانی، دلوائے یہ اس لیے ہے کہ متاثرہ شخص جب خود بدلہ لے گا تو غصہ کی وہ حد اعتدال سے باہر نکل جائے گا اور انصاف کا مقام مجروح ہوگا۔

(۲) دوسرا یہ کہ انتہاء پسندی کے نتیجے میں انسان اگر مذکورہ شخص سے زیادتی کا بدلہ نہیں لے سکتا ہے تو وہ یہ غصہ کسی پر تشدد کر کے زائل کرتا ہے اور اس تشدد کا شکار ہونے والے چار طبقے ہوتے ہیں۔

(ا) ماتحت ملازمین۔ان کو برا بھلا کہتا ہے مارتا پیٹتا ہے۔

(ب) استاد ہے تو بچوں پر تشدد کرتا ہے اگر اپنے بچے ہیں تو بھی ان کے ساتھ مختلف نوعیتوں کی زیادتی کا ارتکاب کرتا ہے۔

(ج) کوئی نہ ملے تو بیویوں پر یہ غصہ کبھی تشدد کی صورت میں کبھی گالیوں کی صورت میں اور کبھی باورچی خانے میں جلا کر نکالا جاتا ہے۔

(د) کبھی انتہاء پسندی کا شکار اپنے بزرگ ہی بنتے ہیں۔

(۳) تیسرے یہ کہ انتہاء پسندی کبھی مذہبی اختلاف کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔ ردعمل میں انسان مشتعل ہو کر مخالف کو آخری درجہ میں پہنچا دیتا ہے۔ اسے فاسق سے کافر جاہل سے واجب القتل تک قرار دے دیتا ہے۔

(۴) چوتھے یہ کہ انتہاء پسندی کبھی عصر حاضر کی سیاست سے وجود میں آتی ہے اور مخالف کی کسی بات یا وابستگی سے برافروختہ ہو کر اس کے جسمانی یا مالی نقصان کا ذریعہ بنتا ہے۔

(۵) پانچویں یہ کہ انتہاء پسندی کبھی عزت و آبرو کے پامال ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے اور انسان مخالف کی زیادتی جواب خود اس مخالف کو دینے یا دلوانے کے بجائے اس کی ماں، بہن اور بیٹی کو دیتا ہے۔

(۶) چھٹے یہ کہ اس انتہاء پسندی کے سبب کا ازالہ نہیں ہوتا ہے تو دل ہی دل میں منصوبے بناتا ہے حسد و بغض کی آگ میں جلتا ہے اور مخالف کو جلانے کے منصوبے بناتے بناتے خود ہی فنا ہو جاتا ہے۔

انتہا پسندی کا آغاز:

انتہاء پسندی کی کہانی تخلیق آدمؑ سے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ انسان کا اشرف المخلوقات ہونا ابلیس کے لیے ناقابل برداشت ہوا تھا جب اللہ تعالیٰ نے اس کو حضرت آدمؑ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اس نے انکار کر دیا [۲۵] اور کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں [۲۶] ابلیس نے آدمؑ و نسل آدم کے وجود اور اس کے مقام کو اپنے لیے ایک چیلنج سمجھا اور اپنی انتہاء پسندی کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اس نے کہا کہ میں اسے بہکانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔ [۲۷] ابلیس کی انتہاء پسندی کے مظاہر آج تک جاری ہیں۔

عالم انسانیت میں انتہاء پسندی کی مثال اول ھابیل اور قابیل کا اختلاف ہے۔ ایک بھائی کے حق میں خدائی فیصلہ دوسرے بھائی کے لیے ناقابل برداشت تھا چنانچہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ انتہاء پسندی کے نتیجے میں قتل کی یہ ریت اس قدر چلی کہ آج تک اس کا سلسلہ رکنے کا نام نہیں لیتا۔ لڑائی جھگڑا فساد، بغاوت اور جنگ دراصل قتل سے ہی مستعار لیے ہوئے "انتہاء پسندی" کے نام ہیں جو انسانی ثقافت میں اپنی متواتر تاریخ رکھتے ہیں۔

زمین کے سینے پر انبیاء سے زیادہ برگزیدہ ہستیاں اور بہتر گروہ کوئی نہیں گزرا لیکن یہ کتنی بڑی حقیقت ہے کہ انسانوں نے انتہاء پسندی کا سب سے زیادہ مظاہرہ ان ہی برگزیدہ لوگوں کے اوپر کیا۔ وہ لوگ جو بنی نوع انسان کو کھینچ کھینچ کر عذاب دوزخ سے نجات دلاتے تھے، انہیں کس قدر ایزاء پہنچائی گئی حتیٰ کہ انبیاء اور ان کے ساتھی پکار اٹھے کہ (ان مظاہر کے خلاف) اللہ کی مدد کب آئے گی۔ [۲۹] کتنے ہی نبی گزرے جن میں سے بعض نے سینکڑوں سال تبلیغ کی، کتنوں نے کیسی کیسی واضح نشانیاں اپنی قوم کے سامنے پیش کیں کچھ نے مظاہر قدرت کی طرح واضح دلائل سے اپنی قوم کو سمجھانا چاہا، کبھی انبیاء کی جوانیاں قوم کے سامنے تھیں۔ لیکن یہ اقوام کی انتہاء پسندی تھی کہ کسی نبی کو جھٹلایا تو کسی کو دھمکایا کسی کو لالچ سے ورغلانے کی کوشش کی تو کسی کو بستی

سے نکال دیا اور کتنوں کو تو قتل کر دیا اور کسی کو تو آرے سے چیر دینے میں بھی دریغ نہ کیا۔ بالآخر جب قوموں کی انتہا پسندی ... کی برداشت سے بازی لے گئی تو عذاب الٰہی ان پر قہر بن کر اس طرح ٹوٹا کہ آج ان کا نام عبرت کا نشان بن چکا ہے۔

جنگ کی آگ اس وقت بھڑکتی ہے جب ایک حکمران دوسرے حکمران کا وجود برداشت نہ کر سکے یا دو قوموں کے درمیان انتہا پسندی پروان چڑھنے لگے۔ انتہاء پسندی کی اس آگ کی روشنی میں ہی انسانوں کی تاریخ لکھی گئی ہے۔ قبل از تاریخ زمانہ ہو یا بعد از تاریخ کا کسی علاقہ یا خطہ کی تاریخ کا ذکر ہو یا کسی تہذیب وتمدن یا ثقافت کی تاریخ یا قبیلوں گروہوں خاندانوں کی تاریخ، میدان جنگ نے صفحہ قرطاس کا کردار ادا کیا ہے۔

غیر مسلم دنیا میں انتہاء پسندی کا قومی اور بین الاقوامی رجحان:

آج سے چند سو سال قبل کا جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ سترہویں صدی کی ابتداء تک یورپ میں قوانین جنگ کا کوئی تصور موجود نہیں تھا محاربین کو مضرت رسانی کے غیر محدود و مشروط حقوق حاصل تھے۔ مشہور مقنن گروٹیس کے قول کے مطابق قانون میں ان تمام لوگوں کو قتل کر دینا جائز ہے جو دشمن کی حدود میں پائے جائیں اس میں بچوں، عورتوں اور کوئی استثناء نہیں، پہلی دفعہ ۱۶۴۸ء میں عورتوں، بچوں، بوڑھوں، کاشتکاروں، قیدیوں کو قتل سے مستثنیٰ کیا گیا، ۱۸۹۹ء میں اور اس کے بعد ۱۹۰۷ء میں ایک قانون جنگ مرتب ہوا لیکن ۱۷۰۰ء سے ۱۸۷۲ء تک یورپ میں ۱۲۰ جنگیں ہوئیں جن میں صرف دس میں باقاعدہ اعلان جنگ ہو۔ جس سے اس پر عملدرآمد کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔[۳۰]

آپ ﷺ کے دور میں ۲۸ غزوات میں سے صرف ۹ میں جنگیں ہوئیں۔[۳۱] بحیثیت مجموعی دشمن کے صرف ۱۵۰ افراد قتل ہوئے۔[۳۲] اور اتنی محدود خونریزی کے ذریعہ دس لاکھ مربع میل سے زیادہ علاقے فتح ہوئے۔[۳۳] واضح ہوا کہ اسلام کا مقصد جہاد سے صرف اصلاح ہے خونریزی یا زر، زن، زمین نہیں ان تباہیوں کے بعد دو سپر پاور بنے دونوں نے دنیا کو سوائے تباہی کے کچھ نہیں دیا، روس نے افغانستان میں دس لاکھ افراد کو ہلاک کیا، ملک کا اسی فیصد علاقہ جنگ میں تباہ ہوا۔ تیس لاکھ افراد بے گھر ہوئے۔ اس کے بعد چیچنیا میں تباہی مچائی، بالآخر نشان عبرت بننے کے لیے اپنی منزل کی جانب گامزن ہے۔ اب صرف ایک سپر پاور امریکہ باقی رہ گیا اس نے دنیا بھر میں انٹرنیشنل غنڈہ گردی مچائی ہوئی ہے۔ جس کے سبب مسلم ممالک میں اسے ردعمل کا سامنا ہے۔ ۲۸ ممالک میں امریکیوں کو سفر سے اجتناب برتنے کے لیے کہا گیا ہے۔ جس میں پاکستان سمیت ۱۵ اسلامی ممالک ہیں۔[۳۴] امریکی ترجمان ''خبر ونظر'' کے مطابق صرف ۱۹۹۸ء میں امریکہ میں امریکی مسلمانوں کے ساتھ ۲۸۰ امتیازی سلوک کے واقعات ہوئے۔[۳۵]

ہندوستان:

انگریز نے ۱۸۵۷ء میں ہندوستانیوں بالخصوص مسلمانوں کا قتل عام کیا، جلیانوالہ باغ اس کی صرف ایک مثال ہے۔[۳۶]

ہمارے پڑوسی ملک ہندوستان نے پاکستان پر دو دفعہ حملہ کیا جس کے نتیجہ میں ملک دو حصے ہوگیا کشمیر میں قتل عام جاری ہے چین کے

ساتھ سری لنکا کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ جاری ہے پاکستان میں دہشت گردی کو فروغ دے رہا ہے۔ خود اپنے ملک کے اندر مسلمانوں کا جانی، معاشی و تہذیبی قتل کر رہا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ مقدس مقام "بابری مسجد" تک شہید کی گئی اس کے علاوہ ہزاروں مساجد سیل پڑی ہیں۔ اس پر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی صاحب کی کتاب "بابری مسجد کی شہادت" مطالعہ کریں۔ مسلمانوں کے علاوہ گولڈن ٹیمپل پر حملہ کر کے اس کو تباہ کیا ملک بھر میں سکھوں کا قتل عام کیا۔ [۳۷] خود سکھوں نے ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کا قتل عام کیا، مساجد پر قبضہ کر کے گردوارہ بنایا "مست گڑھ" کی اصطلاح انہی معنوں میں آج بھی ان کے ہاں رائج ہے۔ [۳۸] اپنے ہم مذہب نچلی ذات کے ہندوؤں کا وقفہ وقفہ سے قتل عام ہو رہا ہے۔ آج کل عیسائیوں کے ساتھ بدسلوکی کا سلسلہ جاری ہے۔ آسٹریلیا کے گراہم اسٹیوارٹ کو زندہ جلایا گیا۔ ۲۵ دسمبر تا ۴ جنوری آٹھ گرجا گھر جلائے گئے۔ عیسائی خاتون سے گینگ ریپ کیا گیا۔ [۳۹] اڑیسہ میں دو سو عیسائی مکانات نظر آتش کیے گئے۔ [۴۰] کیرالہ میں دو پادری ہلاک کیے۔ [۴۱] عبدالحمید کے مطابق مارٹن لوتھر کی احتجاجی تحریک میں انگلستان کے ۲۸۶ مذہبی علماء کو زندہ جلایا گیا۔ اسپین میں ۲۳۰۰۰ نیدر لینڈ میں ۵۰۰۰۰ اور دیگر یورپی ممالک میں ۲۵۰۰۰ لوگ طرح طرح سے قتل کیے گئے۔ [۴۲] ایک طرف ۲۸ غزوات میں ۱۱۵۰ افراد ہلاک ہونا دوسری طرف دو عالمی جنگوں میں کس قدر ہلاکتیں ہوئیں درج ذیل چارٹ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

پہلی جنگ عظیم

Casualties in World War I

ملک	کل متحرک افواج	ہلاک یا قتل	زخمی	قیدی بنے یا گم ہوئے	کل حادثات یا ہلاکتیں
Country	Total Mobilized forces	Killed or died	Wounded	Prisoners or Mising	Total Casualties
Austria-Hungary	7,800,000	1,200,00	3,620,000	2,20,000	7,020,000
Belgium	267,000	13,716	44,686	34,659	93,061
British Empire	8,904,467	908,371	2,090,212	191,652	3,190235
Bulgaria	1,200,000	87,500	152,390	27,029	266,919
France	8,410,000	1,357,800	4,266,000	537,000	6,160,800
Germany	11,000,000	1,773,700	4,216,058	1,152,800	7,142,558
Greece	230,000	5,000	21,000	1,000	27,000
Italy	5,615,000	650,000	947,000	600,000	2,197,000

Japan	800,000	300	907	3	1,210
Montenegro	50,000	3,000	10,000	7,000	20,000
Portugal	100,000	7,222	13,751	12,318	33,291
Romania	750,000	335,706	120,000	80,000	535,706
Russia	12,000,000	1,700,000	4,950,000	2,500,000	9,150,000
Serbia	707,343	45,000	133,148	152,958	331,106
Turkey	2,850,000	325,000	400,000	250,000	975,000
Serbia Turkey United States	4,734,991	116,516	204,002	-	320,518

دوسری جنگ عظیم

Casualties in World War II

ملک	جنگ میں شامل افراد	میدان جنگ کی اموات	زخمی
Country	Men in War	Battle Deaths	Wounded
Australia	1,000,000	26,976	180,864
Austria	800,000	280,000	350,117
Belgium	625,000	8,460	55,513
Brazil	40,334	943	4,222
Bulgaria	339,760	6,671	21,878
Canada	1,086,343	42,0427	53,145
China	17,250,521	1,324,516	1,762,006
Czechoslovakia	-	6,683	8,017
Denmark	-	4,339	-
Finland	500,000	79,047	50,000
France	-	201,568	400,000

Germany	20,000,000	3,250,000	7,250,000
Greece	-	17,024	47,290
Hungary	-	147,435	89,313
India	2,393,891	32,121	64,354
Italy	3,100,000	149,496	66,716
Japan	9,700,000	1,270,000	140,000
Netherlands	280,000	6,500	2,860
New Zealand	194,000	11,625	17,000
Norway	75,000	2,000	-
Poland	-	664,000	530,000
Romania	650,000	350,000	-
South Africa	410,056	2,473	-
U.S.S.R	---	6,115,000	14,012,000
United Kingdom	5,896,000	357,116	369,267
United States	16,112,566	291,557	670,846
Yugoslavia	3,741,000	305,000	425,000

مسلم دنیا میں انتہاء پسندی کا قومی و بین الاقوامی رجحان:

افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ وہ مسلم قوم جو دنیا کو انسانیت کا سبق سکھانے اٹھی تھی خود اپنی انسانیت کو بھول رہی ہے۔ جو دنیا میں امن و عافیت و برداشت کی شاندار تاریخ میں امین تھی وہ خود اسے بھول چکی ہے، آج غیروں کی سازش کا شکار ہو کر باہم دست و گریباں ہیں۔ عراق کا کویت پر حملہ، ایران عراق جنگ، ترکی کے ہاتھوں کردوں کا قتل عام، خود اپنے ہی ملک کے سیاسی، لسانی و مذہبی بنیادوں پر قتل، مصر میں اخوان المسلمین الجزائر میں اسلامک فرنٹ کا قتل عام امت مسلمہ کی شرمندگی کا ذریعہ ہیں۔

پاکستان:

ہمارا ملک بھی سیاسی لسانی و مذہبی انتہاء پسندی کا شکار ہے، صرف پچھلے چند سالوں کا جائزہ لیں انسانی حقوق کی رپورٹ کے مطابق یہ بات سامنے آتی ہے جنرل ضیاء صاحب کے دور میں معمولی جرائم پر (جس میں سیاسی جرائم زیادہ تھے) کوڑوں کی

طویل المیعاد سزائیں دی گئیں۔ اس سے اسلام کے نظام عدل کا تصور مجروح ہوا۔ (بعد میں شرعی عدالت نے ان سزاؤں کو غیر اسلامی قرار دے دیا) [۴۴] ۱۹۹۲ء کی رپورٹ کے مطابق صرف سندھ میں اوسطاً روزانہ ۵۰ اغوا ہوئے، ایم کیو ایم تصادم میں ۱۲ افراد ہلاک ہوئے۔ پنجاب میں ۵۹ جنسی تشدد، ۵۴ اغوا ۳۰ زندہ جلائے اور ۹۴ قتل کے واقعات ہوئے۔ ۱۹۹۳ء کی رپورٹ کے مطابق پنجاب میں ۳۳۳۱ قتل، ۶۲، ۱۴۴۶۲ اغواء اور ۶۲ پولیس مقابلے میں ہلاک ہوئے۔ سندھ میں فرقہ وارانہ تصادم میں ۵۷ افراد ہلاک ہوئے پولیس مقابلہ میں ۹۹ ہلاک ہوئے۔ [۴۶] ۱۹۹۴ء کی انسانی حقوق کی رپورٹ کے مطابق صرف پنجاب میں پولیس مقابلہ میں ۲۳۹ اور مجموعی قتل ۴۰۵۰ ہوئے۔ [۴۷] پاکستان ہیومن رائٹس کمیشن نے ۱۹۹۸ء کی رپورٹ جاری کی ہے جس کے مطابق صرف کراچی میں ۱۱۷۸ افراد قتل ہوئے جس میں برداشت ورواداری کے علمبردار جناب حکیم محمد سعید صاحب جیسی شخصیت بھی انتہاء پسندی کا شکار ہوئے۔ پولیس مقابلہ میں ۱۰ ہلاک ہوئے۔ [۴۸] لسانی تصادم اور فرقہ واریت کی نظر ہونے والوں کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچتی ہے۔ [۴۹]

دہشتگردی! دور جدید میں انتہاء پسندی کی بھیانک شکل:

دہشت گردی دور جدید میں انتہاء پسندی کی ایک بھیانک اور خوفناک شکل ہے دنیا کے مختلف ممالک میں دہشت گردی اور لاقانونیت زوروں پر ہے۔ انتہاء پسندی جب اقوام عالم میں بڑھ جائے تو پھر وہ دہشت گردی کی بدترین شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ یورپ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے ماہرین عمرانیات اور اسکالرز نے اس اہم موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور دور جدید میں اس کی قباحتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ آج انسانیت بربادی اور کشت وخون کے دہانے پر کھڑی ہے۔ اخوت، برداشت، باہمی ہمدردی اور محبت کا فقدان ہے۔ جان رچرڈ سکالرز کی تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔

(Paul Wilkinson and A.M. Stewart, Contemporary Research on Terrorism)
(Steven Anzovin, Terrorism)
(Juliet Lodge, Terrorism a Challange to the State)
Bard E.O. Neill, Insurgency & Terrorism
A.R. Norton, Terrorism (Article) in Oxford Encyclopaedia of the Modern Islamic World, Vol iv)
(John L. Esposito, Islamic Threat: Myth or Reality)

وقت کی اہم ضرورت ہے کہ دہشت گردی کے مسئلے کا بین الاقوامی طور پر حل تلاش کیا جائے سٹیون اینزوون دہشت گردی کے بارے میں لکھتا ہے کہ ۱۹۶۸ سے ۱۹۸۶ء تک دنیا کے ۱۱۷ ممالک دہشت گردی کا شکار ہوئے مثلاً لاطینی امریکہ، مشرقی وسطی، شمالی افریقہ، شمالی امریکہ، جنوبی یورپ اور ایشیاء وغیرہ۔ [۵۰]

آج دنیا جس نہج پر پہنچ چکی ہے اس نہج پر چودہ سو سال قبل پہنچ چکی تھی۔ طلوع اسلام سے قبل جنگ وجدل، قتل وخون اور انتہاپسندی کی کئی مثالیں ہمیں نظر آتی ہیں بقول زین العابدین میرٹھی ''ایام العرب کا ایک سلسلہ ہے جو خون کی موجوں کی طرح

سارے جزیرہ میں پھیلا ہوا تھا"۔ [۵۱] عرب میں عدم برداشت کی یہ حالت تھی کہ معمولی باتوں پر قبائل کے درمیان جھگڑا ہو جاتا۔ قبل از اسلام کی دو خونیں جنگیں ایسوس اور داحس والغبراء کے نام سے مشہور ہوئیں۔ بسوس کی جنگ چالیس سال تک رہی۔ [۵۲] یہ جنگ صرف ایک اونٹنی کی ملکیت پر لڑی گئی۔

خواتین کے حوالے سے انتہاء پسندی کے بین الاقوامی رجحانات:

خواتین انسانی معاشرے کے فروغ کی بنیاد ہیں، خواتین ہی اس دھرتی کی زینت ہیں اور بقول علامہ اقبالؒ

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ　　　که اس کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشیت خاک اس کی　　　کہ ہر شرف ہے اس درج کا در مکنوں!
مکالمات فلاطوں نہ لکھ سکی، لیکن　　　اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطوں

اسلام نے خواتین کو جو عزت وقار عطا کیا ہے اس کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے دیکھیں اسلام سے پہلے دنیا میں خواتین کا کیا مقام تھا تا کہ اسلام کے عطا کردہ مقام اور حقوق کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنس کے مصنف لکھتے ہیں!

The first to point to the systemic nature and significance of gender asymmetry in Western culture. She argued in new Women, New Earh [۵۳]

مغربی ممالک میں عورت کے بارے میں پہلا نقطہ نظر یہ ہے کہ عورت صرف دو جنسوں کے ملاپ کے لیے ہے یعنی صرف جنسی تسکین کے لیے ہے اور یہ تاثر دیتے ہیں کہ نئی عورت نئی زمین کی طرح ہے یعنی جس طرح زمین پرانی اور بنجر ہو کر بے قیمت ہو جاتی ہے اسی طرح عورت بوڑھیا ہو کر بے قیمت ہو جاتی ہے۔

خواتین کے بارے میں یونانیوں کی رائے:

ڈاکٹر عبدالرب لکھتے ہیں کہ خواتین کے بارے میں افلاطون کا فلسفہ یہ تھا کہ عورتیں صرف بچے پیدا کرنے کے لیے ہیں جس طرح جانور بچے پیدا کرنے کے لیے رکھے جاتے ہیں اور یونانی کہا کرتے تھے کہ عورت کو صرف لذت حاصل کرنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ [۵۴] یونانی عورت کو ایک کمتر درجہ کی مخلوق سمجھتے تھے اگر کسی عورت کا بچہ خلاف فطرت پیدا ہوتا تو اسے مار ڈالتے۔ اس بدنصیب عورت کو جس سے کسی قوی سپاہی پیدا ہونے کی امید نہ ہوتی مار ڈالتے، جب کسی عورت کا بچہ پیدا ہو چکتا تو فوائد ملکی کی غرض سے اسے دوسرے شخص کی نسل لینے کے لیے اس کے خاوند سے عاریتاً لے لیتے تھے اور خاوند مرتے وقت جس کے حق میں چاہے بیوی کے متعلق وصیت کر سکتا تھا اور وہ اس کی ملکیت ہو جاتی تھی۔ [۵۵] یونانی خرافات میں ایک خیالی عورت پانڈورا (Pandora) کو اسی طرح تمام انسانی مصائب کا موجب قرار دیا گیا تھا جس طرح یہودی خرافیات میں حضرت حواؑ کے متعلق اس غلط افسانے کی شہرت نے عورت کے بارے میں یہودی اور مسیحی اقوام کے رویے پر جو زبردست اثر ڈالا ہے اور قانون

معاشرت، اخلاق ہر چیز کو جس طرح متاثر کیا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔[۵۶]

خواتین کے بارے میں رومیوں/عیسائیوں کی رائے:

اہل روم نے اپنے قانون میں لکھا تھا عورت تجارت وصیت یا گواہی کے معاملے میں نااہل ہے۔عورت اور مرد کی شادی کے حوالے سے نکاح کا نام ''اتفاق السیادۃ'' رکھا تھا۔یعنی شوہر کی بیوی پر حکمرانی[۵۷] مرد اپنے خاندان کا سردار ہے اس کو اپنے بیوی بچوں پر پورے مالکانہ حقوق حاصل ہیں بلکہ بعض حالات میں وہ بیوی کو قتل کر دینے کا بھی مجاز ہے۔[۵۸] فلورا (Flora) نامی ایک کھیل رومیوں میں نہایت مقبول ہوا کیونکہ اس میں برہنہ عورتوں کی دوڑ ہوا کرتی تھی۔[۵۹] ترتولیاں (Tertullian) جو ابتداء دور کے ائمہ مسیحیت میں سے تھا۔عورت کے متعلق مسیحی تصور کی ترجمانی ان الفاظ میں کرتا ہے۔''وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے۔وہ شجر ممنوع کی طرف لے جانے میں خدا کے قانون کو توڑنے والی اور خدا کی تصویر یعنی مرد کو غارت کرنے والی ہے''۔کرائی سوسٹم (Chryusostum) جو مسیحیت کے اولیاء کبار میں شمار کیا جاتا ہے عورت کے حق میں کہتا ہے''ایک ناگزیر برائی ایک سو پیدائشی وسوسہ، ایک مرغوب آفت ایک خانگی خطرہ ایک غارت گر دلربائی ایک آراستہ مصیبت''[۶۰] انگریزی لفظ "Evil" کے متعلق کہا جاتا ہے (جس کے معنی بدی اور برائی، گناہگار اور شیطان، ابلیس لیے جاتے ہیں) کہ یہ لفظ "Eve" سے بنا ہے جو حوا کے نام کا انگریزی ترجمہ ہے عیسائیت (Christianity) میں عورت کے متعلق یہی تصورات ہیں[۶۱] فاطمہ میرنسی لکھتی ہیں!

They explained their behavior by saying. "We only practice at arrud with Women we believe to be slaves" thus excusing themselves by claiming confusion about the identity of the women they approached[۶۲]

(عیسائیوں نے اس کا اعتراف کیا ہے) کہ توریت نے عورتوں کے ساتھ غلاموں جیسا سلوک کیا ہے۔یہی ایک چیز ہے جو خواتین کی شناخت کے حوالے سے (ہم عیسائیوں) کو شرمندہ کرتی ہے محمد انسائیکلوپیڈیا آف سیرہ (Muhammad Encyclopedia of Seerah) کے مقالہ نگار لکھتے ہیں!

The idea that a women is an imperfect creature arose among the people of the west before it did among us Easterners. Men of the West were Quite unjust in their jeering for Women and calling her imperfect' Sometimes they claimed to be repesenting the church and remarked' A Women should be ashamed of being a Women, sometime they said," A Women is the last of all savage beasts whom man has tamed. A Woman is the last link between animals and human beings, and so on, more surprising than this is that a Section of the people of the west have recently done a complete volteface and now want to prove by one thousand and one different arguments that man is an imperfect, inferior and humble being and that

[illegible]

خواتین سے متعلق [illegible] کی رائے

[illegible]

خواتین سے متعلق عربوں کا انتہا پسندانہ رویہ:

[illegible] زندہ قبر میں [illegible] بہت عام تھا [illegible] سمجھتے تھے کہ لڑکی کی ذات صرف باپ پر بوجھ ہے [illegible] اور خودداری تھی۔ انہیں تو یہ محسوس ہوتی تھی کہ کسی کے خسر اور کسی کے سالے [illegible] لڑکیوں کو بچپن ہی میں زندہ درگور کر دیا کرتے تھے اور قرآن کریم نے بھی:

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ [illegible]

قیامت کے دن زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا کہ کس جرم کی پاداش میں قتل کی گئی

اس سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر کہیں زندہ درگور کرنے کا رواج نہ تھا تو وہاں بھی اس کی حیثیت اس سے زیادہ نہ تھی کہ اس کی پیدائش پر باپ کا رنگ فق ہو جاتا اور شرم کے مارے کئی کئی دن لوگوں سے چھپا رہتا اور اس سے جان چھڑانے کی تدبیر کرتا رہتا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر دی جاتی تو سارا دن اس کا چہرہ بے رونق رہتا اور وہ دل میں کڑھتا رہتا ہے۔ قوم سے اس خبر کی بنا پر چھپتا پھرتا ہے اور سوچتا ہے کہ آیا ذلت برداشت کر کے اسے زندہ رکھے یا اسے مٹی میں گاڑ دے۔[۶۸] جب بیٹی باپ کے لیے اس قدر باعث عار و ننگ ہو تو ایسے میں کوئی بھائی کہاں گوارا کرتا کہ وہ بہن کے وجود کو باعث فخر قرار دے سکتا تھا۔ ابو عمرہ لکھتے ہیں! "کہ عرب وراثت میں خواتین کو محروم کیا کرتے تھے اور

سمجھتے تھے وراثت کے حق دار صرف مرد ہیں۔ اس لیے کہ وہ گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں اور تلوار اٹھاتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ عورت کو بھی مال وراثت سمجھتے تھے اور وراثت میں تقسیم کرتے تھے۔[۱۹] یہ تو وہ رویہ تھا جو اقوام عالم میں خواتین کے ساتھ ''انتہا پسندی'' و ''عدم مساوات'' کی شکل میں جاری تھا۔ عہد حاضر کا جائزہ لیں تو آج بھی صورتحال کچھ مختلف نہیں ہے۔ جنگوں اور لڑائیوں میں سویلین بالخصوص عورتوں بچوں کو نشانہ بنانا معمول کی باتیں ہیں۔

اعتدال پسندی کی اسلامی تعلیمات:

ان ہی جانکسل اور نازک لمحات میں ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی نجات دہندہ آئے، سب کچھ ختم ہونے سے پہلے بچانے والا آئے، لینے والا نہیں دینے والا آئے۔ جسے دیکھتے ہی سب کہہ اٹھیں سبحان اللہ صل علی صل علی

اک مہر جہاں تاب ابھرتا ہے حرم سے   اب جھوٹے خدا اپنے چراغوں کو بجھائیں

دنیا کا آخری نجات دہندہ آیا اور ہمیشہ رہنے کے لیے آیا اور اس لیے کہ جب بھی کوئی برا اور کڑا وقت آئے تو اس ''خاصہ خاصان رسل'' کے در پہ امت آئے، ہر اک آئے، خدشہ دل و جاں لائے، حاکم و محکوم، ظالم و مظلوم، مالک و مملوک، جابر و مجبور، آمر و مامور، کوئی ہو آئے، تمنا دعا لے کر آئے اور ملتجی ہو ان کی نگہ کرم کا، تو کیوں نہ ہوگا مالا مال، سیراب و شاداب اور شاداں و فرحاں۔ قرآن میں مقصد آمد و بعثت کے ساتھ مذکور ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔[۲۰]

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی واسطے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے اور اگر وہ لوگ جس وقت انہوں نے ظلم کیا اپنے آپ (اپنی جانوں) پر آتے تیرے پاس، پھر (حاضر خدمت ہو کر) اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کو بخشواتا، تو ضرور پاتے اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے جب تک کہ تجھ ہی کو فیصلہ کنندہ نہ بنالیں ان معاملات میں جن میں یہ آپس میں جھگڑے رہے (اس شرط کے ساتھ کہ) پھر آپ کی طرف سے کیے گئے کسی فیصلہ (کے خلاف) اپنے دلوں میں کوئی (خفیف سی) تنگ دلی بھی محسوس نہ کریں اور بسر و چشم اسے تسلیم کرلیں۔

اسلام سے روشن ہے ہر ایک گوشہ دنیا   اندھیر زمانہ میں تھا اسلام سے پہلے

اعتدال پسندی قرآن وحدیث کی روشنی میں:

اللہ رحمٰن اور رحیم بھی ہے ان دونوں کا مادہ رحم ہے، قرآن کریم کا آغاز بھی جس سورۃ سے ہوتا ہے وہ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ [۲۱] سے شروع ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا اپنا ارشاد ہے: ان رحمتی سبقت غضبی۔[۲۲] بلاشبہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے اور اللہ کے نبی ﷺ بھی نبی رحمت آپ ﷺ کو کل عالم کے لیے رحمت بنا کر

مبعوث فرمایا گیا، خود قرآن آپ ﷺ کے بارے میں کہتا ہے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ [۴۳] اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اور آنحضرت ﷺ بھی اپنے متعلق یہی فرماتے ہیں کہ ابعثت داعیا و رحمة [۴۴] میں تو داعی (حق) اور رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ کی پوری زندگی خواہ قبل از بعثت ہو یا بعد از بعثت اور چاہے قبل از ہجرت ہو یا بعد از ہجرت، مکمل طور پر عفو و درگزر، رحم و ترحم، عدل و انصاف، برداشت و تحمل، حلم و بردباری اور رواداری سے عبارت ہے۔

حلم، یہ تحمل کے مترادف کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ لفظ حلم قرآن کریم میں کئی مقامات پر استعمال ہوا ہے خود اللہ تعالیٰ کے لیے بھی یہ صفت قرآن کریم میں ذکر ہوئی ہے مثلاً سورہ البقرہ میں ارشاد ہے: وَاللّٰہُ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ [۴۵] اور اللہ بخشنے والا، بردبار ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ [۴۶] بلا شبہ اللہ غفور رحیم ہے۔ اِنَّہٗ کَانَ حَلِیۡمًا غَفُوۡرًا [۴۷] بلا شبہ اللہ حلیما غفورا ہے۔ اور سورہ احزاب میں آتا ہے: وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَلِیۡمًا [۴۸] اور اللہ تو جاننے والا حلیم ہے قرآن حکیم میں یہ صفت انبیاء کرام کی بھی بیان کی گئی ہے حضرت ابراہیم کے متعلق قرآن میں ارشاد ہے:

اِنَّ اِبۡرٰهِیۡمَ لَحَلِیۡمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیۡبٌ [۴۹] اور ہم نے ان (ابراہیم علیہ السلام) کو ایک بڑے بردبار بیٹے (اسماعیلؑ) کی خوشخبری دی۔

اس بناء پر اعتدال و تحمل اور حلم و بردباری ان صفات حمیدہ میں سے ہیں جن سے خود اللہ بھی متصف ہے اور انبیاء کرام بھی اس صفت سے کامل طور پر متصف ہو کر پیدا ہوئے ہیں۔ رواداری اور اعتدال کی اہمیت کا مزید اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسلامی نظام اخلاق میں حلم جیسی صفات کو بنیادی اخلاقی صفات قرار دیا گیا کیونکہ اس کے ذریعے انسان کسی چیز کو ناپسند کرتے ہوئے بھی جذباتی ردعمل کا اظہار کرنے کی بجائے اپنے اعصاب پر قابو پانے کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لیس الشدید بالصرعة وانما الشدید الذی یملک نفسه عند الغضب [۵۰]

حلم اور برداشت اخلاق نبیلہ میں سے ہیں اس کی وجہ سے لوگوں کی عزت اور ان کے جسم سلامت رہتے ہیں۔ [۵۱]

الحلم خلیل المؤمن والعلم وزیره والعقل دلیله والرفق ولده واللین اخوه والصبر جنده [۵۲]

اسی بنا پر مسلمان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی اپنے اوپر قابو رکھے۔ غصے کے انگاروں کو حلم سے بجھائے اور حالت غضب میں بھی اپنے اوپر قابو رکھے۔ [۵۳]

آنحضور ﷺ کی دعوت میں کامیابی کا سبب یہی حلم تھا جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ ج وَلَوۡ کُنۡتَ فَظًّا غَلِیۡظَ الۡقَلۡبِ لَا نۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِکَ [۵۴]

اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جن انبیاء اور رسل کو بھیجا وہ مخصوص عرصے کے لیے تھے۔

جیسا کہ ارشاد باری ہے: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِہِمْ [۸۵] لیکن جب انسانی فکر ترقی اور تطور کے ایک خاص مقام پر پہنچ گئی اور اس میں عقیدہ ایمان اور توحید جیسے پہلوؤں کو سمجھنے کی پختگی پیدا ہوگئی اور اس کی عملی حالت ایسی سطح کی ہوگئی جہاں پر اس کے مختلف فنی نظریات کو سمجھنا آسان ہوگیا تو ان حالات میں ایک نئے جامع پیغام کی ضرورت محسوس ہوئی جس کے ساتھ ہی انبیاء کی تعلیمات مکمل ہوجائیں اور انسانیت پر اللہ کی رحمت مکمل ہو جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے (وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا) [۸۶] اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام رحمت تمام جہانوں کے لیے اور تمام اقوام کے لیے تھا اور یہ رنگ و نسل ذات پات قومی اور علاقائی تعصبات سے بالاتر ایک بین الاقوامی پیغام تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے (قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا) [۸۷] آنحضرت ﷺ جو عالمی پیغام لائے تھے اس پیغام کو تمام انسانوں تک پہنچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا طریقہ بھی بتا دیا تھا جس کے ذریعے یہ پیغام دنیا جہاں کے لوگوں تک پہنچا ہے اس طریقہ کار میں صبر و برداشت اور نرمی کا رویہ بنیادی عنصر تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ (اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ) [۸۸]

انتہا پسندی کو آپ ﷺ نے غلو سے تعبیر کیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَھْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا کَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ"۔ [۸۹]

کہو اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان کے تخیلات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔

ان آیات میں نصاریٰ کو دین میں انتہا پسندی سے روکا گیا ہے اور خوش بخت وہ ہیں جو دوسروں کے انجام سے نصیحت اور عبرت حاصل کرتے ہیں اور آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جسے امام احمد نے اپنی مسند امام نسائی اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اور حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

ایاکم والغلو فی الدین انما ھلک من قبلکم بالغلو فی الدین۔ [۹۰]

تم دین میں غلو کرنے سے بچو تم سے پہلے کے لوگ دین میں غلو ہی کے باعث ہلاک ہوئے

صحیح مسلم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ھلک المتنطعون۔ [۹۱]

آپ ﷺ نے یہ جملہ تین مرتبہ فرمایا امام نووی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بال کی کھال نکالتے ہیں شدت پسندی کا رویہ اپناتے ہیں اور اپنے اقوال و اعمال میں حد سے بڑھ جاتے ہیں۔

ابو یعلیٰ نے اپنے مسند میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتشددوا علی انفسکم فیشدد علیکم قوما شددوا علیٰ انفسھم فشدد علیھم فتلک بقایا ھم فی

الصوامع والدیارات۔ [۹۲]

اپنے اوپر سختی نہ کرو ورنہ یہ سختی تم پر لازم کردی جائے گی ایک گروہ نے (انتہا پسندی کا رویہ اپنا کر) اپنے اوپر سختی کی تو ان پر سختی کی گئی اور اس گروہ سے بچے ہوئے باقی افراد صوامع اور راہب خانوں میں ہیں۔

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دینداری کے سلسلے میں ہر ایسے رویہ پر ٹوکا جس میں غلو کی طرف رجحان پایا جاتا تھا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جن لوگوں نے عبادت اور زہد کے معاملے میں مبالغہ کا ایسا رخ اپنایا جو اسلام کی راہ اعتدال سے میل نہیں کھاتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے غیر معقول رویہ پر نکیر فرمائی۔ [۹۳] آپ ﷺ نے روحانیت اور مادیت میں توازن اور دین و دنیا میں یگانگت پیدا کی اور دین میں آسانی پیدا کی، اللہ آسانی چاہتا ہے مشکل نہیں۔ [۹۴] قرآن نے اعتدال کی راہ اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہوسکتی، برائی کو ایسے طریقے سے دور کرو جو بہتر ہو (اگر ایسا کرو) تو جس شخص میں اور تم میں دشمنی ہے وہ ایسا ہی ہوجائے گا جیسے ولی (قریبی) دوست۔ [۹۵]

ان نیک لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جو آخرت میں عمدہ ٹھکانوں کے مستحق قرار پائیں گے قرآن کہتا ہے:

''اور (یہ وہ لوگ ہیں) جو اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے صبر کرتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ (راہ حق میں) خرچ کرتے ہیں اور برائی کے مقابلے میں بھلائی کرتے ہیں انہی لوگوں کے لیے آخرت کا گھر ہے۔'' [۹۶]

مذہب کے معاملے میں اعتدال کی تلقین اور تبدیلی مذہب کے سلسلے میں جبر کی نفی کرتے ہوئے قرآن کا فرمان ہے:

دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں بلاشبہ ہدایت گمراہی سے الگ ظاہر ہو چکی ہے پھر جس نے جھوٹے معبودوں کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لے آیا تو اس نے ایسی مضبوط رسی پکڑ لی جو ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ خوب جانتا ہے۔ [۹۷]

اس پر مسلمانوں نے کس انداز سے عمل کیا اس کی ایک جھلک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ میں ملتی ہے انہوں نے اپنے غلام اسبق کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی لیکن جب اس نے انکار کیا تو فرمایا: **لا اکراہ فی الدین۔** [۹۸]

اسلام کا حکم یہ ہے کہ جب کسی قسم کا معاملہ درپیش ہو تو انصاف کا دامن مضبوطی سے تھامے رہو اور تمہارا کوئی اقدام انصاف سے سرمو تجاوز نہ کرنے پائے اور اس سلسلے میں دوست و دشمن اپنے پرائے اور مسلم و غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اے ایمان والو: اللہ کے لیے انصاف سے گواہی دینے کے لیے کھڑے ہوجایا کرو اور کسی قسم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ترک نہ کرو (اور) عدل کیا کرو یہی پرہیزگاری سے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بلاشبہ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ [۹۹]

یہود کی نافرمانیوں اور گستاخیوں کا ذکر کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو درگزر کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اور ان (یہود) میں سے چند لوگوں کے سوا ان کی کسی نہ کسی خیانت کی اطلاع آپ کو ہمیشہ ملتی رہے گی سو آپ ان کو معاف کیجیے اور درگزر فرمایئے بلاشبہ اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ [۱۰۰]

اسلام باطل معبودوں کو بھی برا کہنے سے منع کرتا ہے کیونکہ اس صورت میں ردعمل کے طور پر وہ خدائے واحد کو برا کہیں گے، ارشاد ہے!

اور (اے مسلمانو!) یہ مشرک اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں تم ان کو برا بھلا مت کہو کیونکہ پھر وہ بھی جہالت کی بناء پر حد سے تجاوز کر کے اللہ کی شان میں گستاخی کرنے لگیں گے۔ [۱۰۱]

آپ ﷺ کی قوت برداشت اور ضبط و تحمل مثالی تھا، آپ ﷺ کی پوری حیات مقدسہ عفو و درگزر، رحمت و رافت، حلم و تحمل، صبر و ضبط رحیم و ترحم اور برداشت و رواداری سے عبارت ہے ابوالکلام آزاد نے بجا کہا ہے کہ:

مظلومی میں صبر، مقابلے میں عزم، معاملے میں راست بازی اور طاقت و اختیار میں عفو و درگزر اور رواداری تاریخ انسانیت کے وہ نوادر ہیں جو کسی ایک زندگی کے اندر اس طرح کبھی جمع نہیں ہوئے۔ [۱۰۲]

اور قاضی عیاض آپ ﷺ کی اعتدال پسندی کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں!

اور آپ ﷺ کو دی جانے والی تکالیف کی کثرت پر آپ ﷺ کا صبر بڑھتا جاتا تھا اور جاہلوں کی جانب سے کی جانے والی زیادتیوں پر آپ ﷺ کا حلم۔ [۱۰۳]

انسان کا اصل امتحان اپنے اہل خانہ اور ملازمین کے ساتھ معاشرت میں ہوتا ہے بہت سے مواقع ایسے آتے ہیں جب انسان کے لیے صبر تحمل اور برداشت سے کام لینا عام طور پر ممکن نہیں ہوتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مراحل میں بھی سب سے جدا اور سب سے ممتاز نظر آتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے ان کا بیان ہے کہ میں نے دس برس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، خدا کی قسم آپ ﷺ نے کبھی مجھے اف تک نہیں کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کام کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہیں کیا۔ [۱۰۴] برداشت و تحمل کا یہ کس قدر بلند رتبہ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا سوائے اس شخص کے جس نے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کا ارتکاب کیا تو اس سے اللہ کے لیے بدلہ لیا۔ [۱۰۵]

محبت کے یوں جس نے دریا بہائے — دل ان کا بھی چھینا جو سر لینے آئے
یہ بندہ نوازی کے جوہر دکھائے — کہ جو کھائے اور جواہر لٹائے
خوشی اپنی غیروں کے غم میں بھلا دی — دیا درد جس نے اسے بھی دوا دی
اٹھائیں جن سے اذیتیں انہی کے حق میں دعائیں مانگیں — کسی میں یہ شان حلم بھی ہے ایسا کوئی حلیم بھی ہے

اعتدال کی تعلیم فقہ کی روشنی میں:

فقہاء نے شرعی مسائل کی تعبیرات اختیار کرنے میں دلائل کو بنیاد بنایا ہے اور اختلاف کرنے والے کے لیے کلمہ خیر کہا ہے یہی وجہ ہے تمام کتب فقہ میں آئمہ اربعہ اوران کے متبعین کی آراء کو مع دلائل نقل کیا ہے اور پروقار انداز میں ذکر کیا ہے حضرت سفیان ثوری سے منقول ہے جب تم کسی کو ایک ایسا عمل کرتے دیکھو جس میں علماء کا اختلاف ہو اور تمہاری رائے میں صحیح عمل دوسرا ہو تو تم اس کو عمل سے نہ روکو۔[۶] خطیب بغدادی نے نقل کیا ہے جس بات میں فقہاء کا اختلاف ہو تو میں کسی مسلمان بھائی کو اس پر عمل کرنے سے نہیں روکتا۔[۷] امام نوویؒ نے لکھا ہے علماء صرف ان امور پر نکیر کرنے کے مجاز ہیں جس کی حلت یا حرمت پر آئمہ کا اتفاق ہو۔

جہاں تک مختلف فیہ معاملات کا تعلق ہے تو ان میں انکار جائز نہیں ہے کیونکہ ایسے مسائل میں ایک رائے یہ ہے ''کل مجتهد مصيب'' یعنی ہر اجتہاد کرنے والا حق پر ہے اسی رائے کو زیادہ لوگوں نے ترجیح دی ہے۔[۸] لیکن عقائد کے مسائل میں ہمارے ہاں انتہا پسندی کا غلبہ ہے۔

عہد حاضر میں مسلمانوں کے درمیان افتراق وانتشار کا بڑا سبب تکفیر کا فتنہ ہے یعنی ایک فرقے یا مسلک کا دوسرے کے متبعین کو کافر قرار دے کر خارج از اسلام سمجھنا۔[۹] باہمی تکفیر کا یہ فتنہ اتنا وبائی ہے جس کی زد میں آج کوئی مسلمان محفوظ نہیں کیونکہ ہر مسلمان کا کسی مسلک یا جماعت سے تعلق ہے جو دوسرے کے نزدیک نہ صرف یہ کہ کافر بلکہ مباح الدم اور واجب القتل ہے بعض مفتیوں کے ایسے فتوے بھی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ جو شخص فلاں فرقے اور اس کے فلاں فلاں اشخاص کو کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر ہے۔ اقبال نے سچ کہا:

فرقے ہیں کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں   کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

حالانکہ قرآن وحدیث سے جو ہدایات ملتی ہیں ان کے مطابق جو شخص ضروریات دین کا انکار نہ کرتا ہو اور قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہو وہ جتنا بھی گناہ گار اور کبائر کا مرتکب ہو اس کی تکفیر کسی طرح بھی جائز نہیں مسلمان بڑی سے بڑی ناگوار بات بلکہ گالی تک برداشت کر لیتا ہے لیکن جب اسے کافر کہا جائے تو وہ یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس فتنہ کے سد باب کے لیے بڑی واضح تعلیمات عطا کی ہیں۔

عن انسؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث من اصل الايمان الكف عن من قال لا اله الا الله لا تكفره بذنب ولا تخرجه من الاسلام بعمل۔[۱۰]

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں اصل ایمان ہیں ان کا ایمان سے گہرا تعلق ہے ایک یہ کہ جو شخص کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھتا ہو اس کے متعلق زبان کو روک رکھنا نہ کسی گناہ کی وجہ سے اس کی تکفیر کی جائے اور نہ کسی برے عمل کی وجہ سے اسے اسلام سے خارج کیا جائے۔

جوشخص کسی کو کافر کہے درانحالیکہ وہ حقیقت میں کافر نہ ہو تو کفر کا فتویٰ تکفیر کرنے والے کی طرف لوٹ آئے گا۔

ایمار رجل قال لا خیه یا کافر فقدیاء بھا احد ھما۔[11]

جوشخص اپنے کسی مسلمان بھائی کو کافر کہے تو یہ قول دونوں میں سے کسی ایک پر ضرور پڑے گا۔

لایرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیه بالکفر الا ارتدت علیه ان لم یکن صاحبه کذالک۔[12]

جب کبھی ایک شخص دوسرے پر فسق یا کفر کی تہمت لگاتا ہے تو وہ تہمت اس پر لوٹ آئے گی اگر وہ شخص جس پر تہمت لگائی تھی درحقیقت کافر یا فاسق نہ ہو۔

من دعار حلا بالکفر او قال عدو اللّٰه ولیس کذالک الا حار علیه.[13]

جوشخص کسی کو کافر یا دشمن خدا کہے جب کہ وہ شخص ایسا نہ تھا تو یہ قول خود قائل پر ضرور پڑے گا۔

من لعن مومنا فھو کقتله ومن قذف مومنا بالکفر فھو کقتله۔[14]

جس نے کسی مومن پر لعنت کی اس نے گویا اسے قتل کیا اور جس نے کسی مومن پر کفر کی تہمت لگائی اس نے گویا اسے قتل کر دیا اس طرح فقہاء نے کفر کے حوالے سے یہ اصول بیان کیا ہے:

من قواعد اھل السنة والجماعة ان لا یکفر واحد من اھل القبلة۔[15]

اہل سنت والجماعۃ کے بنیادی قواعد میں سے ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے۔

اور امام ابوحنیفہؒ نے بھی یہی کہا ہے: **عن ابی حنیفة لا نکفر اھل القبلة بذنب** اور اہل قبلہ سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب فقہاء نے یہ دیا ہے۔

واعلم ان اھل القبلة الذین اتفقوا علی ماھو من ضروریات الدین کحدوث العالم وحشر الا جساد۔[16]

مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی کتاب جواہر الفقہ میں ضابطہ کفر کے ذیل میں لکھا ہے:

اگر کسی خاص شخص یا کسی خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو خواہ تردد کے اسباب میں علماء کا اختلاف، خواہ قرآئن کا تعارض ہو یا اصول کا غموض تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم لگایا جائے نہ اسلام کا حکم۔ اس کی نظیر وہ حکم ہے جو اہل کتاب کی مشتبہ روایات کے متعلق احادیث میں وارد ہے کہ: **لا تصدقوا اھل الکتاب ولا تکذبوھم وقولوا امنا باللّٰه وما انزل الینا**۔[18] یعنی اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب اور کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اس نے اتارا ہم پر۔ اس سے یہ بات صاف واضح ہو جاتی ہے کہ مسئلہ تکفیر نہایت نازک مسئلہ ہے بقول شاعر

شجر ہے فرقہ آرائی، تعصب ہے ثمر اس کا ۔۔۔ یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو

اعتدال بانی پاکستان محمد علی جناح کی تعلیمات کی روشنی میں:

قائداعظمؒ کی یہ دھرتی ہم نے بڑی قربانیوں کے بعد حاصل کی تھی۔ قائداعظمؒ نے ڈھاکہ کے ایک جلسہ عام میں ۲۱

مارچ ۱۹۴۸ء کو خطاب کرتے ہوئے سرور کونین ﷺ کا وہ درس دھرایا تھا جو امت مسلمہ کی وحدت اور ترقی کا ضامن ہوتا ہے۔

''میں چاہتا ہوں کہ آپ بنگالی، پنجابی، سندھی، بلوچی اور پٹھان وغیرہ کی اصطلاحوں میں بات نہ کریں میں مانتا ہوں یہ وحدتیں اپنی اپنی جگہ موجود ہیں لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا آپ وہ سبق بھول گئے جو تیرہ سو سال پہلے آپ کو سکھایا گیا تھا؟ اسلام نے ہمیں یہی سبق دیا ہے اور آپ یقیناً مجھ سے اتفاق کریں گے کہ آپ خواہ کچھ بھی ہوں اور کہیں بھی ہوں اول و آخر مسلمان ہیں''۔[119] قائداعظم محمد علی جناح کے الفاظ میں:

ہمیں دنیا کے سامنے ایک ایسا نظام پیش کرنا چاہیے جو انسانی مساوات اور عدل عمرانی کے اسلامی تصورات پر مبنی ہو صرف یہی وہ طریقہ ہے جس سے ہم اس فریضہ سے عہدہ برآ ہوسکیں گے جو ہم پر مسلمان ہونے کی حیثیت سے عائد ہوتا ہے اور ہم دنیا کو وہ پیغام دے سکیں گے جو اسے تباہیوں سے بچالے گا اور نوع انسانی بہبود و مسرت اور خوشحالی کا ضامن ہو سکے گا یہ کام کسی اور نظام سے نہیں ہوسکتا۔[120]

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا تھا:

اسلام اور اس کے نظریات نے ہمیں شخصی آزادی کا سبق دے رکھا ہے ہر شخص سے انصاف، رواداری اور مساوی برتاؤ اسلام کا بنیادی اصول ہے[121] ہم رواداری حلم و بردباری اور برداشت کا یہ سبق بھول گئے اور ۱۹۷۱ء میں آدھا ملک گنوا بیٹھے۔ انور صابری نے ۱۹۴۶ء میں جو پیش گوئی کی تھی آج وہ ہم پر حرف بہ حرف صادق آرہی ہے پاکستان میں کیا کیا ہوگا۔

غیروں سے یارانے ہوں گے — اپنے سب بیگانے ہوں گے
شمع بنے گا خون غریباں — روشن عشرت خانے ہوں گے
پرجا کے غمگین دلوں پر — راجہ خنجر تانے ہوں گے
سر سے پا تک دھوکا ہوگا — پاکستان میں کیا کیا ہوگا

انتہاء پسندی کے خاتمہ کے لیے تجاویز:

اپنے مقالہ کے آخر میں مختصراً قومی و بین الاقوامی انتہاء پسندی کے رجحان کے خاتمہ کے لیے چند تجاویز پیش کرنا چاہوں گی۔

۱۔ بین الاقوامی سطح پر انتہا پسندی اسی وقت ختم ہوگی جب ظلم کا خاتمہ ہو اور انصاف و قانون کی بالادستی ہو ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو اقوام عالم کے نمائندوں نے یونیسکو کے منشور پر دستخط کیے، اس کی پابندی اس لیے کی گئی کہ دنیا عالمی جنگوں کے سبب خون میں نہا چکی تھی اور دو سپر طاقتیں وجود میں آچکی تھیں جیسے ہی ایک سپر طاقت ختم ہوئی امریکہ نے سابقہ لاقانونیت کا سلسلہ پھر شروع کر دیا۔

۲۔ ہر سطح پر بات چیت کا سلسلہ شروع کیا جائے پاکستان ہندوستان افغانستان روس سے بات چیت کرے اور نیبل

پر مسائل کا حل نکالا جائے طاقت کے استعمال کو محدود کیا جائے بالخصوص اپنے ملک کے عوام کے خلاف خواہ کسی بھی شکل میں ہو۔

۳۔ پچھلے چند سالوں سے ہمارے معاشرے میں جو انتہا پسندی کا رجحان بڑھا ہے اس کے نتیجے میں کراچی متعدد بار خون میں نہا چکا ہے میں سمجھتی ہوں اس کی وجہ تعلیمات نبوی سے عملی بعد ہے۔ آج ہم مذہبی و ملکی سیاسی ولسانی تعصبات میں ڈوب چکے ہیں اگر ہم اس صورت حال سے نکلنا چاہیں تو قرآن اور تعلیمات نبوی سے مکمل رہنمائی ملتی ہے ارشاد ربانی ہے وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ۔[۱۳۲]

اگر ایک فریق صلح پر آمادہ ہو تو تم بھی اس سے صلح کر لو اور اس سے نہ گھبراؤ کہ وہ مکر سے نقصان پہنچا دے گا بلکہ اللہ پر توکل کرو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی نکتہ پر تمام معاہدات کئے، نقض معاہدہ کرنے والوں نے اپنے انجام کو خود دیکھ لیا، دوسرا حکم یہ ہے کہ حسن سلوک و برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں راہ راست پر لانے کی پرخلوص کوشش کی جائے۔[۱۳۳] تو یقین سے کہا جاسکتا ہے ملک فرقہ واریت اور لسانی عصبیت سے آزاد ہو جائے گا اور کیوں نہیں ہوسکتا اگر جاہلی عصبیت تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پاش پاش ہوسکتی ہے اگر عرب کے وحشی معلم انسانیت بن سکتے ہیں اگر عرب کے گم گشتہ راہ عالم کے رہبر اور رہنما بن سکتے ہیں تو واللہ العظیم تعلیمات نبوی ﷺ میں آج بھی اتنا اثر ہے کہ ہم اس صورت حال سے نکل سکتے ہیں ضرورت صرف خلوص کی ہے۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

تعلیمات نبوی ﷺ کی اثر پذیری:

تعلیمات نبوی ﷺ میں آج بھی اثر پذیری ہے بشرطیکہ پڑھنے والی زبان سوچنے والا دماغ، قبول کرنے والا دل، عمل کرنے والا ارادہ ہو اس کے مطالعہ سے فکر کو جلاء قلوب کو تقویت اور ارادوں کو پختگی ملتی ہے حضرت حمزہؓ کا قاتل وحشی امن و عافیت میں آنے کے بعد اسی اداؤں کو مدعی نبوت مسیلمہ کذاب پر استعمال کر کے اس کا خاتمہ کر کے تعلیمات نبوی ﷺ کی اثر پذیری کا عملی اقرار کرتا ہے۔ رئیس المنافقین کا بیٹا عبداللہ اپنے باپ کے قتل کی اجازت طلب کرتا ہے ابو جہل جو اسلام کا سب سے بڑا مخالف تھا اس کا بیٹا عکرمہ اسلام قبول کرنے آیا تو نبی کریم ﷺ بے ساختہ خوشی سے اس کی طرف لپکے خوش آمدید کہا اسلام قبول کر کے عکرمہؓ نے رحمۃ للعالمین سے اپنے سابقہ سلوک پر پشیمانی کا اظہار کیا اور یہ وعدہ کیا کہ میں نے جتنی طاقت اسلام کی بیخ کنی میں صرف کی ہے اس سے زیادہ اسلام کے دفاع پر خرچ کروں گا۔ یرموک کے میدان میں ایفاء وعدہ کا وقت آ گیا، دشمن کا پلہ بھاری ہوتا جا رہا ہے عکرمہ بے چین ہو کر سوچتے ہیں کہ عکرمہ زندہ رہے اور مسلمان شکست کھا جائے ایسا نہیں ہوسکتا ہے یہ وہی عکرمہ ہیں جو غزوہ خندق میں خندق پار کر کے مدینہ میں داخل ہو چکے تھے مگر موت کے خوف سے پسپائی قبول کر لی مکہ پر حملہ میں خالد بن ولید سے مقابلہ کیا شکست کے بعد بھاگ لیے، اگر آج بھی یہی کچھ ہو تو پھر بات کیا رہی؟ بکھرتے ہوئے مجاہدین اسلام کو سمیٹتے ہیں چار سو افراد سے موت پر بیعت لیتے ہیں کہ میدان کارزار سے اب صرف موت ہی ہٹا سکتی ہے تمام افراد پوری ثابت

قدمی سے لڑتے ہیں عکرمہ سمیت سب کے سب شہید ہو جاتے ہیں اور اپنے خون سے اسلام کی وفاداری ثبت کر جاتے ہیں خود کٹ گئے آبروئے اسلام بچالی خود قربان ہو گئے لیکن جنگ کا پانسہ پلٹ گئے۔ اس کو علامہ اقبال نے کہا ہے۔

اگر ہو آج بھی ابراہیم کا سا ایمان پیدا — آگ کر سکتی انداز گلستان پیدا
زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں اس کے نام پر — اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا
شوکت مغرور کا کس شخص نے توڑا طلسم — منہدم کس نے الہی قصر کسریٰ کر دیا

یہی وہ اثر پذیری ہے جس سے متاثر ہو کر اردن کے عیسائیوں نے مسلمان کمانڈر ابو عبیدہؓ کو خط لکھا:

اے مسلمانو! ہم تمہیں بازنطینیوں پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ وہ ہمارے ہم مذہب ہیں لیکن تم ہم سے بہتر مذہبی سلوک روا رکھتے ہو ہم سے زیادہ رحمدلی سے پیش آتے ہو اور ہم سے ناانصافی نہیں کرتے۔ تم ان سے کہیں بہتر طور پر حکومت کرتے ہو انہوں نے تو ہم سے ہمارے اللہ اور ہمارے گھر بھی چھین لیے۔[۱۴] پھر جب ہرقل (بازنطینی حکمران ۵۷۵ء۔۶۱۰ تا ۶۴۱) شہر ایمیسہ کے قریب آیا تو شہریوں نے دروازے بند کر لیے اور مسلمانوں کو اس کی وجہ یہ بتائی کہ وہ اپنے ہم مذہب یونانی حکمرانوں کی ناانصافی اور سختی پر مسلمانوں کی حکومت اور عدل پرستی کو ترجیح دیتے ہیں۔[۱۵] ہمیں بحیثیت مسلمان اسی سیرت کو اپنانے کی ضرورت ہے اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو تائید ایزدی ضرور ہوگی اور مسلمان ان حالات سے نکل کر جلد بہتری کی جانب گامزن ہو جائیں گے اللہ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

حواشی وحوالہ جات

۱۔ مقالات سیرت ۱۹۹۹ء/ص ۳۶۱

۲۔ سورہ الروم، آیت ۴۱

۳۔ A Dictionary of Islamic Terms Arabic English p.313-by Deeb Al Khudsawi Al-Yamama Beirut 1995

۴۔ لسان العرب/ ابن منظور/ بذیل مادہ "فرط" / بیروت، دار صادر، ۱۹۵۶/ص ۳۶۸

۵۔ موسوعۃ نظرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم/ دار الوسیلۃ لنشر المملکۃ العربیۃ السعودیۃ/ ج ۹، ص ۴۲۲۹

۶۔ سورۃ طہ، آیت ۴۵

۷۔ الکلیات معجم المصطلحات والفروق اللغویۃ، ابو البقاء/ موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۹۳/ص ۱۵۵

۸۔ لسان العرب ابن منظور/ بذیل مادہ "غلا" / ج ۵، ص ۳۲۹

۹۔ التوقیف علی مہمات التعاریف محمد عبد الرؤف المناوی/ مطبوعہ قاہرہ، ۱۴۱۰ھ/ص ۲۵۳

۱۰۔ تفسیر القرطبی الجامع لاحکام القرآن/ ج ۶، ص ۷۷

۱۱۔ موسوعۃ نظرۃ النعیم/ ج ۱۱/ص ۵۱۱۵

۱۲۔ Encyclopaedia of Britanica (Micropedia ready references, Encyclopaedia Britanica1947) vx p 400

۱۳۔ تفصیل کے لیے دیکھیں International Encyclopaedia of the Social Sciences (the Macmillan company and the Free press 1968) P12/439

۱۴۔ سورۃ البقرہ ۲، آیت ۲۳۵

۱۵۔ سورۃ الاسراء ۱۷، آیت ۴۴

۱۶۔ سورہ الاحزاب ۳۳، آیت ۵۱

۱۷۔ شرح اسماء الحسنی ص ۸۸، تاج کمپنی کراچی۔ تاریخ و مصنف ندارد

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ رازی فخر الدین۔ شرح اسماء الحسنی / دارالکتب العربی، بیروت/ص ۳۵۳

۲۰۔ شرح اسماء الحسنی / تاریخ و مصنف ندارد/ تاج کمپنی، کراچی/ص ۲۱۲

۲۱۔ سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی الحسد

۲۲۔ سورۃ الفلق

۲۳۔ صحیح البخاری، کتاب الادب باب الحذر من الغضب

۲۴۔ سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۶۲

۲۵۔ سورۃ البقرہ، آیت ۳۴

۲۶۔ سورۃ ص، آیت ۷۶

۲۷۔ سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۶۲

۲۸۔ سورۃ المائدہ، آیت ۳۰

۲۹۔ سورۃ البقرہ ۲، آیت ۲۱۴

۳۰۔ رضوی، واجد علی، رسول میدان جنگ میں/ص ۲۹۰

۳۱۔ قریشی، پروفیسر محمد صدیق، رسول اکرم ﷺ کا نظام جاسوسی (شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۹۰ء)/ص ۵۲

۳۲۔ حمید اللہ، ڈاکٹر محمد/ عہد نبوی ﷺ کے میدان جنگ/ص ۲

۳۳۔ ثانی، تجلیات سیرت/ص ۱۳۲

۳۴۔ ہفت روزہ تکبیر کراچی (۱۸ مارچ ۱۹۹۹ء)/ص ۶۔۷

۳۵۔ خبر و نظر مارچ ۱۹۹۹ء امریکی شعبہ اطلاعات ۶۰/ جناح ایونیو، اسلام آباد

۳۶۔ تفصیل کے لیے دیکھئے جلیانوالہ باغ کا قتل عام اور مظالم پنجاب ڈاکٹر غلام حسین سنگ میل لاہور ۱۹۹۶

۳۷۔ ساگر، طارق اسماعیل، آپریشن بلیو اسٹار (مقبول اکیڈمی لاہور ۱۹۹۳ء) اور قومی ڈائجسٹ لاہور سکھ تحریک نمبر اگست ۱۹۸۳ میں تفصیلات ملاحظہ کریں۔

۳۸۔ ایضاً/ص ۱۵

۳۹۔ ہفت روزہ تکبیر ۱۷ ستمبر ۱۹۹۸ء اور ۷ مئی ۱۹۹۸ء روزنامہ امن کراچی، جنگ کراچی، ۲۶ دسمبر تا ۵ جنوری

۴۰۔ ۹۹۔۳۔۱۸ نیوی کراچی رپورٹ

۴۱۔ روزنامہ جنگ کراچی، ۱۶/ مارچ ۱۹۹۹ء

۴۲۔ Abdul Hameed Qadri, Dimentions of Chirstianity Dawah Academy Islamabad 1998.

P.37

۴۳۔ The Time Almanac 1999 Editor Board Gnabunner (Information pleaselle United States of America) P. 394 Gerd Hardach The First World War 1914-1918 (London Allen Lane 1973)

۴۴۔ انسانی حقوق کی پامالی (بین الاقوامی جیورسٹس کمیشن رپورٹ مترجم ڈاکٹر ظفر عارف کراچی اسٹڈی سرکل کراچی ۱۹۸۹ء/ص ۱۴۴

۴۵۔ پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال ۱۹۹۲ء (پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق لاہور ۱۹۹۳ء) /ص ۱۳، ۱۴

۴۶۔ پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال ۱۹۹۳ء (پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق لاہور ۱۹۹۴ء) /ص ۳۰۔۳۷

۴۷۔ پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال ۱۹۹۳ء (پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق لاہور ۱۹۹۴ء) /ص ۶۶۔۶۷، ۱۶۹

۴۸۔ روزنامہ جنگ کراچی مارچ ۱۹۹۹ء

۴۹۔ تفصیل کے لیے دیکھئے کراچی کے زخم نصرت مرزا (مطبوعہ کراچی ۱۹۹۶ء) اور مسئلہ کراچی اسباب وحل رشید جمال (نواب پبلی کیشنز کراچی ۱۹۹۶ء) اور کراچی پیپرز اقبال یوسف (کراچی ایڈمنسٹریشن بلاک ۱۹۹۵ء)

۵۰۔ Terrorism affects the world equally (Steven Anzovin, Terrorism, P11

۵۱۔ نقوش سیرت نمبر/پیغمبر اسلام کا پیغام امن/ج ۳، ص ۴۶۰

۵۲۔ تاریخ الاسلام السیاسی والدینی اور الدکتور احسن ابراہیم حسن/ص ۵۳

۵۳۔ The Encyclopedia of reigion a mircea ellade editor in chief mac millan pub. com new yourk 1983 vol: 15p-435

۵۴۔ عمل المراۃ موقف الاسلام منہ، دکتور عبدالرب نواب دارالعاصمۃ سعودی عرب ۱۹۸۹ء/ص ۳۶

۵۵۔ سہ ماہی منہاج لاہور حصہ سوم جنوری ۱۹۸۵ء/ص ۹۶، ۹۷

۵۶۔ پردہ، ابوالاعلیٰ، مودودی، اسلامک پبلی کیشنز لاہور/ص ۱۷

۵۷۔ عمل المراۃ موقف الاسلام، عبدالرب/ص ۲۱

۵۸۔ پردہ، ابوالاعلیٰ مودودی/ص ۲۱

۵۹۔ ایضاً

۶۰۔ ایضاً/ص ۲۴

۶۱۔ اسلام میں عورت کا مقام۔ ڈاکٹر اسرار احمد انجمن خدام القرآن لاہور ۱۹۹۲ء/ص ۱۸

۶۲۔ Women and Islam an historical and theological enquiry by Fatma Mernissi Translated Mary Jolakel and pub 1991 Oxford p.180

۶۳۔ Muhammad Encyclopedia of Seerah, by Dr. Abdullah-o-Nassef, Serah Foundation London 1987 Col: V, p-107

۶۴۔ عمل المراۃ موقف الاسلام منہ/ص ۲۹

۶۵۔ تحقیق ماللہند ابوریحان البیرونی، عالم الکتب بیروت، ۱۹۸۳ء/ص ۴۷

۶۶۔ عربی ادب کی تاریخ ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی ترقی اردو بیورو نئی دہلی ۱۹۸۲ء/ص ۵۲، ۸۳

۶۷۔ سورۃ التکویر، آیت ۸، ۹

۶۸۔ سورۃ النحل، آیت ۵۸،۵۹

۶۹۔ قضیاء المراۃ فی الشعر الحدیث من ۱۷۹۸ تا ۱۹۴۵ء عادل ادب عمشہ دارالجیل بیروت ۱۹۸۷ء/ص ۱۹،۲۰

۷۰۔ سورۃ النساء، آیت ۶۴،۶۵

۷۱۔ سورۃ الفاتحہ، آیت ۱،۲

۷۲۔ مسند احمد، احمد بن حنبل/ مکتبہ داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۳ء/ ج ۲ ص ۷،۵

۷۳۔ سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۷

۷۴۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ قاضی عیاض/ مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی قاہرہ، مصر ۱۹۰۵ء/ ج ۱ ص ۶۱

۷۵۔ سورۃ البقرہ، آیت ۲۲۵

۷۶۔ سورۃ آل عمران، آیت ۱۵۵

۷۷۔ سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۴۴

۷۸۔ سورۃ الاحزاب، آیت ۵۱

۷۹۔ سورۃ ہود، آیت ۷۵

۸۰۔ البخاری ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل الجامع الصحیح (تحقیق مصطفیٰ ادیب البغا، دارابن کثیر ۱۹۸۷ء) کتاب الادب باب الحذر من الغضب، حدیث نمبر ۵۷۶۳، ص ۵/۲۲۶۸

۸۱۔ الماوردی (ابوالحسن علی بن محمد) ادب الدنیا والدین، (دارالفکر، بیروت ۱۹۹۵ء/ص ۱۸۴

۸۲۔ ابن الازرق (ابوعبداللہ محمد بن الازرق) بدائع السلک فی طبائع الملک (تحقیق عبدالرحیم الدار العربیۃ للنشر تونس ۱۹۷۷ء) /ص ۱/۱۵

۸۳۔ المرادی (ابو......محدم بن الحسن) کتاب السیاسۃ اوالاشارۃ فی تدبیر الامارۃ، (دارالبیضاء المغرب ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء) /ص ۱۳۰

۸۴۔ سورۃ آل عمران، آیت ۱۵۹

۸۵۔ سورۃ الروم، آیت ۴۷

۸۶۔ سورۃ سباء، آیت ۲۸

۸۷۔ سورۃ الاعراف، آیت ۱۵۸

۸۸۔ سورۃ النحل، آیت ۱۲۵

۸۹۔

۹۰۔ نسائی، کتاب المناسک/ص ۱۷

☆ ابن ماجہ مناسک/ص ۶۳

۹۱۔ المناوی الفیض، صحیح مسلم/ ج ۳ ص ۱۲۶

۹۲۔ ابوداؤد، کتاب الادب/ص ۴۴

۹۳۔ تیسیر الفقہ الجامع لاختیارات الفقہیہ ابن تیمیہ/ ج ۲ ص ۶۳۶، دارابن الجوزی، الریاض ۱۹۹۵ء

۹۴۔ سورۃ الاحزاب، آیت ۳۳

۹۵۔ سورۃ حم السجدہ، آیت ۳۴

۹۶۔ سورۃ الرعد، آیت ۲۲

۹۷۔ سورۃ البقرہ آیت ۲۵۶

۹۸۔ شبلی نعمانی، الفاروق/ مکتبہ صدیقیہ، ملتان، ۱۹۵۲/ ج ۲، ص ۴۷۵

۹۹۔ سورۂ المائدہ، آیت ۸

۱۰۰۔ سورۂ المائدہ، آیت ۱۳

۱۰۱۔ سورۂ الانعام، آیت ۱۰۸

۱۰۲۔ ابوالکلام آزاد، رسول رحمت ﷺ مرتبہ مولانا غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور/ ص ۴۳۹

۱۰۳۔ قاضی عیاض، الشفاء، بتعریف حقوق المصطفیٰ/ مصطفیٰ البابی، الحلبی، قاہرہ، مصر، ۱۹۵۰ء/ ج ۱، ص ۶۱

۱۰۴۔ مسلم/ الصحیح کتاب الفضل باب حسن خلقہ، قدیمی کتب خانہ کراچی

۱۰۵۔ قاضی عیاض/ الشفاء/ ج ۱، ص ۲۳

۱۰۶۔ دراسات فی الاختلاف/ ڈاکٹر ابوالفتح البیانونی ترجمہ حافظ عبداللہ بحوالہ الھئیہ/ ج ۲، ص ۳۶۸

۱۰۷۔ الفقیہہ والمتفقہ/ ج ۲، ص ۶۹

۱۰۸۔ شرح مسلم النووی/ ج ۲، ص ۲۳

۱۰۹۔ باہمی تکفیر کے سلسلے میں مزید تفصیل ملاحظہ ہو مولانا محمد طاسینؒ کا کتابچہ "مسئلہ ایمان و کفر قرآن و حدیث کی روشنی میں"، تنظیم اسلام، پاکستان۔ ۶۷، ۷۱۔ علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور ۱۹۹۷ء

۱۱۰۔ سنن ابی داؤد/ ج ۲، ص ۳۴۳، بحوالہ نمبر ۵۶/ ص ۷

۱۱۱۔ صحیح بخاری/ بحوالہ تفہیمات، حصہ دوم، مولانا مودودی......اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۸۱ء/ ص ۱۸۱

۱۱۲۔ ایضاً

۱۱۳۔ صحیح مسلم بحوالہ مذکورہ

۱۱۴۔ صحیح بخاری، بحوالہ مذکورہ

۱۱۵۔ شرح عقائد نسفیہ، بحوالہ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیعؒ صاحب، ادارہ المعارف، کراچی نمبر ۱۴/ ج ۱، ص ۳۰

۱۱۶۔ جواہر الفقہ/ ج ۱، ص ۱۳

۱۱۷۔ ایضاً/ ص ۳۳

۱۱۸۔ ایضاً/ ص ۶۳

۱۱۹۔ ۲۱ مارچ ۱۹۴۸ء بمقام ڈھاکہ

۱۲۰۔ مقالات سیرت ۱۹۹۹ء/ ص ۱۴۸

۱۲۱۔ جنوری ۱۹۴۸ء بمقام کراچی بار ایسوسی ایشن

۱۲۲۔ سورۂ الانفال، آیت ۶۱

۱۲۳۔ سورۂ النحل، آیت ۱۲۵

۱۲۴۔ نور احمد، مولوی مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے/ ص ۱۵۲ بحوالہ مائیکل دی ایلڈر/ ج ۲، ص ۴۲۱

۱۲۵۔ ایضاً/ ص ۱۵۲، بحوالہ عضدی/ ص ۴۷

''دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اُس کا خاتمہ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں''

حافظہ شائستہ ملک، پشاور

ابتدائیہ

انتہاء پسند اور انتہاء پسندی عرف عام میں استعمال ہونے والے الفاظ ہیں۔ جس کے معنی ہیں حد اعتدال سے آگے بڑھ جانا۔ توسط اور درمیانہ روی کو چھوڑ جانا، کسی چیز کے آخری سرے تک پہنچ جانا یا کسی صفت کی آخری حد کو اپنا لینا۔

مذہب کے حوالے سے انتہاء پسندی کا مفہوم یہ ہوگا کہ کوئی انسان دین کی اصل تعلیمات کی حدود کو کراس کر کے حد اعتدال سے تجاوز کر جائے اور کسی فکر، عقیدہ یا عمل میں آخری حد تک پہنچ جائے۔ جو اللہ و رسولؐ مطلوب نہ ہو۔ بلکہ اس حد تک جانے سے منع کیا گیا ہو۔ دین اسلام میں اس کیلئے ''غلو'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے غلو سے منع فرمایا ہے قرآن پاک میں نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ تمام اہل کتاب کو دین کے معاملہ میں غلو اختیار کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ یٰاَهْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ[1] ''اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق طور پر غلومت کرو'' اس آیت مبارکہ میں سیاق و سباق کے حوالہ سے اہل کتاب سے مراد عیسائی ہیں۔ انہوں نے اپنے میں حد سے تجاوز اختیار کر لیا تھا۔ مثلاً یہ کہ حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا تھا۔ تثلیث کا عقیدہ اپنایا تھا اور ان کے زعم میں حضرت عیسیٰ کو پھانسی پر چڑھائے جانے کی وجہ سے ان کے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے تھے۔ بظاہر یہ آیت عیسائیوں سے متعلق ہے مگر حکم کے لحاظ سے اہل کتاب میں عیسائیوں اور یہودیوں سمیت خود مسلمان بھی آجاتے ہیں۔ اور اس طرح غلو سے بچنے کی تلقین تمام اہل کتاب کو شامل ہے۔ اسی طرح رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے اِیَّاکُمْ وَالْغُلُوَّ فِی الدِّیْنِ اِنَّمَا هَلَکَ مَنْ قَبْلَکُمْ بِالْغُلُوِّ فِی الدِّیْنِ[2] ''تم اپنے آپ کو دین میں غلو اختیار کرنے سے بچاؤ کیونکہ تم سے پہلی امتیں دین میں غلو کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئی ہیں۔''

چنانچہ اسلامی تعلیمات کی رو سے دین میں انتہا پسندی اختیار کرنا ممنوع ہے اور جب دینی معاملات میں انتہاء پسندی ممنوع ہے تو دنیاوی کاموں میں تو بدرجہ اولیٰ اس کی ممانعت ہوگی۔ اسی وجہ سے اسلام نے مسلمانوں کو عبادات کے علاوہ مالی، اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی ہر لحاظ سے اعتدال اور درمیانہ روی کی تلقین کی ہے۔ اور انتہاء پسندی سے منع کیا ہے۔

جب ہم اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں انتہاء پسندی، تشدد اور ظلم و تعدی کی بے شمار مثالیں نظر آتی ہیں۔ جس سے اسلام کے نظام اعتدال اور عدم تشدد کی اہمیت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ آیئے درج ذیل سطور میں دیگر

مشہور مذاہب کی تعلیمات کا اس سلسلے میں ایک جائزہ لیتے ہیں۔

ہندوؤں کے ہاں مذہبی انتہاء پسندی کی مثالیں

اسلام نے دشمنوں کے ساتھ بھی اچھے سلوک کی تاکید کی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ[۳] "مخالف کا جواب اچھے انداز میں دیا کرو" نیز ارشاد ہے خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰھِلِیْنَ[۴] "درگزر کیجیے اور نیکی کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے چشم پوشی کیجیے" مگر ہندومت میں دشمن کے ساتھ نہایت برے سلوک کا حکم ہے۔ ہندومت کی کتابوں میں ویدوں (مذہبی کتب) کو خاص مقام حاصل ہے جن میں رگ وید، اتھروید، یجروید مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ منوشاستر اور گیتا ہندوؤں کے ہاں مذہب کی قانونی کتابیں ہیں۔ ان کتابوں میں دشمنوں سے سلوک کے بارے میں لکھا ہے۔

"اپنے مخالفوں کو درندوں سے پھڑوا ڈالو۔ ان کو پاؤں کے نیچے کچل دو اور ان پر رحم نہ کرو۔ دھرم کے مخالفوں کو زندہ آگ میں جلا دو۔ دشمن کے کھیتوں کو اجاڑ و یعنی گائے بیل بکری۔ اور لوگوں کو بھوکا مار کر ہلاک کرو۔ ان کو سمندر میں غرق کرو۔ جس طرح بلی چوہے کو تڑپا تڑپا کر مارتی ہے اس طرح ان کو تڑپا تڑپا کر مارو۔ مخالفوں کا جوڑ جوڑ اور بند بند کاٹ دیا جائے۔[۵]

اس طرح ہندومت میں ذات پات کی تقسیم انتہائی غیر منصفانہ ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کُلُّکُمْ مِنْ اٰدَمَ وَ اٰدَمُ مِنْ تُرَاب "تم سب انسان آدمؑ سے پیدا ہوئے ہو اور آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا تھا" اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ تمام انسان بنیادی خلقت کے اعتبار سے برابر ہیں اور یہی قرآن کا بیان ہے۔ ارشاد ہے یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ[۶] "اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کی پہچان رکھ سکو۔ بے شک تم میں سب سے زیادہ باعزت اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے"۔

گویا اسلام میں ذات پات بڑائی کا معیار نہیں بلکہ نیک عمل اور اچھا کردار بڑائی اور اچھائی کا معیار ہے۔

مگر ہندومت میں چار ذاتیں ہیں سب سے اونچا درجہ برہمن کو حاصل ہے۔ اس کے بعد چھتری، پھر ویش اور چوتھے نمبر پر شودر ہیں۔ شودر انسان ہوتے ہوئے بھی انسانی حقوق سے محروم ہے اور اسے جانوروں سے بدتر رکھا جاتا ہے۔ ہندوؤں کی مذہبی قانونی کتاب منوشاستر میں لکھا ہے۔ "جو کچھ اس دنیا میں برہمن کا مال ہے کیونکہ وہ خلقت میں سب سے بڑھ کر ہے۔ ساری چیزیں اس کی ہیں۔ سزائے موت کے عوض برہمن کا صرف سر مونڈا جائے گا لیکن اور ذات کے لوگوں کو سزائے موت دی جائے گی۔ شودر جس عضو سے برہمن کی ہتک کرے وہی عضو اس کا کاٹ دیا جائے۔ وید (مذہبی کتاب) سننے پر دونوں کانوں میں سیسہ ڈال دو۔ پڑھنے پر زبان کاٹ دو۔ یاد کرنے پر اس کے دل کو چیر دو"۔[۷]

عورتوں کے بارے میں لکھا ہے۔

''کسی لڑکی یا نوجوان عورت یا بوڑھی عورت کو کبھی گھر میں بھی اپنے اختیار سے کام نہیں کرنا چاہئے۔ بچپن میں عورت کو باپ کا تابع رہنا چاہیے اور جوانی میں شوہر اور بیٹوں کا۔ اگر وہ انہیں چھوڑ کر چلی جائے تو اپنے اور اپنے شوہر دونوں کے خاندانوں پر بدنامی کا دھبہ ڈالے گی۔[۸]

ہندوؤں کی اسی مذہبی انتہا پسندی کی وجہ ہے کہ وہ اپنے سوا دوسروں کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ان کے ہاں گائے اور مور کی تو قدر ہے مگر انسان کی قدر نہیں ہے خاص طور پر اسلام اور مسلمان دشمنی میں وہ بڑے سرگرم نظر آتے ہیں۔ تقسیم ہند سے قبل ۱۹۲۷ء میں ایک جلسہ عام سے خطاب کے دوران مہاشہ پرتاب سنگھ نے علی الاعلان ہندوؤں سے کہا تھا ''اگر تم ایک گائے کی خاطر کراچی سے لے کر مکہ تک تمام مسلمانوں کو قتل کر دو تو بھی تھوڑا ہے۔ ہندو دھرم میں جانوروں کا گوشت کھانا منع ہے لیکن مسلمانوں کا خون پینا جائز ہے۔ کسی ہندو کو اس کے پینے میں پس و پیش نہیں کرنا چاہیے''۔[۹]

ہندوؤں کی انتہاء پسندی کے باعث برصغیر کئی ملکوں میں تقسیم ہوا۔ ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ مشہور تاریخی بابری مسجد شہید کر دی گئی۔ آئے دن ہندو انتہاء پسند تنظیمیں مشہور مساجد کو مندروں میں تبدیل کرنے کے عزم کا اظہار کر رہی ہیں۔ کشمیر میں مسلمانوں کا قتل عام جاری ہے۔ اس کے علاوہ سکھوں کا قتل عام کر کے ان کے مذہبی و مقدس مقام ''گولڈن ٹمپل'' کو ویران و برباد کیا گیا ہے۔ عیسائی اقلیتوں کا قتل عام اور ان کے گرجوں کو گرانے کا سلسلہ جاری ہے۔ نچلی ذات کے ہندوؤں کے ساتھ بدترین اور انسانیت سوز سلوک کیا جا رہا ہے کیونکہ ہندو اپنے سوا کسی اور کو برداشت نہیں کر سکتے۔

مسئلہ کشمیر کے باعث دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات انتہائی کشیدہ ہیں۔ بھارت جموں و کشمیر میں استصواب رائے کا سلامتی کونسل میں وعدہ کرنے کے بعد اپنے وعدے سے پھر گیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں پاک بھارت کے درمیان ۱۹۴۸ء اور ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگیں لڑی جا چکی ہیں۔ بھارت کی سات لاکھ فوج جموں و کشمیر میں اہل کشمیر کے خون سے کھیل رہی ہے۔ تحریک آزادی کشمیر میں جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والے شہداء کی تعداد کے حوالہ سے ایک رپورٹ کے مطابق کشمیر میں بھارتی فوج نے گزشتہ پندرہ برسوں میں بدترین ظالمانہ کارروائیوں میں ستاسی ہزار کشمیری شہید کر دیے ہیں۔ ذرائع کے مطابق ۶۱۶۵ کو دوران حراست شہید کیا گیا ہے۔ اس عرصہ کے دوران نو ہزار خواتین کی بے حرمتی کی گئی ہے اور ایک لاکھ چار ہزار چار سو کے قریب مکانات اور دکانیں جلائی گئی ہیں۔ بھارتی فوج کی ظالمانہ کارروائیوں کے باعث اس دوران ۲۱۸۰۰ خواتین بیوہ جبکہ دس ہزار پانچ سو بچے یتیم ہو چکے ہیں۔ اس وقت ساڑھے سات ہزار کشمیری بھارت اور مقبوضہ کشمیر کی مختلف جیلوں میں قید ہیں۔ سال ۲۰۰۳ء کے دوران تقریباً تین ہزار افراد کو شہید کیا گیا۔ اس عرصے میں بھارتی فوجیوں نے ۴۶۰ مکانات اور دکانوں کو جلایا ہے۔ ساڑھے چھ سو عورتیں بیوہ جبکہ دو ہزار سے زائد بچے یتیم ہو چکے ہیں۔[۱۰]

مسلمانوں کی اکثریتی آباد گجرات صوبہ میں کئی بار ہندو مسلم فسادات بھڑک اٹھے۔ ان فسادات میں ہمیشہ حکومت اور سرکاری و نیم سرکاری تنظیموں نے ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں کے قتل عام میں تعاون کیا ہے۔ تقریباً دو سال قبل یکم مارچ ۲۰۰۲ء

میں اسی گجرات ریاست میں ہندو مسلم فسادات بھڑک اٹھے جس کی وجہ سے مرکزی شہر اور صوبائی راجدھانی احمد آباد سمیت ۲۶ شہروں میں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ جو بعد ازاں ۳۷ شہروں تک بڑھا دیا گیا۔ اس کے باوجود ہندو انتہاء پسند تنظیموں نے دل کھول کر مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ واقعات کے مطابق احمد آباد کے علاقے گل مارگ میں ایک مسلمان وزیر سمیت ۳۸ مسلمانوں کو مکان میں بند کر کے آگ لگا دی گئی۔ جس سے تمام مسلمان زندہ جل گئے۔ مسلمان چرار شریف کے واقعہ کو بھی نہیں بھولے جس میں ایک مذہبی درگاہ کو نذر آتش کر دیا گیا اور بے شمار گھروں اور مکانوں کو جلا دیا گیا تھا۔ [۱۱]

ہندوؤں کی اسی انتہاء پسندی اور تنگ نظری کے باعث ہمیشہ ان کے مسلمانوں اور پاکستان حکومت کے ساتھ حالات کشیدہ رہتے ہیں۔ دونوں حکومتوں کے درمیان نچلی سطح سے لے کر وزیر اعظم کی سطح تک ملاقاتیں اور مذاکرات ہو چکے ہیں مگر ناکام رہتے ہیں۔ بھارت کو چاہیے کہ وہ معاندانہ ومتعصبانہ رویہ ترک کر کے برابری کی سطح اور انسان دوستی کی بنیادوں پر ان تمام مشکلات کو گفت وشنید کے ذریعے طے کرے اور تشدد وہٹ دھرمی کا راستہ چھوڑ دے۔

یہودیوں کے ہاں مذہبی انتہا پسندی کی مثالیں

اسلام نے تمام انسانوں کا احترام اور ان کے مال، جان اور عزت کے تحفظ کا درس دیا ہے۔ خصوصاً کمزور، بیمار، مفلوک الحال یا وہ انسان جو کسی حادثاتی طور پر زیر دست آجائیں ان کے ساتھ رحم وکرم اور عفو ودرگزر کے معاملہ کی تلقین کی گئی ہے۔ اگر جنگ میں قیدی ہاتھ آجائیں تو ان کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم دیا گیا ہے تاکہ وہ اچھے سلوک سے متاثر ہو کر اسلام میں داخل ہو جائیں۔ یہودیت میں جنگ کے معاملہ میں بڑے سخت احکام توراۃ میں ملتے ہیں۔ چنانچہ یہودیوں کو حکم ہے کہ جب وہ کسی شہر پر قبضہ کر لیں تو وہاں کے تمام مردوں کو قتل کر دیں۔ اور کسی ذی روح کو جیتا نہ چھوڑیں۔ وہاں کے درختوں کو کاٹ دیا جائے۔ سب مال واسباب کو لوٹ لیا جائے اور ان کی سکونت گاہوں اور چھاؤنیوں کو آگ سے جلا دیا جائے۔ بچوں، عورتوں کو بھی قتل کر دیا جائے۔ [۱۲]

اس طرح جو لوگ یہودی مذہب چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لیں تو ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس شہر کے باشندوں کو تلوار سے قتل کر دو۔ یہاں تک کہ جانوروں کو بھی تہ تیغ کر دو اور وہاں کی ساری چیزیں جمع کر کے چوک کے بیچ جلا ڈالو۔ اور وہ سب ایک ڈھیر کی صورت میں عبرت کیلئے پڑا رہے۔ [۱۳]

یہودی مذہب میں ان سخت اور تشدد آمیز احکام کی وجہ سے یہودی اقوام کا رویہ بھی ہمیشہ انسانیت کش رہا ہے۔ یہود ہمیشہ اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء سے باغی رہے ہیں۔ پیسہ اور دنیاوی جاہ وجلال کی محبت میں ہمیشہ وہ تمام مذہبی اور اخلاقی اقدار کو پس پشت ڈال دیتے تھے۔ اس کے نتیجہ میں تاریخ میں ان پر کئی بار تباہی وبربادی آئی ہے۔ کئی بار ان کو ملک بدر کیا گیا جس کی وجہ سے دنیا بھر میں منتشر اور متفرق رہتے اور بادشاہوں کے معتوب رہتے۔ الٰہی غضب کے نتیجہ میں یروشلم میں ۵۹۷ قبل مسیح میں پانچ لاکھ یہودی مارے گئے۔ ۱۱۷ قبل مسیح میں ایک لاکھ بیس ہزار، ۱۷۰ قبل مسیح میں چالیس ہزار اور ۷۰ قبل مسیح میں یروشلم ہی میں گیارہ

لاکھ یہودیوں کو قتل کیا گیا ہے۔[۱۴]

تاریخ شاہد ہے کہ یہودیوں کو جب بھی ذرا اقتدار ملا۔ انہوں نے طاقت کے بل بوتے پر عام انسانوں اور خصوصاً مسلمانوں کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمیشہ ذلیل رکھا ہے اور در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کیا ہے۔ ان کو دنیا میں کبھی یکجائی نہیں ملی ہے۔ اپنی وحدت اور یہودی ملک کی تشکیل کیلئے یہودیوں نے دنیا میں کئی بار خفیہ کانفرنسیں کی ہیں۔ بالآخر ۱۹۸۷ء میں بڑے غور وخوض کے بعد انہوں نے اپنی تمام مساعی کو تین نقاط پر مرکوز کرلیا ہے۔ یعنی یہودیوں کیلئے ایک قومی وطن کا قیام، دنیا کے مالی نظام پر قبضہ اور اسلامی دنیا کو نیست ونابود کرنا۔ یہودیوں نے اپنے ان مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے ساری دنیا میں سازشوں کا جال پھیلا دیا جس کے تحت یہودیوں کے اعلیٰ نمائندوں کے ایک اجلاس میں جس کی کئی نشستیں ہوئیں ایک عظیم سازشی منصوبہ تیار کرلیا گیا۔ اس منصوبہ کے تحت پوری دنیا میں یہودی اثر ونفوذ اس وقت کارفرما ہے۔ تعداد میں کم ہونے کے باوجود عیسائیوں، مسلمانوں اور دیگر مذاہب والوں پر ان کا قبضہ ہے۔ اقوام متحدہ، یونیسکو، ورلڈ بینک، آئی ایم ایف وغیرہ کلیدی آسامیوں پر یہود کا قبضہ ہے۔ دنیا کی بڑی حکومتوں میں ان کا عمل دخل ہے۔ دنیا کی عظیم سائنسی لیبارٹریوں، تعلیمی اداروں، اسلحہ ساز کارخانوں، فلمی سٹوڈیوز، نشریاتی اداروں، خبررساں ایجنسیوں اور صنعتی وتجارتی مرکزوں پر یہود کا قبضہ ہے۔[۱۵]

بڑی طاقتوں کو ملی بھگت سے عالم اسلام اور خصوصاً عربوں کی وحدت کو پارا پارا کرنے کی غرض سے اسرائیل کی کٹھ پتلی حکومت کا قیام ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو عمل میں لایا گیا۔ ان کے پیچھے امریکہ، برطانیہ اور روس کا ہاتھ تھا۔ عربوں نے اسرائیل کے خلاف ۱۹۴۸ء، ۱۹۵۶ء، ۱۹۶۷ء اور ۱۹۷۳ء میں جنگیں لڑیں مگر بڑی طاقتوں کی پشت پناہی کے باعث وہ کامیابی کے ہمکنار نہ ہوسکیں۔

یہودیوں نے فلسطین میں ظلم وستم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ امریکہ، برطانیہ اور دوسرے اسلام دشمن ممالک ان کا ساتھ دے رہے ہیں۔ امریکہ نے ایٹمی ہتھیاروں کا بہانہ بنا کر پورے عراق ملک کو تہہ وبالا کردیا مگر اسے اسرائیل کے سینکڑوں ایٹم بم نظر نہیں آتے۔

مظلوم فلسطینیوں کے گھروں سے روزانہ معصوم بچوں اور جوانوں کے جنازے اٹھتے ہیں ان کے گھروں اور مارکیٹوں کو بلڈوزروں کے ذریعہ مسمار کیا جارہا ہے۔ ان کے محلوں میں ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں گشت کرتی نظر آتی ہیں۔ جس کے نتیجہ میں روزانہ ہڑتالیں ہوتی ہیں۔ ''انتفاضہ'' کے نام سے مظلوم فلسطینیوں کی تنظیم وجود میں آچکی ہے جو پتھر مار کر ان کا مقابلہ کر رہی ہے۔ عالم عرب دولت اور تیل کے نشہ میں مست ہے۔ مسلمان اس ظلم عظیم سے انجانے بنے بیٹھے ہیں۔ حقوق انسانیت کے علمبرداروں کو یہ ظلم نظر نہیں آتا۔ جو طاقتیں عیسائیت کی بنیاد پر مشرقی تیمور کو ایک مختصر عرصہ میں الگ حیثیت دے دیتی ہیں۔ ان کو فلسطینیوں پر ظلم نظر نہیں آتا۔ یہ سب اس لیے کہ یہود دنیا کے اسباب اور عہدوں پر قابض ہیں اور عالم عیسائیت بھی ان سے مجبور بلکہ لرزہ براندام ہے۔ آج دنیا کو پھر ایک صلاح الدین ایوبی کی ضرورت ہے جو بیت المقدس کو صیہونی پنجوں سے آزادی دلادے اور مسجد اقصیٰ کو مسلمانوں کے قبضہ میں دیدے۔

عیسائیوں کے ہاں مذہبی انتہا پسندی کی مثالیں

یہودیت کے بالمقابل عیسائیت کی تعلیمات بہت نرم ہیں۔ پھر بھی انجیل میں سخت احکام ملتے ہیں جس پر عمل کرنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ مثلاً انجیل مرقس میں ہے۔

''اور جو کوئی ان چھوٹوں میں سے مجھ پر ایمان لائے ہیں کسی کو ٹھوکر کھلائے اس کیلئے یہ بہتر ہے کہ ایک بڑی چکی کا پاٹ اس کے گلے میں لٹکایا جائے اور وہ سمندر میں پھینک دیا جائے۔ اور اگر تیرا ہاتھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے کاٹ ڈال۔۔۔۔ اور اگر تیرا پاؤں تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے کاٹ ڈال۔۔۔۔ اور اگر تیری آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال دے۔[۱۶]

اسی طرح انجیل متی اور لوقا میں ہے۔

''یہ نہ سمجھو کہ میں (عیسیٰ) زمین پر صلح کرانے آیا ہوں۔ صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں۔ کیونکہ میں اس لیے آیا ہوں کہ آدمی کو اس کے باپ اور بیٹی کو اس کی ماں سے اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کر دوں اور آدمی کے دشمن اس کے گھر ہی کے لوگ ہوں گے۔[۱۷]

''میں زمین پر آگ بڑھکانے آیا ہوں اور اگر لگ چکی ہوتی تو میں کیا ہی خوش ہوتا''[۱۸]

ایک جگہ پر لکھا ہے۔

''اگر کوئی میرے پاس آئے اور اپنے باپ اور ماں اور بیوی اور بچوں اور بھائیوں اور بہنوں بلکہ اپنی جان سے بھی دشمنی نہ کرے تو میرا شاگرد نہیں ہو سکتا''[۱۹]

ان تعلیمات کے برعکس انجیل میں اخلاق و کردار سے متعلق بڑے پایہ کے احکام آئے ہیں مثلاً یہ کہ اگر کوئی تیرے گال پر تھپڑ رسید کرے تو تو دوسرا گال بھی آگے کر۔ یعنی بدلہ مت لے۔ بلکہ دشمن کی آتش انتقام کو ٹھنڈا کرنے دے۔ مگر تاریخ میں جب ہم عیسائیوں کے عملی کردار کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ نہایت ظالمانہ اور تعصب پر مبنی ہے۔ ان کو جب بھی اقتدار ملا انہوں نے بزور شمشیر غیر مذہب والوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کی ہے۔ اور زمانہ حال میں تو ہر کسی کو معلوم ہے کہ دنیا بھر میں جہاں قحط اور فاقوں کی نوبت آتی ہے یا کوئی بھی قوم کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتی ہے تو عیسائی لوگ وہاں پہنچ جاتے ہیں اور ایک ڈبل روٹی یا انجکشن کے ذریعہ لوگوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں گویا سخت وقت میں بھی انسانی ہمدردی کی بجائے اپنی مذہبی تبلیغ کی فکر میں رہتے ہیں۔

تاریخ کی کتابیں عیسائیوں کے ظلم اور قتل و غارت گری سے بھری پڑی ہیں۔ سال ۱۰۹۹ء میں عیسائیوں نے جب پہلی بار بیت المقدس کو فتح کیا تو ستر ہزار سے زائد مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو شہید کر دیا تھا۔ وہاں کے مسجد عمر میں مسلمانوں کا اس قدر قتل عام ہوا تھا کہ گھڑ سواروں کے ٹخنوں تک مقتولین کا خون پہنچ رہا تھا۔ ہر طرف اوپر نیچے لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔[۲۰]

اندلس (سپین) کے ملک میں مسلمانوں نے ساتھ سو سال تک حکومت کی جس میں مسلمان، عیسائی اور یہودی سب مل

مل کر پرامن طریقہ سے رہتے تھے۔ مگر جب ۱۴۹۲ء میں وہاں عیسائیوں نے قبضہ کیا تو انہوں نے مسلمانوں اور یہودیوں سے کہا کہ یا تو وہ عیسائیت قبول کرلیں یا پھر سپین سے نکل جائیں۔ اس تعصب کی بناء پر کچھ عرصہ میں یورپ کو مسلمانوں سے خالی کرادیا گیا۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے کہ ۱۴۹۲ء میں اسلامی حکومت کا خاتمہ ہوا تو ساڑھے تین لاکھ مسلمانوں کو مذہبی عدالت میں کورٹ مارشل کیا گیا۔ ان میں سے تقریباً تیس ہزار کو سزائے موت ملی اور بارہ ہزار کو زندہ جلا دیا گیا۔[۱۲]

ماضی قریب میں عیسائیوں کی سب سے پرشکوہ حکومت ''برطانیہ'' نے کتنی بڑی دنیا پر حکمرانی کی مگر جہاں بھی گئے وہاں کے لوگوں کا استحصال کیا۔ خود امریکہ، برطانیہ کے ماتحت رہا ہے اور امریکہ والوں نے برطانیہ کے مظالم سے تنگ آ کر آزادی کا اعلان کیا ہے یا یوں کہیے کہ برطانوی حکومت سے بغاوت کی ہے۔ برصغیر پر بھی برطانوی حکومت رہی ہے اور انہوں نے یہاں کے عوام پر بہت ہی ظلم وستم کیے ہیں۔ کبھی کہا جاتا تھا کہ برطانیہ کی حکومت میں سورج غروب نہیں ہوتا۔ مگر ظلم کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے ملک کو زمین کے اس حصے تک محدود کر دیا جہاں اب سورج طلوع نہیں ہوتا۔

اس کے علاوہ ماضی قریب میں امریکہ اور روس دو ملک دنیا کے سپر پاور کے طور پر ابھرے۔ روس نے طاقت کے نشہ میں ایک غریب پڑوسی ملک افغانستان پر حملہ کر دیا۔ وہاں پر ۱۹۸۷ء میں افغان صدر داؤد کا تختہ الٹ کر نور محمد ترکی کے ذریعے کمیونسٹ انقلاب برپا کیا گیا۔ پورے ملک کے علماء اور عوام نے اس کی مخالفت میں زبردست مزاحمت کی۔ جس کی وجہ سے خانہ جنگی چھڑ گئی۔ دسمبر ۱۹۷۹ء کو روسی افواج نے افغانستان پر حملہ کر دیا۔ امریکہ نے اپنے مقاصد کے حصول کیلئے اور روس کا قبضہ ختم کروانے کیلئے افغانیوں کے ساتھ خوب مدد کی۔ مگر فروری ۱۹۸۹ء کو جنیوا معاہدہ کے تحت روس کو افغانستان سے نکلنا پڑا۔ اس کے بعد یہ ملک کبھی امریکہ اور کبھی اس کے اتحادیوں کے مظالم کا تختہ مشق بن رہا ہے۔ روسی مظالم میں پندرہ لاکھ شہداء نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ اور پورے ملک کا سیاسی، انتظامی، معاشی اور معاشرتی نقشہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگیا۔

مکافات عمل کے طور پر اللہ تعالیٰ نے روس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور وہ ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوا۔ اب میدان میں سپر پاور صرف امریکہ بہادر رہ گیا۔ اس نے ''عالمی امن واستحکام'' اور ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کے خوبصورت ناموں پر دنیا بھر میں اور خالص مسلمانوں پر ظلم وستم کے وہ پہاڑ توڑے کہ الامان والحفیظ۔ اس کے مظالم کو دیکھ کر چنگیز خان اور ہلاکو خان کی روحیں بھی چیخ اٹھی ہونگی۔

امریکہ نے اپنا اسلحہ فروخت کرنے اور نیز عالم اسلام اور مسلمانوں میں افتراق وانتشار پیدا کرنے اور ان کی مجموعی حالت کو کمزور کرنے کیلئے پہلے ایران عراق کو لڑوایا۔ یہ دونوں ملک چونکہ تیل کی دولت سے مالا مال تھے اور عراق ایٹمی قوت حاصل کرنے کے قریب پہنچ چکا تھا اور خطرہ تھا کہ یہ اسرائیلی حکومت کو ختم کرنے کا ذریعہ بنے گا۔ امریکہ نے ان دونوں کو جنگ کی بھٹی میں دھکیل دیا۔ دونوں ملک ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۸ء تک بے فائدہ لڑتے رہے اس جنگ میں چار لاکھ عراقی اور چھ لاکھ ایرانی قتل ہوئے اور عالم اسلام کے اتحاد اور قوت کو کافی نقصان پہنچا۔

امریکہ کے اکسانے پر عراق نے ایک دوسرا حملہ کویت پر کر دیا۔ یکم اگست ۱۹۹۰ء کے اس حملے کے ذریعے امریکہ کو

جواز ملا کہ وہ کویت، سعودی عرب اور دیگر عرب ملکوں میں فوجی اڈے قائم کرے۔ اور اس طرح نہ صرف عالم اسلام پر تسلط حاصل کرے بلکہ اسرائیل کا تحفظ بھی یقینی بنائے۔ اس کے علاوہ اس جنگ کے اخراجات امریکہ نے سعودی عرب اور کویت سے حاصل کیئے، اور عراق کی تباہی کا فائدہ اسے مفت میں ملا۔

عراق کے خلاف جنگ میں امریکہ نے دنیا بھر سے اتحادیوں کو جمع کیا۔ ۴۲ دنوں کی اس جنگ میں آٹھ ہزار ٹن بارود عراقی باشندوں پر برسایا گیا۔ یعنی ایک لاکھ دس ہزار بم گرائے گئے۔ اس جنگ میں تقریباً دو لاکھ عراقی فوجی اور عوام موت کے منہ میں چلے گئے۔

۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے حادثہ کے بعد امریکہ نے اس کا ذمہ دار اسامہ بن لادن اور اس کی تنظیم القاعدہ کو قرار دیا۔ اسامہ ان دنوں افغانستان میں مقیم تھا اور وہاں پر طالبان کی حکومت قائم تھی۔ امریکہ نے طالبان سے مطالبہ کیا کہ وہ اسامہ اور القاعدہ کے اہم ارکان کو امریکہ کے حوالے کردے مگر طالبان حکومت نے انکار کیا جس کی وجہ سے امریکہ نے ۷ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو شمالی اتحاد کی مدد سے افغانستان پر حملہ کر دیا۔ امریکہ نے افغانستان پر حملے میں تاریخ کی بدترین وحشت کی مثال قائم کی۔ عوام پر بمباری کی گئی۔ شہروں کو تباہ کیا گیا اور اسامہ کی تلاش میں اپنی پوری قوت صرف کر دی مگر اسامہ نے ہاتھ نہیں آنا تھا اور وہ تادم تحریر ہاتھ نہیں آیا۔ دو مہینے کے اندر طالبان کی حکومت ختم کر دی گئی اور وہاں پر شمالی اتحاد کی حکومت قائم کی گئی۔

امریکہ نے افغانستان پر یلغار سے ابھی سانس نہیں لیا تھا کہ ایک بار پھر عراق پر ہلہ بول دیا۔ اس بار یہ جواز بنایا گیا کہ عراق کے پاس مہلک ایٹمی ہتھیار موجود ہیں۔ مگر دنیا نے دیکھ اور سن لیا کہ عراق کے پاس ایٹمی اسلحہ برآمد نہیں ہوا جبکہ پورے ملک کو تباہ برباد کیا گیا۔ ستم کی بات یہ ہے کہ یہ ہتھیار جس سے امریکہ لرزہ براندام تھا امریکہ نے خود ہی ایران عراق جنگ کے دوران عراق کو فراہم کیا تھا تاکہ وہ اس کے ذریعے اسلامی ملک ایران کو تباہ کر سکے۔

جہاں تک ایٹمی ہتھیار رکھنے کا جواز ہے تو دنیا کو معلوم ہے کہ ایٹمی ہتھیار دنیا میں سب سے زیادہ امریکہ اور اسرائیل کے پاس موجود ہے۔ اس کے بعد یورپی ممالک کے پاس یہ ہتھیار پایا جاتا ہے۔ اگر ایٹمی ہتھیار رکھنا جرم ہے تو پھر امریکہ، اسرائیل اور یورپی عیسائی ممالک سب سے بڑے مجرم اور انسانیت دشمن ہیں۔ یہ کیا منطق ہے کہ خود تو ایٹمی ہتھیاروں کے انبار لگائیں مگر کوئی دوسرا یا بالفاظ دیگر کوئی مسلمان ملک رکھنا یا بنانا چاہے تو وہ عالمی امن کیلئے خطرہ بن جاتا ہے اور اسے دہشت گرد، انتہا پسند اور جنونی کے القاب سے نوازا جاتا ہے۔ پچھلے ایک عشرے میں ہی دیکھ لیجیے۔ دنیا کے نہتے عوام اور بے گناہ شہریوں پر امریکیوں نے یلغار کی ہے یا کسی مسلمان ملک نے؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا الکفر ملة واحدة سارا کفر آپس میں گٹھ جوڑ کیا ہوا ہے تاکہ دنیا سے خدائی نظام "اسلام" کو ختم کر کے ان کی جگہ ان کی استحصالی نظام کی حامل حکومتیں قائم کی جا سکیں۔

امریکہ نے عراق کو نیست و نابود کر دیا۔ ان کو اپنے مقاصد کی تکمیل کیلئے مسلمان نام کے میر جعفر اور میر صادق ہر جگہ مل جاتے ہیں۔ یہ منطق بھی سمجھ سے بالاتر ہے کہ امریکہ عراق جنگ سے پہلے کہہ رہا تھا کہ میں صدام حسین کو ختم کر کے عراقی عوام کو

آزاد کرانا چاہتا ہوں۔اب جبکہ صدام حسین گرفتار کئے جا چکے ہیں اور بقول امریکہ عراقی عوام آزاد ہیں پھر کیوں روزانہ عراق میں دھماکے ہوتے ہیں۔امریکہ کو تابوتوں کے تحفے ملتے ہیں۔عراقی عوام سراپا احتجاج ہیں۔پورا ملک افراتفری کے عالم میں ہے۔ لوگ بنیادی حقوق اور امن سے محروم ہیں اور وہاں پر انسانی اخلاق واقدار دم توڑ رہے ہیں؟!!

مسلمانوں کے ہاں مذہبی انتہاء پسندی اور اصلاح احوال کیلئے عملی تجاویز

اسلام مذہبی انتہاء پسندی کی سختی کیساتھ ممانعت کرتا ہے۔اس مذہب میں ہر کام میں خواہ اس کا تعلق دین کے ساتھ ہو یا دنیا کے ساتھ اعتدال،توسط اور درمیانہ روی سے کام لینے کی تاکید کی گئی ہے۔اس مذہب میں اتحاد واتفاق اور اخوت ومحبت کی فضاء کو قائم کرنے کی بڑی تلقین کی گئی ہے۔اسلام کی اسی پالیسی کو کسی فارسی شاعر نے بڑے اچھے انداز میں اس شعر میں سمو دیا ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبراست　　　　از ہزاراں کعبہ یک دل بہتراست

رسول اکرم ﷺ نے اس امت کو متفق ومتحد رکھنے کیلئے بڑی کوششیں فرمائی ہیں۔آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو ایک جسم کی مانند ٹھہرایا ہے کہ اگر ایک عضو کو تکلیف ہو تو سارا بدن اس کی وجہ سے رات کو بیداری اور درد میں مبتلا رہتا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مسلمان مسلمان کیلئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے۔جس کے ایک حصے نے دوسرے کو مضبوط کیا ہوتا ہے۔بدقسمتی سے آج مسلمان نے ان تعلیمات سے روگردانی کی ہے۔اور مسلمان مسلمان کے خلاف زہرافشانی میں مصروف ہے۔افسوس کی بات یہ ہے کہ افتراق وانتشار پیدا کرنے کیلئے امن وامان کے گہوارے یعنی بعض مساجد کو بھی اب اس مقصد کیلئے استعمال کیا جارہا ہے۔

اسلام وسیع القلبی اور فراخدلی کا درس دیتا ہے۔اس کی تعلیمات دو قسم پر ہیں۔اصولی اور فروعی۔اصولی تعلیمات تمام مذاہب اور مسالک والوں کیلئے یکساں حکم کے حامل ہیں۔مثلاً نماز تمام مذہب اور مسلک والوں کے نزدیک فرض ہے۔اسی طرح روزہ،زکوٰۃ اور حج وغیرہ۔تعلیمات کی دوسری قسم فروعی ہے۔مثلاً نماز کا طریقہ ادائیگی۔زکوٰۃ کی مقدار اور مدات وغیرہ۔ان فروعی اختلافات میں بہت کچھ گنجائش ہے اور ان اختلافات کی بنیاد پر کسی کو کافر یا فاسق قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔مگر افسوس کی بات ہے کہ ہماری مساجد سے ان جیسے بہت سارے فروعی معاملات میں سخت ترین اختلافات کی بیج بوئی جاتی ہے۔اپنے مسلک کے خلاف کرنے والے پر کفر اور فسق کے فتوے لگائے جاتے ہیں۔بعض اوقات مخالفین کے قتل کو کار ثواب اور ''جہاد'' کا نام دیا جاتا ہے۔اور اس طرح فرقہ واریت کا زہر پھیلتا ہے۔معتدل اور نیک فطرت افراد یہ حالت دیکھ کر مذہب سے بیزار ہو جاتے ہیں اور نتیجتاً مساجد اور اہل مساجد سے ان کو نفرت ہو جاتی ہے۔

خرابی کہاں ہے؟

غور طلب بات یہ ہے کہ مساجد جو کہ امن وسلامتی کے اڈے اور اتحاد واخوات کے مراکز تھیں ان کی طرف دہشت گردی اور فرقہ واریت کی نسبت کیوں کی جانے لگی؟ اور ان کا استعمال اپنے مقاصد کے برعکس کیوں ہونے لگا؟ یہ خرابی کہاں سے آئی اور کیوں آئی؟ اس کے اسباب اور عوامل کیا ہیں۔

سوچنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مسجدوں کے امن وامان اور یہاں کے بھائی چارے کی فضا کو غارت کرنے میں کئی قسم کے افراد اور اداروں کے ہاتھ ہیں۔ غلطی اس میں امام مسجد اور خطیب کی بھی ہے کہ اکثر ان میں سے دین اسلام کے حقیقی اور مکمل تعلیمات سے عاری ہوتے ہیں اور کم علم، غیر مستند قسم کے افراد ڈاڑھی رکھ کر اور پگڑی باندھ کر مصلیٰ سنبھال لیتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنی ایک حدیث میں ایسے لوگوں کو قیامت کی علامت قرار دیا ہے جو بے علمی میں فتوے دے کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

خرابی اس میں عوام کی بھی ہے کہ جس طرح ایک کمپاؤڈر، ایک ڈاکٹر اور سپیشلسٹ کا فرق ہوتا ہے اس طرح اہل علم میں بھی مولوی عالم دین اور مفتی و شیخ الحدیث کے مراتب ہیں۔ عوام الناس کم علمی کے باعث محض ڈاڑھی اور پگڑی والے کو اپنا مذہبی رہبر بنا لیتے ہیں اور صحیح اہل علم کی خدمات حاصل نہیں کر پاتے۔ جس سے خرابیاں جنم لیتی ہیں۔

غلطی اس میں حکومت کی بھی ہے جس نے اسلام کے نام پر بننے والے اس ملک میں حقیقی اسلام کے نفاذ میں کسی قسم کی دلچسپی نہیں لی۔ مساجد و مدارس کا نظام خلوص دل سے مرتب نہیں کیا۔ ان کیلئے صحیح جذبہ کے تحت کوئی منصوبہ بندی نہیں کی۔ دہشت گردی اور فرقہ واریت کے خاتمہ کیلئے علماء کے تعاون سے کوئی مخلصانہ کوشش نہیں کی۔ اس لیے خرابی کا ذمہ دار کسی ایک کو نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ بلکہ مذکورہ افرد و ادارے مشترکہ طور پر اس بگاڑ کے ذمہ دار ہیں اور بگاڑ کی طرح اصلاح بھی کسی ایک فرد کی طرف سے نہیں بلکہ مذکورہ افراد و اداروں کی طرف سے مشترکہ طور پر عمل میں لائی جانی چاہیے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ مساجد کو دوبارہ امن و امان اور اتفاق و اتحاد کا گہوارہ بنایا جائے۔ اس کیلئے ایک مضبوط لائحہ عمل ایک متفقہ قانون اور اخلاص وللھیت کے جذبے کی ضرورت ہے۔ جو ایک تفصیلی اور محنت طلب کام ہے۔ تاہم اس لائحہ عمل کے بنیادی خدوخال ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں۔

(۱) ملک بھر میں ہزاروں بلکہ لاکھوں مساجد ہونگی۔ یہ مساجد مختلف مکاتب فکر کی ہیں۔ ان سب کو ایک لائحہ عمل پر متفق کرنا ایک وسیع اور صبر آزما کام ہے یہ فرد واحد کا کام نہیں بلکہ یہ حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے۔ وزارت مذہبی امور کو چاہیے کہ وہ اپنے بنیادی مقاصد اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کیلئے اس اہم کام کی ابتدا کرے۔ ضروری ہے کہ ملک بھر کے مختلف مکاتب فکر کے جید اور بااعتماد علماء کا ایک بورڈ تشکیل دیا جائے جو اس مقصد کیلئے لائحہ عمل تیار کرے پھر اس کے نافذ کرنے میں عملی تعاون کرے۔

(۲) ملک بھر میں قانون نافذ کیا جائے کہ ہر مسلک والا اپنے مسلک پر عمل کرنے میں آزاد ہے تاہم ''جیو اور جینے دو'' کی پالیسی اپنائی جائے۔ مسجد کے ممبر پر ہر مسلک والا عالم اپنے اکابر کی تاریخ، کارناموں اور علمی و عملی پس منظر پر روشنی ڈال سکتا ہے لیکن دوسروں پر کیچڑ اچھالنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ اس طرح اپنے مسلک کے مسائل بیان کیے جائیں مگر دوسروں کے مسلک کی تردید نہ کی جائے۔

(۳) شرعی اور قانونی لحاظ سے کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو کافر قرار نہیں دے سکتا یہ ملک میں قائم شرعی عدالت یا ہائی شرعی

اتھارٹی کا کام ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ فوری طور پر مختلف مکاتب فکر کی تمام جماعتوں کی ایک ہائی اتھارٹی (اعلیٰ مجلس علمی) قائم کرے۔ جسے سرکاری سرپرستی کے علاوہ مکمل اختیار حاصل ہو۔ یہ کام وفاقی شرعی عدالت بھی کر سکتی ہے بشرطیکہ اس کے فیصلے سپریم کورٹ میں چیلنج نہ ہو سکتے ہوں۔ یہ کام اسلامی نظریاتی کونسل بھی کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس کا کام صرف سفارشات مرتب کر کے پیش کرنا نہ ہو بلکہ کسی حکم کے نفاذ کا مکمل اختیار رکھتی ہو۔ یہ مجلس ایسی ہو کہ سرکاری کاسہ لیسی کے بجائے مکمل طور پر دینی و قانونی انداز میں کام کر کے عوام الناس، علماء کرام اور مختلف مکاتب فکر کا اعتماد حاصل کرے۔ اس مجلس کے ذریعہ کفر کے فتوؤں اور فرقہ واریت کا انسداد ہو سکتا ہے۔ اور خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت ترین سزائیں دی جا سکتی ہیں۔

(۵) ملک بھر کے مختلف مسالک کی کتابوں میں دین اسلام کے علمی و عملی مزاج سے دور اور ایک دوسرے کے خلاف پرتشدد عبارات اور مواد موجود ہے۔ اسے یکسر ختم کرنا چاہیے اور ایسی دلآزار کتابوں پر پابندی لگانی چاہیے جس سے بلاوجہ دوسرے مسلک والوں کی دل آزاری ہوتی ہو۔

(۶) اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ دینی مسائل میں بحث ومناظرہ اور طلب وتحقیق کا راستہ بند ہو۔ مثبت انداز میں تعمیری سوچ لیے ہوئے بحث ومناظرہ کا دروازہ علماء کیلئے کھلا رکھنا چاہیے مگر اس سے مقصد اختلاف کا دور کرنا اور اصلاح لانا ہو۔ نہ کہ شر وفساد پھیلانا۔

موضوع کے بارے میں اسلامی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ سے مثالیں

اسلام عدم تشدد، اعتدال اور درمیانہ روی کا دین ہے۔ قرآن پاک واحادیث طیبہ میں عموماً اس کی تاکید آئی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ [۲۲]

''درگزر کو اپنی عادت بناؤ اور نیکی کا حکم کرو اور ناسمجھو سے چشم پوشی کرو''

دوسری جگہ ارشاد ہے۔ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ [۲۳]

''جواب اس انداز سے دیا کرو جو بہت بہتر ہو پھر تو تیرے اور اس شخص کے درمیان جو دشمنی رکھتا تھا اچھی طرح دوستی ہو جائے گی''

ایک جگہ ارشاد ہے۔ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ط [۲۴]

''اور تم برا مت کہو ان لوگوں کو جو اللہ کے سوا دوسرے خداؤں کو پکارتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ دشمنی اور ناسمجھی میں خدا کو برا کہنا شروع کر دیں''۔ عین دوران جنگ دشمنوں سے سلوک کے بارے میں ارشاد ہے۔ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ [۲۵]

''اگر دشمن صلح کی طرف جھک جائیں تو آپ بھی جھک جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں''

حدیث شریف میں ہے۔ اِیَّا کُمْ وَالْغُلُوَّ فِی الدِّیْنِ اِنَّمَا ھَلَکَ مَنْ قَبْلَکُمْ بِالْغُلُوِّ فِی الدِّیْنِ [۲۶]
''تم اپنے آپ کو دین میں غلو کرنے سے بچاؤ اس لیے کہ تم سے پہلی قومیں دین میں غلو کرنے کی وجہ سے تباہ ہوئی ہیں''
ایک دوسری حدیث شریف میں ارشاد ہے لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرْعَۃِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِی یَمْلِکُ نَفْسَہٗ عِنْدَ الْغَضَبِ [۲۷]

''پہلوان وہ نہیں ہے جو غصہ کی حالت میں دوسرے کو پچھاڑ دے۔ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے''
تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کی ان تعلیمات کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلمانوں نے ہمیشہ اعتدال، درمیانہ روی اور رواداری سے کام لیا ہے۔ چنانچہ اسلام سے قبل کی جنگوں میں مفتوح قوم کو اول تا آخر موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا تھا۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، بیماروں، جانوروں غرض ہر ذی روح کو تلوار کی دھار سے قتل کر دیا جاتا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے دور جاہلیت کے تمام وحشی طریقوں کو منسوخ کر دیا اور ایسے قوانین نافذ فرمائے جو قیامت تک احترام آدمیت کا درس دیتے ہیں۔ ان قوانین کے مطابق جنگ کے دوران عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے قتل، عبادتگاہوں اور فصلوں کی تباہی و بربادی اور دشمنوں کے ہاتھ، ناک، کان وغیرہ کاٹنے پر پابندی لگا دی گئی۔ [۲۸]

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے شام کی طرف جب فوجیں روانہ کیں تو ان کو جنگ کے بارے میں تفصیلی احکام دیئے جن میں عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو قتل نہ کرنے، مقتولین کے اعضاء نہ کاٹنے، راہبوں اور عابدوں کو نہ ستانے، عبادتگاہوں کو مسمار نہ کرنے، پھل دار درخت اور کھیتیاں نہ کاٹنے، آبادیاں ویران نہ کرنے، جانوروں کو ہلاک نہ کرنے، بدعہدی سے بچنے اور مال غنیمت میں خیانت نہ کرنے سے متعلق احکامات شامل تھے۔ [۲۹] اس طرح اسلام نے غیر مسلموں کو مکمل مذہبی آزادی دی ہے یعنی کہ وہ اپنی شہادت کے احکام، نکاح کے معاملات، وراثت کے قوانین اور دوسرے تمام مذہبی امور میں آزاد ہونگے۔ [۳۰]

اسلام نے نہ صرف تشدد و انتہا پسندی کو غیر مسلموں کے لیے ناپسند کیا بلکہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ بھی رواداری اور احسان کے معاملہ کا حکم دیا ہے۔ یہاں تک کہ عبادت میں بھی اعتدال اور درمیانہ روی کا حکم دیا ہے۔ حضرت معاذ ؓ بڑے صحابی ہیں۔ ایک محلہ میں امامت کرتے تھے۔ صبح کی نماز میں لمبی سورتیں پڑھتے تھے۔ کسی نے آنحضرت ﷺ سے اس کی شکایت کر دی۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو کبھی اس قدر غضب ناک نہیں دیکھا تھا جس قدر اس موقعے پر دیکھا۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو لوگوں کو متنفر کر دیتے ہیں۔ جو شخص تم میں سے نماز پڑھائے تو مختصر پڑھائے کیونکہ نماز میں بوڑھے، کمزور اور کام والے بھی ہوتے ہیں۔ [۳۱]

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نہایت زاہد عابد صحابی تھے۔ انہوں نے عہد کیا کہ ہمیشہ دن کو روزہ رکھیں گے اور رات بھر عبادت کرینگے۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی۔ بلا کر فرمایا تم پر تمہارے جسم کا حق ہے۔ آنکھ کا حق ہے۔ بیوی کا حق ہے۔ مہینے میں تین دن کے روزے کافی ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے۔ فرمایا اچھا تیسرے دن روزہ رکھا کرو۔ کہا اس سے بھی زیادہ طاقت ہے۔ فرمایا ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھا کرو۔ انہوں نے مزید اجازت چاہی مگر آپ ﷺ نے اس

قدر اجازت دی۔ [42]

غیر مسلموں کے ساتھ افہام وتفہیم اور رواداری کی سب سے بڑی مثال میثاق مدینہ ہے۔ ہجرت سے قبل مدینہ میں یہود اور مشرکین کے مختلف قبائل آباد تھے۔ کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تھے گویا مدینہ مختلف عقائد، قبائل اور نسلوں کی آماجگاہ تھا۔ ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے ان تمام کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا اور میثاق مدینہ کے نام سے ایک دستور تحریر کیا جس پر تمام شرکاء نے دستخط کر دیئے اور اس دستور کی رو سے تمام لوگوں نے آپ ﷺ کو مدینہ کی اسلامی ریاست کا سربراہ تسلیم کیا۔ آپ ﷺ کے پاس تمام لوگوں کے فیصلے آتے اور سارے مقدمات انصاف کے ساتھ نمٹائے جاتے۔ جس سے تمام مدینہ والے مطمئن تھے۔ میثاق مدینہ کی دفعات میں ایک دفعہ کے الفاظ یہ تھے کہ مسلمانوں کیلئے مسلمانوں کا دین اور یہودیوں کیلئے یہودیوں کا دین ہے۔ یعنی مدینہ میں جس قدر بھی لوگ بستے تھے ان کو دینی، عدالتی اور قانونی آزادی کا اختیار دلایا گیا تھا اس سے بڑھ کر مفاہمت اور رواداری کا عملی نمونہ دیکھنا کہاں نصیب ہوگا؟ [43]

رسول اکرم ﷺ کے آخر عمر میں عرب کا ایک قبیلہ اسلام کے پرچم تلے جمع ہونا شروع ہوا۔ اگر کسی قبیلہ نے آخر دم تک سرتابی کی تو وہ بنوحنیفہ کا قبیلہ تھا۔ جس میں مشہور مدعی نبوت مسیلمہ کذاب ہو گزرا ہے۔ ثمامہ اس قبیلے کا ایک رئیس تھا۔ اتفاق سے وہ مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا گرفتار ہو کر مدینہ آیا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو مسجد کے ستون سے باندھ دیا جائے۔ اس کے بعد آپ ﷺ مسجد تشریف لے گئے۔ اس سے دریافت کیا کہ کیا کہتے ہو؟ اس نے جواب دیا۔ اے محمد ﷺ! اگر مجھے قتل کرو گے تو ایک خونی سے انتقال لے لو گے اور اگر احسان وکرم کرو گے تو ایک شکر گزار پر احسان کر لو گے۔ اور اگر فدیہ کی رقم چاہیے تو آپ مانگیں میں دونگا۔ یہ سن کر آپ ﷺ خاموش رہے۔ دوسرے دن بھی یہی تقریر ہوئی۔ تیسرے دن بھی جب یہی سوال جواب ہوا تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ثمامہ کی رسی کھول دو۔ اور اسے آزاد کر دو۔ ثمامہ پر اس خلاف توقع لطف و احسان کا یہ اثر ہوا کہ قریب ایک درخت کی آڑ میں جا کر غسل کیا اور مسجد میں واپس آ کر آپ ﷺ کے سامنے کلمہ تشہد بلند آواز سے پڑھا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! دنیا میں کوئی شخص مجھے آپ سے زیادہ مبغوض اور ناپسند نہیں تھا۔ اب دنیا میں کوئی شخص آپ سے زیادہ محبوب نہیں۔ اس سے قبل کوئی مذہب آپ کے مذہب سے زیادہ میری آنکھوں میں ناپسند نہیں تھا۔ اب یہی مذہب سب سے زیادہ پیارا ہے۔ کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ برا نہیں تھا۔ اب وہی شہر سب سے زیادہ محبوب ہے۔ [44]

مکہ میں غلہ یمامہ سے آتا تھا۔ یمامہ کا رئیس یہی ثمامہ تھا۔ جب مسلمان ہو کر اپنے علاقے میں پہنچا تو حکم دیا کہ اہل مکہ پر غلہ بند کر دیا جائے کیونکہ انہوں نے آنحضرت ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو ستایا ہے اور اب بھی مستقل طور پر ان کے درپے آزار رہتے ہیں۔ اس بندش سے مکہ میں قحط کا سماں بندھ گیا اور اہل مکہ بھوک سے بلبلا اٹھے۔ آخر قریش اور مشرکین مکہ نے مجبور ہو کر آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کو اذیتیں دی تھیں۔ تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور کر کے ان کا سوشل بائیکاٹ کر چکے تھے۔ بدر واحد کی لڑائیاں ان کے ساتھ لڑی گئیں تھیں۔ مگر پیغمبر رحمت ﷺ کا آستانہ بھی تو آستانہ رحمت تھا۔ بھلا اس سے سائل کہاں محروم جا سکتا تھا۔ چاہے وہ کافر، مشرک اور دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ آپ ﷺ نے ثمامہ کو کہلا بھیجا کہ اہل

مکہ سے غلہ کی بندش اٹھالو اور حسب سابق غلہ کی ترسیل جاری رکھو۔ جس پر غلہ کی بندش اٹھالی گئی اور اہل مکہ کو پھر سے غلہ ملنے لگا۔ [۳۵]

انسانی تاریخ میں فتح مکہ انسانی رواداری، صبر و تحمل، برداشت اور وسیع القلبی و فراخدلی کی وہ لازوال اور عدیم النظیر روشن مثال ہے جس کا عشر عشیر بھی تاریخ عالم کے اخلاقی معلمین کی عملی زندگی میں نظر نہیں آتا۔ اس دن مکہ کے تمام مظالم ▪ جابر کفار و مشرکین سامنے بے بس اور گردن جھکائے کھڑے تھے وہ سب تھر تھر کانپ رہے تھے ان کو اپنی موت سامنے نظر آرہی تھی۔ آج رب کائنات نے ان تمام کو پیغمبر رحمت ﷺ کے قبضہ میں دے دیا تھا۔ چاہتے تو چشم زدن میں سب کی گردنیں کٹوا کر سابقہ ظلموں کا بدلہ لے لیتے۔ اس حالت میں رسول رحمت ﷺ کی آواز اٹھی، پوچھا ''تمہیں معلوم ہے میں تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں؟'' سب نے جواب میں کہا ''آپ شریف بھائی کے شریف بیٹے ہیں اور آپ کی طرف سے ہمیں رحم و احسان کی امید ہے'' پھر کیا تھا؟ دریائے رحمت امنڈ آیا اور اہل مکہ کی ظلم بھری تاریخ کو بہا کر لے گیا۔ آپ ﷺ نے سب کو مخاطب کر کے فرمایا لا تثریب علیکم الیوم.... اذھبوا فانتم الطلقاء [۳۶]

''آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو''

یورپ کے ایک بڑے دانشور ارتھر گلیمن، محسن انسانیت پیغمبر رحمت ﷺ کی فتح مکہ کے موقعے پر اس مثالی مذہبی رواداری اور عام معافی کے عملی مظاہرہ کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

''فتح مکہ کے موقعے پر یہ بات ان کے حق میں جائے گی کہ اس وقت جب کہ اہل مکہ کے ماضی کے انتہائی ظالمانہ سلوک پر انہیں جتنا بھی طیش آتا کم تھا اور ان کے انتقام کی آگ بھڑکانے کیلئے کافی تھا۔ مگر آپ ﷺ نے اپنے لشکر و سپاہ کو ہر قسم کے خون خرابے سے روکا اور اپنے اللہ کے ساتھ بندگی اور اطاعت کا مظاہرہ کیا۔۔۔۔۔ دوسرے فاتحین کے وحشیانہ طرز عمل کے مقابلہ میں اسے انتہاء درجہ کی شرافت و انسانیت سے تعبیر کیا جائے گا۔ مثلاً صلیبوں کے مظالم ۱۰۹۹ء میں فتح یروشلم کے موقعہ پر انہوں نے ۷۰ ہزار سے زائد مسلمان عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ یا وہ انگریز فوج جس نے صلیب کے زیر سایہ لڑتے ہوئے ۱۸۷۴ء میں افریقہ کے سنہری ساحل پر ایک شہر کو نذر آتش کر ڈالا۔

محمد ﷺ کی فتح درحقیقت دنیا کی فتح تھی۔ سیاست کی فتح تھی۔ انہوں نے ذاتی مفاد کی ہر علامت کو مٹا ڈالا اور ظالمانہ نظام سلطنت کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور جب قریش کے مغرور متکبر سردار عاجزانہ گردنیں جھکائے مجرموں کی طرح کھڑے تھے تو محمد ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تمہیں مجھ سے کیا توقع ہے؟ ''رحم۔ اے سخی و فیاض بھائی رحم'' وہ بولے۔ ارشاد ہوا ''جاؤ تم سب آزاد ہو'' [۳۷]

گزشتہ سطور سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام عدم تشدد، اعتدال اور رواداری کا مذہب ہے۔ آج کل جو مسلمانوں کی طرف انتہاء پسندی، تنگ نظری اور دہشت گردی کی نسبت کی جارہی ہے ممکن ہے اس میں کچھ حقیقت بھی ہو اور کچھ ایسے افراد کی وجہ سے دین اسلام کی بدنامی ہورہی ہو جو قرآن وسنت کی اصل تعلیمات کو پس پشت ڈال کر عملاً اس کی غلط تعبیر و تشریح پیش کرتے

ہوں۔ مگر اس نسبت میں زیادہ عمل دخل یہودی وعیسائی لابی کا ہے۔ جو مسلمانوں کو میڈیا پر مسلسل اس طرح پیش کر رہے ہیں۔ حالانکہ ظلم وتعدی اور زیادتی ان کی طرف سے بھی ہوتی رہی ہے اور مسلسل ہو رہی ہے۔ پھر بھی وہ بدنام نہیں بلکہ دنیائے امن کے علمبردار اور ٹھیکیدار بنے بیٹھے ہیں۔ اس پر اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام — وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

ان حالات میں قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اکرم ﷺ کا اسوہ حسنہ رہتی دنیا کیلئے امن وسلامتی کی ضمانت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو بھی اور دنیا کے سارے انسانوں کو رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات اور اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تاکہ دنیا سے انتہا پسندی، تشدد اور ظلم وزیادتی کا خاتمہ ہو۔ اور اس کی جگہ اعتدال، میانہ روی، رواداری اور امن وآشتی کا بول بالا ہو۔ آمین یارب العالمین۔

حوالہ جات

(۱) الاحزاب: ۳۳

(۲) احمد بن حنبل: المسند ج ۱ ص ۳۵۶

(۳) حم السجدۃ: ۳۴

(۴) الاعراف: ۱۹۹

(۵) یجروید ۱۳: ۱۲، ۱۳، ۲۸/ ۱۵: ۱۷، ۱۸، ۱۹/ ۱۶: ۶۵/ ۱۷: ۳۹

(۶) الحجرات: ۱۳

(۷) منوشاستر ۱: ۱۰۰/ ۸: ۳۷۹/ ۲: ۲۸۱/ ۵: ۱۱

(۸) منوشاستر ۵: ۱۴۷، ۱۴۸

(۹) منشی عبدالرحمن خان: تعمیر پاکستان اور علماء ربانی، ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۹۹۲ء ۲۷، ۲۸

(۱۰) پندرہ روزہ راہ وفا۔ کراچی۔ ۱۵ فروری ۲۰۰۴ء

(۱۱) ایضاً

(۱۲) دیکھئے بائبل، استثناء ۲۰: ۱۳ تا ۱۶۔ ۱۹ تا ۲۰/ گنتی ۳۱: ۷، ۹، ۱۰، ۱۷، ۱۸

(۱۳) استثناء ۱۳: ۱۵، ۱۶

(۱۴) ماہنامہ نقوش، سیرت نمبر، ج ۴ ص ۳۱۳

(۱۵) مقالہ سیرت، طبع کردہ وفاقی وزارت

(۱۶) انجیل مرقس ۹: ۴۲، ۴۷

(۱۷) انجیل متی ۱۰: ۳۴، ۳۶/ لوقا ۱۲: ۵۱، ۵۳

(۱۸) لوقا ۱۲:۴۹

(۱۹) لوقا ۱۴:۲۶

(۲۰) شبلی نعمانی: الفاروق، مطبع اعظم گڑھ ۱۹۷۹ء ص ۱۷۴

(۲۱) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ۱۹۷۹ء تحت لفظ "سپین"

(۲۲) الاعراف: ۱۹۹

(۲۳) حم السجدۃ: ۳۴

(۲۴) الانعام: ۱۰۸

(۲۵) الانفال: ۶۱

(۲۶) ابن ماجہ: سنن ابن ماجہ، کتاب المناسک ص ۶۳

(۲۷) بخاری: کتاب الادب، باب الحذر من الغضب

(۲۸) اسد سلیم شیخ: رسول اللہؐ کی خارجہ پالیسی، طبع لاہور ۱۹۹۲ء ص ۱۷۱

(۲۹) ڈاکٹر خالد علوی: انسان کامل، طبع لاہور ۲۰۰۲ء ص ۳۰۰ و ۳۱۰

(۳۰) ابوعبیدۃ: کتاب الاموال ص ۱۴۰

(۳۱) بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ، ج ۱ ص ۹۷

(۳۲) بخاری، کتاب الصوم ج ۱ ص ۲۶۵

(۳۳) ڈاکٹر محمد حمید اللہ: عہد نبوی میں نظام حکمرانی، طبع کراچی ۱۹۷۸ء ص ۷۶

(۳۴) صحیح البخاری: ج ۲ ص ۶۲۷

(۳۵) ایضاً

(۳۶) قاضی محمد سلیمان منصور پوری: رحمۃ للعالمین طبع کراچی ج ۱ ص ۱۲۹

(۳۷) Arthur Gillman: The Saracens, London, p184, 185

"دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اُس کا خاتمہ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں"

بشریٰ بتول، کوئٹہ

انتہا پسندی لفظ انتہا پسند سے ماخوذ ہے جس کی بنیاد لفظ انتہا سے آئی ہے کہ کسی چیز/کام کو اُس کے آخری سرے، حد یا اختتام تک لے جانا اور انتہا پسند وہ شخص ہے جو کسی چیز/کام کو اس کی آخری حد تک لے جانے والا ہوتا ہے۔

انتہا پسندی کا لغوی مفہوم درمیان سے دور ہٹ کر کھڑے ہونے یا چلنے/کام کرنے کے ہیں اور معنوی چیزوں کیلئے مثلاً دینی، فکری، نظریاتی، سلوک اور رویہ میں انتہا پسندی کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

مذہبی انتہا پسندی کیا ہے:

مذہب اصل میں وہ عقیدہ/ایمان ہے۔ جس کو اختیار کرتے ہوئے ہم زندگی گزارنے کے اصول وضع کرتے ہیں اور مذہبی انتہا پسندی یہ ہے کہ اسی عقیدے/ایمان کو اس کی آخری حد تک لے جانا جو کہ مذہب کی اصل سے ہٹ کر ہو جاتا ہے جو کہ اعتدال سے ہٹی ہوئی راہ ہوتی ہے۔

انتہا پسندی کی تاریخ:

انتہا پسندی کی تعلیم مذہب اسلام نے تو کبھی بھی نہیں دی کیونکہ ہمارے پیارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کبھی بھی کسی مسلمان کو انتہا پسند ہو جانے کیلئے حکم نہیں دیا۔

مسلمانوں میں انتہا پسندی کا رجحان دوسری اقوام سے آیا ہے کیونکہ اسلام تو صرف چودہ سو سال پرانا مذہب ہے جبکہ آج کی دنیا میں پائے جانے والے زیادہ تر مذاہب اسلام سے پہلے وجود میں آ گئے تھے۔ چاہے وہ یہودیت ہو، بدھ مت، ہندومت یا عیسائیت یہ تمام مذاہب اسلام سے پہلے سے ہیں۔

یہودیت:

یہودیت اگر دیکھا جائے تو اس قدر انتہا پسندی کا مذہب ہے کہ اِس کے ماننے والوں نے اپنی ہٹ دھرمی اور من مانی سے انبیاء علیہ السلام کو بھی قتل کیا اور اِس کے باوجود اپنے عمل کو بہترین سمجھتے ہیں۔ ان کے بارے میں قرآن پاک کی سورۃ البقرہ آیت ۸۰ میں ارشادِ ربانی ہے کہ

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً

وہ کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ ہمیں ہرگز چھونے والی نہیں ہے الا یہ کہ چند روز کی سزا۔

بدھ مت:

بدھ مت کے مطابق انسان کیلئے روحانی تقدس حاصل کرنے کے لیے عبادت و ریاضت کر کے اپنی نفسانی خواہشات او دنیاوی افکار و آلام سے نجات حاصل کر کے یعنی کہ دنیا کو ترک کر کے خانقاہی زندگی بسر کرے۔ اِس مذہب میں صرف انفرادی مسائل اور روحانی تسکین کا سامان موجود ہے یہ انسان کی سیاسی، سماجی، تمدنی، معاشی زندگی کیلئے کوئی ہدایت نہیں دیتا۔

ہندومت:

ہندومت میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اِس قدر ہے کہ وہ اب تک ذات پات کی تقسیم کے معاملوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ شودر اگر برہمن سے ہندوؤں کی مقدس کتاب ویدسُن بھی لے تو اُس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیا جاتا اور ان کی ویدوں میں دنیا سے فرار اور دنیاوی لذت سے کنارہ کی تعلیم ملتی ہے۔

عیسائیت:

عیسائیت میں انتہا پسندی کا رجحان اِس قدر پایا جاتا ہے کہ انہوں نے مذہب میں خود ساختہ انسانی مظاہر کو لازمی قرار دیا اور عیسائی راہبوں نے جسمانی اذیت پسندی، ترک طہارت و نظافت، ازدواجی زندگی سے احتراز، قطع رحمی اور قرابتوں کا خاتمہ، فرقہ وارانہ بنیادوں پر ظلم و تعدی ترک و تجرد کے ساتھ دنیا پرستی اور خانقاہوں میں فحاشی کے اڈے تک قائم کرنے سے گریز نہ کیا۔ عیسائیوں کے اس رویہ کو قرآن نے رہبانیت قرار دیا ہے۔

وَ رَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا

یہ رہبانیت انہوں نے خود گھڑی ہے۔ اللہ نے انہیں اس کا حکم نہیں دیا تھا (الحدید: ۲۷)

مسلمانوں میں مذہبی انتہا پسندی کو ترویج دینے کی اصل وجہ یہی تمام مذاہب ہیں کیونکہ قرآن میں اللہ پاک نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ

یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے۔ جب تک تم ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو گے (البقرہ ۱۲۰)

یہ مسلمانوں یعنی کہ مذہب اسلام کے خلاف انہی مذاہب کی چال ہے کہ جن علاقوں پر ان کے ماننے والے قابض رہے وہاں سے علاقہ چھوڑ کر جانے سے پہلے بے شمار خرابیوں کو جنم دیا ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ عقلی میدان میں خرافات و اوہام پر ایمان

۲۔ اخلاقی میدان میں جبریت اور سلبیت کا پھیلنا

۳۔ اجتماعی اور خاندانی میدان میں تلخی، تنگی اور بے سکونی

۴۔ تشریعی اور فقہی میدان میں صحیح اجتہاد اور عمل تجدید کو ترک کر دینا

۵۔ عبادت کے شعبہ میں بدعت، غلو اور تحریف کو قبول کرنا

انتہا پسندی کی اقسام:

انتہا پسندی کی بے شمار اقسام ہیں ان میں سے کچھ اقسام دینی، کچھ سیاسی، کچھ سماجی، کچھ اقتصادی، کچھ نفسیاتی اور کچھ نظریاتی ہیں اور کچھ اقسام ایسی بھی ہیں جن میں انتہا پسندی انتہا پسند شخص کے اندر پوشیدہ ہوتی ہے اور بعض مرتبہ خاندان کے اندر افراد کے باہمی تعلقات میں ماں، باپ، بہن بھائیوں کے تعلق میں پوشیدہ ہوتی ہے۔

کبھی یہ رویہ سماج کے اندر سرایت کیا ہوا ہوتا ہے اور عقیدہ اور رویہ میں، فرائض میں، عملی زندگی میں، قول وعمل میں، آرزوؤں اور کامیابیوں میں اللہ کے نازل کردہ نظام شریعت اور انسان کے بنائے ہوئے قانون میں سماج کے اندر جو تضاد پایا جاتا ہے وہی انتہا پسندی ہے۔

انتہا پسندی کے اسباب:

زندگی کے ہر معاملے میں حد سے تجاوز کرنے کی عادت بغیر کسی سبب کے یوں ہی نہیں پیدا ہو جاتی بلکہ اُس کے پیچھے کچھ اسباب اور محرکات ہوتے ہیں۔ اس عالم آب وگل میں کوئی چیز بغیر سبب کے نہیں ہوتی یہی قانون قدرت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انتہا پسندی کا کوئی ایک سبب نہیں ہے بلکہ متعدد اور نوع بہ نوع ہیں کبھی حکومت کی خرابی اور بگاڑ انتہا پسندی کا سبب بن جاتا ہے کبھی حکام کی زیادتی، خواہشات کے پیچھے ان کا دوڑنا، قوم کے حقوق کو ادا کرنے میں کوتاہی برتنا، اندرون ملک برے حاشیہ نشینوں کی خواہشات کی پیروی کرنا، اسلام دشمن بیرونی طاقتوں کے اشاروں پر چلنا وغیرہ انتہا پسندی کا سبب بنتے گئے۔

مذہبی انتہا پسندی کے اسباب:

مذہبی انتہا پسندی کے معاملے میں بھی بہت سے اسباب کارفرما ہے۔ مذہبی انتہا پسندی کے اسباب بنیادی طور پر دو قسم کے ہیں۔

۱۔ مذہبی انتہا پسندی پیدا کرنے والے اسباب

۲۔ مذہبی انتہا پسندی پھیلانے والے اسباب

مذہبی انتہا پسندی پیدا کرنے والے اسباب:

وہ اسباب جو معاشرے میں مذہبی انتہا پسندی پیدا کرتے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(i) دین کا غلط تصور (ii) اصول شریعت اور مقاصد رسالت کی بے بصیرتی
(iii) کم علمی/ لاعلمی (vi) مذہب کی اصل روح سے دوری (v) سطحی/ غیر منطقی سوچ
(vi) تعلیم وتربیت کی کمی (vii) قوت فیصلہ کی کمی (viii) اپنے آپ کو صحیح اور دوسرے کو غلط سمجھنا

i۔ دین کا غلط تصور

مذہبی انتہا پسندی پیدا کرنے کا سب سے اہم سبب دین اسلام کا غلط تصور ہے مسلمانوں میں بھی دیگر مذاہب کی طرح یہ ہوا کہ اسلام کو محض ایک مذہب سمجھ لیا گیا جو چند عقائد رسوم ورواج کا مجموعہ ہے اور جس کا انسانی زندگی کے دیگر مسائل وامور سے کوئی تعلق نہیں اور دوسرے مذاہب کی طرح گویا یہ بھی صرف انسان اور خدا کے شخصی تعلقات پر بحث کرتا ہے۔

اسی غلط تصور کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں جو طبقہ مذہبی کہلانے لگا وہ محض مذہبی کاموں میں لگ گیا اور بہت سے لوگوں نے اپنی روزمرہ زندگی کے معمولات کو بھی ترک کرنے پر اکتفا کیا اور بعض لوگوں نے محض چند ڈگریوں کو علم دین سمجھ لیا اور بعض نے مذہب کے نام پر لوگوں کو دھوکا دینا شروع کر دیا اور زندگی کے معاملات میں مذہب کو Apply کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی مثلاً تجارت اور حکومت دین کے حصے نہ سمجھے گئے اور ان میں مذہب کو اپنانے کی ضرورت نہ ہو۔

ii۔ اصول شریعت اور مقاصد رسالت کی بے بصیرتی:

دورحاضر کے لوگوں میں اصول شریعت اور مقاصد رسالت سے بے بصیرتی پائی جاتی ہے اور وہ شریعت اور رسالت کے اصل مقصد کو سمجھنے کی بجائے بے راہ روی اور انتہا پسندی کی روش کی طرف گامزن ہو جاتے ہیں۔

iii۔ کم/ لاعلمی:

دین کی صحیح تعلیمات کے بارے میں ناقص علم ہونے کے باعث اولاً ہم بہت سے احکامات کو جانتے نہیں اور نہ ہی جاننے کی کوشش کرتے ہیں اس وجہ سے ہم غلط طور پر جاہلانہ طریقہ کار کو اپناتے چلے جاتے ہیں۔

iv۔ مذہب کی اصل روح سے دوری

مذہب کی اصل روح سے دوری کی وجہ سے اہم تعلیمات کو صحیح طور پر سمجھ نہیں پاتے پھر جس قدر سمجھ پاتے ہیں اس کو اپنے پیرائے میں ڈھال کر اپنا نیا مفہوم نکال لیتے ہیں مثلاً اگر ایک شخص عربی زبان کو اس کی گرائمر کے اعتبار سے نہ جانتا ہو تو وہ قرآن وحدیث سے اپنی سمجھ کے مطابق مطالب اخذ کر لیتا ہے اور کسی Authentic ذریعہ سے بھی اپنی ہٹ دھرمی کے باعث رجوع نہیں کرتا پھر اگر ایسا شخص کسی اعلیٰ عہدے پر بھی فائز ہے تو تمام لوگوں کو اپنے حکم کے ذریعے اس بات کو follow کرنے کو بھی کہتا ہے یہی انتہا پسند رویے کی وجہ بنتی ہے۔

v۔ سطحی/ غیر منطقی سوچ:

ہمارا دین آفاقی ہے اس میں ترمیم کی ضرورت نہیں یہ آنے والے ہر دور کی ضروریات کو پورا کرنے کے قابل ہے مگر ہم بہت سے احکامات کے بارے میں اپنی سطحی اور غیر منطقی سوچ رکھنے کے باعث اصل منبع تک نہیں پہنچ پاتے اور یہ بات بھی مذہبی انتہا پسندی کی وجہ ہے۔

vi۔ تعلیم و تربیت کی کمی:

ہم لوگ بحیثیت والدین معاشرے میں اپنی اولاد کو بہتر ماحول اور تعلیم و تربیت فراہم کرنا اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتے۔ عموماً ماں یا باپ میں سے کسی نہ کسی کا رویہ اپنی اولاد کے ساتھ انتہائی سخت ہوتا ہے اگر فرض کریں کہ باپ مذہبی ہے اور بیٹا کم مذہبی ہے یا رویہ جات اس سے متضاد ہیں تو گھر کے اندر کی کشمکش دونوں فریقین کو انتہا پسند بنا دیتی ہے۔

vii۔ قوت فیصلہ کی کمی:

آج کل ہم جس قسم کی زندگی گزار رہے ہیں اس میں ہم قوت فیصلہ کی کمی جیسے مسئلے کا شکار ہیں اس سلسلے میں ہم اہم دینی مسائل کے بارے میں ہر سنی سنائی بات پر عمل کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں اور بہت ساری کہی گئی باتوں سے صحیح بات کا انتخاب اپنی کم علمی کے باعث نہیں کر پاتے۔

اپنے آپ کو صحیح اور دوسرے کو غلط سمجھنا:

ہم زندگی کے ہر معاملے میں انتہا پسند واقع ہوئے ہیں اور خصوصاً مذہب کے معاملے میں تو زیادہ تر لوگ اپنی رائے/معلومات کو درست اور دوسرے کی رائے کو غلط سمجھتے ہیں اور مذہب کے معاملے میں ہم کسی کی رائے کو قبول نہیں کرتے اور اگر قوت اور طاقت بھی رکھتے ہوں تو دوسروں کو نقصان پہنچانے سے گریز نہیں کرتے۔

انتہا پسندی پھیلانے والے اسباب:

ہمارے معاشرے میں مذہبی انتہا پسندی پیدا کرنے والے اسباب کے ساتھ ساتھ اس کو بڑھانے/ پھیلانے والے اسباب بھی موجود ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(i) غربت (ii) خودغرضی (iii) بے روزگاری (iv) قوت برداشت کی کمی

(v) Rigidity (vi) Powerful Media کی جنگ

i۔ غربت:

دور حاضر میں انتہا پسندی کا رجحان اس وجہ سے بھی زیادہ ہوا کہ ہماری سوچ تک مادیت پرست ہوگئی ہے ہم ہر چیز کو

دنیاوی فوائد کے لحاظ سے دیکھتے ہیں بہت سی مذہبی انتہا پسند تنظیمیں لوگوں کی غربت سے ناجائز فائدہ اٹھاتی ہیں اور ان لوگوں کو پیسے دے کر ان کے نابالغ بچوں عموماً جن کی عمریں 12 سے 15 سال تک ہوتی ہیں اپنے کام کرواتی ہیں اپنے کام کے دوران اس بچے کے انتقال کے بعد رقم ان کے خاندان کے لوگوں کو ادا کر دی جاتی ہے۔

ii۔خودغرضی:

ہم اس دور میں بہت خودغرض ہو گئے ہیں ہم صرف اپنے لیے سوچتے ہیں اور دوسروں کی پرواہ نہیں کرتے۔ ہماری اس سوچ سے مذہبی انتہا پسند لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور ہمیں پیسے دے کر غلط کام کرنے کے لیے راضی کر لیتے ہیں اور ہم غلط راستے کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم میں سے بہت سے والدین اپنی اولاد زیادہ ہونے کے باعث خودغرض ہو جاتے ہیں اور اولاد کو صحیح توجہ نہیں دیتے بعد میں یہ اولاد جن کو بچپن میں والدین نے Ignore کیا ہوتا ہے وہ والدین کی پرواہ نہیں کرتے اور خودغرض ہو کر کسی نہ کسی مذہبی انتہا پسند گروہ سے اپنا تعلق قائم کر لیتے ہیں۔

iii۔بے روزگاری:

مذہبی انتہا پسند تنظیمیں بہت سے تعلیم یافتہ/ غیر تعلیم یافتہ بے روزگار نوجوانوں کو اچھا روزگار دلانے کے بہانے انہیں استعمال کرتی ہیں معصوم نوجوان فقط بہتر مستقبل اور بڑھتی ہوئی مہنگائی کا مقابلہ کرنے کے لیے اچھی تنخواہ والا روزگار تلاش کرنا چاہتے ہیں اور اس قسم کے لوگوں کے چنگل میں پھنس جاتے ہیں۔

iv۔قوت برداشت کی کمی:

آج کل ہم میں اور خامیوں کے ساتھ ساتھ قوت برداشت میں کمی بھی واقع ہو گئی ہوئی ہے ہم آپس کی بات چیت سے منفی Points تلاش کرتے رہتے ہیں اور کسی کی بات کو برداشت نہیں کرتے ہیں اور مذہب کے معاملے میں ہمارا رویہ زیادہ جارحانہ ہو جاتا ہے۔

v۔Rigidity:

ہم اپنے نارمل رویہ جات میں بہت مرتبہ بہت Rigid ہو جاتے ہیں اور اس Rigidity کی وجہ ہماری ذاتی انا اور خواہ مخواہ کی ضد بازی ہوتی ہے۔ اگر ہم دین کے معاملے میں سخت ہو جاتے ہیں تو اگر کسی چیز کے بارے میں دو رائے ہوں ان میں ایک اباحت اور ایک کراہت والی تو ہم کراہت والی رائے کو اختیار کرتے ہیں اور اگر کسی چیز کے بارے میں ایک قول مکروہ اور دوسرا حرام کا ہے تو ہم حرام قرار دینے والے قول کو قبول بھی کرتے ہیں اور پھر اس خیال کی ترویج بھی کرتے ہیں۔

Powerful Media-v کی جنگ

آج کے دور میں Media کو بہتر اور بدتر دونوں طور پر استعمال کیا جاتا ہے اسی طرح سے مذہبی انتہا پسندی بھی Print Media کو بہت غلط طورر پر استعمال کرتے ہیں وہ مختلف اشتعال انگیز خبریں چھپوا کر اور Posters پمفلٹ، رسائل وکتب وغیرہ کے ذریعے ایسا مواد لوگوں تک پہنچاتے ہیں جو عوام کو عدم تحمل کے رویہ کی طرف لے جاتا ہے اور مذہبی انتہا پسند اپنے فائدے کی خاطر لوگوں کو ورغلا کر اپنا کام نکلواتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مذہبی انتہا پسندی کی وجہ کوئی ایک سبب نہیں ہے بلکہ کچھ اسباب ایسے بھی ہیں جنھیں ان سب کا یا بعض کا مجموعہ/مرکب قرار دیا جاسکتا ہے اور یہ انصاف پسندی نہیں ہوگی۔

مذہب کے معاملات میں انتہا پسندانہ رویے کی تردید قرآن وحدیث کی روشنی میں:

قرآن کے مطابق: ہمارا مذہب اسلام ہمیں انتہا پسندی سے خبردار کرتا ہے اور قرآن پاک میں انتہا پسندانہ رویے کیلئے لفظ غلو عموماً استعمال ہوا ہے قرآن پاک سے اس رویے کے بارے میں معلومات حاصل ہونے کے بعد ہم یہ جان جائیں گے کہ اسلام کس حد تک لوگوں کو غلو سے روکتا ہے اور اس کے خوفناک انجام سے آگاہ کرتا ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ (النساء۔۱۷۱)

اے اہل کتاب! دین میں غلو کرنے سے بچو۔

غلو کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں۔

قرآن پاک کی سورہ المائدہ (۷۷) میں اللہ پاک ارشاد فرماتے ہوئے کہتا ہے کہ:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِo (المائدہ ۷۷)

کہو اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان لوگوں کے تخیلات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے خود گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سواء السبیل سے بھٹک گئے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ ہمیں پچھلی قوموں کی طرح دین میں حد سے تجاوز نہ کرنے کی تلقین کر رہا ہے ان کے علاوہ دنیا کے معاملات کے بارے میں انتہا پسندانہ رویے کو ترک کرنے کی تاکید کرتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ. وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَo

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جو پاک چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں۔ انہیں حرام نہ کرلو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ اللہ کو زیادتی کرنے والے سخت ناپسند ہیں۔ جو کچھ حلال اور طیب رزق اللہ نے تم کو دیا ہے اسے کھاؤ پیو اور خدا کی نافرمانی

سے بچتے رہو۔ جس پر تم ایمان لائے ہو۔ (المائدہ۔۸۷۔۸۸)

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ. قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ط

اے بنی آدم ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو اور کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اے نبی ان سے کہو کس نے اللہ کی زینت کو حرام کر دیا۔ جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں :(الاعراف۔۳۱)

ان مندرجہ بالا دونوں آیات سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ پاک نے کس سختی کے ساتھ انتہا پسندانہ رویے کی تردید کی ہے کہ جب فرمایا کہ اللہ کو زیادتی کرنے والے سخت ناپسند ہیں اور پھر دوسری جگہ فرمایا کہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا تو گویا اللہ بندوں کو معتدل رہنے کی تاکید کر رہا ہے۔

احادیث کے مطابق:

ہمارے نبی پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا میں ایک مکمل دین کی بنیاد رکھی جہاں اللہ پاک نے قرآن کے ذریعے ہماری رہنمائی فرمائی وہیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انتہا پسندانہ رویے کو ترک کرنے کیلئے ہدایات دیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

ایاکم والغلو فی الدین فانما ھلک من قبلکم بالغلو فی الدین۔

تم دین میں غلو کرنے سے بچو تم سے پہلے لوگ دین میں غلو ہی کے باعث ہلاک ہوئے۔

ایک اور جگہ ابو یعلی نے اپنی مسند میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ:

اپنے اوپر سختی نہ کرو ورنہ سختی تم پر لازم کر دی جائے گی۔ ایک گروہ نے (انتہا پسندی کا رویہ اپنا کر) اپنے اوپر سختی کی تو اس پر سختی کی گئی اس گروہ کے بچے ہوئے باقی افراد صوامع اور راہب خانوں میں ہیں۔

ایک مرتبہ کچھ صحابہ کرام نے دین میں اعلیٰ مقام پانے کی خاطر ترک دنیا کا ارادہ کیا تو اس سلسلے میں صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ:

کچھ لوگوں نے ازواج مطہراتؓ سے دریافت کیا کہ آنحضرتؐ گھر کی تنہائیوں میں کیا کرتے ہیں پھر ازواج مطہراتؓ کا جواب سن کر ان لوگوں نے اپنے عمل کو قلیل سمجھا۔ پھر ان لوگوں میں سے کسی نے کہا میں کبھی گوشت نہیں کھاؤں گا۔ کسی نے کہا میں کبھی شادی نہیں کروں گا۔ کسی نے کہا میں کبھی بستر پر نہیں سوؤں گا۔ پھر جب آنحضرتؐ کو ان لوگوں کی یہ بات معلوم ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کیا بات ہے کچھ لوگ ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں حالانکہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ رات میں سوتا بھی ہوں اور نماز کے لیے کھڑا بھی ہوتا ہوں نیز میں گوشت بھی کھاتا ہوں اور شادیاں بھی کرتا ہوں پس جو شخص میری سنت کو

پسند نہیں کرتا وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔

یعنی کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل طور پر اور واضح طریقے سے ترک دنیا کی مخالفت کر دی۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جن واضح الفاظ میں انتہا پسندانہ رویے کی مذمت کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ انتہا پسندانہ رویے اپنا کر ہم نبی پاکؐ کی سنت کے خلاف کام کریں گے۔

مذہبی انتہا پسندی کے نقصانات:

ہمارے مذہب اسلام میں دین میں انتہا پسندی اور غلو (حد سے تجاوز کرنا) سے سختی سے منع کیا گیا ہے اس لیے کہ یہ اپنے ساتھ خرابیاں، عیوب اور آفات بھی لے کر آتی ہے۔

۱۔ مذہبی انتہا پسندی کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان امن وسلامتی سے دور اور ہلاکتوں اور خطرات سے قریب تر ہو جاتا ہے اور وہ ایسے مقام پر جا پہنچتا ہے کہ وہ مصیبتوں میں گھرا ہوا اور تباہی کے کنارے پر کھڑا ہوتا ہے۔

۲۔ مذہب کے معاملے میں انتہا پسندانہ رویہ کو اپنانے والا شخص ہر معاملے میں بال کی کھال نکالنے لگتا ہے اور قول وعمل میں فرق واضح ہونے لگتا ہے تو ایسا انسان جس کے قول وعمل میں تضاد پایا جاتا ہو لوگ اس سے رفتہ رفتہ نفرت کرنے لگتے ہیں۔

۳۔ یہ رویہ انسان کی طبیعت میں وحشت کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔

۴۔ اس رویے کے باعث عام طور پر لوگ ایسے شخص کو برداشت نہیں کر سکتے کیونکہ یہ رویہ انسان کی فطرت کے منافی ہے اور ناپسندیدہ اور ناقابل برداشت عمل ہے۔

۵۔ اس رویے کے باعث انسان کے اندر سختی پیدا ہو جاتی ہے جو نبی پاکؐ کی سنت کے خلاف عمل ہے آپؐ نے حضرت معاذؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ کو یمن روانہ فرمایا تو نصیحت کی تھی کہ:

نرمی کرنا، سختی نہ کرنا، خوش خبری سنانا، لوگوں کو متنفر نہ کرنا، مل جل کر رہنا، اختلاف سے بچنا (متفق علیہ)

۶۔ انتہا پسندی کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے ہمیشہ کیلئے اس راہ پر چلنا اور عادت بنا لینا کوئی آسان کام نہیں ہے کیونکہ انسان اکتا جانے والی مخلوق ہے۔

۷۔ مذہب کے معاملے میں انتہا پسندانہ رویہ رکھنے سے انسان کی ہمت جلد جواب دے جاتی ہے اور سختی و دشواری سے فرار کی راہ اختیار کرنا چاہتا ہے۔

۸۔ انتہا پسندانہ رویہ رکھنے والے لوگ جب شدت پسندی کی راہ کو چھوڑتے ہیں تو وہ ہر قید و بند سے ڈھیل اور آزادی کی راہ پر گامزن ہو جاتے ہیں۔

۹۔ انتہا پسندی کا رویہ جہاں بھی پایا جاتا ہے وہاں ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوتاہی ہوتی ہے اور بہت سے حق داروں کے حقوق متاثر ہوتے ہیں۔

۱۰۔ انتہا پسند انسان کو علم دین میں سیری نصیب نہیں ہوتی۔

۱۱۔ مذہب میں انتہا پسندی فکری جمود پیدا کر دیتی ہے جو کہ انسان کو انسانی مصالح، شریعت کے مقاصد اور زمانے کے تقاضوں سے غافل بنا دیتی ہے۔

۱۲۔ انتہا پسند انسان کسی کی رائے کو تسلیم نہیں کرتا اور وہ لوگوں سے بات چیت کیلئے دل کے تمام دریچے بند کر لیتا ہے۔

۱۳۔ مذہبی انتہا پسند آسانی کی گنجائش ہوتے ہوئے، شدت پسندی کا رویہ اپناتا ہے اور اس بات کو دوسروں کیلئے لازم قرار دیتا ہے جسے اللہ پاک نے بھی لازم نہ قرار دیا ہو۔

۱۴۔ مذہبی انتہا پسند اپنے مخالفین پر بدعت، کفر، دین سے فرار اور دینی معاملات میں بے راہ روی کا الزام لگاتے ہیں۔

مذہبی انتہا پسندی کے نا صرف مندرجہ بالا نقصانات ہیں بلکہ سب سے بڑا نقصان تو یہ ہو رہا ہے کہ یہ اسلامی معاشرے کی اخوت کو تہس نہس کر کے معاشرے کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہی ہے۔

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا بڑھتا ہوا رجحان کیوں؟

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان پہلے کے کسی بھی دور سے زیادہ کیوں ہے وجہ یہ ہے کہ آج کے انسان کو عموماً ایسے اہل علم (استاد) میسر نہیں آتے جو کہ مذہب کے معاملے میں اس کی صحیح رہنمائی کریں۔ اس کے علاوہ ہم سب خود بھی مختلف سماجی، معاشرتی اور معاشی مسائل کے باعث انتہا پسند ہوتے جا رہے ہیں اور ہم نے ان تمام مسائل کو مذہبی حوالے سے حل کرنے کی بجائے دنیاداری کو ترجیح دینا شروع کر دی ہے۔ نہ ہم کسی کی بات سنتے ہیں نہ سننا پسند کرتے ہیں۔ ہم بات بے بات مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ ہم میں سے آج کے دور میں شاید ہی کوئی ایسا دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ کبھی بھی شدت پسندی پر نہیں اترا اور اپنی من مانی نہ کرتا ہے اور کرواتا ہے بلکہ موقع ملنے پر ہر کوئی ایسا کر گزرنے کے لیے تیار ہوتا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہم میں قوت برداشت میں کمی واقع ہوتی جا رہی ہے۔ اس وجہ سے آج کا دور شدید طور پر اس رجحان کے زیر اثر آ گیا ہے۔

''مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ تعلیمات نبوی کی روشنی میں''

ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ آپؐ کی آمد کے بعد دنیا میں قیامت تک کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ ہمارے نبی پاکؐ کو جو شریعت اللہ کی طرف سے عطا ہوئی وہ قیامت تک آنے والی تمام نسلوں کو راہنمائی فراہم کرنے کے قابل ہے۔ مذہب کے معاملے میں انتہا پسندی آج کوئی اکیسویں صدی کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اب صرف اس کی شدت میں اضافہ ہو گیا وگرنہ انتہا پسندی کا رویہ تو شاید انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا کہ جب شیطان نے سجدہ سے انکار کیا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ تعلیمات نبویؐ سے کس طرح سے کیا جا سکتا ہے۔ تو اس سلسلے یں سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۲۱ اس بات کا ثبوت پیش کرتی ہے کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تم لوگوں کے لیے رسول اللہؐ کی زندگی ایک بہترین نمونہ ہے۔

ہمارے پیارے نبی پاکؐ کی سنت یہ ہے کہ آپؐ کا معاملہ اپنے رب کے ساتھ، اپنے نفس کے ساتھ، اپنے گھر والوں کے ساتھ اور عام لوگوں کے ساتھ یہ تھا کہ آپؐ نے ہر ہر موقع پر انتہا پسندی سے گریز کیا اور کس طرح سے عرب کے جاہل معاشرے میں اسلام کی تبلیغ کی اور اس مبلغ اعظمؐ کی تبلیغ کی وہ کونسی نمایاں خصوصیت تھی کہ جس نے اس جاہل قوم کو بام عروج تک پہنچنے میں مدد کی۔

اعتدال پسندی/میانہ روی:

نبی پاک کی تعلیمات میں سب سے نمایاں خصوصیت ان تعلیمات کا اعتدال پر ہونا ہے۔ ہمارا دین ہمیں راہ اعتدال پہ لاتا ہے اور ہمارا راستہ یعنی کہ نبی پاکؐ کی کی شریعت کا راستہ ہر افراط وتفریط سے پاک ہے۔

افراط وتفریط۔ انتہا پسندی۔ شدت پسندی اور بے اعتدالی وہ خصوصیات ہیں جو کہ کبھی بھی پسندیدہ نہیں رہیں۔ اس کے برعکس میانہ روی اور اعتدال ہمیشہ قابل تعریف خصوصیت رہی ہے اور اسلام دین فطرت ہے اسی لیے اس کا دیا ہوا نظام حیات نہایت مکمل اور متوازن ایک معتدل نظام ہے۔ حتیٰ کہ رب کائنات نے ہر چیز میں اعتدال کو ملحوظ رکھا ہے۔

تخلیق کائنات میں اعتدال:

خالق کائنات نے تخلیق کائنات میں بھی توازن اور اعتدال کو اپنائے رکھا اور اللہ پاک نے موجودات کو کس انداز میں پیدا فرمایا اس کے لیے قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے کہ:

اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰیo وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰیo (اعلیٰ: ۲-۳)

وہ خالق حقیقی جس نے ہر چیز پیدا کی پھر اس میں مکمل مناسبت وہم آہنگی پیدا کر دی اور وہ جس نے ہر وجود کے لیے قدر مقرر کی پھر اس پر (زندگی کی راہ کھول دی۔

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ (النمل: ۸۸)

یہ اللہ کی کاریگری ہے کہ اس نے ہر چیز کمال درستی اور استواری کے ساتھ بنائی۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا (الفرقان: ۲)

اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اس میں صحیح تناسب اور توازن کو ملحوظ رکھا۔

پس جب خالق کائنات نے ہر چیز کو کمال درستی اور صحت اور توازن کے ساتھ بنایا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں اعتدال کا رویہ اپنانا چاہیے۔

اعتدال امت مسلمہ کی امتیازی خصوصیت:

اسلام کی یہ خوبی ہے کہ اس کا راستہ اکثر مسائل میں افراط وتفریط کے بیچ سے نکلا ہے بلکہ اسلام کی امتیازی خصوصیات میں توازن، اعتدال اور میانہ روی شامل ہے اور ملت اسلامیہ کو امتِ وسط کا خطاب دیا گیا۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (البقرہ۔۱۴۳)

اور اسی طرح تو ہم نے تم مسلمانوں کو امت وسط بنایا ہے۔

اصل یہ بات ہے کہ ظہور اسلام سے قبل مذاہب میں یا تو صرف مادیت تھی یا صرف روحانی۔ اسلام نے ان دونوں راستوں میں اعتدال کی صورت بتائی اور اس اصول پر جو قوم (امت) تیار ہوئی وہ امۃ وسط کے لقب سے نوازی گئی اور یہ اس امت کی ذمہ داری بن گئی کہ وہ دین میں افراط وتفریط سے لوگوں کو باز رکھے اور غلو سے پرہیز کرے اور انتہا پسندی سے گریز کر کے میانہ روی کو اختیار کرے۔

ہمارے پیارے نبی پاکؐ کی زندگی کا ہر ہر لحہ معتدل طور پر گزرا۔ خواہ وہ نبی پاکؐ کی عائلی زندگی ہو یا بین الاقوامی تعلقات ہر معاملے میں میانہ روی کی تعلیم ملتی ہے۔

دینی معاملات میں اعتدال:

i۔ قیام حق میں اعتدال:

رسول پاکؐ جب منصب نبوت پر فائز ہوئے اور آپؐ کو اللہ پاک نے دعوت حق کے اعلان کا حکم دیا تو آپؐ نے اس حکم کی تعمیل میں لوگوں کو دین حق کی جانب بلانا شروع کیا لیکن اس وقت عرب کے لوگ اس قدر بے راہ رو تھے اور کفر وشرک کی اتنی تاریکی میں تھے کہ حق کی روشنی میں ان کیلئے کوئی کشش نہ رہی تھی۔ ان کی بے حسی نے ان کو اس اعلان حق پر بھی کان نہ دھرنے دیئے۔ رحمت عالمؐ کو یہ معلوم تھا کہ دین حق کی یہ آخری فیصلہ کن دعوت ہے جو اس دعوت کو قبول کرے گا سرخرو ہوگا اور جو اس سرچشمہ فیض سے منہ موڑے گا وہ رسوا ہوگا اور خدا تعالیٰ کے عذاب کا حق دار ٹھہرے گا۔ اسی وجہ سے اپنی قوم کی غفلت دیکھ کر حضور پاکؐ کا دل دکھتا اور آپؐ ملول ہوتے جب اللہ پاک نے آپؐ کو دین اسلام کے لیے اس قدر پریشان اور ہلکان دیکھا تو فرمایا کہ

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ (طٰہٰ:۲)

ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا ہے کہ آپ اس طرح اپنے آپ کو ہلکان کریں۔

اس ارشاد ربانی سے پتہ چلتا ہے کہ دین حق کی دعوت کے مشکل مراحل میں بھی نبی پاکؐ کے غمگین ہونے پر انہیں منع فرمایا گیا یعنی کہ اس معاملے میں بھی شدت پر ٹوکا گیا ہے توازن واعتدال کی اہمیت اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ قیام حق میں بھی اس کو ملحوظ رکھنے کی ہدایت کی جا رہی ہے۔

ii۔ عبادات میں اعتدال:

ہمارا دین ہمیں جہاں زندگی میں اعتدال کی تعلیم دیتا ہے وہیں عبادات میں بھی اسی اصول کو اپنائے رکھا ہے۔ یعنی کہ نہ اتنی زیادہ عبادت ہو کہ آدمی دوسرے کاموں کے قابل نہ رہے اور نہ اتنی کم کہ حق سے غفلت ہو جائے۔

(a) نماز میں اعتدال:

ارکان اسلام میں توحید کے بعد نماز ہے۔ یعنی کہ ایک شخص کے لیے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے ساتھ ہی فرض ہو جاتی ہے مگر اس کی ادائیگی کرتے وقت اور اس کے Duration کا تعین کرتے وقت بھی اعتدال کی تعلیم دی گئی ہے کہ قرآن پاک کی سورہ بنی اسرائیل ۔آیت نمبر ۱۱۰ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

وَلَاتَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ٥ (بنی اسرائیل: ۱۱۰)

اور تو نہ پکار اپنی دعا (یا نماز) میں اور نہ چپکے پڑھ اور ڈھونڈ لے اس کے بیچ کی راہ

یعنی کہ حکم دیا جا رہا ہے کہ نہ تو چلا کر دعا کی جائے یا نماز پڑھی جائے کہ نمود و نمائش ہو جائے یا مخالف لوگ اس کو سن کر برا بھلا کہیں اور نہ بالکل چپکے چپکے کہ ساتھ والے بھی نہ سن سکیں بلکہ دونوں کے بیچ کی راہ اختیار کی جائے۔

اس کے علاوہ نماز کے بارے میں اللہ پاک نے سورہ مزمل آیت نمبر ۲۰ میں فرمایا ہے کہ: تیرا رب بخوبی جانتا ہے کہ تو اور تیرے ساتھ کے لوگوں کی ایک جماعت قریب دو تہائی کے اور آدھی رات کے اور ایک رات کے تہجد پڑھتے ہیں اور رات دن رات دن کا پورا اندازہ اللہ تعالیٰ کو ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ تم اسے ہرگز نہ نبھا سکو گے پس اس نے تم پر مہربانی کی۔

یعنی کہ رات کی نماز اتنی ہی پڑھو جتنی تم آسانی سے پڑھ سکو۔ اس کے علاوہ با جماعت نماز میں بھی بہت لمبی قرآت کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

(b) تلاوت قرآن میں اعتدال:

تلاوت قرآن میں اعتدال کو ملحوظ رکھنے کیلئے سورۃ مزمل میں ارشاد ربانی ہے کہ

اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر صاف پڑھا کر۔

اس کے علاوہ سورۃ مزمل کی آیت ۲۰ میں ارشاد ہوا ہے کہ:

لہٰذا جتنا قرآن پڑھنا تمہارے لیے آسان ہو اتنا ہی پڑھو وہ جانتا ہے کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوں گے بعض دوسرے زمین میں چل پھر کر اللہ کا فضل یعنی روزی بھی تلاش کریں گے اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد بھی کریں گے سو تم بآسانی جتنا قرآن پڑھ سکو پڑھو۔

(c) روزہ میں اعتدال:

عرب میں کئی کئی روز متصل روزے رکھنے کا طریقہ تھا۔ صحابہؓ نے بھی اسکا ارادہ کیا۔ لیکن آپؐ نے سختی سے منع فرمایا۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرو بہت زاہد شخص تھے۔ انہوں نے عہد کر لیا تھا کہ ہمیشہ دن کو روزے رکھیں گے اور رات بھر عبادت کریں گے آنحضرتؐ کو خبر ہوئی تو بلا بھیجا اور پوچھا کہ کیا یہ خبر صحیح ہے عرض کیا ہاں تو آپؐ نے فرمایا کہ تم پر تمہارے جسم کا حق ہے، آنکھ کا حق ہے، بیوی کا حق ہے، مہینہ میں تین دن کے روزے کافی ہیں۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرو نے کہا۔ مجھ کو اس سے زیادہ طاقت ہے فرمایا کہ اچھا تیسرے دن، حضرت عبداللہؓ بن عمرو نے فرمایا میں اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں تو فرمایا کہ ایک دن بیچ میں وقفہ دے کر روزہ رکھ لیا کرو۔ حضرت عبداللہؓ نے عرض کی مجھ کو اس سے بھی زیادہ قدرت ہے ارشاد ہوا بس اس سے زیادہ بہتر نہیں۔

معاشرتی معاملات میں اعتدال:

ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ جو لوگ روزمرہ معمولات میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں تو وہ شدت اور انتہا پسندی کو اختیار کر لیتے ہیں ان کی زندگی سے اعتدال کے ساتھ امن وسکون بھی رخصت ہو جاتا ہے اور معاشرہ وہ بنیادی چیز ہے کہ اگر اس کے معاملات میں اعتدال پایا جائے گا تو باقی ہر قسم کے معاملے میں اعتدال قائم کرنا سہل ہو جاتا ہے۔

i۔ کھانے پینے میں اعتدال:

کھانا پینا ہمارا روزمرہ کا معمول ہے ہم دن میں کئی کئی بار اس عمل سے گزرتے ہیں۔ زندگی کے اس اہم معاملے کے بارے میں بھی اعتدال میں رہنے کا حکم ہے کہ جب فرمایا گیا ہے کہ:

وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا (الاعراف:۳۱)

اور کھاؤ پیو مگر بے اعتدالی نہ کرو

ہم سب سے پہلے کھانے پینے کے معاملے ہی میں اعتدال کی حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اور اپنی صحت کے لیے مختلف خطرات مول لے لیتے ہیں۔

ii۔ مذاق میں اعتدال:

ہنسی مذاق ہمارے روزمرہ معمول کی بات ہے اور ہم لوگ اکثر اپنے مذاق میں لوگوں کی تحقیر کرنے سے گریز نہیں کرتے اور اپنے مزاح میں اپنے ساتھی کی ہتک اور دل شکنی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ مذاق میں افراط وتفریط سے کام لیتے ہوئے اس میں جھوٹ کی آمیزش کرتے ہیں۔ ہمارے نبی پاکؐ نے ایسے مذاق کی سخت مخالفت فرمائی ہے۔

عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لاتمارا خاک ولا تماز حہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی سے جنگ وجدل اور مسخرہ پن نہ کرو (ترمذی)

حالانکہ ہم یہ بات جانتے ہیں کہ ہمارے پیارے نبی پاکؐ بہت خوش مزاج شخص تھے مگر نبی پاکؐ کی پوری حیات

طیبہؒ کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے کبھی اپنے مذاق میں جھوٹ نہیں بولا۔ اس لیے ہمیں حسن مذاق اور دل لگی کے لیے بھی نبی پاکؐ کا اسوہ حسنہ سامنے رکھنا چاہیے کیونکہ نبی پاکؐ نے ہمیں مذاق کرتے وقت بھی معتدل اور مناسب رویہ رکھنے کی تلقین فرمائی ہے اور لغو مذاق کی ممانعت فرمائی ہے۔

iii۔ چال میں اعتدال:

چلنا پھرنا ہر انسان و جانور کی خصوصیت ہے مگر بہترین طور پر چلنا انسان کی خصوصیت ہے ہم عام طور پر چلتے وقت ہم معتدل رویہ نہیں رکھتے۔ ہمارا دین ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ ہماری چال ڈھال کیسی ہو اس سلسلے میں اللہ پاک نے قرآن پاکؑ کی سورہ لقمان میں بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ

وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ (لقمان:۱۹)

اور چل بیچ کی چال۔

یہ بات حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمائی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ نہ تو ہماری چال اتنی تیز ہو کہ چال میں موجودہ متانت اور وقار باقی نہ رہے اور نہ ہی اتنی دھیرے ہو کہ ریاکاروں والی نمائشی چال بن جائے۔

iv۔ غضب میں اعتدال:

غضب نام ہے اپنے نفس کے نامناسب امور کے پیش آنے پر ان کی مدافعت کی قوت کا۔ اگر یہی قوت افراط وتفریط سے پاک ہو اور عقل کے قابو میں ہو تو اس کا نام شجاعت ہے اور وہ حالات و کیفیات کے لحاظ سے مختلف پیکروں میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ مثلاً خودداری، دلیری، بلند ہمتی وغیرہ وغیرہ اور اگر یہی قوت اعتدال سے ہٹ کر افراط کی طرف مائل ہو تو تحقیر اور ظلم بن جاتی ہے۔ ہمارے نبی پاکؐ نے غصے سے منع فرمایا ہے۔

v۔ شہوت میں اعتدال:

یہ نام ہے نفس کے مناسب امور کے حصول اور طلب کی قوت کا اگر اس میں کامل اعتدال پایا جائے تو عفت بن جاتی ہے اور جب افراط وتفریط کی طرف مائل ہو جائے تو بے شرمی بن جاتی ہے۔

معاشی معاملات میں اعتدال

i۔ خرچ میں اعتدال:

خرچ میں اعتدال کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ:

وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا ○ (الفرقان۔ ۶۷)

اور جو خرچ کریں تو فضول خرچی نہ کریں اور نہ بہت تنگی کریں اور ہو اس کے درمیان اعتدال سے۔

ii۔ سخاوت اور فیاضی میں اعتدال:

سخاوت اور فیاضی کے معاملے میں معتدل رہنے کا حکم دیا گیا ہے وجہ یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ بے اعتدالی کے باعث مزید محتاجوں میں اضافہ ہو جائے اور یا اتنا کم ہو کہ دنیا و آخرت دونوں میں رسوائی کا سبب بنے جیسا کہ سورۃ بنی۔ اسرائیل آیت ۲۹ میں ارشاد ہے کہ:

اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن میں باندھ لے اور نہ اس کو بالکل کھول دے کہ تو بیٹھ جائے ملامت کا نشانہ بن کر تھکا ہارا۔

سیاسی معاملات میں اعتدال

i۔ جنگی معاملات میں اعتدال:

جنگ کے معاملے میں میانہ روی (اعتدال) کا رویہ رکھنا انتہائی لازمی چیز ہے اگر کسی فوج کا جرنیل ضرورت سے کم فوج اور ساز و سامان میدان جنگ کے لیے فراہم کرے گا تو اس کی شکست یقینی ہے اور اگر ضرورت سے زیادہ کرے گا تو فضول خرچی ہے ایک لائق جرنیل کی خصوصیت ہے کہ وہ تمام مہمات کو سر کرنے کی متوازن استعداد رکھتا ہو۔ ہمارے نبی پاکؐ نے ہر جنگ میں پوری احتیاط برتی اور آپؐ نے جنگی ضرورتوں اور میانہ روی کو ہر حال میں مدنظر رکھا۔

ii۔ بین الاقوامی تعلقات میں اعتدال:

بین الاقوامی تعلقات بناتے وقت اپنے ملک کی سلامتی کے پیش نظر اپنے خفیہ راز کبھی کسی دوسرے کو نہ بتائے جائیں اور نہ اتنے کم تعلقات رکھے جائیں کہ تعلق ٹوٹ جائے۔

اخلاقی معاملات میں اعتدال:

ہمارا مذہب ہمیں اخلاقی معاملات میں اعتدال کی تعلیم دیتا ہے ہمارے مذہب میں عیسائیت کی طرح یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی آپ کے ایک گال پر تھپڑ مار دے تو دوسرا بھی پیش کر دو بلکہ برابری کا بدلہ لینے کی اجازت دی گئی ہے۔

اختتامیہ:

غرض یہ کہ ہمیں پتہ چلا کہ اگر احکامات الٰہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں زندگی بسر کرنا ہے تو ہمارا ہر فعل خواہ وہ عبادت ہو، سونا جاگنا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا یعنی کہ ہر کام شدت سے پاک ہونا چاہیے جیسا کہ سرکارِ عالمؐ نے فرمایا ہے کہ

خیر الامور اوساطھا

بہترین اعمال وہ ہیں جن میں اعتدال کو ملحوظ رکھا جائے۔

اس سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ ہمیں میانہ روی و اعتدال کی راہ اختیار کرنا ہوگی کیونکہ ہمیں تو اپنی زندگی اور موت سب اللہ کے لیے رکھنی ہے تو اللہ پاک نے سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۴۱ میں ارشاد فرمایا ہے کہ :

وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (الانعام:۱۴۱)

بے اعتدالی نہ کرو خدا بے اعتدالیاں کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا

اب پہلا سوال یہ ہے کہ اعتدال پسندی یا میانہ روی کی عادت کس طرح سے اپنائی جاسکتی ہے تو جواب یہ ہے کہ اس عادت کو بیدار کرنے میں بھی ہماری دینی تعلیمات سے مدد ملتی ہے کہ جہاں نبیؐ پاک نے صبر و تحمل، رواداری، عفو و درگزر، عدل و احسان، اللہ پر توکل، قناعت، رحم دلی، امن پسندی، مساوات، اخوت اور قوت برداشت جیسی عادات اپنائے رکھیں اور مکی زندگی کے دوران جب کفار مکہ نبی پاکؐ کے ساتھیوں اور خود نبی پاکؐ کے ساتھ زیادتیاں کرتے تو اس پر نبی پاکؐ نے اپنے کسی ساتھی کو انتہا پسندی کا درس نہیں دیا بلکہ انہیں صبر کی تلقین کی اور جب مدنی زندگی میں انہیں بھرپور طور پر کامیابیاں نصیب ہوئیں تو بھی میانہ روی کی روش کو نہ چھوڑا اور دنیا کے ظالم بادشاہوں کی طرح فتح کیے جانے والے علاقوں میں بربریت اور عصمت دری نہیں کی بلکہ حرمت جان کا تصور دیا کہ جب اللہ پاک نے فرمایا کہ :

جس نے سوائے اس کے قصاص لینا ہو یا ملک میں فساد پھیلانے والوں کو سزا دینی ہو، کسی انسان کو قتل کیا تو اس نے گویا تمام انسانوں کا خون کیا اور جس نے ایک جان بچائی گویا اس نے تمام انسانوں کی جان بچائی (المائدہ:۳۲)

اب دوسرا سوال یہ ہے کہ آج کے معاشرے میں یعنی کہ دورِ حاضر میں انتہا پسندی اس قدر بڑھ چکی ہے اب اس پر کیسے قابو پایا جاسکتا ہے کہ جب ہم اس کے اسباب میں کہیں تو ہم کم علمی کو اس کی وجہ قرار دیتے ہیں اور کہیں لوگوں کی غربت اور بے روزگاری۔

اگر اسباب انتہا پسندی پیدا کرنے والے ہیں تو ان کا خاتمہ معاشرے میں اسلامی نظام تعلیم کو رائج کر کے کیا جاسکتا ہے نظام تعلیم کی اسلامی بنیادوں پر اس طرح سے تشکیل نو کریں کہ مرد و زن دونوں کے لیے تعلیم کے یکساں مواقع فراہم ہوں کیونکہ اس سے ایسے اہل علم پیدا ہوں گے جو قوم کی صحیح بنیادوں پر راہنمائی کر سکیں گے اور ایک اہل علم ماں اپنی اولاد کی بہترین تربیت سے اس میں تحمل، بردباری، عفو و درگزر کا جذبہ پیدا کر سکتی ہے۔ ان اوصاف کے پیدا ہونے سے خود بخود انتہا پسندی پیدا کرنے والے اسباب کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اور جن اسباب کے باعث انتہا پسندی پھیل رہی ہے ان کے خاتمے کے لیے ہمیں نبی پاکؐ کے اس قول کو کہ میانہ روی آدھی معیشت ہے پر عمل کریں تو ہم خود بخود معاشی طور پر لوگوں کو مستحکم کرنے کے بعد انتہا پسندی پھیلانے والے اسباب کا خاتمہ کر سکیں گے۔

اس کے علاوہ اسلامی طور پر احتساب کا سلسلہ شروع کیا جائے تا کہ کوئی جرم کرنے والا اپنے جرم کی سزا پائے تا کہ آئندہ آنے والی نسلیں کم از کم انتہا پسندی کی بھینٹ نہ چڑھیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ یہ تمام کام بیک جنبش قلم ممکن نہیں۔ مگر پھر بھی جب تک کوئی کام شروع نہ کیا جائے گا تو وہ پایہ تکمیل

تک کیسے پہنچے گا اس لیے مسلسل تعمیر اور سخت جدو جہد کی ضرورت ہے کیونکہ یہ ایک دشوار گزار راستہ ہے جہاں قدم قدم پر کانٹے بکھرے پڑے ہیں یہ راستہ مصیبتوں سے گھرا ہوا ہے اور خطرات و مشکلات سے پر ہے مگر اس میں کامیابی کے بعد اللہ پاک کی رضا و خوشنودی حاصل ہوگی بے شک اس سلسلے میں انتہائی اقدام لیتے ہوئے ہماری جان بھی چلی جائے تو اس بات کی بھی پرواہ نہیں ہے۔

آخر میں اللہ پاک سے یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے پورے عالم اسلام کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور دنیاوی اور اخروی معاملات میں آسانیاں عطا کرے (آمین ثم آمین)۔

حوالہ جات

(۱) اسرار الرحمن بخاری، اسلام اور مذاہب عالم، نیو بک پیلس اردو بازار لاہور

(۲) امام ابو العباس زین الدین احمد بن عبد اللطیف الزبیدی، مختصر صحیح بخاری، جلد اول، دوم دار السلام پبلی کیشنز

(۳) حافظ محمد ثانی ڈاکٹر، رسول اکرمؐ اور رواداری، فضلی سنز کراچی

(۴) خالد پرویز پروفیسر، قرآن، جہاد اور آنحضورؐ کی جنگی حکمتیں، حق پبلی کیشنز لاہور

(۵) زین العابدین سجاد میرٹھی (قاضی)، قاموس القرآن، دار الاشاعت اردو بازار کراچی

(۶) خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تصنیف و تالیف کراچی یونیورسٹی کراچی

(۷) سید ابو الاعلیٰ مودودی، تنقیحات، اسلامک پبلی کیشنز لاہور

(۸) سید ابو الاعلیٰ مودودی، نصرانیت قرآن کی روشنی میں، ادارہ ترجمان القرآن لاہور

(۹) سید ابو الاعلیٰ مودودی، یہودیت قرآن کی روشنی میں، ادارہ ترجمان القرآن لاہور

(۱۰) مولانا معین الدین خٹک، اسلام اور عصر حاضر کا چیلنج، ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور

(۱۱) سعید اللہ قاضی (پروفیسر ڈاکٹر) اسلام اور جدید ذہن کے مسائل، ادارہ تعلیم و تحقیق لاہور

(۱۲) سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبیؐ جلد ششم نیشنل بک فاؤنڈیشن پاکستان

(۱۳) سید امیر علی چراغ، روح اسلام، نذیر سنز پبلیشرز لاہور

(۱۴) شبلی نعمانی علامہ، سیرۃ النبیؐ جلد دوم نیشنل بک فاؤنڈیشن پاکستان

(۱۵) عبد المجید سوہدروی، رہبر کاملؐ، مسلم پبلی کیشنز لاہور

(۱۶) علامہ عماد الدین ابن کثیر، مترجم مولانا محمد صاحب جوناگڑھی، تفسیر ابن کثیر ناشر مقبول بکسٹال شیخوپورہ

(۱۷) محمد حسین ہیکل مترجم ابو یحییٰ امام خان، حیات محمدؐ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور

(۱۸) محمد سعید (حکیم) نورستان، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس پاکستان

(۱۹) نصیر احمد ناصر ڈاکٹر، حسن انقلاب، فیروز سنز

(۲۰) وارث سرہندی، علمی اردو لغت، علمی کتاب خانہ لاہور

(۲۱) یوسف القرضاوی (علامہ ڈاکٹر) اسلامی بیلدی مترجم سلمان ندوی مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور

(۲۲) یوسف القرضاوی (علامہ ڈاکٹر) اسلامی نظام کے قیام کا راستہ مترجم محمد طفیل انصاری ادارہ دراسات اسلامیہ لاہور

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ،
تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

آمنہ بی بی، راولاکوٹ، آزاد کشمیر

گزشتہ تقریباً تین چار ماہ سے دنیا بھر میں ہونے والے فلمی میلوں (Film Festivals) میں امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں پاکستانی طالبہ شرمین عبید کی بنائی ہوئی ڈاکومنٹری فلم "Reinventing Talban" کو بڑی اہمیت دی جا رہی ہے۔ اس فلم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ پاکستان کے صوبہ سرحد اور اس کے ملحقہ قبائلی علاقوں اور شمالی علاقہ جات میں مذہبی انتہا پسندی جو گزشتہ صدی کی آخری دہائی میں طالبان کو جنم دے چکی ہے اور افغانستان میں طالبان کے اقتدار کے خاتمے کے بعد یہ علاقے ایک بار پھر مذہبی انتہا پسندی کی لپیٹ میں ہیں اور کسی بھی وقت ایک بار پھر ''طالبان کا فتنہ'' سر اٹھا سکتا ہے۔ مذکورہ طالبہ نے بڑی جرأت اور محنت سے ان ''خطرناک'' علاقوں میں جا کر اس فلم کو اپنی نگرانی میں تیار کیا اور چونکہ مغربی میڈیا کا ان دنوں یہ پسندیدہ موضوع بھی ہے لہٰذا اس فلم کو خاصی تشہیر ملی ہے۔[1]

اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کی موجودہ پارلیمنٹ کے انتخاب کے ایک سال سے زائد عرصہ کے احتجاجی انداز کے بعد جب حکومت اور متحدہ مجلس عمل نے باہمی معاہدے کے ذریعے آئین میں سترویں ترمیم منظور کی اور صدر پاکستان نے پاکستان کی مجلس شوریٰ (قومی اسمبلی اور سینٹ) سے خطاب کیا۔ اس خطاب میں صدر مملکت نے فرمایا کہ ملت اسلامیہ پاکستان کو جن خطرات کا سامنا ہے ان میں مذہبی انتہا پسندی کا عنصر بھی ایک بڑا خطرہ ہے جس کا مقابلہ کرنا ضروری ہے اس طرح کے خطرات کے حوالے سے پہلے بھی وہ قوم کو خبردار کرتے رہے۔

۲۰ رنومبر ۲۰۰۳ء ایوان صدر اسلام آباد میں صدر پاکستان نے صحافیوں کے اعزاز میں جوڈنر دیا...... اس موقع پر انہوں نے داخلی اور خارجی صورتحال پر تفصیلی اظہار خیال کیا۔ ان کے افتتاحی کلمات یہ تھے۔

> ''پاکستان دوراہے پر کھڑا ہے۔ ترقیوں اور بلندیوں کی طرف بھی جا سکتا ہے لیکن غلطیوں کا ارتکاب کیا جائے تو دنیا میں یکہ و تنہا بھی رہ سکتا ہے پھر انہوں نے جو امکانی غلطیاں شمار کرائیں ان میں پاکستان کے اندر پائی جانے والی مذہبی انتہا پسندی اور دین کے نام پر شدت پسندی کو غیر معمولی اہمیت دی۔ انہوں نے کہا کہ میں تن تنہا اس خرابی کے خلاف جدوجہد کر رہا ہوں گویا کہ
>
> "I am the lone Crusadar"

ہمیں انتہا پسندی...... مذہبی انتہا پسندی کی ضرورت نہیں بلکہ ایک ''روشن خیال اعتدال پسندی'' کی ضرورت ہے۔[2]

مذہبی انتہا پسندی کے حوالے سے بحث تو کافی عرصہ سے جاری ہے لیکن ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے امریکہ کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور

پینٹاگون پر حملوں کے بعد اس بحث نے زیادہ زور پکڑا۔ اس حقیقت کے باوجود کہ ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں کام کرنے والے سینکڑوں یہودی اس روز چھٹی پر تھے اور شاید ان حملوں میں کوئی یہودی سازش بھی ہو سکتی تھی لیکن امریکی یہودی میڈیا نے اس حملوں کا کلیتاً ذمہ دار اسامہ بن لادن اور افغانستان کے حکمران طالبان کو قرار دیا اور ان کی دینی وابستگی جس کو وہ پہلے مذہبی بنیاد پرستی قرار دے رہے تھے، اب انہوں نے اس کو ''مذہبی انتہا پسندی'' کا نام دے کر مسلمانوں اور اسلام کو بدنام کرنے کی بھرپور مہم شروع کر دی اور پھر بغیر تحقیق کے محض میڈیا کی یکطرفہ مہم کے بعد طالبان اور اسامہ بن لادن کی تنظیم القاعدہ کو ''ملزم'' کی بجائے ''مجرم'' قرار دے کر امریکہ نے اپنی جدید ترین اور خطرناک ترین جنگی ٹیکنالوجی کے ذریعے نہتے افغانستان پر یلغار کر دی اور پھر ان امریکی ناخداؤں نے چند اور ممالک کو برائی کا محور قرار دے کر ان کے خلاف مرحلہ وار پیشگی حملوں کا پروگرام بھی ترتیب دیا جس کا اگلا نشانہ عراق کو بنایا گیا اور وہاں بھی محض میڈیا وار کے ذریعے عراق کے صدر صدام اور عراقی حکومت کے خطرناک اسلحہ کا فرضی بھوت کھڑا کیا گیا اور پھر یہاں وہی فارمولہ اختیار کیا گیا۔ مہلک ترین اسلحہ تو کہیں نہیں مل سکا لیکن حملہ کر دیا گیا اور دلچسپ بات یہ ہے کہ جن مہلک جراثیمی اور کیمیاوی ہتھیاروں کو بنیاد بنا کر حملہ کیا گیا تھا وہ آج تک دریافت نہیں ہو سکے اور پھر جب امریکہ کے ناجائز قبضے کے بعد امریکیوں پر خودکش حملے ہونا شروع ہوئے تو ان حملوں کو ''مذہبی انتہا پسندی'' کا نام دیا جا رہا ہے۔

فلسطین جہاں اسرائیلی حکومت ایریل شیرون جیسے سفاک وزیراعظم کی قیادت میں آئے روز بکتر بند گاڑیوں، بمبار ہیلی کاپٹروں اور ٹینکوں کے ذریعے اسرائیلی فوجی نہتے عوام پر حملے کر رہے ہیں ان کے گھر گرا رہے ہیں ان کے بچوں اور بوڑھوں کو قتل کیا جا رہا ہے آج بھی میری آنکھوں میں اس فلسطینی بیٹے کے باپ کی اور اس کے بیٹے کی تصویر گھوم رہی ہے جو اسرائیلی گولیوں سے بچنے کے لئے ایک ڈرم اور ایک چبوترے کے پیچھے چھپنے کی کوشش کر رہے تھے جبکہ اسرائیلی فوج کے بندوق بردار ان دونوں نہتے باپ بیٹے پر اپنا نشانہ درست کر رہے تھے اور بالآخر اس معصوم بچے کو گولی لگتی ہے اور اس کی چیخ اور اس کے ساتھ اس کے باپ کی چیخ بلند ہوتی ہے جو اس معصوم کے تڑپتے ہوئے وجود کو اپنے ہاتھوں میں لیے ہوئے بلک بلک کر رب موسیٰ و ہارون سے فریاد کر رہا ہے۔ اس ظالمانہ اور جابرانہ واقعہ کی طرح کے واقعات فلسطین کی گلیوں میں روز ہوتے ہیں۔ امریکی فرعون اور ان کے حواریوں کو نہتے فلسطینیوں کا بہتا ہوا خون نظر نہیں آتا لیکن اسرائیلی قاتلوں کے خلاف اگر کوئی فلسطینی نوجوان مرد یا عورت اپنے وجود کے ساتھ بارود باندھ کر خودکش حملہ کرتا ہے چند یہودی ہلاک ہوتے ہیں تو پوری امریکی اور یورپی لابی کو یہودیوں کی ہلاکت اور انسانیت کے خلاف جرم نظر آتا ہے اور پھر الزام دیا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ مذہبی انتہا پسندی کا نتیجہ ہے اور یہ کہ مسلمان ہیں ہی انتہا پسند اور ان کی انتہا پسندی کے پیچھے مذہبی عنصر کارفرما ہے۔

ایک اور تصویر ہر وقت میرے دل و دماغ کے ساتھ چپک کر رہ گئی ہے یہ ایک افغان بچی کی تصویر ہے۔ ایک خاتون ہونے کے ناطے شاید یہ چیزیں مجھے زیادہ محسوس ہوتی ہیں ان دنوں کی تصویر ہے جب افغانستان پر سپر پاور کے بمبار طیارے لگاتار بم برسا رہے تھے۔ ایک ہسپتال کے بیڈ پر میری بیٹی نمرہ جس کی عمر چھ سال ہے، کی عمر کی ایک بچی بیٹھی ہوئی ہے اس کی

دونوں ٹانگیں کٹ چکی ہیں۔ کٹی ہوئی ٹانگوں والی اس بچی کو اقوام متحدہ کی ایک انگریز کارکن خاتون پھولوں کا گلدستہ پیش کر رہی ہے۔ بچی کے چہرے پر جو کرب اور دکھ ہے وہ صاف نظر آ رہا ہے۔ تصویر کے نیچے یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ اس بچی کے ماں باپ امریکی بمباری میں ہلاک ہو چکے ہیں۔ ظالمو! تم نے اس معصوم کے ہی نہیں، ہزاروں لاکھوں بچوں کے ماں باپ چھین لیے ان کو معذور کر دیا، یہ معصوم کون سے مذہبی انتہا پسند تھے؟ کہاں کے بنیاد پرست تھے۔

ان دو تصویروں کے ذکر کے بعد کچھ ایسی باتیں بھی ہیں جن کا اعتراف ضروری ہے۔ ہمیں ان خامیوں اور کوتاہیوں کا بھی تذکرہ کرنا چاہئے جن کی وجہ سے دوسروں کو ہمارے خلاف اعتراضات کا موقع ملتا ہے...... مضمون کی ڈور وہیں سے پکڑتے ہیں جہاں ہم نے طالبان کا سلسلہ ختم کیا تھا...... تذکرہ ان دنوں کا کر رہی ہوں جب افغانستان میں طالبان کی حکومت تھی۔ یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ طالبان حکمران اور ان کے انتظامی کارکنان تقریباً تمام کے تمام پاکستان کے دینی اداروں کے فارغ التحصیل علماء کرام تھے۔ اس بات کی گواہی نہ صرف پاکستانی میڈیا دیتا رہا ہے بلکہ مغربی میڈیا بھی تسلیم کرتا رہا ہے کہ طالبان کے دور حکومت میں ملک کے تقریباً نوے فیصد علاقے میں مکمل طور پر امن قائم تھا، انصاف تھا اور یہ مغربی واقعہ نگاروں کا بیان ہے کہ طالبان نے اپنے زیر کنٹرول علاقوں سے پوست کی کاشت مکمل طور پر ختم کر دی تھی اور دوسری طرف انتہا پسندی کے چند ایسے اقدامات ان کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوئے کہ جن کو بنیاد بنا کر عالمی میڈیا نے ان کے خلاف اس قدر پروپیگنڈہ کیا کہ امر تقریباً "متفق علیہ" ہو گیا کہ طالبان مذہبی جنونی اور انتہا پسند ہیں اور یہ انتہا پسندی بے حد خطرناک ہے حوالے کے طور پر صرف دو واقعات پیش کرنا چاہوں گی۔

پہلا واقعہ یہ تھا کہ ہمارے بلوچستان سے ایک فٹ بال ٹیم فٹ بال کے دوستانہ میچ کھیلنے افغانستان گئی، طالبان کے وہاں مقامی حکمرانوں نے نیکر پہن کر فٹ بال کھیلنے والے ان کھلاڑیوں کو گرفتار کیا چونکہ ان کے خیال کے مطابق فٹ بال کے کھلاڑی کا لباس ستر پوشی کی حدود سے خارج تھا۔ بعد ازاں ان گرفتار شدگان کے سر مونڈ کر ان کو پاکستان واپس بھیج دیا۔

دوسرا اہم واقعہ یہ ہوا کہ نہ جانے کس دانش مند نے افغانستان کے طالبان حکمرانوں کو بدھا کے تین ہزار سال پرانے پہاڑوں پر بنے ہوئے نقوش کو مٹانے کی ترغیب دی۔ پوری دنیا میں اس حوالے سے شور پڑا رہا۔ تبصرے ہوئے پاکستان سمیت دنیا بھر کے لوگوں اور حکومتوں نے ان سے مطالبہ کیا کہ انسانی تاریخ کی ان قدیم علامتوں کو باقی رہنے دیا جائے لیکن دنیا کے انسانی ضمیر کی اس اجتماعی آواز پر انہوں نے کان نہیں دھرے اور آخرکار یہ ہزاروں سال پرانے بدھا کے نقوش بارود کے دھوئیں میں ہمیشہ کے لئے غائب ہو گئے۔ مغربی میڈیا نے اس واقعے کو انسانی ضمیر کے خلاف جرم کے طور پر پینٹ کیا اور ساری دنیا میں یہ تاثر عام ہوا کہ "مذہبی انتہا پسندی" بہت خطرناک ہے اور یہ مذہبی انتہا پسندی انسانی ضمیر کی آواز نہیں سن سکتی لہٰذا اس کو مٹانا دور جدید کے انسان کی بقاء کے لئے ضروری ہے۔

یہ تو انتہا پسندی یا مذہبی انتہا پسندی کے وہ حوالے ہیں جو اپنے ملک کی سرحدوں سے دور کے ہیں۔ انتہا پسندی کا ایک اور ثبوت یا حوالہ بھارتی ہندومت کے پرچارکوں کا ہے۔ گجرات (بھارتی) میں مسلمانوں کا قتل عام تو کل کی بات ہے۔ بابری

مسجد کی شہادت ہو یا عیسائی پادریوں کو اپنے اہل خانہ سمیت جلانے کے واقعات۔ یہ سب ہندو جنونیوں کی کارروائیاں ہیں۔ ہندو جنونیوں نے بھارت کے مسلمانوں کا عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے اگرچہ دنیا میں اکثر جگہ مسلمان غیروں کا نشانہ ستم ہیں لیکن بھارتی مسلمانوں سے زیادہ مشکل میں شاید ہی کوئی مسلمان ہو...... ایک طرف بھارتی مقبوضہ کشمیر میں مسلمانوں کا قتل عام کرنے میں مصروف ہیں تو ساتھ ہی ہندوستان کے اندر کے علاقوں میں مسلمانوں کی حالت دگرگوں ہے اور یہ سب کچھ انتہا پسندی بلکہ ہندو مذہبی جنونیوں کی انتہا پسندی کا شاخسانہ ہے۔

اب ہم اپنے گھر کی خبر لیتے ہیں زیادہ نہیں صرف گذشتہ برس کی بات کرتے ہیں کہ اس ایک برس میں انتہا پسندی اور خاص طور پر مذہبی انتہا پسندی نے کیا گل کھلائے ہیں؟ کتنے گھروں کے چراغ گل کیے ہیں؟ اور کتنی سہاگنوں کے سہاگ اجاڑے ہیں؟ کتنے بچوں کو یتیم کیا ہے اور کئی ماؤں کے جگر گوشے ہلاک کیے ہیں؟ ملاحظہ کریں چند جھلکیاں:

۲۵/جنوری ۲۰۰۳ء لاہور کی ایک امام بارگاہ کے متولی کو قتل کر دیا گیا۔

۳۱/جنوری کو فیصل آباد میں ایک مسجد کے امام کو قتل کر دیا گیا۔

۲۲/فروری کو کراچی کے علاقے ملیر کی رفاہ عام سوسائٹی میں امام بارگاہ سے نکلنے والے نمازیوں پر موٹر سائیکل سواروں نے اندھا دھند فائرنگ کر دی جس سے دس نمازی جاں بحق ہو گئے اور ان گنت زخمی بھی۔ اس کے ردعمل میں مختلف شہروں بشمول کراچی میں ہنگامے ہوئے، لوگوں نے احتجاج کیا اور سرکاری اور نجی املاک کو نقصان پہنچایا۔

۹/مارچ کو فیصل آباد میں ایک مسجد پر فائرنگ اسی روز فائرنگ کے ایک اور واقعے میں فیصل آباد کے ایک عالم دین کا قتل ہوا۔

۴/جولائی کو کوئٹہ میں ہونے والا مسجد اثنا عشری کا واقعہ اس سال کا ملک کا سب سے بڑا دہشت گردی کا واقعہ ہے جس میں دہشت گردوں نے مسجد کے اندر داخل ہو کر حملہ کیا، نماز ادا کرنے والے پچاس سے زائد نمازیوں کو گولیوں سے بھون ڈالا اور متعدد کو زخمی کر ڈالا۔ اس واقعے سے صورتحال اس قدر خراب ہوئی کہ کوئٹہ شہر کی انتظامیہ کو کرفیو لگانا پڑا اگرچہ اس طرح کے واقعات ملک کے دیگر حصوں میں اس سے قبل اور اس کے بعد ہوتے رہے مگر ۲۰۰۳ء میں کسی ایک واقعے میں اتنی زیادہ جانیں کبھی ضائع نہیں ہوئیں۔

یہ تمام واقعات مذہبی انتہا پسندی اور فرقہ وارانہ کشیدگی کا شاخسانہ ہیں۔

۶/اکتوبر ۲۰۰۳ء کو اسلام آباد میں کالعدم تنظیم کے سربراہ اور رکن قومی اسمبلی مولانا اعظم طارق اور ان کے گارڈز کا قتل دوہرے پہلو لیے ہوئے ہے۔ ایک طرف وہ مذہبی فرقے کی نمائندگی کرتے تھے اور دوسری طرف سیاست دان اور قومی اسمبلی کے رکن تھے۔ مولانا اعظم طارق کے قتل کے اثرات پورے ملک پر

پڑے اسلام آباد سمیت ان کے آبائی حلقے جھنگ سے لے کر ملک کے دیگر شہروں تک شدید احتجاج ہوا۔
ان کے قتل کے الزام میں ایک اور کالعدم تنظیم کے سربراہ ''مولانا ساجد نقوی'' کو گرفتار کیا گیا۔[۳]
دسمبر ۲۰۰۳ء میں صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف کو بم سے اڑانے کی دو کوششیں ہوئیں، دوسری کوشش میں جس نوجوان نے خودکش حملے کے ذریعے صدر مملکت کو ہلاک کرنے کی کوشش کی تو تحقیقاتی ایجنسیوں نے اس کا پتہ چلایا۔ آزاد کشمیر کے علاقہ اندروٹ ضلع پونچھ کا نوجوان محمد جمیل اس حملے کا ذمہ دار تھا جو ہلاک ہوا۔ اس کے بارے میں جو معلومات سامنے آئیں تو ان سے پتہ چلا کہ مذکورہ نوجوان ایک دینی مدرسے کا تعلیم یافتہ تھا اور گذشتہ ایک عرصہ سے طالبان کے ہمراہ افغانستان کی لڑائیوں میں شریک رہا۔
اس طرح ایک بار پھر یہی الزام شد و مد سے دہرایا گیا کہ صدر پر حملوں میں مذہبی انتہا پسندی کا عنصر ہی کارفرما رہا ہے۔

یہ سب کچھ کیا ہے؟ مذہبی انتہا پسندی کی کیا تعریف ہے؟ اس کے لغوی معنی کیا ہیں؟ قرآن و حدیث میں انتہا پسندی کی کیا تعبیر کی گئی ہے؟ اس انتہا پسندی اور ''غلو'' سے دین میں کیا خرابیاں اور آفتیں پیدا ہوتی ہیں؟ دینی انتہا پسندی کا مفہوم اور اس کی کیا بنیادیں ہیں؟

تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں اس انتہا پسندی کے رجحان کا خاتمہ کس طرح ہو سکتا ہے ان تمام سوالات کا جواب اپنی بساط کے مطابق مضمون زیر بحث مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیمات نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی روشنی میں آئندہ سطور میں پیش کرنے کی کوشش کروں گی۔

انتہا پسندی کا لغوی مفہوم:

عربی زبان میں ایک لفظ ہے ''تطرف'' درمیان سے دور ہٹ کر، کنارے کھڑے ہونے کو ''تطرف'' کہتے ہیں۔[۴]
شروع شروع میں اس لفظ کا استعمال ان چیزوں کے لئے ہوتا تھا جو مادی وجود رکھتی ہیں، نظر آتی ہیں مثلاً کنارے بیٹھنا، کنارے چلنا لیکن پھر بعد میں اس کا استعمال معنوی چیزوں کے لئے بھی ہونے لگا مثلاً دینی انتہا پسندی، فکری اور نظریاتی انتہا پسندی، انتہا پسندانہ سلوک اور رویہ میں انتہا پسندی، انتہا پسندی اور غلو کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی امن اور سلامتی سے دور اور ہلاکتوں اور خطروں سے قریب ہو جاتا ہے۔

قرآن وحدیث میں انتہا پسندی کیلئے ''غلو'' کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے:

اسلام کو اعتدال کا دین اور امت مسلمہ کو ''امت وسط'' کا نام دیا گیا ہے۔ قرآن وحدیث میں انتہا پسندی کے لئے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان میں ''غلو''، ''تنطع'' اور ''تشدید'' کے الفاظ بھی ہیں۔
اسلام میں غلو انتہائی ناپسندیدہ بات ہے اور لوگوں کو اس سے شدت سے خبردار کیا گیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ایاکم والغلو فی الدین فانما ھلک من قبلکم بالغلو فی الدین

ترجمہ: تم دین میں غلو کرنے سے بچو، تم سے پہلے کے لوگ دین میں غلو ہی کے باعث ہلاک ہوئے۔[۵]

محدثین کے نزدیک اس حدیث میں قبلکم کا جو لفظ آیا ہے اس سے مراد سابق ادیان کے ماننے والے اہل کتاب ہیں اور ان میں خاص طور پر نصاریٰ مراد ہیں۔ اس حوالہ سے قرآن کا یہ خطاب بھی پیش نظر رہے۔

"قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ۝ (المائدہ ۷۷)

کہو اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان لوگوں کے خیالات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے خود گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔[۶]

غلو کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا مودودی تفہیم القرآن میں رقم طراز ہیں:

غلو کے معنی ہیں کسی چیز کی تائید و حمایت میں حد سے گزر جانا۔ یہودیوں کا جرم یہ تھا کہ وہ مسیح کے انکار اور مخالفت میں حد سے گزر گئے اور عیسائیوں کا جرم یہ تھا کہ وہ مسیح کی عقیدت و محبت میں حد سے گذر گئے۔[۷]

غلو کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں۔ عقائد میں بھی اور اعمال میں بھی۔ دیگر ادیان کے ماننے والوں میں سے نصاریٰ کے اندر تمام دینی گروہوں کے مقابلہ میں زیادہ "غلو" تھا اس لئے قرآن نے خاص طور پر ان کو "غلو" سے منع کیا ہے۔

یاھل الکتب لا تغلوا فی دینکم

اے اہل کتاب دین میں غلو کرنے سے بچو۔[۸]

ابن مسعود سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ھلک المنطعون۔[۹] آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جملہ تین بار دہرایا۔ امام نوویؒ نے اس کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بال کی کھال اتارتے ہیں۔ شدت پسندی کا رویہ اپناتے ہیں اور اپنے اقوال و اعمال میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں۔

اس حدیث میں اور اس سے پہلے جو حدیث اوپر گزر چکی ہے دونوں میں یہ بات کہی گئی ہے کہ "غلو" اور "تنطع" کا انجام ہلاکت ہے۔ دنیا اور دین دونوں کی ہلاکت پھر اس ہلاکت اور تباہی سے بڑا خسارہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ یہ انجام ہی اس سے ڈرانے کے لئے کافی ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا تشددوا علی انفسکم، فیشدد علیکم فان قوما شددوا علی انفسھم، فشدد علیھم، فتلک بقایا ھم فی الصوامع والداریات

اپنے اوپر سختی نہ کرو ورنہ یہ سختی تم پر لازم کر دی جائیگی۔ ایک گروہ نے (انتہا پسندی کا رویہ اپنا کر) اپنے اوپر سختی کی، اس گروہ کے بچے ہوئے باقی افراد صوامع اور راہب خانوں میں ہیں۔[۹]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ

ان لوگوں نے رہبانیت خود ایجاد کی ہم نے اسے ان پر فرض نہیں قرار دیا تھا۔[۱]

اسی لئے رسولؐ اللہ نے لوگوں کو دینداری کے سلسلے میں ہر ایسے رویہ پر ٹوکا جس میں ''غلو'' کی طرف رجحان پایا جاتا تھا۔

دین میں غلو سے پیدا ہونے والی خرابیاں:

دین میں انتہا پسندی اور غلو کو سختی سے روکا گیا ہے اس لئے کہ یہ انتہا پسندی اور غلو اپنے ساتھ کچھ خرابیاں، عیوب اور آفتیں لے کر آتا ہے جہاں غلو کا رویہ پایا جاتا ہے وہاں لازماً یہ خرابیاں بھی ابھر کر سامنے آئیں گی۔ اس حوالے سے اولاً خرابی جس کا یہاں مختصر تذکرہ کرنا چاہوں گی وہ یہ ہے کہ غلو کا رویہ طبیعتوں میں وحشت کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ یہ وحشت اور انتہا پسندی فطری طور پر انسانوں کے لئے ناپسندیدہ اور ناقابل برداشت ہوتی ہے اور اگر اسے برداشت بھی کیا جاتا ہے تو بہت تھوڑے لوگ ہوتے ہیں جو اس کو برداشت کرتے ہیں۔ عام لوگ اس کو برداشت نہیں کر سکتے۔

ثانیاً اس حوالے سے عرض یہ ہے کہ انتہا پسندی اور غلو کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ غلو کی راہ پر چلنا اور اسے عادت بنا لینا آسان نہیں ہے۔ انسان اکتا جانے والی مخلوق ہے اور اس کی طاقتیں بھی محدود ہیں اگر سختی اور دشواری پر ایک دن صبر کر لیتا ہے تو جلد ہی تھک جاتا ہے۔ جسمانی اور نفسیاتی لحاظ سے اس کے اندر اکتاہٹ پیدا ہو جاتی ہے اور انسان وہ عمل چھوڑ دیتا ہے اور تھوڑا سا لگاؤ بھی اس سے باقی نہیں رہتا یا پھر بالکل دوسرا راستہ اپنا لیتا ہے۔ افراط سے تفریط کی طرف چلا جاتا ہے۔ شدت پسندی اور غلو کی راہ چھوڑ کر شریعت سے ڈھیل اور آزادی کی راہ اپنا لیتا ہے۔ اللہ اس آزاد روی سے محفوظ رکھے۔

اسی پس منظر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ملاحظہ کریں:

اپنے آپ کو اتنے ہی عمل کا مکلف بناؤ جس کی طاقت اور سکت رکھتے ہو اس لئے کہ اللہ نہیں اکتاتا لیکن تم اکتا جاؤ گے...... بے شک اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر مداومت برتی جائے چاہے وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔[۲]

ثالثاً جس بات کا تذکرہ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ انتہا پسندی کا رویہ جہاں بھی پایا جائے گا وہاں ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوتاہی بھی ہوتی ہے اور دوسرے بہت سارے حقوق بھی متاثر ہوتے ہیں۔ قول مشہور ہے کہ جہاں اسراف کا مظاہرہ ہوتا ہے تو اسی کے پہلو میں کوئی حق بھی ضائع ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر آج ۱۲ فروری ۲۰۰۴ء، ریڈیو اور اخبارات کی نمایاں خبروں میں ایک خبر ہندوستان کی ایک شادی کی خبر ہے۔ لکھنؤ کے رہنے والے سرمایہ داروں کے ایک گروہ سہارا گروپ کے ایک بڑے سیٹھ سبرا رائے کے دو بیٹوں کی شادی کا تذکرہ ہوا جس شادی کو موجودہ صدی کی سب سے مہنگی شادی کا نام دیا گیا ہے۔ باقی اخراجات کی تفصیل تو بہت ہی زیادہ ہے خبروں میں ایک سرخی یہ تھی کہ صرف موم بتیاں جو اس موقع پر روشن کی گئیں ان کی مالیت اڑھائی لاکھ

روپے تھی ایک طرف یہ شاہ خرچ لوگ ہیں اور دوسری طرف غریبوں کی وہ مظلوم بیٹیاں ہیں جو سال ہا سال تک اس انتظار میں بوڑھی ہو جاتی ہیں کہ چند ٹکے میسر آ جائیں اور ان کے ہاتھ پیلے ہو سکیں۔[۱۱]

دینی انتہا پسندی کے مظاہر:

انتہا پسندی کی اولین علامت یہ ہے کہ کسی رائے کے بارے میں ایسی طرف داری کی جائے اور ایسی عصبیت برتی جائے کہ دوسروں کی رایوں کو تسلیم کرنے کے لئے کوئی گنجائش نہ رہ جائے یہ وہ فکری جمود ہے جو انسان کو انسانی معالج، شریعت کے مقاصد اور زمانے کے تقاضوں سے غافل بنا دیتا ہے پھر لوگوں سے بات چیت کے لئے دل کے تمام دریچے بند ہو جاتے ہیں۔ کوئی شخص مخالفین کی رائے اور ان کے نقطہ نظر کو سننے اور سمجھنے سے انکار کر دے اور یہ خیال کرنے لگے کہ وہی تنہا حق پر ہے۔ دوسرے سب باطل پر ہیں تو اس نے گویا اپنے آپ کو معصوم نبی بنا لیا ہے اور اپنی بات کو وحی کا درجہ دے دیا حالانکہ سلف اور خلف کا اس پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ہر آدمی کی بات قابل قبول بھی ہو سکتی ہے اور قابل ترک بھی۔

انتہا پسندی کے حامل لوگوں کا طرز عمل یہ ہوتا ہے کہ بات کرنے کا حق صرف ان کو حاصل ہوتا ہے باقیوں کا کام صرف سننا ہوتا ہے۔ ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ قیادت کرنے کا حق صرف ان کا ہوتا ہے باقی لوگوں کی ذمہ داری ان کے نزدیک یہ ہوتی ہے کہ وہ ان کی پیروی کریں ان کی رائے بقول ان کے درست اور دوسروں کی رائے ہمیشہ غلط ہوتی ہے اس کے صحیح ہونے کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ اس معاملہ کی خطرنا کی اس وقت بڑھ جاتی ہے جب انتہا پسند موٹے ڈنڈے کے زور پر اپنی رائے دوسروں پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔

آسانی کی گنجائش ہوتے ہوئے شدت پسندی کا رویہ اپنانا اور دوسروں کیلئے اسے لازم قرار دینا جبکہ اللہ نے اسے لازم نہ قرار دیا ہو، دینی انتہا پسندی کا دوسرا مظہر ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''دین کو آسان بناؤ مشکل نہیں اور لوگوں کو خوشخبری دو، تنفر نہ کرو۔'' قرآن پاک میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ ۱۸۵)

خدا تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب بھی دو باتوں میں کسی ایک کا اختیار دیا گیا تو آپ نے ہمیشہ اسی بات کو پسند کیا جس میں آسانی ہو، بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔

شدت پسندی اور سخت گیری کے سلسلے میں موقع و محل کو نظر انداز کر دینا بھی ناپسندیدہ ہے۔ اختلافی امور اور فروعی مسائل میں لوگوں سے نرمی برتنی چاہئے۔ فروعی اور جزئی مسائل کے بجائے پورا زور اصولی اور بنیادی باتوں پر دینا چاہئے۔

ہدایت ربانی اور طریق نبوی کے برخلاف، معاملات میں سختی، رویہ میں خشونت اور دعوت و تبلیغ کے کام میں ترش کلامی سے کام لینا، انتہا پسندی کی علامت ہے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہم دعوت کا کام حکمت، دانائی اور نیک نصیحت سے انجام دیں۔

حماقت اور سخت کلامی سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ.

(اے پیغمبر) لوگوں کو حکمت اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مباحثہ کرو۔ (النحل ۱۲۵)

بدگمانی بھی انتہا پسندی کی علامت ہے۔ دوسروں کے بارے میں بدگمانی کا رویہ اپنانا، انہیں ایسی سیاہ عینک سے دیکھنا جو ان کی اچھائیوں کو چھپا دے اور ان کی برائیوں کو بڑھا چڑھا کر دکھائے، انتہا پسندی کے لوازمات میں ہے انتہا پسند کے نزدیک بدگمانی اور تہمت اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے جبکہ شریعت اور قانون کی نگاہ میں ہر شخص بے قصور ہے جب تک کہ اس کا کوئی جرم ثابت نہ ہو جائے۔

انتہا پسند اپنے سخت موقف اور انتہا پسندی کی وجہ سے عام لوگوں پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ لوگ اسلام سے نکل گئے ہیں یا اسلام میں سچے دل سے داخل ہی نہیں ہوئے جیسا کہ ان میں سے بعض لوگوں کا کہنا ہے یہ انتہا پسندی کی وہ بلند ترین چوٹی ہے جو انتہا پسندوں کو ساری امت سے الگ کر دیتی ہے۔ یہ لوگ ایک وادی میں ہوتے ہیں اور پوری امت دوسری وادی میں۔

مذہبی انتہا پسندی کے رجحان کا خاتمہ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں ممکن ہے:

ذیل کی سطور میں ہم نبی آخر الزماں کی اس حکمت عملی اور تعلیمات کا ذکر کریں گے جن کی روشنی میں مذہبی انتہا پسندی پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

اسلام نے جو عبادتیں فرض کی ہیں وہ فرد کے نفس کو پاک کرتی ہیں، اسے روحانی بلندی اور مادی ترقی سے ہمکنار کرتی ہیں۔ اس طرح پورے معاشرے کو بلندی حاصل ہوتی ہے۔ بھائی چارے کی روح پیدا ہوتی ہے ہر فرد دوسرے کا ہمدرد اور غمگسار ہوتا ہے لیکن یہ روح اور جذبہ انسان کو زمین کی آبادکاری کی مہم سے غافل نہیں کرتا پس نماز، زکوٰۃ، روزہ، اور حج ایک ہی وقت میں انفرادی عبادتیں بھی ہیں اور اجتماعی بھی۔ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ اسلام اس پورے کرہ ارضی کو مومن کے لئے ایک وسیع اور بڑی محراب قرار دیتا ہے اور اس میں عمل کو وہ عبادت اور جہاد قرار دیتا ہے بشرطیکہ نیت درست ہو اور حدود اللہ کی پابندی کی گئی ہو۔ دوسرے ادیان اور فلسفے روحانی زندگی کی کامیابی کیلئے مادی زندگی سے غفلت برتنے اور دنیا کی اہمیت کو گھٹانے کی جو دعوت دیتے ہیں اسلام اسے تسلیم نہیں کرتا بلکہ ان تمام باتوں کے سلسلے میں وہ انسانوں کو اعتدال اور توازن برقرار رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً.

پروردگار ہمیں دنیا کی بھلائی عطا کر اور آخرت کی بھلائی بھی عطا کر (البقرہ ۲۰۱)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا مسلم شریف میں نقل ہوئی ہے:

اے اللہ! میرے لئے میرے دین کو درست کر دے کہ اس میں میرے معاملہ کی درستگی اور حفاظت ہے اور میرے لئے میری دنیا کو درست کر دے اس میں میری روزی ہے اور میرے لئے میری آخرت کو درست کر دے کہ وہیں مجھے لوٹ کر جانا ہے۔

مذکورہ بالا قرآنی دعا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسلم شریف میں موجود دعا پر نظر ڈالیں تو بات بخوبی سمجھ میں آتی ہے کہ دین اسلام اعتدال پسندی اور توازن کا درس دے رہا ہے۔ دینا اور آخرت دونوں کے حوالے سے ایک توازن کی تلقین کی جا رہی ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے:

''کچھ لوگوں نے ازواج مطہرات سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کی تنہائیوں میں کیا کرتے ہیں پھر ازواج مطہرات کا جواب سن کر ان لوگوں نے آپؐ کے عمل کو قلیل سمجھا پھر ان میں سے کسی نے کہا میں کبھی گوشت نہیں کھاؤں گا کسی نے کہا میں کبھی شادی نہیں کروں گا کسی نے کہا میں بستر پر نہیں سوؤں گا پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان لوگوں کی یہ بات معلوم ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا بات ہے کچھ لوگ ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں حالانکہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں، رات میں سوتا بھی ہوں اور نماز کے لئے کھڑا بھی ہوتا ہوں نیز میں گوشت بھی کھاتا ہوں اور شادیاں بھی کرتا ہوں پس جو شخص میری سنت کو پسند نہیں کرتا وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔''

یہاں آپ کی سنت سے مراد، فہم دین اور اسے برتنے اور مرئی روپ دینے میں آپ کا اسلوب اور طریقہ ہے یعنی آپ کا معاملہ اپنے رب کے ساتھ اپنے نفس کے ساتھ اپنے گھر والوں اور عام لوگوں کے ساتھ کیسا ہے، کس طرح اعتدال اور توازن کے ساتھ آپ ہر ایک کا حق ادا کرتے ہیں۔

دینی امور میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم توازن کا کس قدر خیال رکھتے تھے ایک واقعے کا حوالہ ملاحظہ کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بزرگ صحابی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر اس وقت خفگی کا اظہار کیا جب انہوں نے نماز پڑھاتے وقت لمبی قرأت کی اور کسی نمازی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی شکایت کی۔ شکایت سن کر آپ نے حضرت معاذ سے کہا:

''اے معاذؓ! تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناپسندیدگی کے اظہار کے لئے ان کلمات کو تین بار دہرایا۔'' (البخاری)

اس سے ملتے جلتے ایک اور واقعہ میں آپ نے ایک امام پر شدید ترین خفگی کا اظہار کیا اور فرمایا:

''تم میں سے کچھ لوگ ہیں جو لوگوں کے دلوں میں اکتاہٹ پیدا کرتے ہیں جو لوگوں کی امامت کرے اسے ہلکی نماز پڑھنی چاہئے اس لئے کہ اس کے پیچھے بوڑھے کمزور اور ضرورتمند لوگ ہوتے ہیں۔ (البخاری)

انہی باتوں کے پیش نظر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ کو یمن روانہ فرمایا تو یہ

نصیحت فرمائی: نرمی کرنا، سختی نہیں، خوشخبری سنانا، تنفر نہ کرنا، مل جل کر رہنا، باہمی اختلاف سے بچنا۔" (متفق علیہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

دین آسان ہے اور جو انتہا پسندی کا رویہ اپنائے گا تو وہ مغلوب ہو جائے گا، پس سیدھی اور میانہ روی کی راہ اپناؤ اور بشارت حاصل کرو۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث کی شرح میں علامہ مناویؒ نے لکھا ہے کہ:

جب کوئی شخص راہبوں کی طرح عبادت میں تعمق کا رویہ اپناتا ہے اور نرمی کی راہ چھوڑ دیتا ہے تو آخر میں وہ عاجز اور مغلوب ہو کر رہ جاتا ہے۔ پس افراط اور تفریط سے بچ کر درست رویہ اپناؤ اور اگر اکمل پر عمل ممکن نہ ہو تو میانہ روی کی وہ راہ اپناؤ جو اس کے قریب ہو اور اس عمل پر بشارت حاصل کرو جس پر مداومت برتتے ہو، خواہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔"

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ انتہا پسندی اور شدت پسندی کا رویہ ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوتاہی کا سبب بن جاتا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ خبر پہنچی کہ عبداللہ بن عمرؓ عبادت میں اتنے مشغول ہو گئے ہیں کہ اب گھر والوں کے حقوق بھی بھول گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ تم دن میں روزے رکھتے ہو اور راتوں میں نمازیں پڑھتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کرو، روزہ بھی رکھو، افطار بھی کرو، سوؤ بھی اور جاگو بھی۔ اس لئے کہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور جو تم سے ملنے آتے ہیں، ان کا بھی تم پر حق ہے۔ (بخاری کتاب الصوم)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کا حق ادا کیا جائے اور کسی ایک رخ پر اتنا غلو نہ کیا جائے کہ دوسرے پہلو متاثر ہو کر رہ جائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہم کفار کے بتوں کو بھی گالیاں نہ دیں چونکہ اس کے ردعمل میں وہ تمہارے خدا کو (نعوذ باللہ) گالیاں دیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ میں اسلام کی دعوت دینا شروع کی تو اس وقت خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت موجود تھے۔ اس حالت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھتے تھے اس کا طواف کرتے تھے اور چاروں طرف یہ بت موجود تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ ایک فدائی حملہ کر کے ان بتوں کو چکنا چور کر دیا جائے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح کرتے تو اپنے آپ کو بھی اور اپنے ساتھیوں کو بھی ہلاکت اور بربادی سے دوچار کر دیتے اس لئے کہ دونوں گروہوں میں طاقت کا توازن نہیں تھا۔ اس طرح جو تباہی ہوتی وہ تو ہوتی، بت پرستی بھی اپنی جگہ قائم رہتی...... یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ کعبہ کے بتوں سے فوری تعرض کئے بغیر دعوت اسلامی کا کام جاری رکھا اور جب مکہ ہی نہیں پورے عرب پر

مسلمان غالب آ گئے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک اشارے پر تمام کے تمام بت قیامت تک کے لئے خانہ کعبہ سے ناپید ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پوری زندگی میں اعتدال پسندی اور میانہ روی کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ حدیبیہ کے مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں صحابہ کرامؓ کی جو جماعت جمع تھی کفار مکہ اپنے موقف پر اڑے ہوئے تھے کہ کسی بھی قیمت پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے صحابہ کو حج وعمرہ کی اجازت نہیں دیں گے۔ اس موقع پر جب صلح حدیبیہ کا معاہدہ تحریر ہو رہا تھا عین اس موقع پر ابو جندل رضی اللہ عنہ پابہ زنجیر آتے ہیں لیکن معاہدے کی رو سے ان کو پھر کفار کے حوالے کیا جاتا ہے۔

اس موقع پر حضرت عمرؓ کا حضور سے مکالمہ ان کے داخلی جذبات کی شدت کی عکاسی کرتا ہے لیکن اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس ضبط اور حوصلے سے کام لیا اور صلح حدیبیہ ہو گئی تو قرآن کے الفاظ میں یہ واقعہ تاریخ اسلام میں فتح مبین کا واقعہ بن گیا۔ اس موقع پر اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی انتہا پسندی کا موقف اپناتے تو نہ جانے کتنے صحابہ کرامؓ شہید ہو جاتے اور کفار مکہ کے وہ بے شمار افراد جو فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گئے دولت ایمان سے محروم رہ جاتے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عالی ظرفی اور ان کی اعتدال پسندی کی ایک بین مثال ہے۔ اس طرح صلح حدیبیہ کا واقعہ ملت اسلامیہ کی تاریخ میں رشد و ہدایت کے بہت سے پہلو اپنے اندر سموئے ہوئے نظر آتا ہے جس کا سب سے اہم سبق یہ ہے کہ انتہا پسندی سے گریز کرنا ہے۔

تاریخ اسلام اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اہم واقعہ فتح مکہ بھی ہمارے موضوع کے حوالے سے بہت سے پہلو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر وہ سب کفار جمع تھے جو مدتوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے صحابہؓ کے خون کے پیاسے تھے، مکہ فتح ہو چکا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر انتقام لینے کے بجائے عام معافی کا اعلان کر دیا۔

"لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ"

"آج تم پر کوئی گرفت نہیں۔" (یوسف ۹۲)

اگر اس موقع پر اہل مکہ کے قتل عام کا حکم دیا جاتا تو شاید یہ انصاف کے تقاضے تو پورے کرتا لیکن رحمت اللعالمین کی شان حبیبی کے مغائر ہوتا...... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقام کی بجائے...... رحمت عام...... سے کام لیا اور سب کو بخش دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہل مکہ نے اسلام قبول کر لیا۔

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے منافقین سے جو مثالی سلوک روا رکھا وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سخت دشمنی تھی۔ اسلام کی کامیابیوں سے اس کو شدید کرب اور صدمہ تھا اس کے بارے میں حضرت عمرؓ نے اجازت مانگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اجازت دیں، میں اس منافق کی گردن اڑا دوں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:

"مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔"

یہی منافق جب فوت ہو گیا تو آپ نے اپنا کرتا اس کی تدفین کے لئے دیا اور اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کرتا پہنا کر دفن کیا گیا۔

فتح مکہ سے پہلے کا واقعہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ کر لیا تھا کہ مکہ کی طرف اسلامی لشکر لے کر جانا ہے۔ ایک صحابی کو اس حملے کی خبر ہو گئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حملے کے پروگرام کو آخری وقت تک اخفاء میں رکھنا چاہتے تھے ایک صحابی حاطب بن ابی بلتہ نے ایک خط مکہ والوں کو لکھا اور ایک عورت کے ہاتھ بھیج دیا جس میں مکہ والوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حملے کی پیشگی اطلاع ان کو دی گئی تھی یہ خط پکڑا گیا۔ صحابہ کرامؓ نے حضرت حاطب کے بارے میں رائے دی کہ یہ منافق ہے اس کی گردن اڑا دی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حاطب تو بدری صحابہ میں سے ہیں، ان کے قصور کو معاف کر دیا گیا۔

ایک بدوی مدینہ آیا اور مسجد نبوی میں اس نے چھوٹا پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ صحابہ کرامؓ یہ منظر دیکھ کر تاب نہ لا سکے اور اس کو مارنے کے لئے دوڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو منع کر دیا اور پھر بدوی کو سمجھایا کہ یہ عبادت کی جگہ ہے یہاں گندگی نہیں کرتے۔

ان تمام واقعات میں جو چیز ابھر کر سامنے آتی ہے کہ صحابہ کرام کی رائے خواہ وہ منافقین کے حوالے سے تھی یا حضرت حاطبؓ کے بارے میں تھی یا مسجد نبوی میں گندگی پھیلانے والے بدوی کے حوالے سے تھی وہ سختی کرنے اور معاملے کو شدت سے نمٹانے کے حوالے سے تھی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر موقع پر اس شدت پسندی کی حوصلہ شکنی کی اور صحابہؓ کو صبر اور اعتدال پسندی کی تلقین کی اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کا نتیجہ ہی تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر خلیفۃ الرسول سے بھری مسجد میں لوگ جرأت سے سوال کرتے ہیں کہ عمر کپڑا تو تھوڑا تھا تم نے کس طرح اس سے اپنا کرتا سلوا لیا اور عمرؓ نے جواب دیا کہ میرے بیٹے نے اپنے حصے کا کپڑا مجھے دے دیا...... اور اس کپڑے سے میں نے کرتا سلوایا ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گنہگاروں کے لئے بڑے نرم دل تھے۔ معصیت کے باوجود ان کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل کھلا رہتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر اسی طرح شفقت کی نگاہ ڈالتے تھے جس طرح طبیب مریض پر نگاہ ڈالتے ہیں، اس طرح نہیں دیکھتے تھے جس طرح پولیس مجرم کو دیکھتی ہے۔ آخری کلمات سے پہلے صرف ایک واقعہ اس حوالے سے پیش کرنا چاہوں گی:

> ''ایک قریشی نوجوان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا...... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زنا کی اجازت چاہی۔ صحابہ کرامؓ اس کی اس جرأت پر بپھر گئے اور چاہا کہ اس کو سزا دیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور ہی موقف اختیار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے قریب بلایا اور کہا کہ کیا یہ بات تم اپنی ماں کے لئے پسند کرتے ہو۔ نوجوان نے کہا، میری جان آپ پر قربان ہو، بخدا میں ماں کے لئے یہ بات کبھی پسند نہیں کرتا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے یہی سوال، اس کی بہن، پھوپھی اور خالہ کے بارے میں پوچھا کہ کیا تم اسے پسند کرتے ہو؟ اور وہ ہر بار یہی جواب دیتا رہا

کہ میری جان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہو بخدا میں یہ پسند نہیں کرتا۔ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرماتے اور لوگ بھی پسند نہیں کرتے...... پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ اس نوجوان کے اوپر رکھا اور دعا کی، اللہ اس کے گناہوں کو معاف کر دے۔ اس کے دل کو پاک کر دے۔ اس کی شرم گاہ کو برائیوں سے محفوظ کر دے اس کے بعد وہ نوجوان اس طرح کی کسی برائی کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔" (احمد، طبرانی)

یہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انداز تربیت...... بہت ہی صبر آزما بات پر اور بہت ہی اشتعال انگیز بات پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضبط وتحمل سے کام لیتے، کبھی سختی سے پیش نہیں آتے تھے اور یہی درس انہوں نے اپنی امت کو بھی دیا۔

حرف آخر

آج ہم مسلمان قومی سطح سے لے کر پورے عالم اسلام کی سطح تک مذہبی انتہا پسندی کی لپیٹ میں ہیں یا ہم پر یہ الزام بار بار تھوپا جا رہا ہے تو اس کا بنیادی سبب میرے نزدیک یہ ہے کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات حسنہ سے روگردانی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ آج بھی ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کے نام پر حاصل ہونے والی مملکت خداداد پاکستان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں مذہبی انتہا پسندی سے پاک ایک روشن خیال اعتدال پسند ماڈل اسلامی ریاست کی شکل دی جائے اور دنیا کے سامنے جب ایک مثالی اسلامی ریاست اپنے سنہری اصولوں پر کاربند ہو، سیاسی اور مذہبی رواداری کا دور دورا ہو اسلامی اخوت اور بھائی چارہ عام ہو، ہر صوبے اور ہر علاقے اور مختلف زبانیں بولنے والے اہل پاکستان خود کو رحمت اللعالمین کا پیرو جان کر دوسروں کے لئے رحمت بن جائیں۔ خون بہانے اور نفرت بانٹنے کی بجائے جانوں اور عزتوں کے رکھوالے بن جائیں اور محبت اور اخوت کے علمبردار بن جائیں۔ ظالموں اور مظلوموں دونوں کے مددگار بن جائیں، مظلوموں پر ظلم نہ ہونے دیں اور ظالموں کو ظلم سے روکیں۔ آج ملک بھر میں خواتین کی طرف سے شور ہے کہ ان کے حقوق مردوں نے انتہا پسندی اور شدت پسندی کے بل بوتے پر دبا رکھے ہیں۔ ان کے حقوق ان کو نہیں مل رہے۔ خواتین کو وہ حقوق جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیئے تھے وہ حقوق ملیں تو ساتھ ہی خواتین کو وہ ذمہ داریاں اور فرائض بھی پورے کرنے چاہئیں جو قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ کے ذریعے خواتین کے ذمہ لگائے گئے ہیں۔

معاشرہ کرپشن سے پاک ہو اور ملک کی قیادت صالح ہاتھوں میں ہو، دولت کا ارتکاز چند ہاتھوں میں نہ ہو۔ سود کو ختم کر کے زکوٰۃ اور صدقات کے نظام کو فعال کر کے دولت کا بہاؤ امیروں سے غریبوں کی طرف ہو۔ ملک میں کوئی غریب نہ رہے، کوئی بے روزگار نہ رہے تو بلاشبہ یہ ملک تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں ایک ماڈل اسلامی ریاست بن سکتا ہے اور پوری عالمی برادری کے مظلوم اور مقہور انسانوں کے لئے ایک مشعل راہ، ایک امید کی کرن، ایک پہاڑی کا چراغ اور ایک نجات کی راہ بن سکتی ہے۔

آج بھی خدا کے کلام قرآن مجید کا ایک ایک لفظ محفوظ ہے، تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجموعے مرتب شدہ اور دنیا کی ہر معروف زبان میں ترجمہ شدہ موجود ہیں لیکن اللہ کی دھرتی پر آج ایک بھی ایسا ملک نہیں جہاں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نظام مکمل طور پر نافذ ہو اور پھر کس طرح ممکن ہے کہ قومی سطح سے بین الاقوامی سطح تک انسانوں کے ہر طبقے میں انتہا پسندی اور خاص طور پر مذہبی انتہا پسندی سر نہ اٹھا اور وہ اوصاف حسنہ نظر آئیں جو اعلیٰ درجہ کے انسانوں میں موجود ہوتے ہیں وہ اپنے لئے جو کچھ پسند کرتے ہیں وہی وہ دوسروں کے لئے بھی پسند کرتے ہیں...... جو ان سے کٹتا ہے وہ ان سے جڑنے کی کوشش کرتے ہیں جو ان کو محروم کرے وہ اس کو دینے کی کوشش کرتے ہیں جو نیکی اور بھلائی کے علمبردار ہوتے ہیں اور برائی اور خرابیوں کے خاتمے کے لئے ہر ممکن جدوجہد کرتے ہیں یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق ایک معاشرہ موجود ہو اور دنیا کی اقوام مسلسل اس سے رہنمائی حاصل کریں۔

کتابیات/حواشی وغیرہ

(۱) روزنامہ ڈان سنڈے ایڈیشن ۸رفروری ۲۰۰۴ء میگزین سیکشن

(۲) روزنامہ جنگ ۲۲رنومبر ۲۰۰۳ء کالم حرف تمنا از ارشاد احمد حقانی

(۲ب) روزنامہ جنگ سنڈے میگزین ۲۸ردسمبر ۲۰۰۳ء صفحات ۲۲۔۲۳

(۳) روزنامہ جنگ اتوار ایڈیشن ۲۸ردسمبر ۲۰۰۳ء صفحات ۲۳۔۲۴

(۴) اسلامی بیداری از ڈاکٹر یوسف القرضاوی مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور صفحہ ۹ سن ندارد

(۵) مسند احمد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ: مستدرک از حاکم میں یہ حدیث نقل ہوئی ہے۔ المناوی نے الفیض میں (ج ۳ صفحہ ۱۲۶) ابن تیمیہ سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس حدیث کی سند امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے

(۶) المائدہ (سورۃ) آیت ۷۷

(۷) تفہیم القرآن جلد، النساء آیت ۱۷۱ حاشیہ نمبر ۲۱۱

(۸) سورۃ النساء آیت ۱۷۱

(۹) مسند ابویعلی رواۂ انس بن مالک

(۱۰) سورۃ الحدید آیت ۲۷

(۱۱) یہ حدیث امام بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے

(۱۲) مورخہ ۱۲رفروری ۲۰۰۴ء کی ریڈیو بی بی سی کی صبح کی خبروں میں اس کا ذکر ہوا

B.B.C.COM URDU.

دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اُس کا خاتمہ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

مسز شاہدہ پروین، لاہور

۱۔ انتہا پسندی کی تعریف

۱.۱ انتہا پسندی کا مفہوم اہلِ لغت کی نظر میں

عربی زبان میں انتهى الشى و تناهى ونهى: بلغ نهايته: یعنی کسی چیز کا آخری حد تک پہنچ جانا[۱] اردو زبان میں انتہا کے معنی اخیر۔ حد۔ سرا۔ انجام اور خاتمہ کے ہیں۔ انتہا پسند سے مراد کسی کام یا چیز کی انتہا چاہنے والا۔ اعتدال پسند کی ضد، انتہا پسندی: انتہا پسند کرنا[۲]۔

۱.۲ انتہا پسندی کے مترادفات

غلو: عربی زبان میں انتہا پسندی کے لئے غلو، تطرف اور افراط کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

غلا: يغلوا غلوا وغلوا: العنت بالدين: پودے کا گنجان اور بڑا ہونا، دین میں جوشیلا اور مضبوط ہونا[۳] الغلو کے معنی کسی چیز کے حد سے تجاوز کرنے کے ہیں یہ اشیاء کے نرخ میں ہوتو اسے غلاء گرانی کہا جاتا ہے اور قدر و منزلت میں ہو تو اسے غلو کہا جاتا ہے۔[۴] وغلافی الدین والامر: جاوز حده.[۵]

۱.۳ تطرف:

کنارہ پر آنا۔ کنارہ پر ہونا۔ اعتدال سے گزر جانا[۶] ''درمیان سے دور ہٹ کر، کنارے کھڑے ہونے کو ''تطرف'' کہتے ہیں اصلاً اس لفظ کا استعمال شروع شروع میں محسوس اور مرئی چیزوں کے لئے ہوتا تھا مثلاً کنارے بیٹھنا، کنارے چلنا۔ لیکن پھر اس کا استعمال معنوی چیزوں کے لئے بھی ہونے لگا، مثلاً دینی انتہا پسندی، فکری اور نظریاتی انتہا پسندی، سلوک اور رویہ میں انتہا پسندی۔[۷]

۱.۴ افراط:

قرآن میں حدود سے تجاوز کرنے کے لئے افراط و تفریط کا لفظ بھی آیا ہے، افرط، یفرط، افراط کے معنی ہیں حد سے بڑھنا ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ کان امرہ فرطاً[۸] وافرط فی الامر اسرف وتقدم والافراط: الزیادۃ علی ما امرت[۹] گویا دیئے گئے حکم

سے زیادہ کرنا افراط کہلاتا ہے۔حضرت موسیٰ کو فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا تو انہوں نے کہا رَبَّنَا اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَا اَوْ اَنْ يَّطْغٰى[۱۱]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ افراط کے معنی زیادتی اور تفریط کے معنی کم کرنا ہیں۔غلو اور افراط دونوں ہم معنی لفظ ہیں۔

۱.۵ انتہاپسندی مفسرین کی نظر میں

وغلافی الدین، اذا فرط فی مجاوزة الحق[۱۱]

''دین میں جو حد ٹھہرا دی ہے اس سے بڑھنے کا کسی کو کوئی اختیار نہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے علم سے پناہ مانگا کرتے تھے جس علم سے دین میں کچھ نفع نہ ہو۔ یہ علم ویسا ہی علماء کا علم ہے جو علم پڑھ کر دین کی حد کی پابندی نہیں کرتے۔[۱۲] سورۃ النساء ۱۷ اور مائدہ ۷۷ کے بارے میں مفتی محمد شفیع رقمطراز ہیں ''ان آیات میں اہل کتاب کو مخاطب کر کے جو ہدایات ان کو اور قیامت تک آنے والی نسلوں کو دی گئی ہیں وہ دین و مذہب اور اس کی پیروی میں ایک بنیادی اصول کی حیثیت رکھتی ہیں کہ اس سے ذرا ادھر ادھر ہونا انسان کو گمراہیوں کے غار میں دھکیل دیتا ہے۔''[۱۳]

امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں ''غلا، یغلو کے معنی بڑھنے، زیادہ ہونے، متجاوز ہونے کے ہیں یہ لفظ دین کے تعلق سے آئے تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ دین میں جس کا جو درجہ و مرتبہ یا جو وزن و مقام ہے اس کو بڑھا کر کچھ سے کچھ کر دیا جائے جو چیز پاؤ سیر ہے وہ من بھر کر دی جائے جو حکم صرف استحباب و استحسان کا درجہ رکھتا ہے اس کو فرض اور واجب کا درجہ دیا جائے۔ جو شخص فقیہ یا مجتہد یا صحابی ہے اس کو امام معصوم بنا دیا جائے۔جس کو اللہ نے نبی یا رسول بنایا ہے اس کو شریک خدا یا خدا بنا ڈالا جائے جس کی صرف تعظیم مطلوب ہو اس کی عبادت شروع کر دی جائے یہ اور اس قبل کی ساری باتیں غلو میں شامل ہیں جس طرح مذہبی معاملات میں تفریط بہت بڑا جرم ہے اسی طرح یہ افراط بھی بہت بڑا فتنہ ہے۔''[۱۴]

۲۔قرآن وحدیث میں انتہاپسندی کا تذکرہ اور معیار

۲.۱ قرآن کریم میں انتہاپسند رویے کی مذمت

قرآن مجید فرقان حمید جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ اور رہتی دنیا تک کے لئے باعث ہدایت و رہنمائی ہے۔ایک ایسے جامع اور مکمل نظام کو پیش کرتا ہے جو انسان کی دنیاوی و اخروی دونوں سعادتوں کا ضامن ہے۔ یہ کتاب ہدایت اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے حوالے سے انتہاپسند رویے کی مذمت کرتی ہے اور تمثیلی انداز میں امت مسلمہ کو اس قبیح رویے سے اجتناب کی تعلیم دیتی ہے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ

اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ ۚ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ......[15]

اے کتاب والو! مت مبالغو کرو اپنے دین کی بات میں اور مت کہو اللہ کی شان میں مگر پکی بات۔ بے شک مسیح جو ہے عیسیٰ، مریم کا بیٹا وہ رسول ہے اللہ کا اور اس کا کلام ہے جس کو ڈالا مریم کی طرف اور روح ہے اس کے ہاں کی سو اللہ اور اس کے رسولوں کو مانو اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں اس بات کو چھوڑ دو تمہارے لیے بہتر ہوگا۔

مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں ''اہل کتاب اپنے انبیاء کی تعریف میں غلو سے کام لیتے اور حد سے نکل جاتے اور خدا کا بیٹا کہنے لگتے سو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ دین کی بات میں مبالغہ مت کرو جس سے اعتقاد ہو اس کی تعریف میں حد سے نہ بڑھنا چاہیے۔ جتنی بات تحقیق ہو اس سے زیادہ نہ کہے اور حق تعالیٰ کی شانِ مقدس میں بھی وہی بات کہو جو سچی اور محقق ہو اپنی طرف سے کچھ مت کہو تم نے کیا غضب کیا کہ حضرت عیسیٰ کو جو کہ رسول اللہ ہیں اور اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے ہیں ان کو وحی کے خلاف خدا کا بیٹا کہنے لگے اور تین خدا کے معتقد ہو گئے۔''[16]

سورۂ مائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ''[17]

کہو اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان لوگوں کے تخیلات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے خود گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سواء السبیل سے بھٹک گئے۔

تفسیر فتح القدیر میں اسی غلو کو بیان کیا گیا ہے: **المراد بالاية: نهى لهم عن الافراط ولتفريط اخرى فمن الافراط غلو النصارى فى عيسى حتى جعلوه ربا، ومن التفريط غلو اليهود فيه عليه لاسلام حتى جعلوه لغير رشدة**[18]

۲.۲ فرامین نبوی کی روشنی میں انتہا پسند رویے کی مذمت

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی سہل، قابل عمل اور متوازن دین لے کر آئے جو ترازو کی ڈنڈی کی طرح سیدھا ہے اور جس کے کسی بھی پلڑے میں ذرا سا جھکاؤ افراط یا تفریط کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس شخص کے عمل پر اظہار ناپسندیدگی فرمایا جو دین میں شدت کا پہلو اختیار کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **ان الدين يسرولن يشاد الدين احد الاغلبه**،[19]

دین آسان ہے لیکن جو شخص دین میں مبالغہ کرتا ہے اس پر وہ غالب آجاتا ہے۔

وفى حديث ام سلمة لعائشة رضى الله عنهما: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم، نهاك عن الفرطه فى الدين يعنى السبق و التقدم و مجاوزة الحد[20]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقام و مرتبہ کو جائز حد سے آگے بڑھانے سے منع فرمایا اور امت کو نصیحت کی و لا

تطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسیٰ ابن مریم ولکن قولوا عبداللہ و رسولہ [۲۱]

میری تعریف میں مبالغہ نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا بلکہ کہو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔ عن ابن عباس قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم...... ایھا الناس ایاکم والغلو فی الدین فانما ھلک من کان قبلکم الغلوفی الدین [۲۲]

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں "ایا کم والغلو فی الدین" عام ہے اور اس کا تعلق عقائد اور اعمال دونوں ہی سے ہے۔" [۲۳]

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا تشد دو اعلیٰ انفسکم فیشدد اللّٰہ علیکم فان قوما شددوا علی انفسھم فشدد اللّٰہ علیھم فتلک بقایا ھم فی الصوامع و الدیار [۲۴]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اپنی جانوں پر سختی مت کرو نہیں تو تم پر سختی ہوگی کیونکہ بعض لوگوں نے اپنی جانوں پر سختی کی تھی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی اور یہی ان کی نشانیاں ہیں گرجاؤں اور گھروں میں۔"

عن انسؓ قال: رای النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم رجلا یھادی بین رجلین فقال: ماھذا قالوا: نذران یمشی الی بیت اللّٰہ قال ان اللّٰہ غنی عن تعذیب ھذا نفسہ مرہ فلیر کب [۲۵] حضرت انسؓ سے مروی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک شخص دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر چل رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سبب دریافت کیا لوگوں نے عرض کیا اس نے پیدل چلنے کی نذر مانی تھی بیت اللہ جانے کیلئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ بے پرواہ ہے اس کی جان کو اس طرح ایذا دینے سے، اس سے کہو کہ سوار ہو جائے پھر اسے سوار ہونے کا حکم دیا۔

صحیح مسلم میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ھلک المتنطعون آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ تین بار دہرایا۔ امام نوویؒ نے اس کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بال کی کھال نکالتے ہیں، شدت پسندی کا رویہ اختیار کرتے ہیں اور اپنے اقوال واعمال میں حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں۔" [۲۶]

صحیح بخاری ومسلمؒ میں حضرت عائشہؓ کی سند سے طویل حدیث مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو قلیل سمجھتے ہوئے کچھ صحابہ کرام نے ہمیشہ روزہ رکھنے، شادی نہ کرنے اور گوشت نہ کھانے کا تہیہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل پر اظہار ناپسندیدگی کیا اور فرمایا: فمن رغب عن سنتی فلیس منی [۲۷]

"اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام کی تعلیم کتنی فطری مبنی برانصاف اور معتدل ہے یعنی عبادات تک کے معاملہ میں جو لوگ انتہا پسندی کا رویہ اختیار کر رہے تھے کتنی حکمت کے ساتھ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے روک دیا۔" [۲۸]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہاؤں سے محفوظ سیدھی اور سچی سیرت طیبہ دیکھ کر اہل سیر کہے بنا نہ رہ سکے۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر گوشہ دوسرے گوشوں کے ساتھ پوری طرح متوازن ہے جلال ہے تو جمال بھی ہے روحانیت ہے تو مادیت بھی ہے معاد ہے تو معاش بھی ہے، دین ہے تو دنیا بھی ہے، اک گونہ بےخودی بھی ہے مگر اس کے اندر خودی بھی کارفرما ہے۔ خدا کی عبادت ہے تو اس کے ساتھ بندوں کے لیے محبت وشفقت بھی ہے کڑا اجتماعی نظام ہے تو

فرد کے حقوق کا احترام بھی ہے۔ گہری مذہبیت ہے تو دوسری طرف ہمہ گیر سیاست بھی ہے قوم کی قیادت میں انہاک ہے مگر ساتھ کے ساتھ ازدواجی زندگی کا بکھیڑا بھی نہایت خوش اسلوبی سے چل رہا ہے غرضیکہ نمونہ کمال کی زندگی ہر افراط وتفریط سے پاک ہے۔[۲۸]

۲.۳ انتہا پسندی کے حوالے سے یہود و نصاریٰ کا خصوصی تذکرہ

قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں یہود ونصاریٰ کے حدود سے تجاوز کرنے اور افراط وتفریط کا شکار ہونے کا خصوصی تذکرہ کیا گیا ہے اور امت مسلمہ کو اس فعلِ قبیح سے بچنے کا حکم دیا گیا۔ نصاریٰ کے اندر تمام دینی گروہوں کے مقابلہ میں زیادہ ''غلو'' تھا۔ عقائد میں بھی اور اعمال میں بھی اور سعید تو وہی بن سکتا ہے جو دوسروں سے عبرت ونصیحت حاصل کرے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی یہود ونصاریٰ کی انتہا پسندی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''عقیدہ کا مبالغہ یہ ہے کہ ایک مولود بشری کو خدا بنا دیا اور عمل میں غلو وہ ہے جسے رہبانیت کہتے ہیں یہود کی جو قبائح بیان کی جا چکیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا پرستی میں غرق ہونے کی وجہ سے دین اور دینداروں کی ان کے یہاں کوئی عظمت ووقعت نہ تھی حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کی اہانت وقتل وغیرہ ان کا خاص شعار تھا۔ برخلاف اس کے نصاریٰ نے تعظیم انبیاء میں اس قدر غلو کیا کہ ان میں سے بعض کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنے لگے اور ترک دنیا کر کے رہبانیت اختیار کر لی۔''[۲۹]

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ......[۳۰]

یہود نے دعویٰ کیا: نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ٥[۳۱] اور یہود ونصاریٰ دونوں اس زعم میں مبتلا تھے لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى[۳۲] اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ دونوں کو اس چیز کا مخاطب اس لیے بنایا گیا ہے کہ غدو فی الدین ان دونوں میں مشترک ہے اور یہ دونوں فرقے غلو فی الدین ہی کے شکار ہیں۔[۳۳]

۲.۴ عصر حاضر میں ''مذہبی انتہا پسندی'' کا جدید استعمال:

دور حاضر میں خوب وزشت کے پیمانے بدلے مادیت پرستی کی لپیٹ میں آ کر تہذیبی کشاکش عروج پر پہنچی۔ عالمی غلبہ اور اقتدار کی خواہش نے آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ دی اور خوب وہ ٹھہرا جس پر عالمی جاگیرداروں کی ''مہر خوب'' ثبت ہو جائے۔ غلبہ واقتدار کی اس جنگ میں اسلام خطرناک حریف ٹھہرا پھر باقاعدہ منصوبے کے تحت اولین کوشش کے طور پر مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی گئی اور کوشش ثانی کے طور پر اقوام عالم میں اسلام اور مسلمانوں کے وقار کو زک پہنچانے کی سعی کی گئی اس سلسلے میں انتہا پسندی کی اصطلاح وضع کی گئی اور ہر ''ناپسندیدہ شخصیت'' پر انتہا پسندی کا لیبل لگا دیا گیا۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اغیار کی زبان طعن دراز ہوئی تو جنگ آزادی کا نام ''غدر'' اور جہاد کا نام ''دہشت گردی'' قرار پایا اور یہ سب باقاعدہ ایک منصوبے کے تحت عمل میں لایا گیا۔ ۱۸۶۵ء میں جنگ آزادی کے اسباب کی تحقیق کے لیے جس انگریز کمیشن کو مقرر کیا گیا اس کی رپورٹ کے مطابق:

''اس جنگ میں انگریزوں کے خلاف جس فکر نے سب سے زیادہ کام کیا وہ مسلمانوں کا نظریہ جہاد تھا اگر یہ فکر ان سے سلب کر لی جائے تو باقی کا اسلام برطانوی استعماریت کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' [۳۴]

روس کی افغانستان میں شکست کے بعد ''بعض عرب مجاہدین کو افغانستان سے واپس جاتے ہی حراست میں لے لیا گیا اور ان پر ''انتہا پسندی'' کے الزامات عائد کیے جانے لگے۔'' [۳۵] جب زیر زمین جہاد شروع ہوا۔ یقینی بات تھی کہ دشمن نے اسے نفرت انگیز نام سے موسوم کرنا تھا۔ اپنی قوم کے سامنے اس جنگ کو لڑنے کے لیے آخر اسے بھی کوئی اخلاقی جواز درکار تھا سو پہلے اسلامی بنیاد پرستی اور پھر ''دہشت گردی'' کے ناموں کا انتخاب ہوا۔ یوں انسانوں کو گھروں سے بے گھر کرنے والے اور کیمپوں کی دنیا تک لا کر ان پر بلڈوزر پھیرنے والے امن کے پیامبر اور ابابیل کی کنکریوں سے اپنی حفاظت کرنے والے ''انتہا پسند'' ٹھہرے۔

یہ باتیں اب پس دیوار حقائق میں شمار نہیں ہوتیں بلکہ روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہیں اور ہر سلیم ذہن اس کے بارے میں سوچتا اور ہر سعادت مند زبان اس کا اعتراف کرتی ہے:

یہ بات بالکل صاف اور واضح ہے کہ مغربی دنیا مختلف پیمانے استعمال کرتی ہے ایک اپنے لیے اور دوسرا مسلمانوں کے امور کیلئے۔ آیئے ہم مغربی ذرائع ابلاغ کو بڑی مثال کے طور پر لیتے ہیں۔ اسلامی دنیا سے باہر جب بھی دہشت گردوں کے حملے کا ذکر آتا ہے ہم آئی آر اے کے تیغ آزما یا ای ٹی اے کی علیحدگی پسندی کی تحریک کے رکن جیسے نام سنتے ہیں۔ ہم نے آج تک ''انتہا پسند کیتھولک'' یا انتہا پسند سوشلسٹ کا نام کبھی نہیں سنا۔ یہاں تک کہ مارچ ۱۹۹۵ء میں ٹوکیو کے زیر زمین ریل کے نظام پر حملہ ہوا تو مغربی ذرائع ابلاغ نے اس کا ذمہ دار کسی انتہا پسند گروہ کو نہیں بلکہ ''انقلابی گروہ'' کو قرار دیا تھا۔ اگر دوسری طرف مشرق قریب یا الجیریا میں کوئی گرنیڈ یا بم پھینکتا ہے تو یہ کام بھی کسی ''انتہا پسند مسلمان'' کے سر تھوپ دیا جاتا ہے خواہ اس کام میں ملوث عرب کوئی عیسائی عرب یا ملحد ہی کیوں نہ ہو۔'' [۳۶]

''یہ بات اس رویے کے عین مطابق ہے کہ سابقہ دہشت گردوں مثلاً نیلسن منڈیلا اور Menachim Begin کو بعد ازاں قد آور جمہور سیاستدانوں کے طور پر تسلیم کر لیا جائے گا بشرطیکہ یہ سابقہ ''دہشت گرد'' مسلمان نہ ہوں۔'' [۳۷]

''یہ الزام صرف رقیبوں نے ہی نہیں لگایا بلکہ کچھ رفیقوں نے بھی اس ''کار خیر'' میں اپنا حصہ ڈالا۔ مغرب استعمار کے زیر اثر ذہن، آنکھ اور کان سب بے نام غلام ٹھہرے جب ''دینی تعلیم و تربیت اور دعوت اسلامی نشر و اشاعت کے نتیجہ میں مسلم

نوجوانوں کے اندر اسلامی بیداری کی لہر پیدا ہوئی تو استعماری نشریات ہی نے نہیں خود مسلم ملکوں میں بھی ارباب حل وعقد نے ان نوجوانوں پر رجعت پسندی، انتہا پسندی اور دہشت گردی کی تہمتیں لگا کر اس بیداری کا گلا گھونٹنا چاہا۔ نماز پڑھنا، ڈاڑھی رکھنا یا لڑکیوں کا پردہ کرنا بھی انتہا پسندی کی علامت بن گیا۔ نقاب استعمال کرنے والی لڑکیوں پر تعلیم گاہوں کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ دین پسندوں کے لیے سرکاری نقطہ نظر سے جیل کے باہر کوئی مناسب جگہ نہیں رہی...... ان نوجوانوں کو جیلوں میں جو جسمانی سزائیں دی گئیں، انہیں پڑھ اور سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ارباب حل وعقد کے اسی انتہا پسند رویہ نے جیلوں میں انتہا پسندی کو جنم دیا۔"[۳۸]

بے وقار آزادی ہم غریب ملکوں کی
سر پہ تاج رکھا ہے بیڑیاں ہیں پاؤں میں

۲.۵ انتہا پسندی کا معیاری پیمانہ

یہ بات طے کرنے کے لیے کہ انتہا پسندی کیا ہے؟ اور کون انتہا پسند ہے میری، آپ کی یا کسی اور کی بات حرف آخر نہیں ہوگی۔ کسی پر انتہا پسندی، میانہ روی یا آزادی کا حکم لگانے سے پہلے اس کے سماج او ماحول کو مدنظر رکھنا بھی ضروری ہے دینی جذبہ سے عاری ماحول میں کسی کا پابندی سے اسلام پر عمل پیرا ہونا بھی انتہا پسندی کے زمرے میں آسکتا ہے۔ جب کہ دین کی گہری چھاپ والوں کے نزدیک کسی دینی حکم کی مخالفت یا بجا آوری میں کوتاہی ان کے لیے ناگوار ہوتی ہے۔ بعض اوقات کسی نے اپنے لیے کوئی سخت فقہی رائے اپنالی ہے۔ اپنی مختار رائے کو حرف آخر قرار دینا اور دوسروں کو غلط کہنا بھی انتہا پسندی ہے۔ یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ کون انتہا پسند ہے۔ انسانوں کے اعمال کو قرآن وسنت کی کسوٹی پر پرکھنا ہوگا۔

فرمان باری کے مطابق وہ لوگ انتہا پسند ہیں: مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا[۳۹]
"جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی کی اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔"
اور زبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس شخص کو انتہا پسند قرار دیتی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طے کردہ پیمانوں سے تجاوز کرے۔

عن عائشه رضی الله عنها قالت : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من احدث فی امرنا هذا مالیس فیه فهورد[۴۰]

۳۔ دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کی مختلف صورتیں اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

اسلام وہ ضابطہ حیات ہے کہ جو صراط مستقیم ہے اور اس کے اردگرد کھینچا جانے والا ہر خط ٹیڑھے پن پر منتج ہوتا ہے۔ انسان

جب بھی حدود کو پھلانگتا ہے خواہ اعتقاد کی دنیا ہو یا عمل کا میدان وہ سیدھے اور سچے راستے سے بھٹک جاتا ہے اس انتہا پسندی کا سبب کبھی مال ومنال کی چاہت اور اتباع ھوئی ہوتا ہے اور کبھی اپنے خیال کے مطابق انسان تقویٰ اور خدا پرستی کے حصول کی خواہش میں اس تعدی میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ پھر اس انتہا پسندی کی مختلف شکلیں نمودار ہوتی ہیں۔ ذیل میں ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۳.۱ تصورِ الٰہ اور انتہا پسندی

دورِ حاضر میں ''بہت سے عامتہ المسلمین اور بعض خواص جس گمراہی میں مبتلا ہوگئے ہیں وہ یہ ہے کہ شدائد و مصائب میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انبیاء و صالحین سے فریاد رسی کرنا حتیٰ کہ جماعتیں مختلف امور میں قبروں کے پاس جا کر قبروں میں مدفون اصحاب سے فریاد رسی کرتی ہیں گویا ان مردوں سے جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ سن رہے ہیں۔''[۴۱] ان لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے حاجت روائی خلق کے لیے خاص فرمایا ہے کہ لوگ گھبرائے ہوئے ان کے پاس اپنی حاجتیں لاتے ہیں۔[۴۲]

''اے عبدالقادر، اے فضل کرنے والے، بغیر مانگے عطا کرنے والے، ہم پر احسان فرما اور مسائل کی پکار سن لے۔ اے عبدالقادر ہماری آرزوؤں کو پورا کر۔''[۴۳]

قرآن و حدیث دونوں میں خالق و مالک اور رازق کے مقام و مرتبہ کی وضاحت بے شمار مقامات پر کی گئی ہے: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ[۴۴] اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ[۴۵]

قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ[۴۶]

ان الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوت اسلام کا آغاز ''قولو الا الہ الا اللہ'' سے کرنا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال میں شرک کی ذرہ برابر گنجائش نہیں۔

۳.۲ تعویذ، کوڑی، گھونگھے یا گنڈے کا استعمال

حصول خیر یا دفع مرض کے لیے مصنوعی موتی یا اس جیسی جو چیز بطور تعویز گلے میں لٹکائی جاتی ہے اسے تمیمہ کہتے ہیں۔ کوڑی اور گھونگھا وغیرہ کو ''ودعہ'' کہتے ہیں۔

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من تعلق تمیمۃ فقد اشرک[۴۷]

''یہ جہالت و ضلالت اور غلو کی بات ہے کیونکہ نفع و ضرر صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس طرح کے تعویذ اور ٹوٹکے سے کوئی نفع و ضرر نہیں ہوتا اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے والوں پر بددعا کی ہے اور اسے شرک قرار دیا ہے کیونکہ اس طرح گویا غیر اللہ سے نفع کی طلب اور ضرر کی مدافعت کی جارہی ہے۔''[۴۸]

البتہ نظرِ بد اور مسنون دعاؤں سے علاج اس سے مستثنیٰ ہے۔

۳.۴ غیر اللہ کے نام پر قربانی

غیر اللہ کے نام پر قربانی کرنا بھی حقوقِ الٰہی میں تجاوز کی ایک صورت ہے۔

قرآن کریم نے وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ[۴۹] کو حرام قرار دیا اور فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جو شخص غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرے اس پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ [۵۰]

۳.۵ قبور کے بارے میں انتہا پسند رویہ

قبروں کو سجدہ گاہ بنانا، ان میں چراغاں کرنا، اعتکاف بیٹھنا، پردے لٹکانا، عود و اگر جلانا بعض حضرات کے نزدیک زیارت قبور کے حوالے سے طواف قبور بھی جائز ہے جو کہ نہایت غلو آمیز تصور ہے:

''اگر برکت لینے کے لیے قبر کے گرد طواف کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔''[۵۱]

قبروں پر عرس اور میلے بھی اسی انتہا پسندی کی ایک صورت ہے۔ عرس کے لغوی معنی دلہن کو دولہا کے حجرہ میں زفاف کے لیے پہنچانے کے ہیں، لکھتے ہیں: ''اللہ کے ولیوں کی شادی ان کی روح کی شادی ہوتی ہے۔ جب ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کرتی ہے اور پردے اٹھائے جاتے ہیں اور وہ اپنے محبوب حقیقی سے ملاقات کرتے ہیں تو ان کی شادی ہوتی ہے۔'' [۵۲]

مزاروں کو منوں عرق سے غسل دینا، حنا بندی اور چڑھائی جانے والی قیمتی چادریں بھی اسراف اور انتہا پسندی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا تجعلو اقبری عیدا [۵۳]

اس حدیث کی شرح میں شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے نام پر مسلمانوں نے حضرات انبیاء کی قبروں کے علاوہ اولیاء کی قبروں بلکہ مصنوعی قبروں سے بھی وہ کچھ کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ بھی شرما جائیں۔''[۵۴]

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیها المساجد و السراج [۵۵]

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قبریں برابر کرنے کے لیے بھیجنا[۵۶] افراط و تفریط سے بچانے کے لیے تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بے حرمتی کرنے سے بھی منع فرمایا اور ان کی تعظیم میں ناجائز مبالغہ اور غلو سے منع کیا گیا۔ زیارت قبور کا مقصد صرف آخرت کی یاد دہانی ہے۔

۳.۶ عقیدۂ رسالت میں انتہا پسندی:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی قدر انبیاء میں خاتم النبین، سید المرسلین، بہترین، جامع اور مکمل نمونہ ہے اور اعمال کی قبولیت کا دارومدار آپ کی ''مہر سنت'' ثبت ہونے پر منحصر ہے مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ کہہ کر آپ کے لاثانی مقام و مرتبہ کو واضح کیا گیا۔ لوگ اس بارے میں بھی ان مباحث کا شکار ہو گئے جن کے لیے وہ ہرگز مسئول نہ تھے۔ مثلاً آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب گردانا، حاضر و ناظر ماننا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مختار کل ماننا، مسئلہ نور و بشر اور عید میلا د النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی جدید صورتوں میں الجھ کر رہ گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وہ علوم عطا کئے جو کسی مقدس نبی اور کسی مقرب فرشتے کو عطا نہیں کئے گئے بلکہ تمام اولین وآخرین کے علوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دریائے علم کا قطرہ ہیں لیکن جس طرح ساری کائنات کے علوم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم مقدسہ سے کوئی نسبت نہیں یہی حیثیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کی حق تعالیٰ کے علوم محیط کے مقابلے میں ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی واقعہ افک میں آیات برأت کا نزول، صحابی کے سوال پوچھنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ وحی آئے گی تو بتاؤں گا۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔:

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَیَّ ۚ [۵۷]

بعض لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا نور ہیں جو بشریت کے لباس میں جلوہ گر ہیں یہ وہی عقیدہ ہے جو عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں رکھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت سے بھی اسی غلو کا اندیشہ تھا اسی لیے امت کو ہدایت کی کہ مجھے میری شان سے مت بڑھانا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَیَّ [۵۸]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انا سید ولد ادم یوم القیمة [۵۹]

نہ ہی نبی مکرم صلی اللہ علیہ سلم نے اس بات کی کبھی تعلیم دی کہ مجھے مختار کل کہو بلکہ فرمایا ''حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مخاطب کر کے فرمایا، اے لڑکے تو اللہ کے حقوق کی حفاظت کر اللہ تیری حفاظت کرے گا تو اللہ کے حقوق کی حفاظت کر تو اس کو اپنے سامنے پائے گا اور جب کچھ مانگنا ہو تو اللہ سے مانگ اور جب مدد کی ضرورت ہو تو اللہ سے مدد طلب کر اور یقین رکھ کہ اگر ساری جماعت تجھے نفع پہنچانے پر جمع ہو جائے تو تجھے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے اور اگر ساری جماعت تجھے نقصان پہنچانے پر جمع ہو جائے تو تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی سوائے اس کے کہ جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔'' [۶۰]

جشن عید میلا د النبی صلی اللہ علیہ وسلم عقیدہ رسالت میں غلو کی ایک جدید صورت اور بہت سے منکرات کا باعث ہے مثلاً مرد و زن کا اختلاط، آلات موسیقی کا استعمال، مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں غلو، میلاد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا عقیدہ، میلاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر خانہ کعبہ اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہیں، پہاڑیوں کی سجاوٹ پر ہزاروں روپے کا اسراف، اسلام میں اس طرح کوئی تعلیمات موجود نہیں۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، عہد صحابہ و تابعین، عہد بنوامیہ اور بنوعباس میں مروجہ عید نہیں تھی۔ عبدالعزیز بن باز رقمطراز ہیں:

''ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں اور دین کو پہنچانے کے لحاظ سے کامل ہیں اگر اس

قسم کی محافل کا اہتمام ضروری ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بیان فرماتے جب قرون اولیٰ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے تو پھر دین کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔"[۶۱]

پروفیسر عنایت اللہ نے کیا خوب کہا ہے۔

تیرے حسن خلق کی اک رمق میری زندگی میں نہ مل سکی
میں اسی میں خوش ہوں کہ شہر کے در و بام کو تو سجا دیا
میں تیرے مزار کی جالیوں ہی کی مدحتوں میں مگن رہا
تیرے دشمنوں نے تیرے چمن میں خزاں کا جال بچھا دیا

۷.۳ عبادات میں انتہا پسندی

اسلام میں عبادات کا مقصود عبودیت ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ[۶۲]

"اسلام میں عبادات کا یہ تصور بھی نہیں ہے کہ آدمی دنیا کی زندگی سے الگ ہو کر خدا سے لو لگائے، مراقبہ، نفس کشی اور مجاہدات وریاضات کے ذریعہ سے اپنی اندرونی قوتوں کو نشو ونما دے۔ کشف و کرامات کی قوتیں اپنے اندر پیدا کرے اور دنیوی زندگی کی ذمہ داریوں سے سبکدوشی حاصل کر کے اخروی نجات حاصل کرے۔"[۶۳]

حافظ ابن دقیق لکھتے ہیں:

وقریب من ذالک ان تکون العبادة من جهة الشرع مرتبة علی وجه فیرید بعض الناس ان یحدث فیها امراً آخرلم یرد به الشرع زاعما انه یدرجه تحت عموم فهذا لاسقیم لان الغالب علی العبادات التعبد وما خذها التوقف[۶۴]

وضو میں پانی کا اسراف بھی انتہا پسندی ہے کیونکہ شریعت نے تھوڑے پانی کی تاکید فرمائی۔ یہاں تک کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت زیادہ مقدار میں تلاوت کرنے اور تیزی سے تلاوت سے منع کیا:

عن ابی سلمه عن عبدالله بن عمرو قال: قال رسول الله اقراء القران فی کل شهر قال قلت انی اجد قوة قال فاقراه فی سبع و الاتزد علی ذلک[۶۵]

اسی طرح شبینہ محافل قرآن جس میں لفظ بھی پوری طرح سمجھ میں نہیں آتے اور لوگ آدابِ تلاوتِ قرآن کی طرف دھیان نہیں دیتے، تلاوتِ قرآن کے منافی ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ[۶۶]

نماز میں انتہا پسند رویہ یہ ہے کہ امام نہایت لمبی لمبی قرأت کرے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع

فرمایا۔ طویل خطبے کو بھی ناپسند فرمایا: عن ابی عبداللہ بن جابرؓ قال: کنت اصلی مع النبی صلی اللہ علیه وسلم فکانت صلاته قصداً و خطبته قصداً[۶۷]

حضرت معاذ بن جبلؓ کے طویل نماز پڑھانے پر اظہار ناپسندیدگی فرمایا افتان یامعاذ تم نے اتنی لمبی (سورۂ بقرہ) سورۃ شروع کر کے مقتدیوں کو آزمائش میں ڈال دیا دیکھو والیل اور غاشیه وغیرہ پڑھ لیا کرو۔ امام کے پیچھے ضعیف کمزور اور حاجت مند بھی ہوتے ہیں۔"[۶۸]

حج اور انتہا پسندی

"اسی طرح لوگ مناسک حج میں ایسی باتیں نکالتے ہیں جو پہلے کبھی شرع میں نہیں تھیں۔ چنانچہ میں نے ایک جماعت کو دیکھا کہ احرام میں ایک مونڈھا (کندھا) کھولتے ہیں اور دیر تک دھوپ میں کھڑے ہوتے ہیں تو ان کی کھال اتر جاتی ہے اور سر کی بری طرح حالت ہو جاتی ہے تو اس سے وہ لوگوں میں اپنی فضیلت اور بزرگی ثابت کرتے ہیں۔"[۶۹]

حج میں کوئی بھی ایسا طریقہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے سے میل نہ کھائے انتہا پسندی کہلائے گا خواہ حصول تقویٰ کے لیے ہی کیوں نہ کیا جائے:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ نکیل کے ساتھ طواف کعبہ کرتا ہے تو اس کی رسی کاٹ دی اس طرح ایک شخص کو دیکھا کہ وہ دوسرے کو جس کی ناک میں رسی پڑی ہے کھینچ کر طواف کراتا ہے تو اپنے ہاتھ سے اس رسی کو قطع کر دیا اور فرمایا کہ اسے ہاتھ تھام کر طواف کراؤ۔"[۷۰]

نفس کی تربیت اور تقویٰ کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے روزہ فرض کیا:

"روزے کی عبادت اسلام نے اس لیے مقرر فرمائی کہ ایک طرف نفس انسانی کے سرکش رجحانات ضعیف ہو کر اعتدال پر آئیں اور دوسری طرف انسان کی قوت ارادی ان کو دبانے اور ان کو حدود الٰہی کا پابند بنانے کے لیے طاقت ور ہو جائے۔ لیکن اسی کے ساتھ مسلمانوں نے روزہ کے مقاصد کے ساتھ اکثر ناانصافی سے کام لیا اور مختلف عادتوں کی وجہ سے اس کے یقینی اور متوقع فوائد سے محروم ہوگئے۔ انہوں نے افطار اور کھانے میں اس قدر مبالغہ اور اسراف سے کام لینا شروع کیا کہ روزہ کا اصل فائدہ اور اس کی اصلاحی تربیت کی قوت بڑی حد تک کمزور پڑ گئی یا کسی حد تک ختم ہوگئی۔"[۷۱]

اسی طرح مسلسل (نفل) روزے رکھنے کی ممانعت آئی ہے۔ سحری اور اس کے اوقات میں غلو سے بھی منع فرمایا: قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم تسحر و افان فی السحور برکه[۷۲]

افطار میں تاخیر سے بھی منع فرمایا: عن سهل بن سعد ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال لایزال الناس بخیر ماعجلوا الفطر[۷۳]

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لا تواصلو، قالو انک تواصل، قال انی لست مثلکم، انی ابیت یطعمنی ربی و یسقنی فلم ینتھوعن الوصال قال فواصل بھم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یومین او لیلتین ثم راو الھلال فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لو تاخر الھلال لزدتکم کا المنکل لھم [۴۴]

اسی طرح تسبیح وتہلیل کے وہ طریقے جو اسوۂ حسنہ سے ہٹ کر ہیں انتہا پسندی کی ہی ایک صورت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایسے خودساختہ طریقے دیکھ کر فرمایا:

یعنی اے امت محمدیہ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ کس قدر جلدی برباد ہورہے ابھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تم میں بکثرت موجود ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے بوسیدہ نہیں ہوئے اور برتن نہیں ٹوٹنے پائے مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کیا تمہارا مسلک زیادہ ہدایت والا ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین کیا تم گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو۔ لوگوں نے کہا ہمارا ارادہ تو محض خیر کا ہے۔ جواباً فرمایا، کتنے ہی لوگ ہیں جو خیر کو چاہتے ہوئے بھی اس سے محروم رہتے ہیں۔" [۴۵]

۳.۸ معاملات واخلاقیات میں انتہا پسندی

بے موقع کام کرنا یا ضرورت سے کم زیادہ کرنا خواہ وہ انفاق مال ہو یا کوئی اور ایسا کام تبدیز واسراف کہلاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی اور اسلام کی متعین کردہ حد سے تجاوز ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعر شدت احتیاط کی وجہ سے شیشی میں پیشاب کیا کرتے تھے...... لیکن حضرت حذیفہؓ نے اس تشدد کو ناپسند فرمایا اور کہا کہ کاش وہ اس قدر سختی نہ کرتے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معمولی طور پر استنجا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ [۴۶] یہودیوں کے ہاں دستور تھا کہ ایام ناپاکی میں خواتین کو بالکل الگ تھلگ کر دیتے اور ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیتے۔" حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں اس حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں کنگھی کرتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کو دھوتی تھی۔ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کوئی چیز اٹھا کر مانگی تو میں نے معذرت کی تو فرمایا یہ ناپاکی تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔" [۴۷] اسلام میں اس سلسلے میں اس حد تک آسانی کر دی گئی کہ تیمم کو غسل اور وضو کا قائم مقام کر دیا الغرض اس سلسلے میں تمام غالیانہ تصورات کو اپنانے کی ممانعت کر دی۔" [۴۸]

۳.۹ رہبانیت کی ممانعت

گوشہ نشینی نے مذہب میں اکثر نیکی اور دینداری کی بہترین شکل کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ اسلام نے اپنے اصول اخلاق میں راہبانہ، جوگیانہ اور مجردانہ زندگی کی ہمت افزائی نہیں کی ہے۔ پورا قرآن انسانی جدوجہد اور انسانی مجمع کے ساتھ عمل صالح کی تعلیم سے بھرا ہوا ہے۔ تجرد کا ایک اشارہ بھی پورے قرآن میں موجود نہیں ہے یہ معاملات میں غلو کی ایک شکل ہے اور اسلام میں ممنوع ہے۔" [۴۹]

قرآن کریم اس انتہا پسند، خودساختہ طرزِ عمل کی نفی کرتا ہے۔

وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوهَا[۸۰]

۳.۱۰ تصوف اور انتہا پسندی:

اربابِ تصوف نے شریعت وطریقت اور علم باطن کی الگ الگ حد بندیاں قائم کی ہوئی ہیں پھر مزید ستم یہ کرتے ہیں کہ ان دونوں علموں کو ایک دوسرے سے بےتعلق کر دیتے ہیں اہل تصوف کا ایک دوسرا گروہ بھی ہے جو نبوت اور ولایت کو دو الگ الگ بالکل متوازی منصب تسلیم کرتا ہے پھر ان میں سے ایک کو وہ علم ظاہر کا سرچشمہ قرار دیتا ہے اور دوسرے کو علم باطن کا۔ اس گروہ کے نزدیک جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاتم الانبیاء کا منصب مخصوص ہے اسی طرح بعض اشخاص کے لیے ان کے نزدیک خاتم الاولیاء کا منصب مخصوص ہے اس تعصب اور غلو نے بڑھتے بڑھتے یہ شکل اختیار کر لیا ہے کہ بہت سے صوفی حضرات شریعت کو اپنی طریقت کے مقابلے میں پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دیتے۔''[۸۱] اسلام شریعت وطریقت، دین و دنیا، تیغ وقرآن اور فقر و جہاد کے باہمی ارتباط واشتراک پر مشتمل ایک کامل نظام کا نام ہے اور تصوف صرف اس کا نام ہے کہ فرمایا:

الاحسان ان تعبداللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک[۸۲]

آج تصوف کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہے کہ اس کے اندر اسلام کے پہلو بہ پہلو بہت سے اجنبی عناصر کی بھی آمیزش ہوگئی ہے۔[۸۳]

۳.۱۱ مسلکی اختلافات اور انتہا پسند رویہ:

اس دورِ پرفتن میں جب کہ سینکڑوں قسم کے فتنے مسلمانوں پر بارش کی طرح برس رہے ہیں اور معاشرہ کو گھن کی طرح کھا رہے ہیں ایک فتنہ یہ بھی ہے کہ بعض لوگ چند نہایت ہی غیر اہم اور انتہائی فروعی مسائل کو ایمان واعتقاد کا درجہ دے کر باہم ایک دوسرے سے دست بگریباں ہیں۔ آئمہ کے وہ اختلافات جو حقیقی نہیں محض تحقیقی ہیں ان کے معاملے میں شدت پسندی کا رویہ اپنا کرامت کی شیرازہ بندی میں رخنہ ڈالنا انتہائی ناپسندیدہ فعل ہے حالانکہ ایسے لوگوں کی تحقیق کسی اصول پر مبنی ہے نہ تنقید کا کوئی دستور ہے اور نہ ہی علم میں کوئی تعمق وگہرائی ہے وہ مسائل جن میں اختلاف صرف ''بہتر'' اور کم بہتر کا ہے ان کو بنیاد بنا کر دوسروں کی تکفیر وتذلیل کرنا کسی طرح بھی مسلمانوں کے شایانِ شان نہیں۔

مہبط وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دین وشریعت کے منشاء وروح سے سب سے زیادہ واقف صحابہ کرامؓ تھے ''ہم دیکھتے ہیں کہ اس قسم کے مسائل میں خود صحابہؓ کے درمیان بھی اختلاف موجود تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا خیال تھا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ عام صحابہ اس کے قائل نہیں۔ تکبیر عیدین میں صحابہ میں اختلاف تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس بات کو ضروری نہیں سمجھتی تھیں کہ غسل میں اپنی چوٹیاں کھولیں جب کہ عبداللہ بن عمرؓ اس کو ضروری جانتے تھے؟ لیکن اس کے باوجود تمام صحابہؓ ایک دوسرے کو مخلص بھی سمجھتے تھے باہم ایک دوسرے کا احترام واکرام بھی کرتے تھے اور یہ

اختلاف کبھی ایک دوسرے پر طعن وتشنیع کا سبب بھی نہ بن پاتا تھا۔[۸۴]

ان مذاہب کے اماموں نے بھی اپنے معصوم ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ امام مالکؒ کہتے ہیں ''کوئی شخص ایسا نہیں جس کی تمام باتیں لینے کے قابل ہوں سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے'' اور امام شافعیؒ کہتے ہیں ''میری رائے درست ہے لیکن خطا کا احتمال ہے۔'' [۸۵] ''ان میں سے کوئی چیز بھی ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے میں رکاوٹ نہ بن سکی۔ جیسے امام ابوحنیفہ، ان کے اصحاب، آئمہ مدینہ کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔[۸۶] فقہائے سبعہ میں سے تابعی قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ (خلیفہ اول کے پوتے) لکھتے ہیں: لقد ا وسع اللہ علی الناس باختلاف اصحب محمدصلی اللہ علیہ وسلم ای ذلک اخذت بہ لہ یکن فی نفسک منہ مشی[۸۷]

۴۔ انتہا پسندی کے اسباب

۴.۱ دینی بصرت کا نہ ہونا:

دینی بے بصیرتی، فہم دین، حکمت دین اور مقاصد کے سلسلے میں بے بضاعتی اور روح دین سے دوری غلو اور انتہا پسندی کے بنیادی اسباب ہیں لیکن اس سے مراد دین سے مکمل بے خبری نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ کم علم لوگ جو ناقص علم کے باوجود اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ وہ بھی علماء کے زمرے میں شامل ہو گئے ہیں اور فافتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا[۸۸] کی عملی تفسیر ہیں۔

۴.۲ قرآن فہمی کی کمی:

یہ ایسا اہم اور بنیادی سبب ہے جو کہ فہم دین کے سلسلے میں غلو اور انحراف کا سبب ہے اس کی وجہ سے لوگ محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کی اتباع میں لگے رہتے ہیں فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ[۸۹]

۴.۳ مناظرانہ لٹریچر:

مناظرانہ انداز تحریر بھی انتہا پسندی کا باعث ہے ''مناظرانہ طرز کی چیزیں اولاً تو چند مخصوص قسم کے مسائل پر ہیں ثانیاً ان کے اندر وہ تمام خرابیاں موجود ہیں جو دلوں کو اسلام سے قریب کرنے کی بجائے دور کرنے والی ہیں۔''[۹۰]

۴.۴ عوام کی جہالت:

عوام کی اکثریت جاہل اور ان پڑھ ہے اور نہ ہی دین کا صحیح شعور رکھتی ہے۔ اس کے باعث عوام بہت سے ایسے امور انجام دیتے ہیں جنہیں وہ عین دین سمجھ کر کرتے ہیں مگر وہ دین کی عین ضد ہیں ''ناخواندگی اور جہالت ایسی تاریکی ہے جس کے اندر ہر باطل اور منفی قوت آگے بڑھتی ہے اور عقائد و اخلاق ۔ دین کی حقانیت اور اس کے شعور، دین خالص سے لگاؤ اور تعلق کی متاع میں سے بہت کچھ غارت کر جاتی ہے۔''[۹۱]

۴.۵ حکام کی غلط دینی روش:

''یہ حکام ایک طرف میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کے عرس کی تائید و ہمت افزائی کرتے ہیں اور ان میں حاضر ہوتے ہیں لیکن دوسری طرف قرآنی شریعت اور سید المرسلین کی سنت ترک کیے ہوئے ہیں۔''[۹۲]

۴.۶ فرقہ پرستی:

فرقہ بندی جس چیز کا نام ہے وہ یہ ہے کہ فروعی اختلاف کو اہمیت دے کر اصولی اختلافات بنا دیا جائے اور اس میں اتنا غلو کیا جائے کہ ہر گروہ اپنے مسلک کو بمنزلہ دین قرار دے کر دوسرے گروہوں کی تکفیر و تذلیل کرنے لگے۔''[۹۳]

۴.۷ حصول تقویٰ کے خودساختہ طریقے:

حصول تقویٰ کے خودساختہ مفہوم اور غیر شرعی طریقوں سے تقویٰ کا حصول بھی مذہبی انتہا پسندی کی ایک اہم وجہ ہے ان لوگوں کے بقول ''متقی شخص نہ صرف صاحب تاثیر بلکہ صاحب تسخیر ہوتے ہیں۔''[۹۴]

۴.۸ اتباعِ ھویٰ:

خواہشات واہوا کا محرک چونکہ خود نفس انسانی ہے اس لیے وہ جسم انسانی میں جاں کی طرح رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتی ہے اور انتہا پسند رویے کی محرک بنتی ہیں۔ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ[۹۵]

۴.۹ اندھی تقلید:

آباء واجداد سے متوارث معتقدات و رسومات بھی اس کا سبب ہیں۔ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا......[۹۶]

۴.۱۰ ریاکاری اور دکھلاوے کی خواہش

انتہا پسندی کا ایک بہت بڑا سبب ریاکاری ہے۔ انسانی فطرت يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا کی خواہاں ہوتی ہے پس انسان عبادات و معاملات میں ایسے متشددانہ رویے اپناتا ہے جس سے اس کی نیک نامی ہو۔

۴.۱۱ شخصی رجحان کی بناء پر

دین کے معاملے میں لوگوں کے رجحان میں فرق پایا جاتا ہے کچھ لوگوں کے نزدیک آسانی اور نرمی کا رویہ پسندیدہ ہوتا ہے تو کچھ لوگوں کا رجحان سختی اور شدت کی طرف مائل ہوتا ہے۔

۴.۱۲ علمائے سو کے سبب

بعض پیشہ ور علماء حاکموں کی خوشنودی کے لیے رب کی اتاری ہوئی شریعت کی خلاف کرتے ہیں۔ وَاِنَّ كَثِيْرًا

يُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ. اِنَّ رَبَّكَ هُوَاَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ[92]

۵۔ مقالہ کے نتائج وسفارشات

5.1 انتہا پسندی کے اثرات ونتائج:

۱۔ انسانی فطرت کی خلاف ورزی ہوتی ہے غلو کا رویہ طبیعتوں میں وحشت کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔

۲۔ انتہا پسندی کی مدت بہت تھوڑی ہوتی ہے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے آپ کو اتنے ہی عمل کا مکلف بناؤ جس کی طاقت اور سکت رکھتے ہو۔[98]

۳۔ انتہا پسندی، غلو اور شدت کا رویہ جہاں بھی پایا جاتا ہے وہ انسانی حقوق کی کوتاہی کی قیمت پر ہی ہوتا ہے۔

۴۔ ذاتی رائے کو فوقیت دینے کی عادت پروان چڑھتی ہے اور ہر قیمت پر اپنی رائے مسلط کرنے کا رویہ جنم لیتا ہے۔

۵۔ غیر ضروری پابندیاں انسانی طبیعت کو جکڑ لیتی ہیں کہ آسانی کی گنجائش ہوتے ہوئے بھی شدت پسندی کا رویہ بھلا معلوم ہوتا ہے۔

۶۔ طبیعتوں میں سختی اور خشونت پیدا ہو جاتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ان اللہ یحب الرفق فی الامر کله[99]

۷۔ تہمت تراشی اور بدگمانیاں جنم لیتی ہیں جو تعمیر کی بجائے تخریب کی نقیب بنتی ہیں۔ ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث[99]

۸۔ تکفیر کا سیلاب برپا ہوتا ہے اور فکر وعمل کا انتشار تباہی کے دہانے پر لے آتا ہے۔

۹۔ انسانیت کی بے حرمتی کا رویہ اسے ''احسن تقویم'' سے ''اسفل سافلین'' کے رستے پر لے آتا ہے۔

۱۰۔ تحریف دین کا سبب بھی غلو اور تعمق ہی ہوتا ہے اور بقول اقبال ''خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں''۔

5.2 تجاویز وسفارشات:

۱۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ قرآن وسنت کے مطالعہ سے اپنی کم علمی کا علاج کرے اور تدبر کے ساتھ مطالعہ قرآن کو عادت بنائے اور قرآن سے غلط طرز استدلال سے اجتناب کرے۔

۲۔ اطاعت رسول اور اتباع نبویؐ ہی انتہا پسندی سے بچنے کا بہترین طریقہ ہے اور اسی سے لوح وقلم ہمارے بن سکتے ہیں۔

۳۔ کامل اسلامی نظام زندگی کا مطالعہ کرے تاکہ دل ودماغ کی دنیا اتباع ہویٰ سے آزاد رہ سکے۔ لوگوں کے معاملات میں حسن ظن کا رویہ اپنائے تاکہ باہمی محبت واتفاق پیدا ہو۔

۴۔ حکمرانوں پر لازم ہے کہ وہ رسول اللہ کی سنت اور دین حق کی مدد پر کمربستہ ہوں اور کتاب وسنت کی حمایت ونصرت میں اپنی قوت خرچ کریں۔ عوام پر ذمہ داری ہے کہ وہ باہم ایک دوسرے کو برداشت کی عادت اپنائیں۔

۵۔ نئی نسل کی درست اسلامی تربیت کرنا لازمی ہے اور نوجوانوں کی بھی یہ اولین ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے افکار کو راست سمت دیں، دین کا فہم پیدا کریں اور درست نقطہ نظر اپناتے ہوئے تخریب کی بجائے تعمیر کو منزل قرار دیں۔

۶۔ فقہی مسائل میں راہ اعتدال اپنائیں ''اگر امت مسلمہ غلو سے اپنے قوائے فکریہ کو آزاد کر لے اور اپنی آنکھوں پر سے تعصب کے پردے ہٹا کر اصل تصویر دیکھنے لگے تو بہت سے لفظی نزاعات ختم ہو جائیں اور مذہبی اختلافات کی شور انگیز فضا کسی قدر امن وسکون کی خوشگواریوں میں بدل جائے۔''[۵۰] کیونکہ ''دور جدید کے ان امراض کا علاج صرف اسلام ہی کے ذریعے ممکن ہے کیونکہ وہ نہ روح کو مادہ پر قربان کرتا ہے اور نہ روح کی اہمیت میں اتنا غلو کرتا ہے کہ مادی پہلو نگاہوں سے بالکل اوجھل ہو جائے۔ وہ ان ''دو انتہاؤں'' کے درمیان نقطہ اعتدال کو واضح کرتا ہے۔''[۵۱]

حوالہ جات

۱۔ فیروز الدین مولوی، مرتب فیروز اللغات اردو جامع، نیا ایڈیشن فیروز سنز لاہور، (ص)

۲۔ لوئس معلوف، المنجد دار الاشاعت کراچی، مادہ غلا ص ۷۱۶

۳۔ راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ ص ۶۷۴

۴۔ ابن منظور، لسان العرب، مادہ غلا

۵۔ لوئس معلوف المنجد، مادہ طرف، ص ۶۰۵

۶۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی، اسلامی بیداری انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں، مترجم سلمان ندوی۔ مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور

۷۔

۸۔ ابن منظور۔ لسان العرب مادہ فرط

۹۔ طٰہٰ: ۴۵

۱۰۔ محمد بن حبیب الماوردی۔ تفسیر الماوردی، دار الکتب العلمیہ ص ۵/۱۶۲

۱۱۔ سید احمد حسن، احسن التفاسیر، مکتبہ السلفیہ لاہور ص ۴۰۱/

۱۲۔ مفتی محمد شفیع صاحب، معارف القرآن ادارہ معارف کراچی ۲۰۰۱ء ص ۳/۱۱، ۲۱۰

۱۳۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن دار الاشاعۃ الاسلامیہ لاہور ۱۹۷۱ء ص ۲/۲۰۶

۱۴۔ نساء: ۱۷۱ ۱۵۔ مولانا شبیر احمد عثمانی، فوائد عثمانی، دار التصنیف کراچی ص ۱۳۵

۱۶۔ مائدہ: ۷۷

۱۷۔ امام الشوکانی، فتح القدیر، مصطفی البابی الحلبی مصر ۱۳۴۹، ص ۵۰۱/۱

۱۸۔ البخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، باب قصد العمل

۱۹۔ ابن منظور، لسان العرب مادہ فرط کے تحت

۲۰۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الانبیاء، واذکر فی الکتب مریم، ص ۴/۱۴۲، احمد بن حنبل، مسند ص ۱/۴۷

۲۱۔ ابن ماجہ، سنن، کتاب المناسک باب قدر حصی الرمی الکتب الستہ ،ص۲۶۹۰،ح ۳۰۲۸

۲۲۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی، اسلامی بیداری انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں، ص۱۳،

۲۳۔ ابوداؤد، سنن، کتاب الادب، باب فی الحسد

۲۴۔ نسائی، سنن نسائی، کتاب الایمان ولالنذور، ماالواجب علی اوجب نفسہ نذر افعجز منہ

۲۵۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی، اسلامی بیداری انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں، ص۱۳

۲۶۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، الکتب الستہ ،ص۴۳۸، ح۵۰۶۳

۲۷۔ سلمان حسین خاں، اسلام جدید دور میں، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ص۴۱

۲۸۔ نعیم صدیقی، محسن انسانیت، الفیصل پبلشرز لاہور، س۲۰۰۰، ص۶۷

۲۹۔ مولانا شبیر احمد عثمانی، فوائد عثمانی، ص۱۵۵

۳۰۔ التوبہ: ۳۰

۳۱۔ المائدہ: ۱۸

۳۲۔ البقرہ: ۱۱۱

۳۳۔ مولانا ادریس کاندھلوی، معارف القرآن، دارالعلوم کراچی ۱۳۸۹ھ ص۲/۶۱۹،

۳۴۔ محمد انیس الرحمن، مدینہ سے وہائٹ ہاؤس تک، آفتاب پبلیکیشنز لاہور، ص۳۴

۳۵۔ محمد انیس الرحمن، مدینہ سے وہائٹ ہاؤس تک، ص۱۹

۳۶۔ مراد ویلفرڈ ہوفمن، اسلام اکیسویں صدی میں، مترجم ڈاکٹر تصدق حسین راجا، فائن پبلیکیشنز لاہور، س۲۰۰۱، ص۶۰

۳۷۔ مراد ویلفرڈ ہوفمن، اسلام اکیسویں صدی میں، ص۸۰

۳۸۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی، اسلامی بیداری انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں، ص۷

۳۹۔ الکھف: ۲۸

۴۰۔ مرعاۃ الفاتیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ۱/۲۳۶

۴۱۔ محمد ناصر الدین البانی، وسیلہ کے انواع و احکام (مترجم اعجاز مصطفیٰ چودھری) المکتب الاسلامی، بیروت ۱۴۱۲ھ، ص۵/۱۵۹

۴۲۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی، الدمن والعصیٰ، کامیاب دار التبلیغ، لاہور ۱۳۹۲ھ، ص۲۹

۴۳۔ احمد رضا خاں بریلوی، حدائق بخشش جنتی کتب خانہ فیصل آباد، ص۱۷۹

۴۴۔ اخلاص: ۱،۲

۴۵۔ الفاتحہ: ۴

۴۶۔ الزمر: ۳۸

۴۷۔ احمد بن حنبل، مسند، دارالاحیاء تراشد العربی بیروت لبنان ۱۹۹۱ ص۴/۱۵۳

۴۸۔ احمد بن حجر، بدعات اور ان کا شرعی پوسٹ مارٹم، الدار السلفیہ بمبئی ۱۹۸۵ ص۲۶۶، ۲۶۷

۴۹۔ المائدہ: ۴

۵۰۔ احمد بن حنبل، مسند، ص ۴/۱۵۴

۵۱۔ امجد علی رضوی، بہار شریعت مکتبہ اسلامیہ لاہور، ص ۱۳۳

۵۲۔ محمد بلال، عرس تصوف اور اسلام، ماہنامہ اشراق، جون ۲۰۰۰، ص ۶

۵۳۔ احمد بن حنبل، مسند، ص ۲/۳۶۸

۵۴۔ مولانا سرفراز خان، راہ سنت ادارہ نشر و اشاعت گوجرانوالہ ۱۹۸۱، ص ۱۷۱

۵۵۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی کراھیۃ ان یتخذ علی القبر مسجداً، الکتب الستۃ، ص ۱۶۸۱، ح ۳۲۰

۵۶۔ احمد بن حنبل، مسند ص ۱/۱۵۰

۵۷۔ الانعام: ۵۰

۵۸۔ الکھف: ۱۱۰

۵۹۔ خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، باب فضائل سید المرسلین ص ۳/۱۲۶ ح ۵۵۱۲

۶۰۔ ترمذی، الجامع الصحیح، کتاب صفۃ القیامۃ، باب حدیث حنظلہ، الکتب الستۃ، ص ۱۹۰۴، ح ۲۵۱۶

۶۱۔ عبدالعزیز بن باز، بدعات و رسوم سے اجتناب، المطبعہ العربیہ لاہور، ص ۸

۶۲۔ الذاریات: ۵۶

۶۳۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر، اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۲۰۰۰، ص ۸

۶۴۔ عماد الدین قریشی، کتاب التحقیق الحسن فی نفی الدعا الاجتماعی بعد الفرائض والسنن، رکن اشاعت توحید والسنۃ بلوچستان ۱۹۸۶ء، ص ۱۰۹

۶۵۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الصیام، باب نہی عن الصوم الدھر، الکتب الستۃ، ص ۸۶۴، ح ۲۸۳۲

۶۶۔ الانفال: ۲

۶۷۔ بحوالہ عبدالغفار حسن، دین میں غلو، رباط العلوم الاسلامیہ کراچی ۱۴۰۳ھ، ص ۱۸

۶۸۔ ابوداؤد، السنن، کتاب الصلوٰۃ، الکتب الستۃ، ص ۱۳۰۴، ح ۱۱۰۱

۶۹۔ احمد بن حجر، بدعات اور ان کا شرعی پوسٹ مارٹم، ص ۲۱۰

۷۰۔ نسائی، سنن، کتاب الحج باب الکلام فی الطواف، ص ۴۶۱

۷۱۔ سید ابوالحسن علی ندوی، ارکان اربعہ مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص ۲۸۹

۷۲۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الصوم، الکتب الستۃ، ص ۱۵۱، ح ۱۹۵۴

۷۳۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الصوم، باب تعجیل الافطار، ص ۱۵۲، ح ۱۹۵۷

۷۴۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاعتصام، باب ما یکرہ من التعمق والغلو فی الدین والبدع الکتب الستۃ، ص ۶۰۸، ح ۲۱۶۹

۷۵۔ دارمی، سنن دارمی، باب فی کراہیہ اخذ الرائی، مکتبہ علمیہ لاہور، ص ۱/۶۸

۷۶۔ مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، کتاب الطہارۃ، باب مسح علی الخفین، الکتب الستۃ، ص ۷۲۴، ح ۷۲۵

۷۷۔ مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، کتاب الحیض، باب جواز الغسل الحائض راس زوجھا الکتب الستۃ، ص ۷۲۸، ح ۲۹۱

۷۸۔ سید سلیمان ندوی، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، دینی کتب خانہ لاہور، ص ۶/۲۹۸

۷۹۔ سید سلیمان ندوی، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۶/۷۷

۸۰۔ الحدید: ۲۷ ۸۱۔ امین احسن اصلاحی، تزکیہ نفس ملک سنز فیصل آباد ۱۹۹۲، ص ۹۸

۸۲۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب سوال جبریل عن الاسلام والایمان والاحسان

۸۳۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی، دعوت دین اور اس کے علمی تقاضے، ص ۲۱۸،۲۱۷

۸۴۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، راہ اعتدال مکتبہ خلیل لاہور، ص ۲۲

۸۵۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، راہ اعتدال، ص ۱۱

۸۶۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ص ۳۳۵

۸۷۔ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم، ص ۲/۸۰

۸۸۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم

۸۹۔ آل عمران: ۷

۹۰۔ امین احسن اصلاحی، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، ص ۲۵

۹۱۔ منیر احمد خلیلی، عصر حاضر کی اسلامی تحریکیں، منظر و پس منظر مکتبہ اردو ڈائجسٹ لاہور، ص ۱۲۴

۹۲۔ محمد اشفاق حسین، معرکہ سنت و بدعت مجلس احیائے سنت ۱۹۸۲، ص ۲۷

۹۳۔ ابوالاعلیٰ مودودی، رسائل و مسائل، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۸۰، ص ۱/۱۹۹

۹۴۔ امین احسن اصلاحی، حقیقت تقویٰ، مکتبہ جدید پریس لاہور، ص ۸

۹۵۔ الجاثیہ: ۲۳

۹۶۔ الاعراف: ۲۸

۹۷۔ الانعام: ۱۱۹

۹۸۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب صلوۃ المسافرین، باب استحباب صلاۃ نافلہ فی بیتہ

۹۹۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الصیام، باب کیف الرد اھل الذمہ بالسلام

۱۰۰۔ امام ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الظن

۱۰۱۔ صدر الدین اصلاحی، اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۶۷، ص ۱۳۸

۱۰۲۔ محمد قطب، اسلام اور جدید ذہن کے شبہات، البدر پبلیکیشنز لاہور، ص ۳۴۹

''دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اُس کا خاتمہ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں''

طاہرہ کوکب، کراچی

مذہبی انتہا پسندی

آج دنیا اپنی تاریخ کے ایک انتہائی سنگین بحران سے گزر رہی ہے۔ آدم کے بیٹوں نے اسے فساد و خون ریزی اور ظلم و جور سے بھر دیا ہے ظهر الفساد فی البر والبحر کا عالم ہے۔ اخلاق و قانون کے معروف ضابطے ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں۔ قوموں کے درمیان بھی اور انسانوں کے درمیان بھی۔ معروف اور منکر کا احساس ختم ہو گیا ہے اس کی تمیز اٹھ گئی ہے۔ بلکہ منکر، معروف بن گیا ہے اور معروف منکر کہیں جنگ کے طبل بج رہے ہیں کہیں قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے کہیں ہوس و انتقام کے ہاتھوں عزت و آبرو کا دامن تار تار ہے۔ معاشرتی زندگی میں لوٹ گھسوٹ اور بدعنوانی کا راج ہے۔ ہوس اقتدار اور نااہلی نے انسانوں کی زندگی کو دکھ مشقت اور پیاس سے بھر دیا ہے۔ عام آدمی کی زندگی سکون اور چین سے محروم ہے ایک طرف فقر و غربت کا یہ عالم ہے کہ بیش تر انسان جانوروں سے بدتر زندگی گزار رہے ہیں دوسری طرف پیسے کی اتنی فراوانی ہے کہ کوئی عیش نہیں جو میسر نہ ہو لیکن غریب ہوں یا امیر سب کی خواہش یہی ہے کہ جو نہیں ہے وہ کسی نہ کسی طرح ملنا چاہیے اور زیادہ سے زیادہ ملنا چاہیے اس ہوس نے جہنم کی آگ کو جو کل عین الیقین سے دیکھی جائے گی آج دلوں کے اندر چہروں پر، گھروں اور بازاروں اور ایوانوں میں اس طرح سلگا دیا ہے کہ دیکھنے والے دیکھ سکتے ہیں زندگی ایک صحرا بن گئی ہے جس میں شیطان نے انسان کو بھٹکا دیا ہے اور وہ حیران و پریشان ہے۔ ہر طرف ظلم و انتہا پسندی کا دور دورہ ہے ہر طرف ظلم و زیادتی، بے ایمانی دھوکہ دہی رشوت اور بدعنوانی، ہوس زر، تنگ دلی، بھائی بھائی کا خون بہا رہا ہے ظلم و بے رحمی اور غیر انسانی سلوک کے ریکارڈ توڑے جا رہے ہیں ہر شخص حیران و پریشان ہے۔ دکھ اس بات کا ہے کہ اس سنگین بحران کا سب سے بڑا حصہ مسلمانوں کے حصہ میں آیا کشمیر، بوسنیا، فلسطین، افغانستان، عراق جیسے مسلمان سراپا درد ہیں۔ جہاں افتراق و انتشار کی آگ بھڑک رہی ہے۔ حکمران اپنی اور غیروں کی خواہشات کے آگے سجدہ ریز ہیں عام آدمی خوف و حزن کا شکار ہو رہا ہے۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے! ''فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْبِهٖ'' ''پس ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہوں کی وجہ سے پکڑا'' وَتِلْكَ الْقُرٰى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ''اور اس بستی کو ہم نے اس وقت ہلاک کیا جب وہ ظلم میں پڑ گئے''۔

دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان تیزی سے امت مسلمہ کی طرف بڑھ رہا ہے اور پوری اقوام عالم کے لیے یہ

رجحان ایک چیلنج ہے۔ اس موضوع پر سیر حاصل بحث کرنا اور اس موضوع کو مختصر مقالے میں سمیٹنا بہت مشکل ہے۔ بہر کیف پورے خلوص سے میں اس موضوع کی وسعت اور ہمہ گیریت پر روشنی ڈالوں گی۔ مجھے اس بات کی بہت خوشی ہے کہ وزارت مذہبی امور نے حضور پاک ﷺ کی سیرت طیبہ کے ان درخشاں گوشوں کو تعلیمات نبوی ﷺ کے ذریعہ اجاگر کرنے کے لیے بہت اہم موضوع کا انتخاب کیا۔

اگر ہم دنیا کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو بہت سے پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں لیکن یہاں پر مذہبی انتہا پسندی کے حوالے سے ایک نظر اسلام سے پہلے کے دور کا مختصر جائزہ پیش کرتی ہوں۔

چھٹی صدی عیسوی میں انسانی دنیا کی عالمگیر تاریکی پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں "اس صدی میں روئے زمین پر کوئی ایسی قوم نظر نہیں آتی تھی کہ جو مزاج کے اعتبار سے صالح کہی جاسکے اور نہ ہی ایسی کوئی سوسائٹی تھی جو شرافت واخلاق کی اعلیٰ قدروں کی حامل ہو اور نہ ایسی کوئی حکومت تھی جس کی بنیاد عدل وانصاف اور رحم پر ہو اور نہ ایسی قیادت تھی جو علم وحکمت اپنے ساتھ رکھتی ہو اور نہ کوئی ایسا صحیح دین تھا جو انبیاء کرام کی طرف صحیح نسبت رکھتا ہو اور ان کی تعلیمات و خصوصیات کا حامل ہو۔ اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں کہیں کہیں عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں اگر کبھی کچھ روشنی نظر آجاتی تھی تو اس کی حیثیت ایسی ہی تھی جیسے برسات کی اندھیری رات میں جگنو چمکتا ہے۔

مختصر یہ کہ جب انسانیت حالت نزاع میں مبتلا تھی اس وقت اللہ جل شانہ نے اپنے آخری رسول و نبی کریم ﷺ کو اس مظلوم انسانیت کا نجات دہندہ بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ لوگوں کو ان گمراہی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے سے نکال کر ہدایت کے نور میں لائے۔

اسلام سے روشن ہے ہر ایک گوشہ دنیا   اندھیر ازمانہ میں تھا اسلام سے پہلے

ارشاد باری تعالیٰ ہے ! "یہ (قرآن) ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ ﷺ پر نازل کیا ہے تاکہ آپ ﷺ تمام لوگوں کو پروردگار کے حکم سے تاریکیوں سے (ہدایت) کے نور کی طرف لائیں یعنی غالب اور قابل ستائش خدا کے راستے کی طرف" کہا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے ذریعہ پھیلا۔ یہ بات کہاں تک درست ہے میں اس کی وضاحت اس طرح کروں گی۔[۴]

اسلام کی اشاعت کیسے ہوئی؟

ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام کیسے پھیلا؟ آنحضرت ﷺ کے اشاعت اسلام کے بارے میں دنیا میں دو نظریات پائے جاتے ہیں۔

پہلا نظریہ: معاندین کا کہنا ہے آنحضرت ﷺ کی جنگیں جارحانہ جنگیں تھیں اور اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔

دوسرا نظریہ: غیر جانبدار تحقیق یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اشاعت اسلام کی غرض سے تلوار نہیں اٹھائی اور آپ ﷺ کی تمام جنگیں مدافعانہ جنگیں تھیں اسلام پھیلا ہے تو قرآن مجید اور دوسرے آپ ﷺ کی روحانی اور اخلاقی قوتوں سے۔[۶]

پروفیسر گوروکل کانگڑی نے اپنی تحقیق میں اظہار کیا ہے

''یہ امر واقع ہے کہ اشاعت اسلام کے لیے کبھی تلوار نہیں اٹھائی گئی۔ اگر مذہب تلوار سے پھیل سکتا تو آج کوئی پھیلا کر دکھادے۔''[۷]

اس آخری فقرے میں کیسی لازوال سچائی بھری ہوئی ہے۔ ''اگر مذہب تلوار سے پھیل سکتا تو آج کوئی پھیلا کر دکھا دے''۔ مذہب اسلام وہ واحد مذہب ہے جو ڈنڈوں کے زور پر نہیں پھیلا بلکہ اپنے ذاتی محاسن سے عالم میں رسوخ و مقبولیت حاصل کی اور جس سرعت کے ساتھ قلوب کو مسخر کیا ہے اس کی نظیر کسی اور مذہب میں نہیں مل سکتی۔ کہیں بھی کسی جگہ بھی تاریخ میں یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ اسلام ظلم و بربریت کا سبق دیتا ہو ہمارا مذہب ہمیں انتہا پسندی نہیں سکھاتا بلکہ شریعت کے اسلامی اصول رسول خدا ﷺ کے اوصاف و حالات اخلاق وطریقہ تعلیم مسلمانوں کا طرز عمل اور اسلام کی حقیقی و روحانی خوبیوں سے آراستہ کرتا ہے۔ تاریخ کی تمام کتابوں میں سابقہ پیشن گوئیاں اور علماء اہل کتاب کی تصدیقیں موجود ہیں شریعت اسلام نے بزور وتخویف کسی کو مسلمان بنانے کی سخت ممانعت کی ہے۔

اگر آج ہم پر یہ الزام لگایا جارہا ہے کہ ہم انتہا پسند لوگ ہیں یا ہمارا معاشرہ انتہا پسند متشدد معاشرہ ہے تو یہ سراسر غلط اور بے بنیاد الزام ہے۔

ڈاکٹر ڈی ڈبلیو لائٹز نے خود قرآن ہی سے ایک مضبوط استدلال کرتے ہوئے لکھا! ''فی الواقع' ان لوگوں کی تمام دلیلیں گر جاتی ہیں جو محض اس بات پر قائم ہیں کہ جہاد کا مقصد تلوار کے ذریعے سے اسلام کا پھیلانا تھا کیونکہ بخلاف اس کے سورۃ حج میں صاف لکھا ہے کہ'' جہاد کا مدعا مسجدوں اور گرجاؤں اور یہودیوں کی عبادت گاہوں اور زاہدوں اور عابدوں (تپشیروں) کی خانقاہوں (تپسیاں شالاؤں) کو بربادی سے محفوظ رکھنا ہے۔[۸] کلام اللہ میں صاف ارشاد ہوتا ہے لا اکراہ فی الدین۔ یعنی دین میں کوئی جبر نہیں۔[۹] آپ ﷺ کی نبوت سے لے کر آپ ﷺ کے وصال تک کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کسی دور میں جبری طور پر مسلمان بنانے کا کوئی ثبوت موجود نہیں جس میں اسلام قبول کرنے کے لیے کسی بھی قسم کی سختی یا جبری تشدد کیا گیا ہو۔

آپ ﷺ نے کبھی کسی کو مارا نہیں، کسی کو قتل نہیں کیا کسی کے ساتھ برائی نہیں کی کسی کا مال نہیں لوٹا کوئی گھر نہیں جلایا۔ کسی پر کبھی جبر و تشدد نہیں کیا قرآن پاک گواہی دیتا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ[۱۰]

پس خدا کی عنایت سے آپ ﷺ ان کے لیے نرم ہیں (اے محمد ﷺ اور اگر آپ کج خلق اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ) جو آس پاس جمع ہوئے ہیں آپ ﷺ کے اردگرد سے ہٹ جاتے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ[۱۱] تمہارے پاس خود تم میں سے ایک پیغمبر آیا جس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گزرتی ہے تمہاری بھلائی کا وہ بھوکا ہے ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔

اقوام عالم میں جو تصادم رونما ہوئے ڈیوڈ روڈ کاف کے مطابق ان رجحانات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

مذہبی تصادم، لسانی تصادم اور تہذیبی تصادم۔[۱۲]

سب سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ ظلم و بربریت اور انتہا پسندی کی ابتدا پہلے کس نے کی؟ مذہب اسلام کے خلاف پہلے تلوار کس نے اٹھائی؟ میں مختصر روشنی ڈالتی ہوں تا کہ اسلام کی ہمہ گیریت واضح ہو سکے۔

انتہا پسندی ظلم و دہشت کی ابتداء

تاریخ گواہ ہے! ظلم و دہشت کی ابتداء اصل میں پہلے کفار مکہ کی طرف سے شروع ہوئی کیونکہ جس وقت اللہ تبارک نے نبی کریم ﷺ کو تبلیغ اسلام کی ذمہ داری سونپی تو آپ ﷺ انتہائی پوشیدہ طور پر نہایت راز داری کے ساتھ تبلیغ اسلام کا فرض ادا فرماتے تھے لیکن کچھ وقت گزرنے کے ساتھ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اے محبوب! آپ ﷺ کو جو حکم دیا گیا ہے اس کو علی الاعلان بیان فرمایئے چنانچہ جب ہمارے نبی ﷺ دین اسلام کی تبلیغ علی الاعلان بیان فرمانے لگے تو تمام کفار کے لوگ آپ ﷺ اور ان کے خاندان کی مخالفت پر کمر بستہ ہوگئے اسی دوران مسلمانوں کی ایذا رسانیوں کا ایک طولانی سلسلہ شروع ہو گیا۔[۱۳]

رحمت عالم ﷺ پر ظلم و ستم

کفار مکہ کے لوگ اور خاندان بنو ہاشم کے درمیان لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا اور کفار مکہ کے لوگ رحمت عالم ﷺ اور ان کے خاندان والوں پر طرح طرح کی تکلیفوں اور ایذا رسانیوں سے آپ ﷺ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے لگے۔ ایسے ایسے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے کہ مکہ کی زمین بلبلا اٹھی یہ نہایت ہی بدترین مظالم تھے جن کی نظیر ہمیں تاریخ میں نہیں ملتی کیونکہ کفار مکہ اپنی شان سمجھتے کہ مسلمانوں میں اتنی دہشت پیدا کر دی جائے کہ یہ اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں۔[۱۴] (زرقانی ج/۱ص ۲۵۲ بخاری ج/۲)

وہ سارے مظالم جو گزشتہ انبیاء پر علیحدہ علیحدہ توڑے گئے اس ایک نبی ﷺ اور اس کی جماعت پر توڑے گئے۔ انہیں چلچلاتی دھوپ میں تپتی ریت پر ننگے بدن لٹایا گیا اور ان کی چھاتیوں پر دہکتے ہوئے پتھروں کی سلیں رکھی گئیں۔ انہیں مکہ کی پتھریلی گلیوں میں مرے ہوئے جانوروں کی طرح رسیاں باندھ کر گھسیٹا گیا۔ سالہا سال تک ان کے مقاطعے کیے گئے۔ انہیں بھوک اور پیاس کی شدید اذیتیں پہنچائی گئیں۔ کبھی ان کو تنگ اندھیری کوٹھریوں میں قید کیا گیا اور کبھی ان کے اموال و متاع لوٹ کر گھروں سے نکال دیا گیا۔ کبھی بیویوں کو خاوند سے چھڑایا گیا کبھی خاوندوں کو بیویوں سے علیحدہ کر دیا گیا۔ مقدس حاملہ عورتوں کو اونٹنیوں سے گرا کر ان پر قہقہے لگائے گئے اور وہ اس صدمہ سے جاں بحق ہوگئیں۔ ان پر عبادت کے دوران اونٹوں کی اوجھڑیاں پھینکی گئیں۔ ان کو گالیاں دی گئیں اور گلیوں کے اوباشوں نے ان کی تحقیر اور تذلیل کی۔ دنیا کے ذلیل ترین آوارہ لونڈوں نے جھولیوں میں بھر بھر کر ان پر پتھر برسائے۔ یہاں تک کہ دنیا کا مقدس ترین خون طائف کی گلیوں میں بہایا گیا۔[۱۵]

چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ط[۱۶]

''کہ ان مذہب کے جھوٹے دعویداروں سے بھی زیادہ ظالم کوئی ہوسکتا ہے کہ خدا کا نام لے لے کر خدا ہی کی عبادت سے روکتے ہیں اور مسجدوں میں اس کے ذکر کو بلند کرنے سے منع کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ وہ ویران ہو جائیں''۔

حضرت بلالؓ پر ظلم

حضرت بلالؓ جو امیر بن خلف کافر کے غلام تھے کفار کے لوگ ان کی گردن میں رسی باندھ کر کوچہ بازاروں میں انہیں بری طرح گھسیٹتے ان کی پیٹھ پر لاٹھیاں برسائی جاتی تھیں ٹھیک دوپہر کے وقت تیز دھوپ میں گرم گرم ریت پر ان کو لٹا کر اتنا بھاری پتھر ان کی چھاتی پر رکھ دیا جاتا تھا کہ ان کی زبان باہر نکل آتی تھی۔ کافروں کا کہنا تھا اب بھی اسلام سے باز آ جاؤ ورنہ گھٹ گھٹ کر مارے جاؤ گے مگر اس حال میں بھی حضرت بلالؓ کی پیشانی پر بل نہیں آتا بلکہ آپؓ زور زور سے احد احد کا نعرہ لگاتے اور بلند آواز سے کہتے کہ خدا ایک ہے خدا ایک ہے۔[۱۷] یہاں تک کہ کفار نے مسلمانوں پر ظلم وستم کا کوئی دقیقہ باقی نہ رہنے دیا لوہا آگ میں گرم کر کے اس سے مسلمانوں کے جسموں کو داغا جاتا، کوئلے کے انگاروں پر ان کو چت لٹا کر ان کے سینوں پر پاؤں رکھ کر کھڑے ہو جایا کرتے یہاں تک کہ ان کی پیٹھ کی چربی اور رطوبت سے کوئلے بجھ جاتے برسوں کے بعد جب حضرت خبابؓ نے یہ واقعہ حضرت امیر المومنین عمرؓ کے سامنے بیان کیا تو اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی پوری پیٹھ پر سفید سفید داغ دھبے پڑے ہوئے دکھائی دیئے اس عبرت ناک منظر کو دیکھ کر حضرت عمرؓ کا دل بھر آیا اور وہ رو پڑے۔[۱۸]

حضرت عمار بن یاسرؓ پر ظلم

حضرت عمار بن یاسرؓ کو گرم گرم بالو پر چت لٹا کر کفار قریش اس طرح مارتے کہ آپؓ بے ہوش ہو جاتے۔ حضرت صہیب رومیؓ غریب لونڈی تھیں انہیں بھی اس قدر مارا جاتا کہ وہ لوگ خود بے ہوش ہو جاتے اور جب ہوش آتا تو دوبارہ انہیں مارنا شروع کر دیتے۔ حضرت زنیسرہؓ کو کافروں نے اتنا مارا کہ ان کی آنکھوں کی روشنی جاتی رہی مگر خدا تعالیٰ نے حضورﷺ کی دعا سے پھر ان کی آنکھوں میں روشنی عطا فرمائی۔ مشرکین کہنے لگے کہ یہ آپ کے جادو کا اثر ہے۔[۱۹]

ڈاکٹر حمید اللہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ آنحضرتﷺ کے چچا حمزہؓ کو ایک دن شکار سے واپسی پر اطلاع ملی کہ آنحضرتﷺ کے ساتھ ابوجہل نے استہزاء اور جسمانی ایذا رسانی کی ہے اس وقت حمزہؓ اسلام نہیں لائے تھے اس اطلاع پر وہ یکا یک بھرے ہاتھ میں کمان تھی اس سے ابوجہل کو حرم کعبہ میں بری طرح مارا اور کہا کہ اچھا اب میں بھی مسلمان ہوتا ہوں کسی کی ہمت ہو تو میرے سامنے آئے۔[۲۰] یہ دیکھ کر قبیلہ بنی مخزوم کے کچھ لوگ ابوجہل کی مدد کے لیے کھڑے ہو گئے تو ابوجہل نے یہ سوچ کر کہیں بنو ہاشم سے جنگ نہ چھڑ جائے یہ کہا کہ اے بنی مخزوم! آپ لوگ حمزہ کو چھوڑ دیجئے۔[۲۱] یہ وہ مختصر تاریخ ہے جو ہمیں بتاتی ہے کہ ظلم و دہشت کی اصل ابتداء کفار کی طرف سے ہوئی۔ مسلسل تین سال تک آپﷺ اور ان کے اہل خانہ کفار کے ظلم و تشدد اور مصائب جھیلتے رہے یہ دور انتہائی مظلومیت کا دور رہا ہے ہم اس تاریخ کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے اور دیگر اسلام کے اشد ترین معاندین بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ کسی بھی دور میں مسلمانوں نے ظلم کے معاملے میں کسی بھی طرح کی پہل کی ہو ہاں یہ ضرور تھا

کہ دشمنان اسلام کی تلوار کے خوف کے باوجود بہت سے متلاشیان حق اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ آج یہ کہا جا رہا ہے کہ مسلمان انتہا پسند ہیں جبکہ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ مسلمانوں نے کبھی کسی پر ظلم کرنے میں پہل نہیں کی۔

آپ ﷺ ہمیشہ مسلمانوں کو صبر کا حکم فرماتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو تربیت فرمائی اور آپ ﷺ نے سب انسانوں کو تربیت فرمائی آپ ﷺ نے انسان کا احترام کیا اور انسانوں کی بات کی آپ کی باتیں سن کر انسان حیران ہوتا ہے۔

تم (بدخواہوں اور دشمنوں) کو چھوڑ دو اور درگزر کرو[۲۲]۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا! جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اللہ اس پر رحم نہیں کرتا۔[۲۳] تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔[۲۴] تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوگا جب تک کہ اور لوگوں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔[۲۵] لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو تاکہ تم مسلمان ہو جاؤ۔[۲۶] آپس میں ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو، ایک دوسرے پر حسد نہ کرو اور ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو اور سب مل کر خدا کے بندے ہو جاؤ اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔[۲۷] آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ! ''مجھے میرے رب نے حکم دیا کہ جو کوئی مجھ پر ظلم کرے میں اسے قدرت انتقام کے باوجود معاف کردوں، جو مجھ سے قطع تعلق کرے میں اسے ملاؤں، جو مجھے محروم رکھے میں اسے عطا کروں۔ غضب اور خوشنودی دونوں حالتوں میں حق گوئی کو شیوہ بناؤں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ ﷺ مشرکین مکہ کے حق میں بددعا فرمائیں، ارشاد فرمایا! ''میں رحمت ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا۔

پنڈت گوال کرشن تعلیمات نبوی ﷺ کے اثرات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں! یہ بھی آپ ﷺ ہی کی کرپا (مہربانی) تھی کہ عرب کے ظالم لٹیرے اعلیٰ اوصاف والے ''مہنت'' اور ''سوامی'' بن گئے۔ اور آپ ﷺ نے عربوں میں وہ جوہر پیدا کر دیا جو ایک ہی سمے (وقت) میں آدمی کی آتما (روح) کی سدھار کا کام بھی کرے اور اسے جرنیل، کمانڈر اور چیف جسٹس بھی بنا دے۔[۲۸] اہل مکہ نے آپ ﷺ کو اپنے گھر سے نکالا آپ ﷺ کے صحابہؓ کو قتل کیا، ہر قسم کی سازش کی تین دفعہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کو ختم کرنے کے لیے مدینہ پر بڑے بڑے حملے کیے لیکن فتح مکہ کے موقع پر تمام دشمن آپ ﷺ کے قابو میں آ چکے تھے اور سب یہ خیال کر رہے تھے کہ آج اہل مکہ کا قتل عام ہوگا، مگر آپ ﷺ نے کیا سلوک کیا؟ اسے غیر مسلموں کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔

Stanley Lane Pole لکھتے ہیں۔

"Facts are hard things; and it is a fact that the day of Mohammad's greatest triumph over his enemies was also the day of his grandest victory over himself. He freely forgave the Qureysh all the years of sorrow and cruel scorn they had inflicted on him: he gave amnesty to the whole population of Mekka.[۲۹]

ترجمہ: حقیقتیں بڑی کٹھن ہوتی ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ حضور انور ﷺ کا اپنے دشمنوں پر عظیم ترین فتح و نصرت کا دن

خود اپنی ذات پر نہایت ہی شاندار کامیابی کا دن تھا۔ آپ ﷺ نے نہایت فراخدلی کے ساتھ قریش کو معاف کر دیا۔ سالوں جس غم والم میں آپ ﷺ کو مبتلا کیا گیا، جس نفرت وحقارت سے آپ ﷺ کو دیکھا گیا، جو ظلم وستم آپ ﷺ پر ڈھایا گیا، آپ ﷺ نے سب کچھ معاف کر دیا۔ آپ ﷺ نے مکہ کی ساری آبادی کو عام معافی دے دی۔

اور۔ ایس۔ پی اسکاٹ S.P. Scott لکھتے ہیں

His magnanimity and the profound knowledge of human heart, which stamped him a leader of men were evident by his noble conduct and princely liberation to the Quraish after the Conquest of Mekkl [۳۱]

ترجمہ: آپ ﷺ کی دریا دلی اور انسانی ضمیر کے گہرے ادراک نے آپ ﷺ کو نوع انسانی کا ممتاز رہبر ثابت کر دیا، جس پر آپ ﷺ کا شریفانہ کردار اور فتح مکہ کے وقت قریش مکہ کی شاہانہ معافی گواہ ہے۔ ڈاکٹر گستاف وائل Gustav Weil [۳۲] ڈاکٹر ڈبلیو۔ سی۔ ٹیلر W.C. Taylor [۳۳] وغیرہ نے بھی حضور انور ﷺ کے اس فیاضانہ برتاؤ کا ذکر کیا ہے۔ فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ چاہتے تو اپنے وطن مکہ ہی میں رہتے مگر رواداری اور دل داری کی یہ شان دکھائی کہ اپنے وطن کو چھوڑ کر مدینہ والوں کے ساتھ مدینہ چلے گئے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہیں آرام فرمایا۔

میں یہ دعوے سے کہتی ہوں! کہ اگر آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور تک کی ساری مذہبی تاریخ بھی مٹا دی جائے تو بھی اس بزرگ ہستی سرور کونین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چند سالہ تاریخ ہی اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ مذہب انسان کو ہرگز نفرت نہیں سکھاتا۔ ظلم وتعدی اور شقاوت اور سفا کی کا سبق نہیں دیتا بلکہ اس کے برعکس رحم اور شفقت اور صبر اور بردباری کی تعلیم دیتا ہے صرف اسی پر بس نہیں بلکہ وہ رحمۃ اللعالمین ظلم کے انسداد کے لیے ایک قدم اور آگے بڑھے اور خدا سے وحی پاکر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ اعلان عام کر دیا۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْتَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا [۳۴] کہ دین میں کوئی جبر نہیں حق اپنی تمام صداقتوں کے ساتھ واضح ہو چکا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں اور دلائل سیرت النبی کے واقعات کی روشنی میں ہمارے لیے رسول پاک ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے یہ راستہ نکلتا ہے کہ اسلام ہمیں کسی پر جابرانہ حملہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا لیکن اگر جو بھی ہم پر حملہ کرے ہم اس کی پوری مداخلت کرنے کا حق رکھتے ہیں اور اپنا دفاع بھی کر سکتے ہیں۔

۲ ہجری تاریخ اسلام کا یادگار دن جس میں اللہ کریم نے مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے کی اجازت دی اور یہ آیت نازل فرمائی!

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ [۳۵] ''اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم لوگوں سے لڑتے ہیں''۔

مذہبی انتہا پسندی کے رجحانات اور اس کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

آج ہماری ملت اسلامیہ شدید بحران وانتشار میں مبتلا ہے تمام مغربی ممالک مسلمانوں کو انتہا پسند اور دہشت گرد قرار

دے رہے ہیں اپنے خیالات ونظریات کا دفاع کرنے کے لیے کلاشنکوف اور اسلحہ کا استعمال کیا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں وسیع پیمانے پر مسلمانوں کا قتل عام اور بنیادی حقوق کو سلب کیا جانا یہ انتہا پسندی کا رجحان انسانی جانوں کے لیے اور ملت اسلامیہ کے لیے سخت خطرے کی علامت ہے وہیں ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھرتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ ہم نے یہ کبھی سوچا کہ یہ منفی صورتحال آخر ہم مسلمانوں کو کیوں درپیش ہے؟ ''برق بے چارے مسلمانوں کے آشیانے پر ہی کیوں گر رہی ہے''۔ اغیار کے عشرت کدے برق بارو باراں حتیٰ کہ شعلہ شرربار سے محفوظ رہتے ہیں اور روز غفلت و بے حس کے باعث ہمارا مذہبی ملی وقومی احساس ختم ہوتا جا رہا ہے۔

وائے ناکامی متاع کارروان جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا [۳۵]

موجودہ دور پر اگر ہم نظر ڈالیں تو ہمارے اندر اضطراب و بے چینی کی کیفیت پیدا ہو گی جو ہمارے معاشرے کا اہم حصہ بن چکی ہے۔ آج ہم میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں میں جو انتشار و افتراق کا اندھیرا ہے وہ دور ہو جائے۔ ہمارے اندر اتفاق ومحبت کی روشنی ہو صلح و امن کے مذاکرے ہوں۔ ان پاکیزہ مقاصد کے لیے کوشش کرنا ہے۔ غرض ہر طرح عقلی وفکری و مالی وسائل کو بروئے کار لایا جاتا ہے لیکن ایک انتہائی ضروری اقدام کی طرف اس کی توجہ نہیں جاتی انسان جتنی محنت ولگن دوڑ دھوپ اور جدوجہد کے ساتھ وہ اتفاق و اتحاد کے اصول مرتب کرتا ہے اتنی محنت اور کوشش ان اسباب کو دور کرنے میں نہیں کرتا جو کسی بھی وقت انتشار و افتراق کی آگ لگا کر اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کر سکتے ہیں۔[۳۶] میں سمجھتی ہوں کہ انتہا پسندی کے رجحانات بڑھنے کی اصل وجہ ہمارے مسلمانوں میں باہمی اتحاد کا فقدان ہے۔

انسان اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس کا نائب ہے مالک تو صرف اور صرف خدا تعالیٰ ہے۔ دنیوی زندگی میں انسان کی کامیابی کا انحصار صرف اسی میں ہے کہ وہ اپنے اللہ کی فرمانبرداری میں لگ جائے اور اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے بتائے ہوئے احکامات کے تابع رہ کر اپنی اجتماعی اور انفرادی زندگی بسر کرے۔[۳۷] ارشاد باری تعالیٰ ہے! ''وہ اللہ ہی ہے جس نے تم کو زمین میں اپنا نائب بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض کو اونچے درجے دیئے تاکہ جو کچھ اس نے تم کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔[۳۸]

وہ آخر کون سے اسباب ہیں جس کی وجہ سے مذہبی انتہا پسندی کے رجحانات بڑھ رہے ہیں۔ میرے خیال سے اس کے مندرجہ ذیل اسباب ہیں۔

جاہلیت کی پیداوار، ضد، ہٹ دھرمی، انانیت اور غرور و تکبر یہ وہ رکاوٹیں ہیں جو مسلمانوں کے باہمی اتحاد میں حائل ہو رہی ہیں۔ ہمارے لیے یہ پہلو بھی بہت افسوس ناک ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں گزشتہ کئی صدیوں سے مسلمانوں کے درمیان مخاصمہ ومجادلہ لڑائی و جھگڑا بحث وتکرار انتشار و التفراق کی آگ بھڑک رہی ہے اقوام عالم کے تمام مسلمانوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا جانا اس کے پیچھے بھی چند افراد انانیت وضدیت اور ہٹ دھرمی کا گھناؤنا کردار پوشیدہ ہے۔ جس کے نتیجے میں ہزاروں مسلمانوں بلکہ لاکھوں مسلمانوں کو منافقت فی العقیدہ کی سزا مل رہی ہے۔ جبکہ ہمارے معاشرے میں انتشار و افتراق کو ختم کرنے کا حل موجود ہے اور ہم چاہیں تو اس کا خاتمہ بھی کر سکتے ہیں اس کے لیے ہمیں اپنے اتفاق و اتحاد کے راستوں کو کشادہ کرنا ہوگا۔[۳۹]

۱۹۹۵ء سے لے کر اب تک پاکستان کی اہم شخصیات فرقہ واریت اور دہشت گردی کی نذر ہو چکی ہیں۔ یہ ہمارے لیے ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ ہماری صفوں میں خود اتحاد کا فقدان ہے یہی وجہ ہے کہ انتہا پسندی کا یہ رجحان بڑھ رہا ہے اس کی چند وجوہات کا میں ذکر کروں گی۔

۱۔ ملکی مفادات پر ذاتی مفادات کو ترجیح دی جا رہی ہے۔

۲۔ ایک دوسرے کے خلاف فتویٰ بازی کا سلسلہ جاری ہے۔

۳۔ دن بدن بے روزگاری کے بڑھتے ہوئے رجحان نے بھی لوگوں کو انتہا پسندی کی طرف مائل کیا ہے۔

۴۔ غربت میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

۵۔ منشیات کی تجارت۔

۶۔ زکوٰۃ فنڈ کا غلط ہاتھوں میں گردش کرنا

۷۔ مدارس میں فرقہ وارانہ نصاب کی تعلیم کا عام ہونا

۸۔ مدارس میں فوجی تربیت کے پروگرام دیئے جا رہے ہیں۔

۹۔ تعلیمی فقدان

۱۰۔ تعصب واقربا پروری کا رجحان

۱۱۔ پولیس میں جرائم پیشہ افراد کی موجودگی

۱۲۔ دہشت گردی اور ضد دہشت سے عدم واقفیت

۱۳۔ جذبہ حب الوطنی کی عدم موجودگی۔

۱۴۔ ناقص سیکیورٹی نظام

۱۵۔ محکمہ پولیس میں سیاسی مداخلت

۱۶۔ بازاروں میں فرقہ وارانہ لٹریچر کی اشاعت میں روز بروز اضافہ

۱۷۔ اخبارات و رسائل کا کردار انتہا پسندی کے فروغ کا ذریعہ بن رہا ہے۔

۱۸۔ دینی مدارس میں فرقہ وارانہ درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہے۔

۱۹۔ پولیس، انتظامیہ اور بیوروکریسی میں فرقہ وارانہ عناصر کی موجودگی۔

۲۰۔ کشمیر اور افغانستان کی صورتحال

۲۱۔ ہمسایہ ممالک کے ساتھ تعلقات

۲۲۔ قبضہ گروپوں کی سیاسی سرپرستی

۲۳۔ جاسوسی کی دنیا میں بے روزگاری

۲۴۔فرقہ وارانہ تنظیموں کا غیر ملکی خفیہ اداروں سے روابط

۲۵۔پاکستان میں بعض غیر ملکی سفارتخانوں کی مشکوک سرگرمیاں

یہ تمام وجوہات ہیں جو مذہبی انتہا پسندی کو ہوا دے رہی ہیں۔[۵۹]

مختلف ممالک میں مذہبی انتہا پسندی کے رجحانات

امریکہ میں انتہا پسندی

اس حوالے سے امریکی ریکارڈ بہت خراب ہے امریکہ دنیا کا واحد سپر پاور ملک ہے اور یہ وقتاً فوقتاً بہت سے ممالک پر حملہ کر چکا ہے۔اس نے اپنی ہٹ دھرمی کی پالیسی سے خونریزی کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے اس نے دنیا کو تباہی کے سوا اور کچھ نہ دیا۔ جبکہ یہ اپنے آپ کو انسانی حقوق کا چیمپئن سمجھتا ہے۔اب تک امریکہ ۲۳ ممالک پر اپنی جارحانہ بم باری کر چکا ہے۔[۶۰] اسامہ کے تعاقب میں افغانستان وسوڈان میں تباہی مچائی اب عراق میں اور اس سے پہلے بیت المقدس الجزائر مصر میں بہنے والا خون دنیا کے سامنے۔ یہ کہنا غلط ہوگا کہ امریکہ کوئی روادار ملک ہے۔ یہ ملک نہایت ہی ظالم جابر اور اپنی اجارہ داری مسلط کرنے والا ملک ہے۔

روس

روس میں مذہبی انتہا پسندی کے رجحانات نے روس کے اپنے قیام سے اب تک دنیا کو سوائے خونریزی، جبر اور تباہی کے کچھ نہیں دیا۔ عالمگیر جنگی تباہی میں روس کا بھی اتنا ہی حصہ ہے جتنا جرمن اور امریکہ کا۔ روس نے اس تباہی سے کوئی سبق حاصل نہ کیا۔روس نے چیچنیا کے مسلمانوں کے ساتھ جو ظلم ڈھائے اسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

یوگوسلاویہ

پہلے بوسنیا میں مسلمانوں کا قتل عام کیا اب سوویت یونین میں مسلمانوں کا قتل عام جاری ہے۔صرف اس لیے کہ یہ مسلمان ہیں۔دنیا جو پہلے بھی تماشا دیکھ رہی تھی اب بھی تماشائی کا کردار ادا کر رہی ہے۔

بھارت کی انتہا پسندی:

جو ہر وقت پاکستان کے خلاف سازشوں میں مصروف عمل رہتا ہے مسلمانوں کو دل سے تسلیم نہیں کرتا آئے دن سرحدود پر جھڑپیں ہوتی ہیں سارک کانفرنس کے بعد سے صورتحال کچھ بہتر ہے۔لیکن اس نے ہمارے ملک پاکستان کو دل سے کبھی تسلیم نہیں کیا۔

مختلف ممالک میں خواتین کے ساتھ انتہا پسندی کے رجحانات:

اسلام نے خواتین کو ایک عزت وقار عطا کیا جو کسی اور مذہب میں نہیں۔ بحیثیت ایک خاتون کے میں اس پہلو پر مختصر طور پر آپ حضرات کی توجہ مبذول کرنا چاہوں گی امریکی میڈیکل ایسوسی ایشن کی ایک تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق امریکہ میں ہر سال ۸ لاکھ خواتین زنا بالجبر کا شکار ہوتیں ہیں، ہر پندرہ سیکنڈ بعد ایک خاتون بے آبرو ہوتی ہے۔ان میں ۱۹ تا ۲۱ سال کی عمر کی زیا

دہ ہیں روزانہ ۱۵ سے ۲۵ سال عمر کی خواتین کی لاشیں ملتی ہیں، گزشتہ سال ۱۵۰۰ خواتین کو قتل کیا گیا۔[۴۲] خواتین کے بارے جتنی اعلیٰ رواداری کی تعلیمات اسلام دیتا ہے اتنا دنیا کا کوئی ملک یا مذہب نہیں دیتا۔ مگر اس کے باوجود یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے خواتین سے بدسلوکی میں مسلم ممالک غیر مسلم ممالک سے کسی طرح پیچھے نہیں، بنگلہ دیش سے خواتین فروخت کے لیے دیگر ممالک لے جائی جاتی ہیں، اسی طرح بعض عرب ممالک میں گھریلو ملازمت کے لیے جو خواتین آتی ہیں انہیں جنسی وجسمانی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ قید کر کے رکھا جاتا ہے۔ دوسروں کو کیا کہیں خود ہمارے ملک میں جو سلوک کیا جاتا ہے یہ اسلام کے نام پر دھبہ ہے۔ خواتین کی قرآن سے شادی کروائی جاتی ہے۔ ''کاروکاری'' کے نام پر خواتین کا قتل جائز سمجھا جاتا ہے۔ جہیز نہ لانے پر چولہوں کا لقمہ اجل بنایا جاتا ہے۔ انسانی حقوق کی سالانہ رپورٹ مطالعہ کریں تو سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ پاکستان ہیومن رائٹس کمیشن نے ۱۹۹۸ء کی رپورٹ جاری کی ہے جس کے مطابق ۲۰۰۰ خواتین ایک سال میں قتل ہوئیں اور ۱۴۰۰ جنسی تشدد کا نشانہ بنیں۔[۴۳] خواتین بھی اس معاشرہ کا حصہ ہیں انہیں باوقار مقام نہیں دیا گیا جس کی وجہ سے آج اسلام کے خلاف خواتین کے نام سے دنیا بھر میں پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے، لہٰذا اس پر سخت توجہ کی ضرورت ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

صبح کی خاطر روتے روتے شبنم جب بے حال ہوئی   صبح ہوئی تو سب سے پہلے شبنم ہی پامال ہوئی

انتہا پسندی کی ممانعت قرآن کریم کی روشنی میں

لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ[۴۴] یعنی دین میں کوئی جبر نہیں۔ اسلام میں انتہا پسندی کی کوئی گنجائش نہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے!

وَلَوْشَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّهُمْ جَمِیْعًا اَفَاَنْتَ تُکْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ[۴۵] ''اگر آپ ﷺ کا رب چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔ کیا آپ ﷺ لوگوں کو اس بات پر مجبور کریں گے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔'' جب اللہ کے رسول کے لیے یہ حکم ہے تو ہم کون ہوتے ہیں دین کے بارے میں زبردستی کرنے والے۔ اسلام کی حقیقی تعلیمات یہی ہیں کہ دین کے بارے میں جبر و تشدد کی قطعاً اجازت نہیں۔ تبلیغ اسلام ضروری ہے کس انداز سے، آیت قرآنی پر غور کیجیے۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ[۴۶]
ترجمہ: آپ ﷺ حکمت اور عمدہ نصیحتوں کے ذریعہ (لوگوں) کو اللہ کی طرف بلایئے اور ان سے اچھے طریقے سے بحث کیجیے۔
اسلام تو محبت و پیار کا مذہب ہے آشتی و امن کا مذہب ہے اسلام سب کا مذہب ہے اسلام ایسا مذہب ہے جس کی برابری کوئی مذہب بھی نہیں کر سکتا یہ مذہب ہم سب کا ہے سب اس مذہب کے ہیں۔ قرآن حکیم نے خدا کا یہ تصور دیا کہ وہ رحمٰن و رحیم ہے، مہربان ہے بہت ہی مہربان ہے۔ رب العالمین ہے[۴۷] وہ تمام جہانوں کا پالنے والا اس نے اپنے لیے رحم و کرم کو طے کر لیا[۴۸] وہ اپنے بندوں کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے[۴۹] اور حضرت محمد ﷺ کے لیے یہ تصور دیا کہ کسی فرقے یا جماعت کے لیے نہیں بلکہ سارے انسانوں کے لیے آپ ﷺ رحمت بن کر تشریف لائے ہیں[۵۰] آپ ﷺ سارے جہانوں کے لیے باعث رحمت ہیں[۵۱]

اور قرآن حکیم نے اپنے لیے یہ تصور دیا کہ یہ سارے انسانوں کے لیے نازل ہوا ہے اس میں سارے انسانوں کے لیے صحت و نصیحت اور ہدایت و رحمت ہے[۵۲] قرآن کریم کے ان تصورات میں سارے انسانوں کے لیے بڑی کشش ہے ان تصورات میں عالم گیریت ہے یہ تصورات سارے جہاں کو سمیٹے ہوئے ہیں۔ ہم قرآن کی روشنی میں دنیا کو امن کا گہوارہ بنا سکتے ہیں۔ وہ دنیا جو بے چین و مضطرب ہے۔ جہاں ظلم ہی ظلم ہے۔ انتہا پسندی کا عروج ہے۔ پیار نہیں۔ محبت نہیں۔ سہارا نہیں ہر آنکھ محبت کو ترس رہی ہے ایک دوسرے سے محبت و الفت کا جذبہ اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب ہم ایک دوسرے سے پیار کریں۔ قرآن کریم نے ہمیں یہ بتایا کہ انسانی جان کتنی عظیم ہے بہت عظیم جس نے انسان کو قتل کیا گویا اس نے سارے انسانوں کو قتل کر دیا۔ قرآن کی آواز کان لگا کر سنیے جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور جس نے ایک جان کو زندہ رکھا تو گویا اس نے سب جانوں کو زندہ رکھا۔[۵۳] ایک اور جگہ فرمایا! جس جان کی اللہ نے حرمت رکھی اسے ناحق نہ مارو۔[۵۴] قرآن کریم میں بار بار فرمایا گیا اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔[۵۵] اس لیے تم بھی فساد کو نہ چاہو۔[۵۶] قرآن حکیم نے انسانوں کو ایک طرف فساد سے روکا اور دوسری طرف عفوودرگزر کا سبق بھی دیا۔ بہت پیارے انداز سے سمجھایا۔ ''اور نیکی و بدی برابر نہیں، برائی کو بھلائی سے ٹالو تو پھر دیکھنا کہ تم میں اور اس میں جیسے تم سے دشمنی تھی اسے محبت ہو جائے گی جیسے بہت گہرے دوست ساتھی۔[۵۷]

قرآن حکیم ہمیں درس دیتا ہے مساوات کا، اخوت کا، بھائی چارے کا اور یہی اخوت و محبت ایمان کا کل جزو ہیں۔ اسی لیے قرآن حکیم میں ایک اور جگہ فرمایا گیا۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ[۵۸]

"تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں پس تم آپس میں بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو"۔

اللہ تبارک تعالیٰ ہم مسلمانوں کو بھائی بھائی ہونے کا درس دے رہے ہیں۔ ایک اور جگہ فرمایا! ''آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرتے رہو اللہ پاک صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔[۵۹] ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں! اللہ تبارک کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھنا اور آپس میں نااتفاقی نہیں کرنا۔[۶۰] اللہ تبارک زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا[۶۱] اسی لیے فرمایا کہ ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔[۶۲] یہاں پر قرآن حکیم نے مسلمانوں کو خبردار کیا! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔[۶۳] صرف یہی نہیں بلکہ ہوگا یہ کہ ظالم کو اس کے ظلم کرنے کی سزا اس کو آخرت میں ضرور ملے گی کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں ناؤ کاغذ کی کبھی چلتی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتے ہیں تاکہ وہ مہلت ملنے پر ظلم سے باز آ جائے لیکن وہ نہیں سمجھتا کہ اچانک اس پر عذاب نازل کر دیا جاتا ہے اور اس طرح سے ظالم کی کشتی ظلم سے بھر کر ڈوب جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا! ''ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا''۔[۶۴] اس لیے قرآن حکیم نے ایک اور جگہ انسانوں کو مخاطب کیا کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو فرقہ بندی نہ کرو''۔[۶۵] اللہ تبارک تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم قرآن حکیم کی تعلیمات پر خلوص نیت سے عمل پیرا ہوں اور ان تعلیمات کے ذریعے دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کے اس بڑھتے ہوئے رجحانات کا خاتمہ کر سکیں۔

انتہا پسندی کی ممانعت تعلیمات نبوی کی روشنی میں:

اللہ تبارک تعالیٰ نے پوری اقوام عالم کے لیے سرور کونین نبی کریم ﷺ کو نمونہ بنایا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے "تمہارے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت میں بہترین نمونہ ہے"[66] اور آپ ﷺ سے بار بار فرمایا! تو تم بدخواہوں اور دشمنوں کو چھوڑ دو اور درگزر کرو[67] اے پیارے نبی ﷺ معاف کرنا اپنی عادت بنالو اور بھلائی کا حکم دیتے رہو۔[68] آپ ﷺ نے فرمایا جس نے کسی زیر معاہد غیر مسلم کو قتل کیا جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا۔[69] رسول اکرم ﷺ کی امن پسندی کی ایسی بہت سی مثالیں تاریخ میں ہمیں ملیں گی۔ آج دنیا میں امن و آشتی اخوت و اتحاد کی اشد ضرورت ہے۔[70] مسلم شریف میں حدیث نبوی ﷺ منقول ہے! اللہ اس قوم کو تقدس نہیں بخشتا جس میں کمزور کے حقوق محفوظ نہ ہوں"۔[71] حضرت انسؓ اور حضرت عبداللہؓ کی روایت سے رقوم ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا! "اللہ تعالیٰ کے عیال نہیں لیکن اس سے بڑھ کر اس کے لیے اس کی مخلوق ہے اس تمام مخلوق میں اللہ کو سب سے پیارا وہ ہے جن کی نظروں میں اس کی تمام مخلوق سب سے پیاری ہو۔[72] (حدیث نبوی ﷺ)

ایک اور جگہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا! "تم اپنے بھائی کی مدد کرو جب وہ ظالم ہو تب بھی اور جب وہ مظلوم ہو تب بھی لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو سمجھ میں آ گیا کہ ہم اس کی مدد کریں لیکن جب وہ ظالم ہو تو کیا کریں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اس کا ہاتھ پکڑ لو تاکہ وہ ظلم سے رک جائے۔[73] تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔[74] نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے! مجھے میرے رب نے حکم دیا کہ جو کوئی مجھ پر ظلم کرے میں اسے قدرت انتقام کے باوجود معاف کردوں جو مجھ سے قطع تعلق کرے میں اسے ملاؤں جو مجھے محروم رکھے میں اسے عطا کروں۔[75] یعنی ہمیں اس میں نبی ﷺ کی یہ تعلیمات ملیں کہ خود غرضی انسان کو ظلم پر اکساتی ہے اور ظلم غضب پر آمادہ کرتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ظلم کرنا قیامت کے اندھیروں کا سبب بن جائے گا۔ اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جس نے جان بوجھ کر ظالم کی مدد کی وہ اسلام سے نکل گیا۔ مسلمان تو وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔[76] ابوسعید خدریؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اس کو ہاتھ سے درست کرے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اپنی زبان سے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو اپنے دل سے (برا جانے) یہ ایمان کا آخری درجہ ہے کہ اسے برا سمجھے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا! اپنے بھائی کی مدد کرو ظالم ہو یا مظلوم یعنی ظالم ہے تو ظلم سے اس کو روکو اگر وہ مظلوم ہے تو اس کو ظلم سے بچاؤ حضرت براءبن عازب فرماتے ہیں نبی پاک ﷺ نے ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا ہے اس میں ایک یہ ہے کہ مظلوم کی مدد کی جائے۔[77] اور ایک جگہ نبی ﷺ نے فرمایا! مظلوم کی دعا قبول ہوتی ہے اگرچہ وہ مظلوم کافر ہی کیوں نہ ہو۔[78]

یہ وہ تعلیمات تھیں جو نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو دی تھیں ان تعلیمات سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اسلام انتہا پسندی کا مذہب نہیں اور نہ ہی اسلام کا انتہا پسندی سے کوئی تعلق رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو مسلمانوں کو ایک بہترین امت بنا کر دنیا میں بھیجا اور ارشاد فرمایا!۔

وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ[۷۹]

ترجمہ: تم ہی غالب رہو گے اگر تم سچے مومن ہو۔

ٹھیک اسی طرح پوپ جان دوم کے رفیق خاص جناب کارڈینل باوجود عیسائی تعصب و تنگ نظری کے اسلام کی حقانیت وصداقت، ہمہ گیری و جامعیت اور اعتدال و میانہ روی کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکے۔[۸۰]

کارڈینل پال پوپارڈ نے کہا ہے ! کہ اسلام کا انتہا پسندی یا تشدد سے کوئی تعلق نہیں، مگر یہ تیزی سے پھیلنے کے باعث مغرب کے لیے چیلنج بنا ہوا ہے، انہوں نے کہا کہ اسلام ایک دین، ثقافت اور طرز زندگی ہے، کلیساؤں کی کونسل کے چیئر مین نے کہا کہ صدیوں سے اسلام میں کوئی تبدیلی نہیں آئی جبکہ یورپ کے بہت سے مسیحی ، زندگی کی ضروریات کے تحت چرچ سے رعایتیں حاصل کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یورپ میں اسلام کی موجودگی محسوس کی جارہی ہے۔[۸۱]

اسلام دین فطرت اور افراط وتفریط سے پاک ہے، انتہا پسندی اور ظلم و تعدی سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، اسلام ایک بہترین معاشرت اور بے مثال تہذیب و ثقافت کا نام ہے، وہ ہر اعتبار سے کامل و مکمل اور عدل و انصاف کا مذہب ہے جو شخص تعصب کی عینک اتار کر ایک بار غور سے اس کا مطالعہ کرے، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کا اسیر اور گرویدہ ہو جاتا ہے۔

روس، امریکہ اور یورپ سمیت پوری دنیائے کفر اس سے اس لیے خائف ہے کہ اسے خطرہ ہے، اگر اشاعت اسلام کی موجودہ رفتار کو نہ روکا گیا تو یہ نیر تاباں پوری دنیا کو منور کر دے گا۔ اسی لیے اسلام کو بدنام کرنے کی لیے پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ اسلام قتل و غارت کا مذہب ہے، کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام میں انسانی حقوق کی پاسداری نہیں ہے، کبھی یہ باور کرایا جاتا ہے کہ اسلام میں عورتوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے، کبھی یہ اعلان ہوتا ہے کہ اسلام بنیاد پرستی کا مذہب ہے۔

جب کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی حقانیت وصداقت، اعتدال و میانہ روی، پاکیزہ اصول وضوابط اور طرز حیات، ملت کفر کے لیے چیلنج ہے وہ اس سوچ سے پریشان ہے کہ اگر اقوام عالم نے اسلام کو قریب سے دیکھ لیا تو ہمارا سحر ٹوٹ جائے گا اس لیے کبھی اس پر روس حملہ آور ہوتا ہے تو کبھی امریکہ بہادر کو نیست و نابود کرنے کے خواب دیکھتا ہے۔

افغانستان میں بیس لاکھ فرزندان توحید کو محض اس وجہ سے موت کے گھاٹ اتارا گیا کہ وہ اسلام کا نام لیتے ہیں، بوسنیا اور چیچنیا کے مسلمانوں پر صرف اس لیے مظالم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں کہ وہ اسلام سے وابستگی کا اظہار کرتے ہیں بیس سالہ جنگ سے تباہ حال افغانستان ان کی آنکھ میں اس لیے کھٹکتا ہے کہ وہاں قرآن وسنت کا قانون رائج ہے۔ اسامہ بن لادن ان کا دشمن اس لیے ہے کہ وہ اسلام کی بات کرتا ہے، پوری دنیا کے اسلامی ممالک اس لیے ان کے غیظ وغضب کا نشانہ ہیں کہ وہ اپنی مرضی سے اسلامی اقتدار کو سینہ سے کیوں لگاتے ہیں؟ ملت کفر کو یہ برداشت نہیں کہ مسلمان سر اٹھا کر کیوں چلتے ہیں؟ اور اسلام کیوں پھل پھول رہا ہے؟

افغانستان پر اقتصادی پابندیاں عائد کرنا اور تباہ حال افغان عوام کو معاشی بدحالی سے دوچار کر کے ہلاکت کے دہانے پر لاکھڑا کرنا اسی سلسلہ کی کڑی ہے، کیا عراق، لیبیا اور افغانستان کے علاوہ پوری دنیا میں کسی دوسرے ایسے غیر مسلم ملک کی بھی

نشاندہی کی جاسکتی ہے جس پر امریکہ اور اس کے حواریوں نے کبھی اقتصادی پابندی لگائی ہو؟ کیا امریکہ کی ناجائز اولاد اسرائیل مسلمانوں پر مظالم کے حوالے سے اس قابل نہیں کہ اس پر اقتصادی پابندی لگا کر اسے عقل سکھائی جائے؟ کیا اسرائیلی سفاکی اور کشمیر میں مسلمانوں پر انڈین آرمی کے مظالم کے دل دوز مناظر امریکہ کو نظر نہیں آتے؟ انڈونیشیا میں مشرقی تیمور نام کی عیسائی ریاست تو راتوں رات قائم ہوسکتی ہے مگر کشمیری مسلمانوں کو ۵۲ سالہ جدوجہد کے باوجود خود ارادیت کے حق سے محروم رکھا جاتا ہے؟ کیا اسرائیلی درندوں کی طرف سے فلسطینی عوام کا قتل عام، بیت المقدس پر قبضہ اور اس کی توہین، امریکہ اور اس کے حواریوں کی آنکھوں سے اوجھل ہیں؟ اسلام کو متعصب، تنگ نظر اور تشدد کا مذہب کہنے والے ذرا اپنے منافقانہ کردار، مذہبی تعصب تنگ نظری اور منتقمانہ پالیسیوں پر بھی نظر رکھیں؟

بلاشبہ پوپ پال جون دوم کے رفیق خاص جناب کارڈینل کا یہ تجزیہ سو فیصد صحیح ہے کہ ''اسلام کا انتہا پسندی یا تشدد سے کوئی تعلق نہیں، مگر یہ تیزی سے پھیلنے کے باعث مغرب کے لیے چیلنج بنا ہوا ہے۔ اور یورپ میں اسلام کی موجودگی محسوس کی جا رہی ہے''۔ جو پوری دنیائے کفر کے لیے ناقابل برداشت ہے، امت مسلمہ کو چاہیے کہ وہ اپنے مشترکہ دشمن کو پہچانیں اور اس کے خلاف متحد ہو کر اس کی بدمعاشی کا مقابلہ کریں اور ان کے خلاف اعلان جنگ کریں ورنہ ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔[۹۲]

عالم اسلام کو یہ یقین ہونا چاہیے کہ وہ مغرب سے زیادہ طاقتور اور باصلاحیت ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مغربی طاقتوں کے زیر اثر سخت حالات سے گزر رہے ہیں۔ ہمت اور جواں مردی سے مقابلہ کرنے کا وقت ہے کہ ہم اپنے مخالف انتہا پسند لوگوں کے خلاف جہاد کریں اور اپنی کامیابی کے لیے دامن مصطفیٰ ﷺ سے وابستہ ہو جائیں کیونکہ ہمارا خدا ایک ہے رسول ایک ہے قرآن ایک ہے۔ تمام دنیا کے مسلمان ایک طاقت ہیں آپس میں بھائی بھائی ہیں اس لیے ہمیں ضرورت ہے یکجہتی کی۔ ہمیں ضرورت ہے تعصبات کو ختم کرنے کی نفرتوں کے اندھیروں کو محبتوں کی روشنی میں بدلنے کی۔

ہمارا یہ طرز عمل پوری دنیا کے انسانوں کے لیے باعث کشش ہوگا۔ اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب ہم اپنے نبی کریم ﷺ کی تعلیمات پر نیک نیتی سے عمل پیرا ہو جائیں۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کرسکتی ہے انداز گلستاں پیدا

حواشی وحوالہ جات

(۱) ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور ص/۳،۴

(۲) سورۂ العنکبوت/۳۹

(۳) سورۂ الکہف/۱۸

(۴) سورۂ الروم ۴۰/۴۱

(۵) سورۂ ابراہیم ۱/۱۴

(۶) مذہب کے نام پر خون مرزا طاہر احمد ص/۲۵

(۷) اخبار "پرکاش" برگزیدہ رسول ﷺ غیروں میں مقبول" ص/

(۸) ایشیا ٹک کوارٹرلی ریویو اکتوبر ۱۸۸۶ء

(۹) اشاعت اسلام دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا حضرت مولانا حبیب الرحمن ص/۱۰

(۱۰) سورۂ آل عمران/۱۵۹

(۱۱) سورۂ توبہ/۱۲۸

(۱۲) ماہنامہ ساحل کراچی جولائی ۱۹۹۸ء ص/۸۴

(۱۳) سیرت مصطفیٰ مولانا عبدالمصطفیٰ الاعظمی رحمتہ اللہ علیہ ص/۷۷

(۱۴) زرقانی ج/۱ص/۲۵۲

(۱۵) مذہب کے نام پر خون مرزا طاہر احمد ص/۱۲

(۱۶) سورۂ البقرہ/۱۱۴

(۱۷) سیرت ہشام ج/۱ص/۳۱۷_۳۱۸

(۱۸) طبقات ابن سعد ج/۳ تذکرہ جناب ص/۸۰

(۱۹) زرقانی علی المواہب ج/۱ص/۲۷۵

(۲۰) رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ڈاکٹر حمید اللہ ص/۸۹

(۲۱) مدارج النبوۃ ج/۲/ص/۴۴، زرقانی ج/۱

(۲۲) سورۂ البقرہ/۱۰۹

(۲۳) صحیح بخاری ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری ج/۲ص/۱۰۲۱

(۲۴) سنن ترمذی محمد بن عیسیٰ الترمذی ج/۲ص/۱۴

(۲۵) مسند احمد بن حنبل مطبوعہ بیروت ج/۳ص/۲۷۳

(۲۶) سنن ترمذی محمد بن عیسیٰ الترمذی ج/۲ص/۵۴ اور سنن ابن ماجہ ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ مطبوعہ کراچی ص/۳۲۱

(۲۷) صحیح البخاری ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل ج/۲ص/۸۹۶

(۲۸) سرور کونین اغیار کی نظر میں سید شبیر احمد شاہ کتاب مرکز گوجرانوالہ ۱۹۹۰ء ص/۱۷

(۲۹) Stanley Lane Poll: The Prophet and Islam Abridge-1897 Lahore, 1952, P.31

(۳۰) S.P Scott History of the Moorish Empire in Europe: Vol 1. P.98re. the Arabian Prophet P. 390

(۳۱) Dr. Ata Mahy-ud-din: The Arabian Prophet, Lahore, 1955,P. 27

(۳۱) W.C.Taylor: The History of Mohammedanism and its sects,London, P.116

(۳۳) سورۂ البقرہ/۲۵۶

(۳۴) سورۂ البقرہ

(۳۵) سیرت خاتم النبیین ڈاکٹر ماجد علی خان پروگریسو بکس اردو بازار لاہور ۱۹۹۶ء ص/۸۰ بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ ج/۱ ص/۹۸

(۳۶) برصغیر میں اسلامی جدید۔ پروفیسر عزیز احمد۔ لاہور

(۳۷) ۷۳ فرقے کیسے بنے؟ تاریخ اسلام موسیٰ خان جلالزئی ص/۱۳۳

(۳۸) سورۂ الانعام/۲۰

(۳۹) اسلام و عدل اجتماعی سید قطب اسلامک پبلی کیشنز رنگ محل لاہور

(۴۰) پروفیسر مولوی حاکم علی۔ پروفیسر محمد صدیق۔ مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۳ء

(۴۱) روزنامہ جنگ کراچی ۲۲ دسمبر ۲۰۰۲ء جنگ میگزین کراچی۔

(۴۲) روزنامہ عوام کراچی ۲۱ جنوری ۱۹۹۹ء

(۴۳) روزنامہ جنگ کراچی ۱۰ مارچ ۱۹۹۹ء

(۴۴) سورۂ البقرہ/۲۵۷

(۴۵) سورۂ یونس ۱۰/۹۹

(۴۶) سورۂ فاتحہ ۱/۲_۱

(۴۷) سورۂ انعام/۵۴

(۴۸) سورۂ الزمر/۵۳

(۴۹) سورۂ سباء/۲۸

(۵۰) سوررہ انبیاء/۱۰۷

(۵۱) سورۂ یونس/۵۷

(۵۲) سورۂ مائدہ/۳۲

(۵۳) سورۂ انعام /۱۵۱

(۵۴) سورۂ البقرہ/۲۰۵ مائدہ ۶۴

(۵۵) سورۂ قصص/۷۷

(۵۶) سورۂ فصلت/۳۶

(۵۷) سورۂ فصلت/۳۶

(۵۸) سورۂ الحجرات/۱۰

(۵۹) سورہ الانفال/۴۶

(۶۰) سورۂ آل عمران/۱۰۳
(۶۱) سورۂ البقرہ/۱۹۰
(۶۲) سورۂ الفرقان/۳۷
(۶۳) سورۂ ہود/۱۸
(۶۴) سورۂ یونس/۴۴
(۶۵) سورۂ آل عمران/۱۰۳
(۶۶) سورہ الاحزاب/۲۱
(۶۷) سورۂ بقرہ/۱۰۹
(۶۸) سورۂ اعراف/۱۹۹
(۶۹) صحیح البخاری ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری ج/۲ص/۱۰۲۱
(۷۰) ماہنامہ بزم قاسمی جولائی ۱۹۹۸ء ص/۲۲۸
(۷۱) مسلم شریف ج/۱
(۷۲) حدیث نبوی ﷺ بزم قاسمی انٹرنیشنل ۱۹۹۸ء
(۷۳) حدیث نبوی ﷺ بزم قاسمی انٹرنیشنل
(۷۴) سنن ترمذی ج/۲/ص/۱۴
(۷۵) ماہنامہ بزم قاسمی جولائی ۱۹۹۸ء
(۷۶) صحیح البخاری کتاب الادب باب تشمت العاطس اور صحیح مسلم کتاب اللباس والزینۃ باب تحریم استعمال اناء الذہب
(۷۷) مسلم کتاب ایمان بیان کون انی عن المنکر
(۷۸) مسند احمد ج/۳ص/۵۳ اور مجمع الزوائد ج/۱۰ص/۱۵۱۔ اسے مختلف الفاظ کے ساتھ سنن ابوداؤد اور بزاز نے بھی روایت کیا ہے اور سند احسن لکھا ہے
(۷۹) آل عمران/۱۳۹
(۸۰) معاشرتی بگاڑ کا سد باب حضرت مولانا یوسف لدھیانوی سہید رحمۃ اللہ ص/۳۰۲
(۸۱) روزنامہ جنگ کراچی ۱۵/نومبر ۱۹۹۹ء ص/۱۰
(۸۲) ماہنامہ بنیات رمضان/۱۴۲۰ھ

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ،
تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

انیقہ ہما قیصر، ڈیرہ اسماعیل خان

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

''اور حکم مانو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور آپس میں نہ جھگڑو۔ پس نامرد ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔'' (سورۃ انفال آیت ۴۶)

ا۔ انتہا پسندی:

قبل اس کے کہ موضوع سخن پر سیر حاصل بحث کی جائے۔ میری ناقص رائے میں پہلے انتہا پسندی کی وضاحت (Defination) ضروری ہے یعنی یہ کیا بلا ہے؟ انتہا پسندی ایک مرکب لفظ ہے جو انتہا اور پسندی کے دو مختلف الفاظ پر مشتمل ہے۔ الگ الگ لغوی معنی کے پیش نظر دونوں الفاظ کوئی ایسا منفی یا ناخوشگوار تصور پیش نہیں کرتے جو سماعت پر گراں گذرتے ہوں البتہ جب یہ دونوں الفاظ مل کر ایک مرکب لفظ ''انتہا پسندی'' یا ''انتہا پسند'' کی صورت میں سامنے آتے ہیں تو سماعت کے ساتھ ساتھ دل ودماغ پر بھی ایک ناخوشگوار بلکہ ایک خوفناک تصور چھوڑ جاتے ہیں۔ ''انتہا پسندی'' کے اس مرکب لفظ سے یہ تلخ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انتہا پسند، فرد، جماعت یا گروہ اپنی رائے، نظریے، عقیدے یا مسلک کو قطعیت کے ساتھ سچا (True)، آخری (Final) اور حتمی (Authentic) سمجھتی ہے۔ اس کے اندر لچک یا رواداری کی قطعی گنجائش نہیں پھر بھی بات اس حد تک محدود ہوتی تو یہ فرد، گروہ یا جماعت کا انفرادی مسئلہ تھا۔ ہم نے اسے فروعی مسائل کا نام دے کر درگذر کر سکتے تھے جو قابل گرفت نہیں کیونکہ رائے، عقیدے، مسلک اور نظریات سے اختلاف کوئی آج کا پیدا کردہ مسئلہ نہیں یہ تو مدت ہائے دراز بلکہ بنی نوع انسان کے عالم وجود میں آنے کے ساتھ ساتھ چلتا رہا ہے۔

''انتہا پسندی'' کا مفہوم اس وقت خطرناک صورت اختیار کر جاتا ہے جب فرد، گروہ یا جماعت دوسرے فرد، جماعت یا گروہ کے نظریے، عقیدے، مسلک یا رائے کی نفی میں نہ صرف شدت پیدا کر لیتی ہے بلکہ فریق اول فریق دوئم کے عقیدے، نظریے، عقیدے، مسلک یا رائے کی نفی میں نہ صرف شدت پیدا کر لیتی ہے بلکہ فریق اول فریق دوئم کے عقیدے، نظریے، رائے یا مسلک کو ناقابل قبول بلکہ باطل گردانتا ہے اور اسے ناقابل برداشت سمجھ کر اس کے پیروکاروں کے خاتمے کے لئے تیغ وتفنگ ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ یہ انتہا پسندی کا وہ درجہ ہے جسے ''دہشت گردی'' کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے یعنی اختلاف رائے پر جان لے لینے کی حد تک چلے جانا۔ یہی ''انتہا پسندی'' فریقین کے بے گناہوں کے خون کی ہولی کھیلنے سے بھی دریغ نہیں کرتی۔

یہی ''انتہا پسندی'' ظلم و جبر میں بدل جاتی ہے اور آخر کار ''دہشت گردی'' کو جنم دیتی ہے اور انجام کار ''خانہ جنگی'' کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

انتہا پسندی کی یہ آگ ایک وبائی نفرت کی صورت اختیار کر لیتی ہے جس میں ملک و ملت کا سب کچھ جل کر راکھ بن جاتا ہے۔ ملک کے اندر نہ صرف سرمایہ کاری رک جاتی ہے بلکہ تمام ترقیاتی کام (Developmental Works) ٹھپ ہو کر رہ جاتے ہیں نتیجتاً ملک غربت اور افلاس، بیکاری و بیروزگاری، ظلم و جبر، قتل و غارت گری اور لوٹ مار کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر ملک میں انارکی پھیل جاتی ہے۔

۲۔ مذہبی انتہا پسندی:

ارشاد ربانی ہے: (سورہ شوریٰ)

''اللہ کی دعوت پر لبیک کہہ جانے کے بعد جو اللہ کے دین کے معاملے میں جھگڑتے ہیں ان کی حجت بازی ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر اس کا غضب ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے۔''

میں دین کی عالمہ ہونے کا دعویٰ نہیں کرتی بنیادی طور پر پیشے کے لحاظ سے معلمہ ہوں جس کا کام درس و تدریس رہا ہے البتہ بحثیت مسلمان دینی علوم کا مطالعہ ضرور کرتی رہی ہوں اور اسلامیات میں ماسٹر ڈگری بھی حاصل کر رکھی ہے جہاں تک میری ناقص اور محدود علمی رائے ہے کہ قرآن مجید میں مذہب کی بجائے زیادہ تر ''دین'' اور خصوصاً ''اسلام'' کے لئے استعمال ہونے والا لفظ ''دین'' ہی پڑھا ہے۔ تفصیلی وضاحت کے لئے چند قرآنی حوالہ جات پیش خدمت ہیں۔ (سورہ زمر آیت نمبر ۱۔۲)

۱۔ ''یہ کتاب ہم نے تمہاری طرف برحق نازل کی۔ اللہ ہی کی بندگی کرو۔ دین کو اس کے لئے خالص کرتے رہو۔ خبردار دین خالص اللہ کا حق ہے۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے سوا دوسرے سرپرست (گروہی تقسیم کر رکھی ہے) بنا رکھے ہیں۔ (اور کہتے ہیں) ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں اللہ یقیناً ان کے درمیان ان تمام باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں، اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور منکر حق ہو۔''

۲۔ ''اس نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا جسے اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعے بھیجا ہے جس کی ہدایت ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں اور اس تاکید کے ساتھ قائم کرو اس دین کو اور اس سے متفرق نہ ہو جاؤ۔''

(سورہ شوریٰ آیت نمبر ۱۳)

۳۔ ''اے نبی ان سے کہو کہ دین کو اللہ کے لئے خالص کر کے بندگی کرو اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے میں مسلم بنوں۔'' (سورہ زمر آیت نمبر ۱۱)

دین کے بارے میں اسی قسم کے متعدد حوالہ جات کلام پاک میں موجود ہیں یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو آخری پیغام وحی کیا گیا وہ بھی یہی تھا۔

ترجمہ: ''آج ہم نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا۔'' (سورہ آل عمران)

دنیا کے تمام آسمانی صحیفے، تمام اجتماعی کتب، تمام اخلاقی ضابطے، تمام حکائتیں، ظلم و جبر اور صبر و استقامت کی دو رنگیوں سے معمور ہیں۔ ایک طرف شر و ظلمت کی تاریکی ہے تو دوسری طرف عدل اور خیر و نور کی بارش۔ بقول اقبال:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

ایرانی شاہنامہ، ہندی مہابھارت رامائن اور بھگوت گیتا کیا ہیں؟ ہر قوم کے اسلاف کے کارنامے ہیں۔ جہاں ظلم و شر کا مقابلہ ہوا عدل و انصاف، اعتدال و احسان کے ساتھ ان حکائیات کا مقصد یہی ہے کہ اقوام عالم گمراہیوں کی گہرائیوں سے بچ کر خیر کثیر کی منزلیں پا سکیں۔ انتہا پسندی کو رواداری میں بدلا جا سکے کیونکہ رواداری ہی حق کا تحفظ کرتی ہے۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو انسانی زندگی کے تین اہم فرائض ہیں۔

الف: اپنی ہستی کی تخلیق سے آگاہی — یعنی خود شناسی

ب: اپنے خالق و معبود کو جاننا — یعنی خدا شناسی

د: حقوق الناس کی پہچان — یعنی انسان شناسی

اس لئے ہر فرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود شناسی کی منزلوں سے آگے بڑھ کر اپنے خالق سے تعلق پیدا کرے اور معاشرت و تمدن کے اصولوں پر بھی عامل ہو جو افراد عقل سلیم سے بہرہ یاب ہوتے ہیں وہ ہمیشہ فرائض کی ادائیگی پر مستعد نظر آتے ہیں مگر ان میں جہاں ایک طرف صفات ملکوتی کا پرتو نظر آتا ہے۔ وہیں دوسری جانب وہ صفات شیطانی اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس کا نفس اور اس کی خواہشات اس کو صراط مستقیم سے بھٹکاتی اور اس کو فرائض کی ادائیگی سے غافل بناتی ہیں۔ نیکی اور بدی کی یہ جنگ انسان کے اندر پیدائش سے لے کر موت تک جاری رہتی ہے۔ جیت اسی کی ہوگی جس نے نیکی کو غالب اور بدی کو مغلوب کر لیا۔

تخلیق انسان کا مقصد ہی یہی ہے کہ وہ اپنے خالق کو پہچانے اور تفویض کردہ فرائض کو ادا کرے اور اس طرح بشریت کا ایک اعلیٰ نمونہ اور انسان کامل بننے کی سعی کرے۔ انسان دنیا میں نائب خدا بنا کر بھیجا گیا ہے۔ دنیا اس کے لئے پیدا کی گئی ہے وہ دنیا کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ اسلام ہی دین فطرت ہے۔ اسی لئے تکمیل انسانی کی تعلیم دیتا ہے تاکہ انسان بشریت کی تکمیل کر کے نیابت خداوندی کا وارث بننے کی صلاحیت پیدا کرے اگر ایک طرف وہ ''خلیفہ زمان'' بنے تو دوسری جانب وہ ان مدارج عالیہ پر فائز ہو جہاں پہنچتے ہوئے فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں۔

چنانچہ خود شناسی اور عرفان نفس تخلیق انسان کے فرائض میں اولین حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ یہی پہچان نفس یا خود شناسی

اس کو تہذیب اخلاق، سیاست، تمدن اور معرفت الٰہی تک پہنچاتی ہے اور اس کی ارتقاء جسم و روح اور نجات عقبیٰ و اولیٰ کی ضامن بن جاتی ہے۔

انسانی فلاح کا راز کسی پر برتری سے نہیں بلکہ تمام انسانیت پر کسی ایسے نظام کی بالادستی میں ہے جو طاقتور کو کمزور کی حفاظت کا درس دیتا ہے جہاں مظلوموں کی زبانیں فریاد کی بجائے تشکر کے لئے کھلی ہوں۔ جو ہر ''محمود'' کو ''ایاز'' کی صف میں لا کھڑا کرتا ہو جو نیل کے کنارے بھوک سے مرنے والے کتے کی ذمہ داری بھی قبول کرتا ہو۔

صرف یہی ایک طریقہ ہے جس سے عالم انسان کی جذباتی زندگی اور اس کے افکار میں یکجہتی اور ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے جو ایک امت کی تشکیل اور بقاء کے لئے ضروری ہے۔

۳۔ مذہبی انتہا پسندی کا رجحان دور حاضر میں:

سوچنے کی بات ہے انسان جسے اشرف المخلوقات کے طور پر پیدا کیا گیا۔ اسفل السافلین کیسے بن گیا اس کا جواب شاعر مشرق نے کیا خوب دیا ہے۔

ہوس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا نوع انسانی کو
اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا

دور حاضر میں انسان اپنی شخصیت کھو بیٹھا ہے وہ اپنے وجود کی تلاش میں ہے۔ تہذیب حاضر نے اسے مختلف خانوں میں بانٹ دیا ہے۔ کہیں معاشی ناہمواری کی تقسیم ہے۔ کہیں رنگ و نسل کی تفریق ہے۔ کہیں زبان کا مسئلہ تو کہیں ذات پات کی تقسیم اور کہیں مذہب و ملت کے نام پر انسان انسان کی گردن زدنی کر رہا ہے۔

فرقہ بندی ہے اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

آج بیسویں صدی بھی رخصت ہو چکی اور اکیسویں صدی کی شروعات ہو چکی ہیں تو ہمیں اپنا محاسبہ خود کرنا چاہئے کہ ہم نے کیا کھویا؟ اور کیا پایا؟ آج کے دور کے انسانوں نے ہواؤں میں پرندوں سے زیادہ تیز اڑنا تو سیکھ لیا ہے۔ سمندروں میں مچھلیوں سے زیادہ تیز تیرنا تو سیکھ لیا ہے مگر اسی اشرف المخلوقات کو زمین پر انسانوں کی طرح زندگی گذارنا دشوار محسوس ہو رہا ہے جس کی واحد اور اصل وجہ انتہا پسندی ہے۔

حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

عہد حاضر کے علماء سو کو حالات زمانہ نے وہ باتیں کرنے اور مذہب کی ایسی انتہا پسند تاویلیں کرنے پر مجبور کر دیا ہے جو قرآن یا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشاء ہرگز نہ ہو سکتی تھیں۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت ابراہیمؑ کی وحی میں قوموں، نسلوں اور

وطنوں کو بالائے طاق رکھا گیا۔

کعبۃ اللہ کے محافظ آج دعوت ابراہیمی اور دعوت اسماعیلی سے غافل ہو گئے۔ امت مسلمہ کے بانیوں کی وہ دعا یاد نہ رہی جو اللہ کے گھر کی بنیاد رکھتے وقت انہوں نے مل کر کی تھی۔

ترجمہ: ''اور یاد کرو جب اٹھاتے تھے ابراہیم بنیادیں کعبہ کی اور اسماعیل۔ اور دعا کرتے تھے اے پروردگار! ہمارے قبول کر ہم سے بیشک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے اور اے ہمارے رب کر ہم کو حکم بردار اپنا اور ہماری اولاد میں سے کر ایک جماعت فرمانبردار اپنی۔'' (سورہ البقرہ آیت نمبر ۱۲۷)

دور حاضر پر ایک نظر ڈالو تو ایک لامتناہی سلسلہ ہے باہم آویزیوں کا، خون ریزیوں کا، خانہ جنگیوں کا اور دہشت گردیوں کا۔ کیا ان حالات میں عالم بشریٰ میں ایک ایسی امت قائم ہو سکتی ہے جس کی اجتماعی زندگی امن اور سلامتی پر قائم ہو اور جس میں مذہبی انتہا پسندی کا شائبہ تک نہ ہو۔

قرآن کا جواب ہے ہاں! ہو سکتی ہے بشرطیکہ اطاعت الٰہی کو انسانی فکر و عمل میں حسب منشاء الٰہی مشہود کر کے انسان کا نصب والعین قرار دیا جائے۔

آج جبکہ انسانی شخصیت اوصاف حمیدہ یعنی صبر و تحمل، بردباری و رواداری، عجز و انکساری، تقویٰ و امانت، عدل و انصاف، میانہ روی و اعتدال سے عاری ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ہم میں سے ہر ایک ذاتی منافع اور گروہی مفاد سے آگے نہیں دیکھتا بلکہ اپنی ہر جائز و ناجائز خواہش کو بعض خود ساختہ اقدار کے سانچے میں ڈھالتے ہوئے الگ سے اپنا جھنڈا لہرانے کے چکر میں ہے نتیجتاً دینی، معاشی، معاشرتی اور سماجی توازن بری طرح عدم توازن کا شکار ہو چکا ہے۔

بات دین کی ہو رہی تھی۔ دین ایک ہمہ گیر حیات انسانی کا تصور پیش کرتا ہے چاہے وہ سیاسی ہو یا سماجی، اصلاحی ہو یا اخلاقی، معاشرتی ہو یا معاشی، انفرادی ہو یا اجتماعی، قانونی ہو یا عدالتی، تہذیبی ہو یا تمدنی، الغرض دین کا پھیلاؤ ہر شعبہ ہائے حیات پر ہے۔ اس کے برعکس مذہب عیسائیت ہو یا صابیت، ہنود ہوں یا یہود، میری ناقص رائے میں محدود عقائد، چند رسم و رواج اور متعدد طریقہ ہائے عبادات کا نام ہے جن کا وجود ہی اختلاف پر ہے۔ دین اسلام میں تو فرقہ واریت کا کوئی تصور ہی نہیں بلکہ سراسر نفی ہے۔ قرآن میں ارشاد ربانی ہے:

۱۔ ''اللہ کی رسی کو (مل کر) مضبوطی سے تھامے رہو اور فرقہ بندی نہ کرو اور اللہ کا وہ احسان جو اس نے تم پر کیا کہ تھے تم آپس میں (دشمن) پھر الفت پیدا کر دی اس نے تمہارے دلوں میں سو ہو گئے تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی۔'' (سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۰۳)

جب فرقہ واریت نے ''اللہ کی عطا کردہ الفت'' کو نظر انداز کر دیا تو انتقاماً پھر اللہ نے ان کو بھائی بھائی کی بجائے ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا جو عذاب الٰہی کی ایک علامت ہے۔ مزید ارشاد ہے:

۲۔ ''اے ایمان والو! مت حرام ٹھہراؤ پاکیزہ چیزیں (کام) جو حلال کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے

لئے اور مت حد سے بڑھو بے شک اللہ نہیں پسند کرتا حد سے بڑھنے والوں کو۔" (المائدہ آیت نمبر ۸۷)

خدارا انصاف کیجئے کہ دین کی صریحاً خلاف ورزی کرنے والے گروہ/ جماعت نے مذہبی انتہا پسندی کی بھی "انتہا" کر دی۔ وہ تو میری ناقص رائے میں خود ہی دین سے نکل گئے۔ اوپر قرآنی سورہ شوریٰ (آیت نمبر ۱۳ میں) قرآن نے تو نوحؑ سے لے کر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کے سب پیغمبروں کے دین کو (دین واحد) کہا ہے اور متفرق نہ ہونے کی تاکید فرمائی۔ چہ جائیکہ تفرقہ بازی ہو۔

کیا یہ لوگ قرآن پاک میں اس آیت کی تلاوت نہیں کرتے؟

"آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا اور پورا کیا میں نے تم پر احسان اپنا۔ اور پسند کیا تمہارے واسطے اسلام کو دین (نہ کہ مذہب)۔"

اب ایک مکمل چیز میں (اور وہ بھی خداوند عز وجل کے حکم کے مطابق پورا اور مکمل ہو) کسی ترمیم یا تبدیلی کی گنجائش کہاں؟ افسوس!

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

تاریخ بتلاتی ہے کہ یہ فرقہ واریت کیونکر معرض وجود میں آئی۔ اس میں بنیادی کردار ان عناصر کا ہے جو اسلام کے بڑھتے ہوئے رجحان سے خائف تھے جو کسی بھی پہلو (دلائل ہوں یا میدان جنگ) سے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے چنانچہ بعض نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر درون خانہ اسلام کو زک پہنچانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ قرآن وسنت کی خود ساختہ تاویلیں بیان کیں۔ فرقہ واریت کا محرک کوئی نیک جذبہ نہیں تھا بلکہ منتقم اور چند ہوس پرست انسانوں کی انتقامی کارروائی تھی۔ وہ اپنی اپنی دکان چمکانا چاہتے تھے ساتھ ہی اپنی بڑائی، خودنمائی اور ریاکاری دکھانے کی خواہش تھی۔ اپنا الگ جھنڈا لہرانے کی سوچ وفکر تھی۔ ایک دوسرے سے مقابلے بازی کی ضد تھی۔ دین اسلام کو زک پہنچانے اور اسے مزید آگے بڑھنے سے روکنے کی ایک کوشش تھی۔ بعض صورتوں میں مال وجاہ طلب کی ہوس تھی۔ وقت کے حکمرانوں کا خوف یا خوشامد پسندی تھی۔ بیچاروں کے حلوے مانڈے کا کیا بنے گا؟ ان کی جیبیں کیسے بھریں گی؟ ان کے آستانوں کی رونقیں کیسے دوبالا ہوں گی؟ سینکڑوں اور ہزاروں کے نذرانے کیسے آئیں گے؟ ان کی شان وشوکت میں اضافہ کیسے ہوگا؟ دین سے جاہل غریبوں کے خون پسینے کی کمائی پر پلنے والے یہ نام نہاد مگرمچھ مذہبی پیشوا اپنا بھرم کیوں کر رکھ سکیں گے؟ جنہوں نے سادہ لوح عوام کو گمراہ کیا۔

مثل مشہور ہے "جھوٹ کے پاؤں کہاں" جب انہیں اپنا اقتدار ڈگمگاتا نظر آیا تو پھر مذہبی انتہا پسندی کا ایسا گھناؤنا سہارا لینا شروع کر دیا جس سے ملکی امن تہہ وبالا ہو کر رہ گیا۔ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے والوں کو امام بارگاہوں میں کلاشن کوف کے برسٹ مارے گئے اور ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے والوں کو مسجدوں (جنہیں قرآن میں اللہ کے گھر سے تعبیر کیا گیا ہے) میں شہید کیا گیا۔ کہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہنے والوں کو بندوق کا نشانہ بنایا گیا تو کہیں دیوبندی عقیدہ رکھنے والوں پر تشدد کیا گیا۔ ایک ایسی آگ بھڑکائی گئی جس کا ایندھن زیادہ تر بے ضرر، غریب اور بے گناہ لوگ تھے جن میں بچے بھی شامل ہیں،

بوڑھے بھی اور عورتیں بھی۔ قتل عمداً سے دین اسلام نے سختی سے منع کر کے اسے گناہ کبیرہ قرار دے رکھا ہے لیکن امت مسلمہ میں یہ خونی سلسلہ تادم تحریر جاری ہے۔ آج پوری دنیا میں واحد امت مسلمہ ہے جس پر ''دہشت گردی'' کا لیبل چسپاں کر دیا گیا ہے۔

حقوق اللہ کی پاسداری کرنے والوں نے حقوق العباد کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا اور خداوند تعالیٰ کے اس واضح فرمان کو پس پشت ڈال دیا۔

ترجمہ: ''آپس میں نہ جھگڑو۔ پس نامرد ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔''

(سورہ انفال آیت نمبر ۴۶)

قابل افسوس بات تو یہ ہے کہ حکومت نے بھی Religion کے کالم کے ساتھ ساتھ (Sect) کا ایک اور کالم بڑھا کر فرقہ واریت کے دیو استبداد کو کھلی چھٹی دے دی۔ کیا صرف Religion یعنی ''اسلام'' یا ''مسلم'' کا خانہ کافی نہیں تھا۔ فرقہ (Sect) تو دین سے کھلی بغاوت ہے۔

(الف) مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ قرآن کی روشنی میں:

مولانا محمد شفیع مغفور کی تفسیر میں عذاب الٰہی کے تین ذرائع بتلائے گئے ہیں۔

(i)	آسمان سے کسی آفت کا آنا	(جیسے قوم لوط پر)
(ii)	زمین سے کسی آفت کا آنا	(جیسے قوم نوح پر)
(iii)	مذہبی فرقہ واریت کی انتہا پسندی اور باہمی جنگ و جدل	(جیسے دور حاضر کی صورتحال)

قرآن پاک میں یہ تہدیدی ارشاد ہے:

۱۔ ''جس نے سوائے اس کے کہ قصاص لینا ہو یا ملک میں فساد پھیلانے والوں کو سزا دینی ہو کسی انسان کو قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کا خون کیا۔ جس کسی نے کسی کی جان بچائی تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی دے دی۔'' (سورہ المائدہ آیت نمبر ۳)

۲۔ ''اور دیکھو ایسا نہ ہو کہ ایک گروہ کی دشمنی تمہیں اس بات پر ابھار دے کہ راہ انصاف سے ہٹ جاؤ۔'' (سورہ المائدہ)

(ب) مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں:

فرمان رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: حضرت عیاضؓ بن حماد سے روایت ہے کہ ''رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی کہ تم (مسلمان) باہم متواضع رہو۔ یہاں تک کہ کوئی دوسرے پر فخر نہ کرے اور نہ ظلم و تعدی سے کام لے۔ (مسلم)

ایک مزید حدیث میں مقدادؓ بن اسود سے روایت ہے ''میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا

اگر میں کسی کافر سے لڑائی کروں اور وہ کافر تلوار سے میرا ہاتھ کاٹ دے پھر کسی درخت کی اوٹ میں ہو جائے اور کہے کہ میں اللہ کے واسطے مسلمان ہو گیا ہوں تو کیا یہ سننے کے بعد بھی میں اسے قتل کر سکتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا ہرگز نہیں! میں نے عرض کیا حضور اس نے پہلے میرا ہاتھ کاٹ دیا پھر کلمہ پڑھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہرگز قتل نہ کرنا اگر قتل کرو گے تو وہ تمہارے مرتبے میں آ گیا اور تم اس کے مرتبے میں جس میں کلمہ پڑھنے سے وہ پہلے تھا۔'' (بخاری و مسلم)

قتل انسان (چاہے وہ مسلم ہو یا کافر) کے بارے میں قرآن اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اتنے احکامات فرمائے گئے ہیں کہ مسلمان تو ایک طرف رہے غیر مذہب یا مستشرقین بھی دنگ رہ جاتے ہیں بہرحال! آیئے ذرا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی زندگی میں انتہا پسندی بالمقابل رواداری اور عفو و درگذر کا جائزہ لیتے ہیں۔ یوں تو بے شمار واقعات ہیں لیکن طوالت کے خدشے کے پیش نظر چند دو تین تاریخی اور مستند واقعات پیش کروں گی۔

(ا) صلح حدیبیہ کو لیجئے مسلمان ادائیگی عمرہ کے لئے مکہ جاتے ہیں جبکہ قریش مکہ اس عبادت میں اپنی مذہبی انتہا پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جو شرائط پیش کرتے ہیں وہ انتہائی ناقابل قبول اور یکطرفہ ہیں۔

(الف) معاہدے پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھا جائے گا۔ (کیونکہ ہم رحمٰن کو نہیں مانتے)

(ب) محمد الرسول اللہ کی بجائے محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب لکھا جائے۔ (کیونکہ ہم آپ کو اللہ کا رسول نہیں مانتے)۔

(ج) اس سال بغیر عمرہ کئے واپس جانا ہوگا اگلے سال بغیر ہتھیار لگائے صرف بغرض عمرہ آنا ہوگا۔ (کیونکہ اب اجازت دینے سے سارے عرب میں ہماری سبکی ہوگی)

(د) ہماری طرف سے (قریش مکہ) مسلمان ہو کر آنے والا شخص واپس کر دیا جائے گا۔ (کیونکہ ہم زبردست ہیں)

(ر) جبکہ مسلمانوں کی جانب سے مکہ آنے والے کو واپس نہیں کیا جائے گا۔ (کیونکہ تم زیردست ہو)

ان شرائط پر حضرت عمرؓ چیخ اٹھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کیا ''ہم حق پر نہیں'' لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ''انتہا پسندی'' کا جواب ''انتہائی رواداری'' سے معاہدے پر دستخط کرنے پر اکتفا کیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ دو ہی سال کے بعد وہی سہیل بن عمرو جو معاہدہ حدیبیہ کا سربراہ تھا اور محمد لکھنے سے انکار کرتا تھا کہہ اٹھتا ہے۔

''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدُ الرَّسُوْلُ اللّٰه''

اور کئی سال پہلے قرآن کے یہ الفاظ عملی جامہ پہن کر سامنے آ جاتے ہیں۔

''اے نبی نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا۔'' (حٰم السجدہ)

(اا) فتح مکہ کی مثال تو ہزاروں سال پر مشتمل تاریخ کے اوراق پیش کرنے سے قاصر ہیں جب لشکر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں داخل ہوتا ہے۔ (اس مکہ میں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابؓ کے ساتھ

ظلم وعداوت کی انتہا کر دی گئی تھی)۔ تو مدینہ کے سردار سعد بن عبادہ بڑے جذبے سے فرماتے ہیں کہ ''آج'' انتقام کا دن ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے لشکر کا جھنڈا لے کر اس کے بیٹے کو دے دیتے ہیں (جھنڈے کی واپسی کو معزولی کا نشان سمجھا جاتا ہے) اور رحمت اللعالمین فرماتے ہیں'' آج عفو و درگذر'' کا دن ہے۔ تاریخ انتہا پسندی اور رواداری کی ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

(III) طائف کا بازار ہے۔ پتھروں کی بارش، ساقین مبارک زخمی اور نعلین رستے ہوئے خون سے بھر گئے ہیں۔ جبرائیل پہاڑوں کے فرشتے کو لے کر حاضر ہوتا ہے۔ فرشتہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہو تو طائف کی وادی کے دونوں پہاڑوں کو الٹ دوں اور انتہا پسند لوگوں کا خاتمہ ہو جائے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ''نہیں بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے وہ لوگ پیدا کرے گا جو اللہ وحدہ، لاشریک کی بندگی کریں گے۔''

اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہی عبد یالیل ثقفی جس نے طائف میں لڑکوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر برسوائے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمسخر اڑوایا تھا آخر مدینہ حاضر ہوتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی قوم کے لئے ایمان و ایقان کی دولت لے جاتا ہے۔

(IV) خطبہ حجتہ الوداع درحقیقت تعلیم اسلام کا نچوڑ ہے۔ آج کا دن دین الٰہی پوری شان وشوکت کے ساتھ نمودار ہوا تھا۔

(الف) تمہارا رب ایک ہے۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر۔ سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں۔ برتری صرف تقویٰ کے سبب ہے۔

(ب) ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔

(ج) غلاموں کے ساتھ برابر کا سلوک کرو۔

(د) ایک مسلمان کا خون اور مال دوسرے مسلمان پر حرام ہے جب تک وہ خود بخوشی نہ دے۔

(ر) اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رکھو۔ تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔

(س) اگر کوئی حبشی غلام بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو خدا کی کتاب کے مطابق چلائے تو اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرو۔

(ک) اپنے پروردگار کی عبادت کرو، نماز پڑھو، روزہ رکھو اور میرے احکام کی اطاعت کرو۔

(ل) ''عمل میں خلوص''، ''مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی'' اور ''جماعت میں اتحاد'' یہ تین باتیں ایسی ہیں جو سینہ کو پاک رکھتی ہیں۔

یہ مسلمانوں کی پوری زندگی کا ایک مکمل لائحہ عمل ہے ایسا اسلامی ضابطہ حیات جس میں رواداری کی تو انتہا پسندی ملے گی مگر مذہبی انتہا پسندی کا شائبہ تک نہ ملے گا۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

ایسے نبی کی امت اور ایسے قرآن کے حامل لوگ اگر مذہبی انتہا پسندی کو ہوا دیتے ہیں تو دماغ میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ

آیا وہ تعلیمات قرآنی اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صدق دل سے ماننے والے مسلمان ہیں یا پس پردہ کوئی تیسرا ہاتھ کام کر رہا ہے جو امت مسلمہ کے درپے آزار ہے!

۵۔ انتہا پسندی کے رجحان کے خاتمے کیلئے چند تجاویز:

خاکم بدھن قبل اس کے کہ پاکستان راکھ کا ڈھیر بن جائے اور اس کے کوچہ و بازار میں خون کی ندیاں بہتی نظر آئیں۔ مسلمانوں کے حاکم وقت (جس کی اطاعت اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امت مسلمہ پر لازم آتی ہے) کے لئے انسدادی اسباب کرنے ضروری ہیں۔

ذیل میں اپنی ناقص رائے کے مطابق چند تجاویز پیش کرتی ہوں اگر ایل ایف او کا ترمیمی بل مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) میں پیش کر کے منظور کر لیا جاتا ہے تو مذہبی انتہا پسندی کے انسداد کا بل کیوں پاس نہیں ہو سکتا جبکہ متحدہ مجلس عمل کی حامل جماعت میں تمام بڑے اسلامی مذہبی فرقوں کے علماء شامل ہیں۔ اس بل کی رو سے!

(i) ہر فرقہ صرف اور صرف اپنے مسلک یا عقیدے کا پرچار اپنی مسجد یا امام بارگاہ میں کرے گا۔

(ii) کسی دوسرے فرقے پر تنقید نہیں کی جائے گی، نہ دل آزاری کے کلمات دہرائے جائیں گے۔

(iii) جبکہ وفاقی شرعی عدالت ملک میں موجود ہے کوئی فرقہ یا اس کے علماء کفر کا فتویٰ جاری نہیں کریں گے البتہ وفاقی شرعی عدالت میں (جو تمام طبقہ ہائے فکر کے لوگوں پر مشتمل ہے) اپنی رائے پیش کر سکتے ہیں۔ فیصلہ صرف اسی عدالت کا مانا جائے گا جو بعد ازاں مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) میں اس کے مروجہ طریقہ کار کے مطابق منظور یا نامنظور ہوگا۔

(iv) تمام مذہبی انتہا پسند جماعتوں خصوصاً فرقہ کی بنیاد پر دوسرے مسلمانوں کو کافر کہنے والی جماعتوں پر نہ صرف پابندی عائد کی جائے بلکہ ان کے سربراہان سے سختی سے نمٹا جائے۔

(v) پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا فرقہ واریت پر قرآنی اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واضح مضمرات کی روشنی میں باقاعدگی سے عوام الناس کو آگاہ کریں۔

(vi) سرکاری کالموں سے (Sect) کا کالم کاٹ دیا جائے اور صرف (Religion) کا کالم رہنے دیا جائے۔

(vii) جمعہ کے خطبات یا مذہبی وعظ و مجالس میں سی آئی ڈی (CID) تحریری رپورٹوں کی بجائے آڈیو ریکارڈز استعمال کرے اور حکومت مخالف مناظرہ، مجادلہ، مباحثہ یا دل آزارانہ تنقید کا باقاعدگی سے نوٹس لے۔

(viii) اطاعت الٰہی کی روشنی میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کے Declared اثاثوں پر زبردستی زکوٰۃ کاٹ کر خوشحال پاکستان کی تعمیر کی جائے کیونکہ غربت ہی انتہا پسندی کی سب سے بڑی وجہ ہے۔

(ix) ہر قومی و صوبائی ممبر اور سینیٹر کو اپنے علاقہ میں اگر ترقیاتی کاموں کیلئے کروڑوں روپے دیئے جا سکتے ہیں تو ان کو اس کا بھی پابند کیا جائے کہ وہ مذہبی فرقہ واریت کی انتہا پسندی کے انسداد میں بھی فعال کردار ادا کریں۔ غیر موثر ممبران کو

پارلیمینٹ میں جواب دہ بنایا جائے اور ان کی مراعات میں کمی کی جائے۔

یقین کیجئے کہ جب تک مذہبی انتہا پسندی قتل و غارت کا خاتمہ نہیں کیا جاتا نہ ملک میں سرمایہ کاری ہوسکتی ہے اور نہ ہی ترقیاتی منصوبے پایہ تکمیل تک پہنچ سکتے ہیں اور نہ ہی ہم دہشت گردی کا لیبل اپنے اوپر سے ہٹا سکتے ہیں۔

آخر میں علامہ اقبالؒ کے چند اشعار پر ختم کرتی ہوں۔

خودی کا سرِنہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الہ الا اللہ
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ
یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتان وہم و گماں لا الہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

وما علینا الا البلاغ

حوالہ جات

۱۔ روزنامہ خبریں 2 فروری ۲۰۰۴ء
۲۔ جہاد کشمیر و افغانستان، محمد عامر رانا
۳۔ رسول اکرم کی سیاسی زندگی از محمد حمید اللہ
۴۔ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر حمید اللہ
۵۔ کتاب الخراج۔ ابی یوسف
۶۔ کتاب الخراج۔ ابی یوسف
۷۔ کتاب الخراج۔ ابی یوسف
۸۔ مصنف عبدالرزاق ۹/۴۷۵
۹۔ القرآن النحل
۱۰۔ القرآن النساء
۱۱۔ القرآن المائدہ
۱۳۔ القرآن المائدہ
۱۴۔ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر حمید اللہ
۱۵۔ رسول اکرم کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر حمید اللہ صفحہ ۱۰۱

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ، تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

آنسہ بی بی حوا ،کوئٹہ

مذہبی انتہا پسندی کی ابتداء:

سیکوئی نامی ایک یہودی فرقہ ۷۹۸اء میں پہلی بار انتہا پسند گروپ کے طور پر منظر عام پر آیا۔ اس انتہا پسند یہودی گروپ نے دہشت گرد کارروائیوں کا آغاز کیا۔ اس گروہ نے چھوٹی سی تلوار کی طرح کا ایک مخصوص ہتھیار استعمال کیا جسے SICA کہا جاتا ہے۔ اس ہتھیار کو پرہجوم جگہوں پر اچانک استعمال کیا جاتا اور بعد ازاں حملہ آور بھگدڑ میں خود بھی روپوش ہو جاتا۔ ان یہودیوں نے عیسائی عبادت گاہوں کو نذر آتش کیا اور قیصر روم کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے دہشت گرد کارروائیاں شروع کیں۔ یہ دہشت گردی اتنی بڑھی کہ ایک بار فلسطین کے بڑے شہر یروشلم کو پینے کا پانی فراہم کرنے والی پائپ لائنوں کو بھی تباہ کیا گیا۔ یوں دہشت گرد کارروائیوں کا یہ سلسلہ فلسطین کے یہودیوں سے آگے بڑھا اور یورپ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اب یورپ میں بادشاہوں کے خلاف بغاوت کیلئے یہی دہشت گرد کارروائی ایک کامیاب ہتھیار کے طور پر استعمال ہوتی رہی۔ ۱۹۸۶ء میں تاریخ کا پہلا بم دھماکہ پھر ۱۹۰۵ء میں گورنر اسٹان برگ کا قتل، ۱۹۱۰ء میں لاس اینجلس ٹائمز بلڈنگ میں بم دھماکہ اس کی بڑی اور واضح مثالیں ہیں۔

اس طرح ۱۸۸۱ء میں بننے والی تنظیم انارکسٹ انٹرنیشنل نے ۱۸۹۳ء میں فرانس کے رہائشی گھروں کو بم سے اڑا دیا۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہو کہ خودکش اور فدائی حملوں کی بنیاد بھی ۱۸۹۴ء میں اسی تنظیم نے چیمبر آف ڈیپٹز میں خودکش بم دھماکے سے ڈالی۔ فرانسیسی صدر کارنٹ اور اسپین کے وزیراعظم کارنواس، آسٹریلیا کے فرماں روا ملکہ الزبتھ اور اٹلی کے بادشاہ امرتو دہشت گردی کی کارروائیوں کی بھینٹ چڑھے۔ اسی طرح زار روس کے خلاف بننے والی NORO DA NAYA VOLA نامی تنظیم نے دہشت گردی کی بڑی کارروائیاں کی ہیں اسی کے ساتھ ساتھ ۱۹۰۱ء میں ایک اور خوفناک تنظیم BOEYAYA نے سرکاری وزراء کے قتل سمیت متعدد کارروائیاں کیں۔ ۱۹۰۱ء سے ۱۹۱۱ء اس تنظیم نے ۲۰۰ سے زیادہ بڑی کارروائیاں کیں جن میں روسی گورنر اور بوسنگی، بگڑالوچ، وزیر داخلہ بلیف کے قتل سمیت اوپیرا ہاؤس پر حملہ بھی شامل ہیں۔ الغرض ۱۸۹۰ء سے ۱۹۱۴ء جنگ عظیم اول تک یورپ کی سرزمین دہشت گردی اور انتہا پسندی کیلئے جنت بن گئی تھی۔ مقام صد شکر ہے اس تمام عرصے میں ان کارروائیوں میں کوئی ایک بھی مسلم تنظیم یا شخصیت شامل نہیں تھی لیکن آج زبردستی اور میڈیا کے زور پر کرہ ارض میں جاری تخریب کاری کیلئے فقط مسلمان ذمہ دار ٹھہرائے جا رہے ہیں اور ہر طرف یہی واویلا اور شور مچ رہا ہے کہ مسلمان ہی تخریب کاری اور دہشت گردی کا موبائل مظہر ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ دہشت گردی کیا ہے اور کون دہشت گرد ہے؟؟؟

دہشت گردی:

بلاشبہ آج پوری دنیا انفرادی دہشت گردی کی نذر ہے اور عالمی سطح پر ایک سازش کے تحت دہشت گردی کے ڈانڈے امت مسلمہ سے جوڑے جاتے ہیں اور پھر اسلام کے تصور جہاد کو دہشت گردی کی شکل قرار دیا جا رہا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ دہشت گردی کے متعلق اسلامی تعلیمات کو انٹرنیشنل سطح پر پھیلایا جائے اور تصور جہاد کا صحیح و جامع مقصد دنیا کے سامنے لایا جائے۔

انگریزی میں دہشت کیلئے لفظ (Terror) استعمال ہوتا ہے جس کا معنی ہے حد درجہ خوف، کسی شخص کو خوفزدہ کرنا اسی طرح دہشت گردی کیلئے استعمال ہونے والا لفظ (Terrorism) ہے جس کے معنی ہے تشدد اور دھمکی کا استعمال۔

دہشت گردی ایک اصطلاح کے طور پر استعمال ہونے والا لفظ ہے۔ مختلف ماہرین علوم نے اس کی تعریف کرتے ہوئے الگ الگ عناصر شامل کئے ہیں۔ وقت اور مقام کے ساتھ ساتھ اس کے تعریفی الفاظ تبدیل ہوتے رہے ہیں لیکن ان میں ایک بات مشترک ہے وہ یہ کہ اس عمل میں تشدد اور تباہی کے ذریعے دہشت گردی کی جاتی ہے۔ ایک متفقہ مکتبہ فکر کے نزدیک یہ تعریف نہایت معقول نظر آتی ہے۔ دہشت کو برسر اقتدار گروپ کے خلاف بعض سیاسی، معاشی و معاشرتی نظریات تبدیل کرنے کے لئے دباؤ کے طور پر استعمال کئے جانے کا نام دہشت گردی ہے۔ اس میں تشدد کے استعمال کی دھمکی بھی ہے اور تشدد کا بھرپور استعمال بھی۔

دہشت گردی کا خاص مقصد یہ ہے کہ غیر قانونی سرگرمیوں اور کارروائیوں کے ذریعے ایک خاص علاقہ، ریاست یا ملک میں رہنے والے اقلیتوں کے اعتماد کو متزلزل کر دیا جائے تاکہ زیادہ تر لوگ جمہوری حکومتوں سے متنفر ہو جائیں حتیٰ کہ دہشت گردلوگوں کے مطالبات من وعن قبول نہ کر لئے جائیں۔

نیو انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار اس بابت یوں تعریف کرتا ہے۔

> ''دہشت گردی سے مراد حکومت، عوام یا کسی فرد کے خلاف سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے باقاعدہ خوف و ہراس یا ناقابل تصدیق تشدد کے استعمال کا نام ہے۔ دہشت گردی سیاسی تنظیمیں اپنے قدامت پسندانہ اور جدت پسندانہ اہداف حاصل کرنے کیلئے کرتی ہیں۔ اسی طرح قوم پرست نسلی ولسانی گروپ انقلاب پسند گروہ اور خود حکومت کی خفیہ پولیس دہشت گردی کا ارتکاب کرتی ہے۔''

دہشت گردی اور انتہا پسندی کا بیان کردہ ان تعریفوں اور اس کے مقاصد کے ضمن میں پیش کئے گئے نظریات سے واضح ہوتا ہے کہ دہشت گردی انسانی زندگیوں کی تباہی و بربادی، معصوم بچوں اور عورتوں کی جانوں کا ضیاع اور ان کی عصمت دری عمارات اور املاک کی آتشزدگی، جنسی تشدد، اغواء برائے تاوان کی وارداتوں اور مذہبی، فقہی اور ملکی اختلافات کی بناء پر گردن زدنی سے عبارت ہے۔

دہشت گردی اور انتہا پسندی کے راستے کا انتخاب کرنے والے کا تعلق سیاسی و مذہبی تنظیم اور نظریاتی مفاد اور سب سے

بڑھ کر یہ کہ اس کے پیچھے غیر ملکی ہاتھ ہوتا ہے تا کہ ملک میں پے در پے دہشت گردی کے واقعات سے مشتعل ہو کر وہاں کے عوام اپنے حکمران طبقہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔

اب آیئے دیکھیے کہ دہشت گردی کے متعلق دین فطرت کی کیا ہدایات اور تعلیمات ہیں۔

دہشت گردی اسلام میں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا۔[۵]

ترجمہ: ''جو کوئی کسی کی جان لے بغیر اس کے کسی کی جان لی ہو یا زمین میں فساد کیا ہو، اس نے گویا تمام انسانوں کا خون کیا اور جس نے کسی انسان کی جان بچائی تو گویا اس نے تمام انسانیت کو بچایا۔''

اسلام کی نظر میں انسانی خون کی بڑی قدر و قیمت ہے اس سے سروکار نہیں کہ وہ مسلم ہے یا غیر مسلم، اسلام کبھی بھی انسان کا خون جائز قرار نہیں دیتا بغیر کسی معقول اور جائز سبب کے، قرآن کہتا ہے کہ:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ۔[۶]

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے جس جان کو حرام کیا ہے اس کو ناحق مت مارو اور جو ناحق مارا جائے گا اس کے وارث کو ہم نے اختیار دیا ہے کہ وہ قصاص میں زیادتی نہ کرے۔

اس نکتے کی مزید وضاحت کیلئے حدیث مبارکہ سے یوں رہنمائی مل رہی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اول مایحاسب یه العبد الصلوٰة و اول مایقضی بین الناس یوم القیامة فی الدماء

''قیامت والے دن آدمی سے جس چیز کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے اور لوگوں کے درمیان جس چیز کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ خون کے معاملات ہیں۔

وطن عزیز میں ایک عرصے سے جاری دہشت گردی میں شروع شروع میں عام افراد کچھ عرصہ بعد عبادت میں مشغول افراد پھر مذہبی و سیاسی رہنما اور اس کے بعد عیسائیوں کے گرجا گھر (چرچ) اور غیر ملکی سفیروں، مہمانوں اور ہنرمندوں کو اس دہشت گردی کا سامنا کرنا پڑا۔

وطن عزیز میں غیر ملکیوں کی آمد، قیام اور تفویض کردہ کام باقاعدہ ایک معاہدہ کے بعد ہوتا ہے۔ وہ حکومت کی اجازت اور منشاء کے بغیر ایک دن بھی مزید قیام نہیں کر سکتے۔ پس معلوم ہوا کہ ان غیر ملکیوں کی دینی حیثیت معائد کی ہے اور اس بابت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان اظہر من الشمس ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ:

من قتل معائداً لم یرح رائحة الجنة و ان ریحها لیوجد من سیرة اربعین عاما

جو شخص کسی معائد (غیر مسلم اور غیر ملکی) کو قتل کرے گا، اسے جنت کی بو تک نصیب نہ ہوگی جبکہ اس (جنت) کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے محسوس ہوتی ہے۔

چنانچہ قرآن عظیم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ کسی انسان کو موجودہ دور کی مرجہ دہشت گردی سے تعبیر کرنا بالکل صحیح نظر آتا ہے۔ اسی لئے دین اسلام میں انسانی جان و مال کی حفاظت واحترام ایسے بنیادی حقوق ہیں جن سے کسی بھی انسان مسلم یا غیر مسلم کو محروم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اسلام ان کا پورا احترام اور پاسداری کرتا ہے اور ان حقوق کو غصب اور قبضہ کرنے والوں کیلئے کڑی سزائیں اور سخت وعیدیں مقرر کرتا ہے کیونکہ وہ اگر ایسا نہ کرتا تو یہ ایک بڑا ظلم مانا جاتا۔

چونکہ دہشت گردی کے واقعات میں قصداً عمداً اور ظلماً انسانی جان کو قتل کیا جاتا ہے لہٰذا اس فعل کی سزا بھی قتل کی نسبت سخت ہے۔ یہ سب اس لئے تا کہ اس وحشت، بربریت اور درندگی کا سد باب ہو۔

چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ:

إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى ٱلدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۔[۹]

ترجمہ: ''جو لوگ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں قتل کیا جائے یا صلیب دیا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف اطراف سے قطع کر دیئے جائیں یا انہیں ملک بدر (جلا وطن) کیا جائے۔ یہ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ''اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' سے جنگ کرنا یا زمین میں فساد اور بدامنی پھیلانا، یہ دو لفظ ایسے ہیں جن میں کفار کے حملے، ارتداد کا فتنہ، رہزنی، ڈکیتی، ناحق قتل و نہب، مجرمانہ سازشیں اور مغویانہ پروپیگنڈا سب داخل ہو سکتے ہیں اور ان میں سے ہر جرم ایسا ہے جس کا ارتکاب کرنے والا ان چار سزاؤں میں سے کسی نہ کسی کا ضرور مستحق ٹھہرتا ہے۔

اسلام نے دہشت گردی میں قتل ہونے والے اور قصداً قتل ہونے والے میں فرق اور امتیاز نہیں رکھا۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ:

من قتل له قتيل فهو بخير النظرين اما ان يفتدى و اما ان يقتل

ترجمہ: جس کا کوئی آدمی قتل ہو جائے اسے دو باتوں کا اختیار ہے چاہے اس کا فدیہ لے چاہے قتل کرے۔

دہشت گردی میں کسی انسان کا قتل قتل عمد کی مثل ہے اس لئے اسلام نے جو قتل کی سزا قصاص رکھی ہے اس میں مسلم غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں کیونکہ قصاص کا حکم عام ہے۔

نفرت اور ناراضگی کے سیلاب کا رخ اسلام کی طرف کیوں؟

اہل مغرب میڈیا کے بل بوتے پر ہما وقت دین اسلام کے حاملین پر الزام لگا رہے ہیں کہ نعوذ باللہ دین اسلام اپنے پیروکاروں کو تشدد، قتل، تخریب اور جلاؤ گھیراؤ کی تعلیم دیتا ہے اور یہ کہ اسلام کو قتل و غارت کرنے والا اور خون بہانے والا مذہب قرار دیتے ہیں جو اپنے ماننے والے کو بھی خون ریزی پر اکساتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے سوا دوسرے تمام مذاہب کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ ان نام نہاد امن کے دعویداروں نے خود انسانیت کے خون ناحق سے کرہ ارض کو متعدد بار سرخ بنا دیا ہے۔

اپنے تاریخی اور سنگین جرائم پر پردہ پوشی کی فکر میں دین اسلام اور حاملین اسلام کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں اس لئے کہ دنیا کی اس نفرت اور ناراضگی کے سیلاب کا رخ اسلام کی طرف پھیر دیں۔ یہاں پر ایک مثال کے ذریعہ اس بات کی وضاحت کی جارہی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالد بن ولید کو بنی خذاعہ کی طرف بھیجا انہوں نے ان کو اسلام لانے کی دعوت دے دی۔ بنی خذاعہ اچھی طرح یوں نہ کہہ سکے کہ ہم اسلام لائے بلکہ گھبراہٹ، عجلت اور رعب و دہشت کے باعث ان کے منہ سے یہ الفاظ نکلے کہ ہم ''صابی'' ہو گئے ہیں۔ خالد بن ولید نے ان کو قتل کرنا اور گرفتار کرنا شروع کیا اور ہر ایک مسلمان کا قیدی اسی کے سپرد کر دیا۔

اسی دوران ایک دن خالد بن ولید نے یہ حکم جاری کیا کہ ہر ایک مسلمان اپنے قیدی (جو کہ اس کی تحویل میں ہے) کو قتل کر دے، مار ڈالے۔ راوی حدیث عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے انکار کیا اور کہا کہ خدا کی قسم میں اپنے قیدی کو نہیں ماروں گا اور نہ میرے دوسرے ساتھیوں میں سے کوئی اپنا قیدی مارے گا۔ جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی:

اے خدا! خالد نے جو کچھ کیا، میں اس سے بری ہوں، میں اس سے بری ہوں۔ حضرت خالد بن ولید کے اس اقدام سے حضور ختمی المرتبت والرسالت نے بارگاہ ایزدی سے بری الذمہ کی دعا کی اور ایک طرح سے اس فعل اور عمل کی برملا مخالفت کا اظہار فرمایا۔

مخالفین اور معاندین اسلام کو درج بالا ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھل کر غور و فکر اور تدبر کا موقع فراہم کرتی ہے۔

الیس منکم الرجل الرشیدہ

سچ تو یہ ہے:

دنیائے اسلام کے محققین اور اسکالرز کا یہ فرض ہے کہ وہ دنیا کو بتا دے کہ اسلام اور مسلمانوں کا بنیاد پرستی، انتہا پسندی اور دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ تو خالص عیسائیوں اور یہودیوں کی دین ہے۔ اسلام تو زندہ اور ترقی پسند مذہب ہے

جس میں دین کو دنیا سے الگ نہیں کیا جا سکتا جو کچھ اس انداز میں باہم مربوط ہیں کہ اکائی کا رنگ لئے ہوئے ہیں۔

مذہب کوئی بھی ہو اس کی تعلیمات انسانوں کی ہلاکت و بربادی پر ابھارنے والی نہیں ہوتے۔ یہ تو بعد کے اضافے اور ٹانکے ہیں جو بالجبر مذہبی رنگ لئے ہوتے ہیں۔ ان تعلیمات کا اصل مذہب اور اس کی تعلیمات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ یہ سب اضافہ وقت کے طالع آزما اقتدار پسند اور انسان دشمن قوتوں سے مذموم مقاصد کے حصول اور تکمیل کیلئے مذہبی رنگ میں رنگ دیئے ہیں حقیقتاً دہشت گردی، تخریب کاری اور انتہا پسندی کی برائی کا کسی خاص مذہب عقیدہ اور گروہ سے تعلق نہیں ہوتا۔

تاریخ میں جھانکیں تو بلاتمیز مذہب وملت متعدد معاشرے اس گناہ میں لتھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں تک سیکولرازم کا ڈھونگ رچانے والے بھی اتنے ہی بلکہ کچھ زیادہ گنہ گار نظر آتے ہیں۔ ہندوستان اور متعدد مغربی ممالک کی مثال ہمارے سامنے ہیں۔ آئر لینڈ، سربیا، بوسنیا، ہرزگوینا اور کروشیا میں کیا ہوا؟ آخر اسے کس کھاتے میں ڈالیں گے؟ یہ سب تو نام نہاد سیکولر معاشروں کا کیا دھرا ہے۔ مذاہب کا یا پھر ویٹیکن سٹی کے پوپ جان پال کا اس میں کوئی مشورہ شامل تھا؟ یا اب افغانستان کو تیا پانچا کرنے کے بعد عراق میں کشتوں کے پشتے کس مذہب کی مشاورت سے لگائے جا رہے ہیں۔ یہ سب کچھ ہوس زر اور تجارت کیلئے ہیں نہ کہ کسی نظریہ یا مذہب کی اشاعت اور پرچار کیلئے۔

انتہا پسندی اور استعمار پسندی کے خلاف اسلام میں جہاد:

اگر کوئی گروہ، فرقہ، جماعت یا حکومت جہانگیری و کشور کشائی کے شوق میں اندھی ہو جائے یا ملک گیری کی ہوس میں یا مال و اسباب کی لوٹ مار کی خواہش میں امن و امان کو خراب کرنے کی کوشش کرے جس سے کمزور قوموں کی آزادیاں سلب ہونے لگیں تو ایک اسلامی حکومت کو جہاد کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے تاکہ وہ استعماریت کا سدباب کر سکے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ط فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ. [۱۳]

ترجمہ: اور تم ان (فتنہ بازوں) سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ کے لئے ہو جائے، پھر اگر وہ (فسادی) باز آئیں تو کسی پر زیادتی نہیں مگر ظالموں پر۔ آیۃ ذیل کی تفسیر میں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کہتے ہیں زیادتی سوائے ظالموں کے اور کسی پر نہیں یعنی جو افراد بدی سے باز آ گئے وہ اب ظالم نہ رہے تو ان سب پر زیادتی بھی مت کرو، ہاں جو فتنہ سے باز نہ رہیں ان کو شوق سے قتل کرو۔

ایسے مواقع پر بھی اسلام جہاد کی اجازت دیتا ہے تاکہ اسلام کے پیروکار پوری آزادی سے اپنے مذہب پر عمل پیرا ہو سکیں۔ دوسرے فلسفہ حیات کو زبردستی سے ان پر لاگو نہیں کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسلام اپنے ماننے والوں کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ زبردستی اپنے افکار، نظریات اور فلسفہ حیات کو زبردستی دوسرے لوگوں کو پہنچائیں۔

اس کے برعکس انتہا پسندی اور دہشت گردی کا اصل مقصد عوام کو خوف و ہراس میں مبتلا کر کے سیاسی و معاشی فوائد حاصل کرنا ہوتا ہے...... چنانچہ یہ کہنا بالکل عین انصاف اور مناسب ہے کہ دہشت گردی نام ہے اخلاقی اقدار کو مٹانے کا اور

انسانیت سوز اور وحشیانہ اطوار کو زندہ کرنے کا کیونکہ اس قسم کے واقعات میں اکثر بوڑھے، کم سن بچے اور بے گناہ عورتیں قتل و غارت کا شکار ہوتی ہیں۔

زندہ انسانوں کو آگ میں جلا کر مارنا دہشت گردی کا کامیاب ہتھیار مانا جاتا ہے پھر دوسرے ممالک سے سفیروں، ایلچیوں اور مہمانوں کا اغواء اور ان کا خون بہانا تو موجودہ دور کی دہشت گردی کی کامیابی کی علامت تصور کی جاتی ہے۔ ابھی 14 دسمبر 2003ء کا دن وطن عزیز میں دہشت گردی کے بھرپور اظہار کا دن تھا۔ اس دن کی دہشت گرد کارروائی اتنی منظم اتنی نپی تلی تھی کہ خودکش کار سوار حملہ پورے حفاظتی حصار کو توڑ کر صدر مملکت کی گاڑی کو نقصان پہنچانے میں کامیاب رہے۔ ایک گاڑی سے حملے کے فوراً بعد دوسری گاڑی سے حملہ کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حملہ کی یہ اسکیم کتنی مکمل تھی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس مذموم کارروائی میں صدر مملکت کو کوئی گزند نہیں پہنچا مگر چند پولیس اہلکار سمیت ۱۵ قیمتی جان اس کے نتیجے میں جاں بحق ہو گئے۔

پاکستانی معاشرہ میں تشدد کے رجحانات:

ابھی وہ نسل بڑی تعداد میں موجود ہے جس کے سامنے ۱۹۴۷ء میں یہ ملک معرض وجود میں آیا پھر اس کے دو ٹکڑے ہوئے اور اس تنزل و شکست و ریخت کی سب سے بڑی وجہ پرتشدد سیاست اور صبر و تحمل و برداشت کی اقدار کا کمزور سے کمزور تر ہو جانا تھا۔ اس کی پہلی مثال مشرقی پاکستان (حال بنگلہ دیش) کی صوبائی اسمبلی میں اسپیکر کو کرسیاں مار مار کر ہلاک کرنے کی ہے۔ یہی وہ سیاست میں پہلا پرتشدد عمل تھا کہ جس کا ردعمل بڑھ کر ملک کو توڑنے کا باعث بنا۔ اس سیاسی کلچر نے ان روایات کو شدید نقصان پہنچایا جن میں یہ تعلیم دی گئی تھی کہ حسن سلوک، ایثار اور صلح جوئی اعلیٰ ترین قدریں ہیں اگر اس پر عمل کیا جاتا اور اختلافات کو گوارا کرتے ہوئے سیاسی رجحانات کو اسلام کی اخلاقی قدروں کے مطابق فروغ دیا جاتا تو آج کا پاکستان صحیح معنوں میں ایک فلاحی، اسلامی ریاست کی شکل اختیار کر چکا ہوتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ اختلاف کو برداشت کیا جائے اور اختلاف کے ساتھ اتحاد کی جانب آگے بڑھا جائے۔ تعالو الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم آؤ ان باتوں، قدروں اور نکات پر اتحاد کرتے ہیں جو کہ ہم میں مشترک ہیں۔ یہ تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اختلاف کے ساتھ اتحاد کی جانب بڑھنے کا طریقہ۔

لہٰذا پاکستان ہی نہیں جہاں جہاں مسلمانوں نے اس سے روگردانی کی نقصان اٹھایا اور اٹھا رہے ہیں۔ اس سلسلے کی سب سے بڑی نشانی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مخالفین اسلام کے خلاف تشدد کی تلقین نہیں کی بلکہ اعلیٰ ترین اخلاقی قدروں کو تمام تر مخالفتوں کے باوجود معاشرے میں عام کیا۔ خود بھی ظلم اور تشدد کو برداشت کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ اکرام نے بھی اسی راہ کو اپنایا۔

تاریخ گواہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ اس کا بہترین نمونہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے سے بڑے اختلاف کو صبر و ضبط اور حسن سلوک کے ذریعے حل کیا۔ بہتر تدبیر سے اور برائی کا بدلہ بھلائی سے دے کر دشمنوں کو

دوست بنایا لیکن بدقسمتی سے پاکستان کا معاشرہ اور لوگوں کی زندگیوں میں تشدد اور عدم برداشت کی کیفیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ تشدد، مار دھاڑ شہری اور دیہی زندگی کا حصہ بنتا جا رہا ہے۔ درسگاہیں، خانقاہیں اور عبادت خانے تشدد اور لڑائی جھگڑوں کا منظر پیش کر رہی ہیں۔ یہ اس تشدد کے زہر کا شاخسانہ ہے کہ کم فہم مذہبی رہنما اور نابالغ عقل سیاسی لیڈر معاشرے میں پھیلا رہے ہیں۔

انتہا پسندی و تشدد کے بڑھتے ہوئے رجحانات کا خاتمہ کیسے؟؟

سوال یہ ہے کہ مسلم معاشرے کو مذہبی و سیاسی تشدد کے بڑھتے ہوئے رجحانات کی جانب بڑھنے سے کس طرح روکا جائے۔ میری نظر میں اس مشکل کا حل اور واحد راستہ یہ ہے کہ ہم من حیث المجموع، من حیث القوم، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ کو اپنے لئے رول ماڈل بنالیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی دوسری منزل نہیں دوسری راہ نہیں ہے۔

ٹکراؤ اور احتجاج کی طرز سے ہمارا معاشرہ غیر مستحکم ہو رہا ہے۔ امن و امان کی صورتحال بگڑ رہی ہے۔ جرائم بڑھ رہے ہیں۔ دینی اقدار زوال پذیر ہے۔ فرقہ بندی اور گروہی تعصب کی بناء پر نسل نو ان سے بیزار اور باغی ہے۔ مخرب اخلاق چینلز اور فحش جرائد کیا کم تھے کہ انٹرنیٹ کا اضافہ ہوا۔ ان سب ذرائع سے معصوم بچوں کے اذہان بگڑ رہے ہیں اور اسی لئے نوجوان نسل میں تشدد کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ محرومیاں اور غم و غصہ بڑھ رہا ہے۔ تمام مسلم دنیا میں ایک مثال بھی نہیں دی جاسکتی جہاں انسان کو وہ پیدائشی، بنیادی اور اسلامی حقوق حاصل ہوں جو کہ اس کی تعلیمات کا خاصہ ہے۔ ہر جگہ آمریتوں اور غیر جمہوری قوتوں کا غلبہ ہے۔

تمام مسلم دنیا قرض، مراعات اور امداد غیر کے سہارے زندہ ہے اور یہی وہ چیز ہے جو قومی احتیاج کی دلیل ہوتی ہے اور پستیوں کا اعلان بنتی ہے۔

پوری ملت اسلامیہ کو اپنے وسائل موجودہ کو مجتمع کر کے علم کی بارگاہ میں نیاز مندانہ حاضر ہونا چاہئے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ سائنسی علوم و تکنیکی علوم کے لئے محنت کی جائے۔ ایک مربوط تعلیمی نظام جوامت مسلمہ کے ہر گروہ کی کفالت کرے یہی وقت کی آواز ہے۔

امت مسلمہ کے ۶۱ ممالک کے حکمران طبقہ، دانشور، اساتذہ اور تاجر برادری کی یہ اہم ذمہ داری قرار دی جائے کہ اقوام عالم میں گھوم پھر کر ان سیاہ گوشوں کے خلاف جہاد اور براۃ کا اظہار کریں جو امت مسلمہ کی امن پسند اقدار، روش اور تعلیمات کو داغدار کر رہے ہیں۔

اسلام دین امن و سلامتی ہے، دنیا کو پوری قوت سے باور کرانا چاہئے کہ یہ دین ہی اہل عالم کیلئے امن و سلامتی کا اعلان ہے۔ اس کی اساس ہی اسی پر ہے۔ ایمان میں امن، اسلام میں سلامتی تو اساسی طور پر موجود ہے پھر یہ ''الامین'' یعنی امن دہندہ نبی کا لایا ہوا دین ہے اور یہ بلاد امن یعنی امن والے شہر میں اولین مرکز کے طور پر نافذ کیا گیا ہے۔ دنیا کو پوری قوت سے یہ باور کرانا ہوگا کہ یہ دین ہی امن و سلامتی ہے۔ اس لئے کسی انتہا پسندی، تخریب کاری اور دہشت گردی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس امن و سلامتی کے حوالے سے ہم تاریخ عالم میں ایک شاندار اور روایات کے حامل

طویل تاریخ رکھتے ہیں۔ ہم فخریہ طور پر یہ بات دنیا والوں کو بطور مثال پیش کر سکتے ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی بخش دعوت پر لبیک کہنے والوں نے کس طرح جزیرۃ العرب میں امن، سلامتی اور اخوت کے بیج بوئے تھے جو یورپ کی نشاۃ ثانیہ تک مسلسل اپنے پھل دیتے رہے اور ہم مسلمانوں سے بہتر کون جانتا ہے کہ:

خون اپنا ہو یا پرایا ہو نسل آدمؑ کا خون ہوتا ہے
جنگ مشرق میں ہو کہ مغرب میں امن عالم کا خون ہے آخر
بم گھروں پر گریں کہ سرحد پر روح تعبیر زخم کھاتی ہے
کھیت اپنے جلیں کہ اوروں کے زیست فاقوں سے تلملاتی ہے
ٹینک آگے بڑھے کہ پیچھے ہٹیں کوکھ دھرتی کی بانجھ ہوتی ہے
فتح کا جشن ہو کہ ہار کا سوگ زندگی میتوں پہ روتی ہے
جنگ تو خود ہی ایک مسئلہ ہے جنگ کیا مسئلوں کا حل دے گی
آگ اور خون آج بخشے گی بھوک اور احتیاج کل دے گی

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مقالہ کیلئے درج ذیل سے استفادہ کیا گیا

(۱) ماہنامہ ساحل کراچی ماہ اکتوبر ۲۰۰۱ء
(۲) THE OXFORD GUIDE TO THE ENGLISH LANGUAGE.
(۳) ''دہشت گردی'' از انعام الرحمان سحری ۴۰ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور
(۴) نیو انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا والیم ۲ صفحہ نمبر ۶۵۰
(۵) القرآن (مائدہ آیہ ۳۲)
(۶) القرآن (بنی اسرائیل آیہ ۳۳)
(۷) سنن نسائی (تعظیم الدم صفحہ ۸۲)
(۸) بلوغ الحرام (ابن حجر عسقلانی باب الجزیۃ)
(۹) القرآن (المائدہ آیات ۳۳۔۳۴)
(۱۰) تفسیر عثمانی (شبیر احمد عثمانی صفحہ ۱۴۶)
(۱۱) اسلام کا نظام تعزیرات (عبدالرحمان بن عبدالعزیز صفحہ ۲۲۵)
(۱۲) صحیح البخاری جلد ۲ کتاب المغازی
(۱۳) القرآن (البقرہ ۱۹۳)
(۱۴) تفسیر عثمانی (شبیر احمد عثمانی صفحہ ۳۷)

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ، تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

مسز سلمٰی بی بی، بھمبر، آزاد کشمیر

دور حاضر اور امن کی کیفیت:

اس وقت دنیا شدید بدامنی اور انتشار کا شکار ہے، دنیا میں انتہا پسندی کا جو راج ہے قتل و غارت گری کا جو بازار گرم ہے اس کے تصور سے ہی روح کانپنے لگتی ہے۔ زبان پر لرزہ طاری ہونے لگتا ہے۔ آج جدھر نظر دوڑائیں خون سے لت پت لاشیں ہی لاشیں بکھری نظر آتی ہیں۔ انسانیت کی بے حرمتی نظر آتی ہے۔ شرافت کی توہین نظر آتی ہے خودداری کی تذلیل نظر آتی ہے کتنے دکھ اور افسوس کا مقام ہے کہ آج کا انسان حیوانیت اور بربریت کی تصویر بن کر احسن تقویم کی نفی کرنے پر تلا ہوا ہے کیا یہ سب آج کے ترقی یافتہ اور باشعور انسان کو زیب دیتا ہے آج جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے وہ بقول شاعر:

دیکھو تو ہر موڑ پہ مل جائیں گی لاشیں
ڈھونڈو گے تو اس شہر میں قاتل نہ ملے گا

دور حاضر میں غربت اور معاشی حالت:

اس وقت پوری دنیا میں ایک ارب سے زائد لوگ غربت کی انتہائی سطح پر ہیں۔ عراق، افغانستان، کانگو اور انگولا انتہائی غریب ممالک میں شامل ہیں۔ کل آبادی کا تقریباً نصف غربت میں مبتلا ہیں اور ان میں چالیس فیصد لوگ انتہائی غریب ہیں جن کو رہائش میسر نہیں۔ خوراک اور ابتدائی طبی امداد بھی نہیں مل رہی۔

روزنامہ خبریں کی ایک خبر میں تحریر ہے کہ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کوفی عنان نے فرانس، برازیل اور چلی کے سربراہوں سے ملاقات کے دوران کہا کہ دنیا بھر میں ایک کروڑ سے زائد افراد ہر سال بھوک سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اس وجہ سے مختلف قسم کی بیماریاں پھیل رہی ہیں۔ کوفی عنان نے مزید کہا کہ اس وقت غربت نے پوری دنیا کے نصف کو متاثر کر رکھا ہے۔ اس امر کی ضرورت ہے کہ اسلحہ کی بین الاقوامی فروخت پر غربت ٹیکس لگایا جائے۔[۱]

اس وقت غریب ممالک کا اوسط GDP 17 ارب ڈالر ہے جبکہ ۲۰۰۰ء میں امریکہ کا GDP دس ہزار ارب ڈالر سے زائد تھا۔ ایک تحقیق کے مطابق غریب ممالک قرضے کی جکڑ بندیوں میں اس طرح پھنسے ہوئے ہیں کہ وہ اصل رقم سے زیادہ ادا کر چکنے کے بعد بھی مقروض ہی ہیں۔

۱۹۸۳ء سے ۱۹۸۹ء تک مقروض ممالک ۱۶۵ ملین ڈالر فالتو ادا کر چکے ہیں اسی طرح ۱۹۹۴ء میں مقروض ممالک نے

اصل رقم سے ۱۱۲ ملین ڈالر قرض خواہ ممالک کو ادا کئے ہیں۔

IMF دنیا کے تقریباً ۷۶ ممالک کے معاشی اور اقتصادی فیصلے کرتا ہے جس کی وجہ سے ان ممالک میں مغربی دنیا کے خلاف شدید نفرت پیدا ہو رہی ہے اور دنیا کے اکثر غریب ممالک کے عوام یہ سمجھتے ہیں کہ مغربی ممالک ان کا استحصال کر رہے ہیں اور اس طرح عالمی سطح پر بدامنی اور بے سکونی کی فضاء پیدا ہو رہی ہے۔ یہی معاشی بے انصافی ملک کے اندر اور بیرون ہر قسم کی انتہاء پسندی خواہ وہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی پیدا ہونے کا بڑا سبب ہے۔

جہالت:

مذہبی انتہا پسندی اور عالمی امن کو تباہ کرنے والا دوسرا بڑا عامل تعلیم کی کمی ہے جن ممالک میں شرح خواندگی معیاری نہیں ہے وہاں مذہبی انتہا پسندی زیادہ ہے اور جہاں مذہبی انتہا پسندی زیادہ وہاں امن کی صورت حال کچھ زیادہ بہتر اور اچھی نہیں ہے۔

مذہب کا مقصد اور اس کی ضرورت:

مذہب بنی نوع انسان کی اہم ترین ضرورت ہے، مذہب اللہ تعالیٰ پر ایمان کی روشنی میں ایک جامع تحریک اور دینی احساس ذمہ داری کا نام ہے جس کا مقصد خیالات اور عقائد کی اصلاح اخلاقی اقدار کی ترقی اور معاشرے کے افراد میں اچھے تعلقات کا قیام اور ہر قسم کے ناجائز امتیازات کا خاتمہ ہے۔

مذہب انسان کو مصائب برداشت کرنے کی ہمت اور حوصلہ دیتا ہے، مایوسی اور ناامیدی کو ختم کرتا ہے۔ ایک مذہبی انسان جو خدا پر پختہ یقین رکھتا ہو اور اس کے کرم اور امداد پر بھروسہ کرتا ہو وہ مصائب و آلام کے مقابلہ میں کبھی ہمت نہیں ہارتا۔

مذہب کے نقطہ نظر میں تمام انسان اللہ کے بندے ہیں اور ہر ملک خدا کی ملکیت ہے۔ مذہب یہ تعلیم دیتا ہے کہ انسان خون، نسل، زبان کی بناء پر دوسرے سے برتر ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اسلام میں باہمی احترام اور عزت لازمی چیز ہے اور تکریم انسان اس کا بنیادی ''ماٹو'' ہے۔ انسانوں کی غالب اکثریت مختلف مذاہب کے ماننے والوں کی ہے لیکن مذہبی انتہا پسندی انسانوں میں بہت سی تلخیاں پیدا ہونے کا سبب بنتی ہے۔

اسلام تو ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ کسی ایک مذہب سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی شخص دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کی عبادات اور مذہبی رسومات کی ادائیگی پر معترض نہیں ہوگا اور مذہبی اختلاف کی وجہ سے دوسرے کے خلاف تشدد آمیز رویہ اختیار نہیں کرے گا۔ تمام مذاہب کو اس بات کی پابندی لازماً کرنی چاہئے کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کسی دوسرے کی دل آزاری نہیں کریں گے۔

مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان بنیادی مقاصد بڑی حد تک ایک ہیں۔ رسوم، عبادات اور دوسری تفصیلات میں بعض اختلافات موجود ہیں اسی لیے تو دنیا میں متعدد مذاہب موجود ہیں ورگرنہ سب ایک مذہب پر متفق ہوتے لیکن بنیادی طور پر اختلاف رائے کا حق ایک ایسا حق ہے جس پر معاشرے کی تعمیر و ترقی کا دارومدار ہے بشرطیکہ اس کا استعمال حدود کے

اندر رہتے ہوئے کیا جائے چنانچہ زندگی کے متعلق دوسرے امور کے ساتھ ساتھ مذہب بھی ایک اہم مسئلہ ہے جس کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے غور ہونا چاہئے کیونکہ اس کے اثرات بہت وسیع ہیں اور تاریخ انسانی میں سب سے زیادہ جنگ و جدل اسی بنیاد پر ہوا۔ انسانوں پر منفی اثرات ڈالنے میں مذہبی اور فرقہ وارانہ انتہا پسندی تمام دوسرے تعصبات سے زیادہ نقصان دہ ہے اس لیے سب سے زیادہ زور مذہبی انتہا پسندی کے اسباب سمجھنے پر صرف کیا جانا چاہئے۔

مذہبی انتہا پسندی کیا ہے:

مذہبی انتہا پسندی اس سے عبارت ہے کہ نہ صرف اپنے نظریات کو صحیح اور صادق سمجھنا بلکہ ان کے علاوہ جملہ نظریات کو غلط سمجھنا اور ان نظریات ماننے والوں کو کسی طور پر بھی ان کے جائز حقوق نہ دینا بلکہ بعض صورتوں میں ان کو خارج از اسلام سمجھنا۔

مذہبی انتہا پسندی کا آغاز:

ویسے تو مذہبی انتہا پسندی کی تاریخ بہت پرانی ہے اور حتمی طور پر اس کی تاریخ کا تعین نہیں کیا جا سکتا لیکن پھر چند واقعات کی بنیاد پر مذہبی انتہا پسندی کے بارے میں معلومات ملتی ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی قربانی کے ٦٦ سال بعد ایک مذہبی فرقہ سکوئی (یہودی انتہا پسند) نمودار ہوا اور اس نے فلسطین کی سرزمین پر اپنے مخالف مذہبی گروہ کا قتل عام شروع کیا۔ اس گروہ نے ١٩٦٦ء سے ١٩٧٣ء تک خوب قتل و غارت کی۔ اس فرقے میں زیادہ تر نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والے یہودی شامل تھے اور انہوں نے قتل و غارت کے نئے نئے طریقے اپنائے تھے جو فلسطین میں مروج نہیں تھے۔

اس فرقے کی کاروائیوں کے بعد گیارہویں صدی عیسوی سے لے کر تیرہویں صدی عیسوی تک ایک مذہبی فرقے اسماعیلی نے مذہبی انتہا پسندی کو مزید ابھارا اور اپنے مخالفین کو قتل کیا اسی فرقہ کے لوگوں نے صلاح الدین ایوبی کو بھی متعدد بار قتل کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔

مذہبی انتہا پسندی اور پاکستان:

پاکستان میں ویسے تو بہت سی چھوٹی چھوٹی انتہا پسند جماعتیں موجود ہیں مگر دو بڑی جماعتیں سپاہ صحابہ اور فقہ جعفریہ (سپاہ محمد) بہت زیادہ نمایاں ہیں ان دو جماعتوں کے انتہا پسندانہ نظریات کی وجہ سے بیشمار قیمتی جانیں ضائع ہوئیں۔ ١٩٨٦ء سے ١٩٨٩ء تک صرف ضلع جھنگ میں تین سو افراد اس مذہبی انتہا پسندی کی نظر ہو گئے۔ ٢٢ فروری ١٩٩٠ء میں مولانا حق نواز جھنگوی کو جھنگ میں قتل کیا گیا۔ ٩١-١٩٩٠ء میں چھ شیعہ علماء کو قتل کیا گیا۔ مولانا ایثار قاسمی رکن قومی اسمبلی اور سپاہ صحابہ کے صدر کو ١٩٩١ء میں قتل کر دیا گیا، ١٩٩٧ء میں مولانا ضیاء الرحمان فاروقی جو اس وقت سپاہ صحابہ کے صدر تھے پچیس ساتھیوں سمیت قتل کر دیا گیا اور حال ہی میں مولانا محمد اعظم طارق رکن قومی اسمبلی کو دن دہاڑے اسلام آباد جیسے محفوظ شہر میں قتل کر دیا۔

لشکر جھنگوی ١٩٩٦ء میں معرض وجود میں آیا اور ریاض بسرا کو سالار اعلیٰ منتخب کیا گیا، لشکر جھنگوی ٢٠٠١ء تک دہشت

گردی کی ۳۵۰ وارداتوں میں ملوث تھا۔ ریاض بسرا ۱۴ مئی ۲۰۰۲ء کو پولیس مقابلے میں مارا گیا اس کے سر کی قیمت ۵۰ لاکھ مقرر تھی اور ۳۰۰ مقدمات میں مطلوب تھا اس کے خلاف لاہور میں ایرانی قونصل صادق گنجی، سکندر شاہ چیئرمین شیعہ پولیٹیکل پارٹی، سید تجمل حسین سابق کمشنر سرگودھا، سید ذوالفقار حسین نقوی، محسن علی نقوی، ایس ایس پی محمد اشرف مارتھ اور کئی دوسرے افراد کے قتل کے مقدمات تھے۔

قاری عبدالحئی عرف طلحہ سالار جھنگوی نے مظفر گڑھ میں شیعہ مسلک کے چودہ افراد کو ہلاک کیا، ۱۹۹۳ء میں سپاہ صحابہ کے مقابلے میں سپاہ محمد بنانے کا اعلان ہوا اور لاہور میں سپاہ محمد کے رہنماؤں نے ایک پریس کانفرنس کی جس میں یہ اعلان کیا گیا کہ ہم لاشیں اٹھا اٹھا کر تھک چکے ہیں اب انشاء اللہ سارے حساب بے باک کریں گے اور سپاہ صحابہ کو صفحہ تاریخ سے مٹا دیں گے۔

سپاہ محمد ۱۹۹۳ء سے ۲۰۰۱ء تک دہشت گردی کی [illegible] وارداتوں میں ملوث رہی۔ ایک باشعور انسان سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ اتنے قیمتی افراد کا قتل کس کا نقصان ہے اور اس کی بنیادی وجہ کیا ہے۔ یہ سب مذہبی انتہا پسندی کا ثمر ہے۔ مذہبی انتہا پسندی نے ہم سے اتنے لوگ چھین لیے جو اپنی اپنی جگہ بہت ہی قیمتی تھے اور اس پر بس نہیں بلکہ وہ اپنے پیچھے نفرت اور انتقام کی آگ چھوڑ گئے ہیں جس کا اگر بروقت تدارک نہ کیا گیا تو نہ جانے مزید کتنی بربادی اور تباہی دیکھنا پڑے گی۔

مذہبی انتہا پسندی کے محرکات:

زندگی ایک عظیم تحفہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو عطا ہوا ہے اور یہ نعمت زندگی میں ایک بار ملتی ہے۔ اس لئے اسے کسی صورت بھی ضائع کرنا مناسب نہیں۔

انسانی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ایک انفرادی دوسرا اجتماعی اس میں بنیادی اہمیت فرد کو حاصل ہے کہ تعلیم و تربیت اور مذہب کے ذریعے وہ اپنے اندر پیدائشی طور پر موجود صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر زندگی میں اپنا کردار متعین کرے اور پھر جس معاشرے میں اس نے جنم لیا ہے اس میں بسنے والے تمام افراد کے لیے یکساں طور پر اپنے آپ کو مفید بنانے میں اپنی صلاحیتیں صرف کر دے اور ہر قسم کی انتہا پسندی کے خاتمے کی جدوجہد کرے۔

انسان کی آپس میں مساویانہ حیثیت کو برقرار رکھنے اور معاشرے کو ترقی و خوشحالی کی جانب رواں کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے ہر قسم کے تعصبات سے پاک رکھا جائے۔ ان تعصبات میں سب سے زیادہ مہلک مذہبی اور فرقہ وارانہ تعصب ہے جسے براہ راست مذہب کے غلط تصور نے جنم دیا ہے۔

مذہب قدرت کی طرف سے انسانوں کی رہنمائی کیلئے ایک عطیہ خداوندی ہے لیکن مذہب کا لبادہ اوڑھنے والے مفاد پرست اور اجارہ دار لوگوں نے مذہب کو عوام الناس کو جہالت میں مبتلا کرنے اور حقوق سے غافل رکھنے کا ذریعہ بنا لیا ہے اور عوام الناس کو اوہام اور فرسودہ روایات کے جال میں جکڑ کر ان کی تعمیری صلاحیتوں کو زنگ آلود کر دیتے ہیں۔

تمام انبیاء کی تعلیمات اللہ تعالیٰ پر یقین اور اس کی مخلوق کی بہتری کیلئے کام کرنے کے گرد گھومتی ہے چنانچہ خالق کی

ذات پر ایمان لانے اور اس کی ہدایات پر عمل کرنے سے انسان کے اندر انسان دوستی پیدا ہوتی ہے۔

اس طرح ہمیں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد کو اپنے اپنے طریقوں پر خالق کائنات کی عبادت کرنے اور اپنے اپنے طریقوں سے اپنی ثقافتی زندگی گذارنے کا حق دیتے ہوئے سب کو انسانی زندگی کو بہتر اور خوشگوار بنانے کے عمل میں شریک کرنا چاہئے اور اس کے لیے مذہبی انتہا پسندی اور مذہبی تعصب کو ختم کرنا ہوگا۔

مذہبی انتہا پسندی اور اس کا خاتمہ سیرت طیبہ کی روشنی میں:

اسلام محبت اور رواداری کا مذہب ہے۔ اسلام سے قبل انبیاء کی تعلیمات میں کسی قسم کی مذہبی انتہا پسندی نظر نہیں آتی۔ یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو جب وہ قحط سالی سے مجبور ہو کر آئے کچھ نہ کہا بلکہ ان کی خوب عزت و تکریم کی۔

اسلام کا بنیادی فلسفہ صرف محبت اور رواداری کی تلقین کرنا نہیں بلکہ اس کو دنیا میں پھیلانا ضروری ہے۔ اسلام انسانیت کو اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ اپنے نظریات پر قائم رہتے ہوئے اور ان پر عمل کرتے ہوئے دوسروں کے عقائد اور نظریات برداشت کیے جائیں اور ان کو ان نظریات پر عمل کرنے کی آزادی دی جائے۔ ذیل میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس طرح لوگوں کو عملی طور پر بتلایا کہ اسلام میں کسی قسم کی بھی مذہبی انتہا پسندی نہیں موضوع کو واضح کرنے کے لیے چار عنوانات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱۔ مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ رواداری کی شکل میں
۲۔ مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ احترام انسانیت کی شکل میں
۳۔ مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ عدل کی صورت میں
۴۔ مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ باہمی تعاون کی صورت میں

۱۔ مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ رواداری کی شکل میں:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ پہنچے تو یہود کے تین قبائل وہاں آباد تھے۔ بنو قینقاع، بنو قریظہ، بنو نضیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے معاہدہ کیا اس کے بعد اطراف میں بسنے والے غیر مسلم قبائل سے معاہدے کیے اور مخالف حکومتوں کو باہمی تعاون کی دعوت دی۔

صلح حدیبیہ میں بظاہر ساری شرائط تلخ تھیں لیکن بقول ڈاکٹر حمید اللہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہنا تھا کہ میں صلح کے لیے آیا ہوں اس لیے مکہ والے مجھ سے جو کچھ مانگیں گے میں دینے کے لیے تیار ہوں۔ [۲۲]

اس معاہدے میں ایک مشترکہ بات تھی کہ باہم لڑائی بھی نہیں ہوگی اور دھوکہ بھی نہیں ہوگا۔

اس معاہدے کو دیکھ کر بنو کنعانہ اور قضاعہ کی بڑی پرانی دشمنی تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیر انتہا پسندانہ عادت کو دیکھ کر باہمی دشمنی کو بھول گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو خطوط کسریٰ اور ہرقل کو لکھے ان میں ان کو دین کی دعوت کے

بعد کہا گیا کہ ہمارے تمہارے درمیان توحید متفق ہونے والا نقطہ بن سکتا ہے۔

عیسائیوں اور یہودیوں کے متعلق جو رویہ مسلمانوں کا رہا اس سے متعلق چند واقعات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے یہود سے جو معاہدہ کیا اس کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

بنی عوف کے یہود مسلمانوں کی طرح ایک ملت شمار ہوں گے ہر قسم کے حملے کے خلاف ان کا دفاع مسلمانوں کے ذمے ہوگا۔ یہود کے حلیف مسلمانوں کے حلیف شمار ہوں گے اور ہر مظلوم کی حمایت کی جائے گی خواہ وہ کسی گروہ سے ہو۔[۴]

نجران کے عیسائیوں کو جو آزادی کا منشور دیا گیا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

نجران کے عیسائی خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت میں ہوں گے ان کے جان و مال وعقائد اور علاقوں کی حفاظت کی جائے گی اور یہ حفاظت کی ذمہ داری نہ صرف ان تک محدود ہوگی جو اس وقت موجود ہیں بلکہ ان پر بھی عائد ہوگی جو اس وقت موجود نہیں۔

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں اور عیسائیوں سے معاہدہ کر کے دنیا کو یہ بتلا دیا کہ اسلام میں کسی قسم کی مذہبی انتہا پسندی نہیں ہے۔

۲۔ مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ احترام انسانیت کی شکل میں:

اسلام نے انسان کو وہ عزت بخشی جس کا اس سے پہلے تصور بھی نہیں تھا۔ قطع نظر مذہب، نسل، رنگ انسان کی عزت کرنا سکھایا۔ یہاں تک کہ جنگ میں دیگر مذاہب کے مقتولوں کا مثلہ کرنا ممنوع قرار دیا کیونکہ اس سے انسانیت کی تذلیل ہوتی ہے۔

نجد کے ایک سردار ثمامہ بن اثالؓ ایمان لاتے ہیں نجد واپس جا کر انہوں نے اہل مکہ کو پیغام بھیجا خدا کی قسم اب جب تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے حکم نہیں دیں گے غلے کا ایک دانہ بھی مکہ نہیں جائے گا، غلے کی بندش سے مکہ کی معاشی حالت اور بھی خراب ہوگئی۔ آخر مکہ والے مجبور ہو گئے۔ ذلت کا احساس لیے ہوئے مدینہ ایک وفد بھیجتے ہیں اور التجا کرتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم ہمیشہ نیکی مہربانی اور محبت کی تعلیم دیتے رہے ہو اب اپنے شہریوں اور ہم وطنوں پر رحم کرو، ہم بھوک سے مر رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً ثمامہ بن اثالؓ کو ایک خط کے ذریعے غلے کی بندش اٹھانے کا حکم دیا اور مزید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانچ سو اشرفی مکہ کے فقراء اور غرباء بھیجتے ہیں یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان لوگوں کے ساتھ برتاؤ ہے جو اسلام کے دشمن تھے اگر مذہبی انتہا پسندی ہوتی تو غلہ بھیجنے اور اشرفیوں سے مدد کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔[۵]

اسلام نے مفتوحہ علاقوں اور ممالک میں انسانی مقاصد کو پوری طرح عملی جامہ پہنایا، اسلام لانے کی شکل میں ان سب کو عربوں کے برابر حقوق دیئے اس طرح فارسی النسل بازان کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یمن کا حاکم باقی رکھا اسی طرح صنعاء کے حاکم فیروز کو اس کے عہدہ پر برقرار رکھا۔[۶]

جب قیس بن عبد یعوث نے ان لوگوں کو وہاں سے نکال دیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فارسی مسلمان کی حمایت کی اور

اسے دوبارہ بحال کر دیا۔[۷]

حضرت عمر فاروقؓ ایک دفعہ جا رہے تھے ایک یہودی بوڑھے کو بھیک مانگتے دیکھا۔ آپؓ نے اس سے پوچھا کہ تمہیں اس بات پہ کس نے مجبور کیا اس نے کہا کہ بوڑھا ہوں ضرورت مند ہوں اور جزیہ بھی دینا ہے۔ حضرت عمرؓ اسے اپنے گھر لائے اس کی عزت کی اور اسے اپنے پاس سے کچھ دیا اور بیت المال کے خازن کو حکم دیا کہ معذور ذمیوں کا خیال رکھو اور ان سے جزیہ لینا موقوف کر دو کیونکہ یہ انصاف نہیں ہے کہ جوانی میں جزیہ وصول کریں اور بڑھاپے میں انہیں رسوا کریں۔[۸]

اس طرح یہ حقیقت عیاں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؐ کے صحابہؓ اور عام مسلمانوں نے کبھی مذہبی انتہا پسندی کا مظاہرہ نہیں کیا اور تمام لوگوں سے انسانیت پر مبنی برتاؤ کیا۔

۳۔ مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ قیام عدل کی صورت میں:

اسلام پوری دنیا میں انسانیت کی بنیاد پر ایک عادلانہ نظام قائم کرنے کا مدعی ہے اور اس میں مسلم اور غیر مسلم کی تمیز روا نہیں رکھتا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَ مَنْ يَّأْمُرُ بِالْعَدْلِ[۹]

اللہ تعالیٰ تم کو عدل کو رویہ اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ[۱۰]

جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

کسی قوم کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔[۱۱]

حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور مقرب شخص امام عادل ہوگا اور سب سے زیادہ مغضوب اور شدید عذاب کا مستحق ظالم حاکم ہوگا۔

اسلام نے عدل کا وہ معیار دیا ہے جسے مذہبی انتہا پسندی بغض اور محبت ٹیڑھا نہیں کر سکتے۔

حضرت عمر فاروقؓ مدینہ سے باہر تھے تو ایک ذمی دوڑا ہوا آیا کہ مسلمان اس کے انگوروں کے باغ میں گھس گئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ واقعی مسلمانوں نے انگور کھائے ہیں اس پر حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ باغ والے انگوروں کی قیمت ادا کی جائے۔

رباح بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت انسؓ بن مالک کو کہتے سنا کہ ایک یہودی شخص دھوکے سے قتل ہوگیا تو حضرت عمرؓ نے بارہ ہزار درہم دیت کا فیصلہ کیا۔

اس طرح مسلمانوں نے کبھی بھی مذہبی انتہا پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوسروں کے حقوق کو پائمال نہیں کیا۔ آج

ہم بھی مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ کر کے انسانیت کو تباہی سے بچا سکتے ہیں۔

4- مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ باہمی تعاون کی صورت میں:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ [1]

اور تم ایک دوسرے باہم تعاون کرو خیر اور تقویٰ کے لیے اور ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو گناہ اور زیادتی کے لیے اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ صرف مسلمانوں سے تعاون کرو اور غیر مسلموں سے تعاون نہ کرو بلکہ تعاون کی اصل بنیاد نیکی اور خدا ترسی قرار دی ہے۔ اس کے مقابلہ میں گناہ اور زیادتی کے کاموں سے روکا گیا ہے یہی اسلام کا منشور ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے جاتے ہیں اور وہاں مختلف معاہدے کرتے ہیں۔ 2ھ میں بنی ضمرہ سے بہت اہم اور اولین معاہدہ ہوا جس میں باہم تعاون بری باتوں اور عہد شکنی سے بچنے کی شرائط ہیں معاہدے کے الفاظ اس طرح ہیں:

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

ھذا کتاب من محمد رسول اللّٰہ لبنی ضمرہ بانھم آمنون علی اموالھم اور انفسم

وان لھم النصر علی من دھمھم یظلم

وعلیھم النصر النبی مابل بحر صوفہ الا ان یحاربوا فی دین اللّٰہ علیھم بذلک ذمۃ اللّٰہ و رسولہ

ولھم النصر علی من بر منھم واتعی [3]

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلی دفعہ مدینہ پہنچے وہاں یہودیوں کی اقلیت بھی تھی جو دولت اور زمین کی ملکیت کے لحاظ سے خاصی با اثر تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ جس قسم کا معاہدہ کیا اس سے اسلام کی صحیح روح کا اندازہ ہو سکتا ہے، انہیں اپنے عقائد و اعمال کی پیروی کرنے اور اپنے طریقہ زندگی کو آزادی سے ادا کرنے کا مکمل حق تسلیم کیا گیا اور کسی جگہ بھی مذہبی انتہا پسندی کا مظاہرہ نہ کیا۔

ڈاکٹر حمید اللہ اپنی کتاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی زندگی میں رقم طراز ہیں۔

''مدینہ آنے کے چند ہی مہینوں بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آس پاس کے قبائلی علاقوں کا دورہ فرماتے اور ان سے حلیفانہ تعلقات قائم فرمانے لگے چنانچہ مدینہ سے ینبوع تک جو علاقہ ہے وہاں کے قبائل نے باوجود اسلام قبول نہ کرنے کے اس بات پر آمادگی ظاہر کی کہ اگر مدینہ پر کوئی حملہ آور ہو تو یہ مسلمانوں کو مدد دیں اور اگر ان کے علاقے پر کوئی چڑھائی کرے تو مسلمان ان کو مدد دیں۔''

اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی جگہ بھی چاہے وہ جنگ کی حالت ہو یا امن کی مذہبی انتہا پسندی کا مظاہرہ نہیں کیا۔

خلاصہ:

درج بالا دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اسلام کی اصل تعلیمات میں کہیں بھی کسی تعصب کی گنجائش نہیں تعصبات میں سب سے زیادہ مہلک تعصب مذہبی اور فرقہ وارانہ تعصب ہے جسے مذہب کے غلط تصور نے جنم دیا ہے۔ مذہب کا لبادہ اوڑھنے والے مفاد پرست اور اجارہ دار یہ چاہتے ہیں کہ عوام کو جہالت میں مبتلا رکھا جائے اور اوہام اور فرسودہ روایات میں جکڑ کر ان کی تعمیری صلاحیتوں کو زنگ آلود کر دیا جائے اگر ہم نے اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور نہ کیا اور مذہبی انتہا پسندوں کو چیک نہ کیا تو ہمارا اتحاد پارہ پارہ ہو جائے گا اور قومی ترقی رک جائے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔

حوالہ جات

۱۔ روزنامہ خبریں 2 فروری ۲۰۰۴ء

۲۔ جہاد کشمیر و افغانستان، محمد عامر رانا

۳۔ رسول اکرم کی سیاسی زندگی از محمد حمید اللہ

۴۔ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر حمید اللہ

۵۔ کتاب الجراج۔ ابی یوسف

۶۔ کتاب الجراج۔ ابی یوسف

۷۔ کتاب الجراج۔ ابی یوسف

۸۔ مصنف عبدالرزاق ۹/۴۷۵

۹۔ القرآن انمل

۱۰۔ القرآن النساء

۱۱۔ القرآن المائدہ

۱۲۔ القرآن المائدہ

۱۴۔ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر حمید اللہ

۱۵۔ رسول اکرم کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر حمید اللہ صفحہ ۱۰۱

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ، تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

سیدہ ساجدہ گیلانی، اسلام آباد

کروڑوں درود اور سلام ہوں اس نبی رحمت پر جو سلامتی اور امن و آشتی کا مذہب (اسلام) لے کر آئے جو کامل نظام زندگی ہے اس میں توحید کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانیت کے اتحاد کی بنیاد رکھی۔ نماز کے ذریعے نظم وضبط اور پابندی اوقات کی تعلیم دی۔ روزہ کے ذریعے غریبوں کی بھوک پیاس اور مدد کا جذبہ سکھایا، زکوٰۃ کے ذریعے غریبوں، مسکینوں، محتاجوں اور بیواؤں کے مسائل کو حل کرنا سکھایا۔ سرمایہ داری کا خاتمہ کر کے تقسیم وراثت کے ذریعے دولت کو چند ہاتھوں سے نکال کر گردش دولت کا راستہ کھول دیا، حقوق کے ساتھ ساتھ فرائض کی پابندی بھی سکھائی اور دلوں کے کینے کو دور کر کے محبتوں سے بھر کر آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے پہلے یہود و نصاریٰ اپنے آپ کو اللہ کے بیٹے اور محبوب کہتے تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ کوئی اور جنت میں داخل نہ ہوگا سوائے ان کے۔ روم کے رومنر خود کو بادشاہ اور دوسروں کو غلام سمجھتے اور اپنے سے مختلف عقیدہ رکھنے والوں کو بھوکے شیروں کے آگے ڈال دیتے۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے جھگڑے میں ہزاروں قتل کیے گئے۔ برہمن اپنے مذہبی شلوک کسی شودر کے کان میں پڑ جانے پر کانوں میں پگھلا سیسہ ڈلوا دیتے تھے۔ غرض قوموں کی ذہنیتوں میں جو منافرت اور تعصبات تھے ان کا جواب مصلح اعظم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیا کہ ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہے اور مخلوق ساری خدا کا کنبہ ہے۔ یہ پہلا سبق تھا کتاب ھدیٰ کا۔

کہ مخلوق ساری ہے کنبہ خدا کا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور ۲۳ سال کی شب و روز کی محنت سے مسلمان ایک ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ نے پوری جذب و توجہ کے ساتھ عبادت کی طرح اس علم کو حاصل کیا اور پوری ایمانداری کے ساتھ آگے منتقل کر دیا اس میں کوئی ملاوٹ، فرقہ بندی یا رورعایت کسی خاص طبقے کی نہ رکھی۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں کے علم و دانش نے ہر شعبہ ہائے زندگی کو امتیازی حیثیت عطا کی جب کہ یورپ اس وقت جہالت کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ تعلیمات میں علم کے ساتھ عمل پر زور دیا گیا تھا اور ہر شخص صرف گفتار کا ہی نہیں بلکہ کردار کا بھی غازی تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن کو بعین اسی طرح آگے بڑھایا لیکن آہستہ آہستہ ایک وہ دور آ گیا جس میں علم کے ساتھ عمل کا جذبہ کم پڑتا گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پس پشت ڈال دی گئیں۔ صوبائی، قبائلی اور مذہبی عصبیتیں جنم لیتی گئیں، اقربا پروری کے غالب آنے سے اصول ٹوٹتے گئے نئے نئے

قوانین بنتے گئے اور اس طرح تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذہنوں اور دلوں میں مدھم پڑنے سے سانحہ کربلا اور سانحہ حرہ پیش آئے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''آسانی کرو تکلیف میں مبتلا نہ کرو، تسکین دو نفرت نہ پیدا کرو۔''

جوں جوں دولت کی فراوانی ہوتی گئی دین سے رغبت کم ہوتی گئی اور مسلمان تہتر فرقوں میں بٹ گئے۔ مذہبی شدت پسندی میں اضافہ ہوتا گیا۔ دہشت گردی اور تشدد بھی عام ہو گئے کسی کی جان و مال محفوظ نہیں رہے۔ پچھلے چند سالوں میں تو چن چن کر علمائے دین کو قتل کیا گیا اور اسی مذہبی شدت پسندی کی آڑ میں دشمن ممالک کے ایجنٹوں نے بھی خوب کھیل کھیلے۔ کبھی ہتھوڑا گروپ سامنے آیا تو کبھی شیعہ سنی فساد بہانہ بنا، مسجدوں، امام بارگاہوں اور چرچوں میں بے گناہ افراد کے قتل کا سلسلہ دراز ہی ہوتا چلا گیا۔ صدر مملکت بھی ان کی دست درازیوں سے بال بال بچے۔

مذہبی شدت پسندی کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے ہم اس کے ازالہ اور سدباب کی کوششوں کا سیرت طیبہ کی روشنی میں جائزہ لیں گے۔

نفس پرستی یا تکبر:

آج کے دور میں نفس پرستی اور تکبر عام ہے جس شخص کو دولت، علم یا عہدہ مل جاتا ہے وہ دوسروں کو اپنے سے کمتر سمجھنے لگتا ہے جب کہ اسلام انکساری اور کسر نفسی کی تعلیم دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''مومن کو اپنے سے افضل سمجھو۔''

بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو مومن کی پہچان یہی بتائی ہے:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده

یعنی مومن وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان امن میں رہیں۔ خاندان قبیلے تو صرف شناخت اور پہچان کے لئے بنائے گئے۔

ترجمہ: لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔

لڑنے جھگڑنے سے منع فرمایا۔ فرمان ربی:

اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر چلو، آپس میں جھگڑا نہ کرنا ورنہ تمہارا اقبال جاتا رہے گا اور صبر سے کام لو۔

آج کے دور میں جھوٹی انا اور فخر عام ہے اور اس کا شکار لوگ دوسرے لوگوں پر زبردستی کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ ہر شخص اپنا نقطہ نظر صحیح سمجھتا ہے اور دوسرے کو غلط سمجھ کر دست درازی کی کوشش کرتا ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان:

(متفق علیہ) مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اس کی تحقیر و توہین کرتا ہے جو کسی مسلمان بھائی کی حاجت روائی کرے اللہ اس کی حاجت روائی کرتا ہے۔

نفس پرستی کا جذبہ چھوٹے سے محبت اور بڑے کی عزت کرنے نہیں دیتا اور معاشرے میں ناہمواری، بے ادبی اور بدتمیزی پھیلتی ہے۔ کسی کو اپنے نسب کا فخر ہے، کسی کو دولت کا کوئی اپنے عہدے پر نازاں ہے تو کوئی علم پر اور پھر یہ اپنی نفس پرستی کی وجہ سے اپنے مذہبی نقطہ نظر کی حمایت کر کے دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں جن میں مخالفوں پر حملے کرانا، اغواء کرانا حبس بے جاء اور قتل تک بھی کرا سکتے ہیں۔ اسی سال اسلام آباد کی ایک یونیورسٹی میں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فنکشن میں مخالف گروپ کے لوگوں نے حملہ کرا دیا اور چھ سات لڑکوں کو زخمی کر دیا جب کہ اساتذہ اور مہمانوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی جب کہ قرآن کریم میں فرمان ربی:

ترجمہ: ہم نے تم میں سے ہر ایک فرقے کے لئے ایک دستور اور طریقہ مقرر فرمایا ہے اور اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی شریعت پر کر دیتا مگر جو حکم اس نے تم کو دیئے ہیں اُن میں وہ تمہاری آزمائش کرنی چاہتا ہے سو نیک کاموں میں جلدی کرو تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر جن باتوں میں تم کو اختلاف تھا وہ تمہیں بتا دے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالق کائنات کے عطا کردہ شرف سے آگاہ کر کے فرمان ربی سنایا:

ترجمہ: ہم نے پوری اولاد آدم کو قابل تعظیم و تکریم پیدا کیا ہے، سب کی عزت و احترام کرو، کسی کو حقیر مت سمجھو۔

یہ ارشاد جہاں انسانیت کے پسماندہ لوگوں کو بلند مقام عطا کرتا ہے متکبر لوگوں کے لئے ایک سبق ہے۔ خطبہ حجتہ الوداع میں ایک لاکھ پچیس ہزار انسانوں کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعلان حق یہ تھا:

کسی عربی کو عجمی پر عجمی کو عربی کالے کو گورے پر گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں اگر ہے تو تقویٰ کی وجہ سے۔

اس کے علاوہ فرمایا:

لوگو! تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے ہیں۔

ایک بار فرمایا:

جو چھوٹوں سے محبت اور بڑوں کی عزت نہیں کرتا، مسلمان نہیں ہے۔

اسی طرح بزرگوں کی عزت کرنے کے بارے میں فرمایا:

جب کوئی شخص کسی بزرگ کی عزت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے میں اس کی عزت کرنے والے پیدا کر دیتے ہیں۔ (ترمذی)

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہؓ کے ساتھ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ اچانک آہستہ ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ نے وجہ پوچھی تو فرمایا دیکھتے نہیں ہمارے آگے بزرگ جا رہے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے کہا وہ تو یہودی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا یہودی ہے تو کیا ہوا عمر میں تو بزرگ ہے۔ آج اقوام عالم کے دل و دماغ پر طاقت وتکبر کا نشہ ہے اور وہ کمزور قوموں پر ظلم کو اپنا حق سمجھتی ہیں جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طاقت کے باوجود غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ فرمایا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے روگردانی!

مادہ پرستی کے اس دور میں دولت نے اتنی اہمیت اختیار کر لی ہے کہ جس کے پاس جا رہے ہیں اس سے حق بات کہتے ہوئے ہر کوئی ڈرتا ہے اور اس کی غلط بات کی بھی ہاں میں ہاں ملائی جاتی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بالائے طاق رکھ دیا گیا ہے ہر شخص اپنی دانست میں غیرت بچا کر جی رہا ہے جبکہ فرمان ربی ہے:

ترجمہ: تم میں سے ایک جماعت ضرور ہونی چاہئے جو نیکی کی طرف بلائے اور حکم دے بھلائی کا اور روکا کرے بدی سے اور یہی لوگ کامیاب وکامران ہیں۔ (آل عمران:۱۰۴)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جب میری امت دنیا کو قابل وقعت وعظمت سمجھے گی تو اسلام کی وقعت اس کے دل سے نکل جائے گی اور جب وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی اور جب آپس میں سب وشتم کرنا اختیار کرے گی تو اللہ جل شانہ کی نگاہ سے گر جائے گی۔ (ترمذی)

ایک جگہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اختیار کرنے والی امت کے بارے میں فرمایا:

''تم ایک بہترین امت ہو (جو ظاہر کی گئیں لوگوں کی ہدایت اور بھلائی کیلئے) تم حکم دیتے ہو نیکی کا ارادہ رکھتے ہو برائی سے اور ایمان رکھتے ہو اللہ پر۔'' (آل عمران ۱۱۰)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جس قوم میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا رواج نہ رہے وہ جلد ختم ہو جاتی ہے۔''

حق بات ظالم کے سامنے کہنے کو جہاد کا درجہ دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''برائی کو پہلے ہاتھ سے (طاقت سے) روکنے کی کوشش کرو، اگر اتنی طاقت نہیں تو زبان سے برا کہو اگر یہ بھی نہ کر سکو تو دل سے برا جانو، یہ کمزور ترین ایمان ہے۔''

دوسرے مذاہب ایک تہذیب وتمدن کی حیثیت سے ختم ہو چکے ہیں کیونکہ ان میں بین الاقوامی وسعت موجود نہیں تھی جبکہ اسلام کی بنیاد جن اصولوں پر ہے وہ عالمگیر صداقت کے حامل ہیں۔ یہ صداقتوں کے چراغ بالکل بجھ نہیں سکتے جب بھی ان چراغوں کی روشنی مدھم پڑی ہزاروں شیدائے حق آگے بڑھے اور خاک وخون میں نہا کر ان چراغوں کو تازہ غذا دے گئے۔ مذہبی شدت پسندی کو روکنے کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بھرپور رواج دینا ہوگا کیونکہ اس سے چشم پوشی سے ہی مذہبی شدت پسندی کے رجحان کو پنپنے کا موقع ملا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''مسلمان کو گالی دینا بدکاری ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے۔'' (متفق علیہ)

قرآن کریم میں اس طرح فرمایا:

ترجمہ: اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیجئے، حکمت کے ساتھ عمدہ نصیحت کے ساتھ اور مباحثہ کیجئے تو ایسے طریقے کے ساتھ جو انتہائی بھلا ہو۔ (نحل ۱:۵)

اسی طرح اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے بھی منع فرماتا ہے جو اللہ کے دین کا مذاق اڑائیں:

(سورۃ النساء: ۱۴۰) ترجمہ: جب تم کہیں سنو کہ اللہ کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جا رہی ہے تو ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو جب تک کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں ورنہ تم بھی ان ہی جیسے ہو جاؤ گے۔''

ابن مسعودؓ کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''سنت الٰہی یہ ہے کہ ہر نبی اپنے ساتھیوں اور تربیت یافتہ یاروں کی ایک جماعت چھوڑ جاتا ہے یہ جماعت نبی کی سنت کو قائم رکھتی ہے اور ٹھیک ٹھیک پیروی کرتی ہے یعنی شریعت الٰہی کو جس حال اور شکل میں نبی چھوڑ جاتا ہے اس کو بعینہٖ محفوظ رکھتے ہیں اور اس میں ذرا بھی فرق نہیں آنے دیتے لیکن اس کے بعد شر و فتن کا دور آتا ہے اور ایسے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جو طریقہ نبی سے ہٹ جاتے ہیں ان کا فعل ان کے دعوے کے خلاف ہوتا ہے اور ان کے کام ایسے ہوتے ہیں جن کا شریعت نے حکم نہیں دیا ہو۔ ایسے لوگوں کے خلاف جس شخص نے قیام حق و سنت کے لئے اپنے ہاتھ سے کام لیا وہ مومن ہے اور جو ایسا نہ کر سکا مگر زبان سے کام لیا وہ بھی مومن ہے اور جس سے یہ بھی نہ ہو سکا اور دل کے اعتقاد اور نیت کے ثبات کو ان کے خلاف کام میں لایا وہ بھی مومن ہے لیکن آخری درجہ کے بعد ایمان کا کوئی درجہ نہیں حتیٰ کہ رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہو سکتا۔ (مسلم)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دعوت الی الخیر اور تفرقہ بازی سے اجتناب امت مسلمہ کا طرہ امتیاز تھا مگر آج ہم اسی امتیازی شان سے محروم ہو چکے ہیں ہم میں سے ہر شخص اپنے فرائض منصبی سے غافل ہے۔ علمائے کرام اور دیندار حضرات اس کو ماڈرن اور ترقی پسند لوگوں کی ذمہ داری سمجھتے ہیں اور ماڈرن اور ترقی یافتہ لوگوں نے اسلام کو مولوی حضرات کی ذمہ داری قرار دے کر سبکدوش ہو گئے۔ علمائے کرام اور مولوی حضرات آپس کی تکفیر بازی اور اندرونی خلفشار میں الجھ کر رہ گئے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس تعلیمات کو عام کرنے کے بجائے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور سر پھوڑ دینے پر آمادہ ہوئے کھڑے ہیں کہیں بشریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جھگڑا ہے تو کہیں نور کی بحث پر ڈٹے ہیں حالانکہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلیل دینے والے اس نور کو دنیا سے ظلمت دور کرنے کے لئے کیوں پیش نہیں کرتے۔ دوسرے براعظموں میں جا کر اس دین کی روشنی کو کیوں نہیں پھیلاتے؟ حوصلہ شکن ظلمتوں پر نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شمعیں کیوں نہیں جلاتے؟ بشریت کی بحث

میں الجھنے والے آج ظلم اور دکھ درد کی ستائی ہوئی بشریت کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا سبق کیوں نہیں پڑھاتے کہ ان کے تمام دکھوں اور مشکلات کا حل نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور محسن انسانیت کی تعلیمات پر عمل کرنے اور ان کے دامن میں پناہ لینے میں ہے جو دنیا سے ظلمت گمراہی اور فساد کو دور کر کے دلوں کو جوڑنے اور محبتیں بانٹنے کے لئے تشریف لائے۔

عدم برداشت کا جذبہ اور مذہبی عصبیت:

آج ہم تاریخ کے نازک ترین دور سے گذر رہے ہیں۔ عالم اسلام ظلم وکفر میں گھرا ہوا ہے، انسانیت پر جنگ کے بادل چھائے ہیں، بڑی طاقتیں بہانے بہانے اسلامی حکومتوں کو کمزور کر کے نگلنے کی فکر میں ہیں۔ افغانستان اور عراق کی مثال ہمارے سامنے ہیں۔ اس خطہ زمین کے امن کو سخت خطرہ لاحق ہے اور ہم باہم دست وگریباں ہیں کہیں شیعہ سنی کا جھگڑا ہے تو کہیں دیوبندی، بریلوی اور کہیں نور وبشر کا تنازعہ کھڑا ہے۔ ہم ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے انتہا تک جا چکے ہیں، معاملہ یہاں تک جا پہنچا ہے کہ ایک دوسرے کی عبادت گاہوں پر فائرنگ اور خودکش حملے روزانہ کا معمول بن چکے ہیں۔ کیا ہم دوسری اقوام کو اسلام کا یہ گھناؤنا اور مکروہ چہرہ دکھا رہے ہیں۔ مسلمان کو تو باہمی حسد وعناد سے منع فرمایا گیا۔ مسلمان کو کافر کہنا ہمیشہ سے حرام تھا اور ہے۔ دل آزاری ہر زمانے میں حرام اور گناہ عظیم تھی مگر آج امت مسلمہ میں انتشار اور جھگڑا فساد کو ختم کر کے ملت اسلامیہ کے دلوں میں محبت کے چراغ جلا کر باہمی الفت اور محبت کے مضبوط رشتے قائم کر کے بنیان مرصوص بنانے کی ضرورت ہے۔ خدمت اسلام کے بعض داعی اصل تعلیمات اسلامی کو چھوڑ کر فروعات میں الجھے ہوئے ہیں۔ اس طرح اپنی طرف سے تو وہ دین کی خدمات انجام دے رہے ہیں لیکن حقیقت میں وہ بھولی بھالی امت مسلمہ کو انتشار وافتراق میں مبتلا کر رہے ہیں۔ کئی دینی مدرسوں میں بھولے بھالے بچوں کے ذہنوں کو دوسرے فرقے کے خلاف تیار کیا جا رہا ہے۔ ان کے دماغوں کی سلیٹوں پر فلاں واجب القتل ہے فلاں واجب گردن زنی ہے کے الفاظ چسپاں کئے جا رہے ہیں۔ گروہی سرگرمیاں تیز تر کرنے پر زور ہے۔ مذہبی جلسوں میں ہلڑ بازی عام ہے۔ قتل کی دھمکیوں پر عمل پیرا ہوتے ہوئے شرم محسوس نہیں ہوتی۔ اسلام کی حفاظت اور کفر کی یلغار روکنا اور سینہ سپر ہونا محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دینی وارثوں اور علمائے کرام کا کام تھا وہ شعلہ بیاں مقرر جو دین کے پھیلانے میں کلیدی کردار ادا کرتے تھے آج باہمی تکفیر اور منافرت کے لئے کام کر رہے ہیں۔ ذاتی انا اور نظریئے کو بلند کر کے علمائے سو نے دینی وقار کو نقصان پہنچایا اور عوام کو دین اور علماء سے متنفر کر دیا حالانکہ تفرقہ بازی کا بازار گرم کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے عذاب عظیم کی وعید سنائی ہے۔ یہ عذاب کفر وشرک یا بت پرستی پر نہیں بلکہ امت مسلمہ کے درمیان افتراق وانتشار پھیلانے پر ہے۔ آج سے کئی سو سال پہلے بغداد ایک عظیم سلطنت تھی مگر جب وہ لوگ باہمی مناظرے تفرقہ بازی حسد وعناد بغض ورقابت کی محفلیں سجائے بیٹھے تھے ہلاکو خان نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، کئی روز تک قتل وغارت گری کا سلسلہ قائم رہا اور پھر دجلہ کا رخ شہر کی طرف موڑ کر سب کو ڈبو دیا گیا۔

بعض حضرات کا نقطہ نظر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کے باہمی اختلاف کو باعث رحمت قرار دیا ہے

مگر کونسا اختلاف؟ یہی جس کا ہم آج شکار ہیں؟ کیا یہ باہمی مخالفت ومخاصمت، ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہونا، ایک دوسرے کے بزرگوں کو کافر بنانا، نفرت وحسد کی آگ کو ہوا دینا رحمت ہے یا زحمت؟

آج تک عدم برداشت کا جذبہ اتنا شدید ہے کہ کوئی کسی کو سننے کو تیار ہی نہیں، نہ چھوٹے کو بڑے کا لحاظ ہے نہ بڑے کو چھوٹے کی محبت ہے نہ کسی کی عزت محفوظ ہے نہ زندگی۔ یہ اختلاف رائے نہیں دشمنی ہے۔

اختلاف رائے کی مثال دیکھنی ہو تو امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام حنبلؒ کو دیکھئے کہ اگر چہ ان کے خیالات، تصورات اور تعلیمات میں اختلاف تھا لیکن ایک دوسرے کو ملت اسلامیہ کے سچے خادم اور بھائی تصور کرتے تھے ایک دوسرے کا نام عقیدت سے لیتے تھے۔

ایک بار امام شافعیؒ امام مالکؒ کے گھر بطور مہمان ٹھہرے۔ امام مالکؒ نے نہایت عزت واحترام سے انہیں کمرے میں سلایا۔ سحر کے وقت امام شافعیؒ نے سنا! امام مالکؒ کہہ رہے تھے (بڑی شفقت ومحبت سے):

''آپ پر خدا کی رحمت ہو نماز کا وقت ہو گیا ہے۔''

وہ اٹھے اور دیکھا کہ امام مالکؒ ہاتھ میں پانی کا لوٹا (وضو کے لئے) لئے کھڑے ہیں، ان کو کچھ شرم محسوس ہوئی تو امام مالکؒ نے نہایت محبت سے کہا:

''بھائی کوئی خیال نہ کرو تم میرے مہمان ہو اور مہمان کی خدمت میزبان کا فرض اور سعادت ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واثلہ بن اسقع نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عصبیت کیا ہے؟

فرمایا: ظلم کرنے میں اپنی قوم کی مدد کرنا۔'' (ابوداؤد مشکوٰۃ)

دینی تعلیمات سیرت طیبہ سے عدم واقفیت اور دوسری قوموں کے نظریات کی آمد:

مذہبی شدت پسندی کے رجحان کی ایک وجہ دوسری قوموں اور مذاہب کے نظریات کا اسلامی نظریات میں شامل ہونا بھی ہو سکتا ہے۔ دوسرے مذاہب کے لوگوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان نبوت برداشت نہیں ہوتی جس کی وجہ سے انہوں نے باقاعدہ پلاننگ کر کے ایسے علماء کی خدمات حاصل کی ہیں جو پیسے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان گھٹانے کے لئے کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے ہمارے ایسے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا ہے جن کا مطالعہ اور معلومات سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ایسے لوگ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہیں تو دوسری طرف والے لوگ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت کرتے ہیں برداشت نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن میں فرمایا:

وَرَفَعْنَالَکَ ذِکْرَکَ

(اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر یعنی شان کو بلند فرما دیا۔

نئی نسل کو مطالعے کا شوق ہی نہیں نہ والدین نے دینی تعلیمات پر زور دیا نہ سیرت طیبہ سے مکمل واقفیت ہے نہ کبھی قرآن کریم کو ترجمے اور تفسیر سے پڑھا اس لئے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شخصیت کے کچھ پہلوؤں کو رسول دشمن عناصر زبان توڑ مروڑ کر بیان کرتے ہیں تو ایسے لوگ جن کو دین کے بارے میں یا سیرت طیبہ کے بارے میں معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں جلد ان کی باتوں میں آ جاتے ہیں اور ان لوگوں کے آلہ کار بن جاتے ہیں جیسے نیم حکیم خطرہ جان اسی طرح یہ نیم ملا ایمان کے لئے خطرہ بن جاتے ہیں۔

اصل میں حقیقی اختلافات اس وقت شدت اختیار کرتے ہیں جب اصول و مبادیات آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہیں اس لئے سیرت طیبہ کے بارے میں معلومات اور اسلام کی بنیادی تعلیمات کو عام کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس سے فقہی اختلافات کی شدت کم ہو جاتی ہے دوسرے فقہی اختلافات کو ہوا دینے والے جان بوجھ کر قرآن و سنت کی واضح تعلیمات کو ذہنوں سے محو کرانے کی کوشش کرتے ہیں اگر معاشرہ اسلام شناس ہو جائے اور اسلام کی اساس سے پوری طرح واقفیت ہو تو پھر فکری اختلافات ایک حد سے آگے نہیں بڑھتے۔ اس کے علاوہ جب کسی قوم کے سامنے کوئی ہمہ گیر اور ٹھوس پروگرام نہ ہو تو ان کا اختلافات میں الجھنا بالکل فطری ہے۔ اگر قوم کے پاس بھرپور پروگرام ہو تو اسلام اس قوم کو قوت اور عزم سے ہمکنار کرتا ہے۔ بے عملی کے دور میں ہر قوم آپس کے جھگڑوں میں پڑ جاتی ہے۔ اس کا صحیح حل یہ ہے کہ علمی تحقیقات اور مشترکہ فکری مجالس کا قیام کثرت سے عمل میں لایا جائے اور بحث و تمحیص میں کسی فقہ یا مسلک فکر پر دروازے بند نہ کئے جائیں۔ اس انداز کی فکری مجالس ہی قوم میں وہ حقیقی شعور پیدا کرسکتی ہیں جو بین الاقوامی نازک اور پیچیدہ مسائل کا حل تلاش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں جامعات کے اعلیٰ درجے کے اساتذہ اور تلامذہ کی مستعدی کی ضرورت ہے۔

اچھے اور مثبت سوچ رکھنے والے علماء اور عالمات کو اچھے مشاہروں پر متعین کیا جائے جو نئے بننے والے علماء اور عالمات کو بھی منفی سوچ سے بچا کر صحیح خدمات انجام دیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات کو عام کرسکیں۔ اس کے علاوہ علوم قرآنی کی وقعت اور اہمیت کا پرچار کیا جائے اور اس کے لئے تفکر اور تدبر اور ذوق پیدا کیا جائے جیسا کہ فرمان ربی ہے:

''یہ لوگ قرآن میں غور (تدبر) کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں۔'' ایک لمحے کا تدبر سو سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خطبہ حجتہ الوداع میں فرمایا:

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ان کو مضبوطی سے تھام لو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوں گے ایک قرآن دوسرے سنت۔

سیرت طیبہ کی روشنی میں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی ان تمام امور سے تعبیر ہے جس سے نوع انسانی قیامت تک گذرتی رہے گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا کمال یہ ہے کہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں انسان کی رہنمائی کرتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کسی خاص قوم، خاص جماعت، خاص فرقے یا خاص طبقے کے لئے نہیں تھی نہ کسی خاص زمانے کے لئے تھی بلکہ یہ قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے رہنمائی کا واحد راستہ ہے فرمان ربی ہے:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ

بے شک ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔'' ۲۱-۱۰۷۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ اخوت اور بھائی چارے کا درس دیا عرب کے بدو جن کی دشمنیاں سالہا سال چلتی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت سے آپس میں شیر وشکر ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے انسان اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (متفق علیہ)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

''تم مومنو کو آپس میں رحم، محبت اور مہربانی کرنے میں یوں دیکھو گے گویا وہ ایک جسم کی مانند ہیں اور جسم کے کسی حصے کو تکلیف ہو تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں اس کا ساتھ دیتا ہے۔ (متفق علیہ)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار یعنی صحابہ کرام آمنا وصدقنا کی مکمل تصویر تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت کرتے تھے اور خواہ ان کو اس کے لئے کچھ بھی کرنا پڑتا کیونکہ اللہ کا حکم ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً

ترجمہ: ''اے ایمان والوں پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔''

جیسے جیسے ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے دوری اختیار کی ہم اسلام سے دور ہوتے گئے ہمارے درمیان فرقہ بندی، حسد، تکبر بلکہ تمام غیر اخلاقی بیماریاں سرائیت کر چکی ہیں۔ نفس پرستی عام ہے حالانکہ ہمیں دوسروں کی بھلائی کے لئے پہلے سوچنا چاہئے کیونکہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ (نساء۔۸) اللہ فرماتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ

تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

جبکہ ہم مسلمان بعد میں شیعہ، سنی، دیوبندی بریلوی، سندھی، بلوچی، پٹھان اور پنجابی پہلے ہیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر قسم کی عصبیت کی نفی کی ہے دوسری قوموں نے مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لئے ان میں فرقہ بندی مذہبی اور قومی عصبیت کو ہوا دی جس سے شدت پسندی اور بڑھ گئی حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے عصبیت کی طرف بلایا اور عصبیت کے باعث جنگ کی اور عصبیت پر ہی مر گیا وہ ہم میں سے نہیں (مشکواۃ ابو داؤد)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخلاق محبت کا درس دیا، جان کے دشمنوں کو بھی معاف کر دیا جس کا ان کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیدا ہو گئے۔ فتح مکہ کے دن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیانؓ کو امان دے دی تو حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ان کو لے کر ایسی جگہ کھڑے ہو کہ یہ مسلمانوں کی شوکت کو دیکھ سکیں تا کہ ان کے دل پر نفسیاتی اثر بھی ہو (اسلام کی عظمت و طاقت کا)۔ مختلف دستے ابوسفیان کے سامنے سے گذر رہے تھے جب انصار کا دستہ ابوسفیان کے سامنے سے گذرا تو اس نے فوراً حضرت عباسؓ سے پوچھا ''یہ کون لوگ ہیں؟'' انہوں نے کہا یہ انصار ہیں ان کا علم سعدؓ بن عبادہ کے ہاتھ میں ہے جب حضرت سعدؓ ابوسفیان کے سامنے پہنچے تو انہوں نے کہا:

''اے ابوسفیان! آج لڑائی کا دن ہے کفار کے قتل کا دن ہے، آج کعبہ حلال کر دیا جائے گا، آج قریش ذلیل وخوار ہوں گے۔''

پھر اوس اور خزرج کے جوانوں کو مخاطب کر کے کہا:

''آج احد کے بدلے کا دن ہے۔''

ابوسفیان یہ سن کر لرز کر رہ گئے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری ابوسفیان کے پاس سے گذری تو اس نے پوچھا:

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوم کے قتل کا حکم دے دیا ہے۔''

فرمایا: ''نہیں''

عرض کیا ''ابھی سعدؓ بن عبادہ یہ کہتے ہوئے ادھر سے گذرے ہیں۔'' فرمایا:

''یہ غلط ہے۔ یہ انہوں نے اپنی طرف سے کہا ہے آج تو لطف و کرم، عطاء و بخشش کا دن ہے کعبۃ اللہ کی رفعت و عظمت کا دن ہے عفو و درگذر کا دن قریش کے اعزاز اور منزلت کا دن آج کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا۔''

ابوسفیان نے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیکو کاروں کے سردار، رحم کرنے والوں کے سرتاج ہیں، میں قرابتداری کے وسیلے سے لطف و عافیت کا امیدوار ہوں۔

حضرت ضرارؓ بن مہری نے موقع کی نزاکت کے بارے میں چند شعر پڑھے جن کا مطلب یہ تھا:

''یا رسول اللہ! قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن میں اس وقت پناہ لی ہے جب اس کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں، زمین فراخی کے باوجود اس پر تنگ ہے، آسمان و زمین کا خدا ان کا دشمن ہو گیا ہے۔ سعدؓ اہل مکہ کی کمر توڑنا چاہتے ہیں۔''

(محسن اعداء رفیق لاہوری صفحہ ۲۲۵) حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے بھی اندیشہ ظاہر کیا کہ ہم سعدؓ بن عبادہ سے مطمئن نہیں ہیں ایسا نہ ہوان کے ہاتھوں قریش کو نقصان پہنچے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت قیسؓ بن سعدؓ بن عبادہ کو حکم دیا کہ تم انصار کا علم اپنے والد کے ہاتھ سے لے لو اور حضرت علیؓ کو اس کام پر مامور فرمایا۔(سیرت احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاہ مصباح الدین شکیل) اسی طرح فتح مکہ کے دن جن سرداروں کے جوش سے امن کو خطرہ تھا ان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبدیل فرمادیا۔

مکہ کے لوگوں نے دس سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیتیں دی، گھر اور وطن سے نکالا لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدلہ لینے کی باری آئی تو فرمایا:

لا تثریب لک الیوم

آج کا دن تم سے کوئی باز پرس نہیں۔

اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرہ کے لئے تشریف لائے تو خانہ کعبہ کے کلید بردار طلحہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مانگنے پر کعبہ کی چابی دینے سے انکار کر دیا۔ فتح مکہ کے بعد چابی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبضہ میں آگئی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بلا کر دوبارہ چابی اس کے حوالے کر دی۔

ابوسفیان کی بیوی ہندہ ان سولہ لوگوں میں سے تھی جن کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ خانہ کعبہ کے غلاف سے بھی لپٹے ہوں تو قتل کر دینا لیکن جب چھپتی چھپاتی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آکر معافی کی خواستگار ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاف فرما دیا حالانکہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا تھا اس طرح سولہ میں سے صرف تین لوگ قتل ہوئے باقی تیرہ معافی مانگنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وسیع القلبی سے معاف ہو گئے۔

آج شیعہ سنی کو قتل کر رہا ہے، سنی شیعہ کو اسی طرح دوسرے فرقے والوں کا بھی حال ہے کبھی گرجا جلائے جاتے ہیں کبھی مندر مسجدوں اور امام بارگاہوں کا بھی یہی حال ہے جب کہ یہ سراسر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار کہلا کر میلاد کی محفلیں سجا کر یا سیرت کے جلسے مقرر کر کے ہم مسلمان نہیں کہلا سکتے ہم اس وقت مسلمان ہوں گے جب پورے اسلام کو اپنے اوپر لاگو کریں گے۔ فرمان الٰہی ہے:

ترجمہ: جو تمہیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔'' (القرآن)

خدا جس شخص سے بھلائی کا ارادہ فرمالیتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے اور گہری سوجھ بوجھ عطا فرما دیتا ہے۔ بلاشبہ دین کا صحیح ادراک اور دین کے اندر مخفی و ظاہر حکمت تمام بھلائیوں دانائیوں اور کامرانیوں کا سرچشمہ ہے۔ اس سعادت سے محروم انسان کی زندگی میں توازن اور یکسانیت کا فقدان ہوتا ہے، ایسا شخص زندگی کے ہر میدان میں عدم توازن کا شکار ہوتا ہے۔ آج بیشتر پاکستانی اسی کیفیت کا شکار ہیں کیونکہ ان کی زندگیوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا ذرا سا بھی تعلق نہیں

ہے وہ مادہ پرستی کا شکار ہیں مذہب سے اگر ان کا تعلق ہے تو اس میں تعصب اتنا زیادہ ہے کہ وہ صرف اپنی انا اور خود پرستی کے لئے کچھ بھی کر سکتے ہیں ان کے قول وفعل میں تضاد ہے جب کہ قرآن لم تقولون ما لا تفعلون کا سوال کرتا ہے یعنی جو تم کہتے ہو وہ کرتے کیوں نہیں۔

آج بھی ہمارے ہاں ایک سے ایک عالم دین اور مفتی موجود ہے مگر امت مسلمہ کی بھلائی کے لئے کوئی نہیں سوچتا ہر عالم دین جب علم حاصل کرتا ہے اس کی جڑیں قرآن سے نکلتی محسوس کرتا ہے مگر چونکہ وفاداریاں کسی نہ کسی مکتب فکر سے جڑی ہوئی ہیں اس لئے اس کی آنکھ پر تعصب کی پٹی بندھی ہے اس لئے اگر وہ کوئی رفاہ عامہ یا نیکی کا کام بھی کرنا چاہے گا تو صرف اپنے مکتب فکر یا فرقے کے لئے یہاں تک کہ زکوٰۃ خیرات بھی دے گا تو صرف اپنے فرقے کے لوگوں کو۔ اسی طرح ہر مکتب فکر کے لوگ اپنے سوا دوسرے فلاں فلاں کو واجب القتل کی حد تک سمجھتے ہوئے اپنے اپنے طالبعلموں کو بھی یہی سبق سکھاتے رہے نتیجہ ایک وقت ایسا آیا کہ یہی معصوم ذہنوں کے طالب علم پکے قاتل اور اشتہاری بن کر چھپتے پھرتے ہیں یا پھانسی چڑھتے ہیں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ ہر گناہ بخش دے گا مگر جس کی موت شرک پر ہوئی یا جس نے مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کیا اسے کبھی نہیں بخشے گا۔ (ابوداؤد) اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ: اور جو کوئی شخص کسی مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اللہ اس پر غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لئے اس نے بڑا سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اسی طرح عبداللہ بن ابی منافقین کا سردار تھا۔ غزوہ تبوک سے واپسی پر اس کے نفاق کا بھانڈہ پھوٹ گیا۔ اس کا بیٹا عبداللہؓ بن عبداللہ جو نہایت راسخ العقیدہ مسلمان تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے قتل کی اجازت طلب کرتے ہوئے بولا:

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے اپنے باپ کے قتل کی اجازت دیجئے ایسا نہ ہو کہ کوئی اور مسلمان جوش ایمانی میں اسے قتل کر دے اور میں باپ کی محبت میں اسے قتل کر کے گنہگار ہو جاؤں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے قتل کی اجازت دینے کے بجائے فرمایا:

''لوگ کیا کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کراتے پھرتے ہیں۔''

اور جب عبداللہ بن ابی فوت ہوا تو اس کے بیٹے کے کہنے پر اس کی قبر پر گئے قمیص عطا فرمائی اور جنازہ پڑھا۔

ہجرت سے پہلے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف قبائل کے سامنے اسلام کی تبلیغ فرمائی تو قبیلہ محارب کے لوگ سب سے زیادہ بدخلق اور بدزبان تھے جب ان کا وفد اسلام لانے کے لئے پہنچا تو ان میں جو سب سے زیادہ سخت دل اور جفا جو تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میں نے تمہیں پہلے کہیں دیکھا ہے؟''

اس نے عرض کی۔ حمد و ثناء ہو اللہ تعالیٰ کی کہ اس نے مجھے آج کے دن کے لئے زندہ رکھا۔ عکاظ کے میلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دعوت اسلام دی اور میں نے بدترین طریقے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام صداقت کو رد کیا تھا۔ آج میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں ہوں اللہ کے رسول میری بخشش کی دعا کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اسلام پچھلے سب گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''

فتح مکہ سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے سفر جہاد کی تیاریاں زوروں پر تھیں اور معاملہ خفیہ رکھا گیا تھا منافقین پر بھی کڑی نظر رکھی ایک صحابی حاطبؓ بن بلتعہ نے جو شاہ مصر کے دربار میں سفیر بھی جا چکے تھے اپنی فراست سے اندازہ لگایا کہ حملہ کا رخ مکہ کی طرف ہوگا اس نے مکہ کے ذی اثر سرداروں کے نام ایک خط لکھا اور مکہ کی ایک مغنیہ سارہ کے ہاتھ جو مکہ واپس جا رہی تھی بھجوا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی اطلاع مل گئی اور ایک دوسری روایت میں حاطبؓ کے غلام نے مخبری کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کو پیچھے دوڑایا، نخلستان کے قریب اس کو جا لیا گیا مگر تلاشی پر بھی خط نہ ملا۔ حضرت علیؓ نے کہا قسم اس ذات کی جس کی قسم کھائی جا سکتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات غلط نہیں ہو سکتی۔ سواروں کے خطرناک تیور دیکھ کر اس نے جوڑے سے خط نکال کر دے دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاطبؓ سے جواب طلبی کی تو انہوں نے کانپتے ہونٹوں سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے بارے میں جلدی نہ فرمائیں نہ میں مرتد ہوا ہوں نہ میرا ایمان اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر متزلزل ہوا ہے میری قریش میں کسی سے رشتے داری نہیں ہے صرف حلیفانہ تعلق ہے۔ میرے بیوی بچے ابھی تک مکے میں ہیں۔ میں نے سوچا ان پر احسان کر دوں تا کہ میرے بچوں کی حفاظت ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حاطب نے سچ سچ بتا دیا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یہ خیانت ہے مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کو ٹھکانے لگا دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ نے اہل بدر کی آئندہ سرزد ہونے والی خطاؤں کی مغفرت فرما دی ہے پھر فرمایا جو چاہو کرو میں نے حاطبؓ کی مغفرت کر دی ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس وفود اسلام لانے کے لئے حاضر ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے جن باتوں کا عہد لیتے ان میں سے ایک یہ ہوتا:

''کسی پر ظلم نہ کرو یاد رکھو ظلم قیامت کے اندھیروں میں سے ایک ہے۔''

اسی طرح فرمان ربی ہے۔

ترجمہ: اگر مومنوں میں کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔ مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحمت ہو۔

حضرت حارثؓ اشعری کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میں تم کو پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں: مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ساتھ رہنے کا، علمائے حق کی باتیں

سننے اور اطاعت کرنے کا ہجرت اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے کا اور جو جماعت سے ایک بالشت بھر نکل گیا (یعنی عام مسلمانوں کے عقائد اور اعمال سے انحراف کیا) اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے اتار دی (مگر یہ کہ لوٹ آئے اور توبہ کرے) اور جو جاہلیت کے بلاوے (یعنی قومیت کے تعصب) سے بھلاوے تو وہ دوزخ کے گروہوں میں سے ہے اگر چہ روزہ رکھے نماز پڑھے اور گمان کرے کہ وہ مسلمان ہے۔ (مسند احمد ترمذی)

کچھ یہودی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اندرونی حسد کے جذبے سے السلام علیکم کے بجائے السام علیکم کہتے (تم پر موت ہو) ایک بار حضرت عائشہؓ نے سن لیا، غصہ میں آ کر سخت جواب بھی دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو روکا اور فرمایا عائشہ بدزبان نہ بنو، نرمی کرو اللہ تعالیٰ نرمی کو پسند فرماتا ہے۔"

ایک دفعہ ایک یہودی نے بر سر بازار کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انبیاء پر فضیلت دی۔ ایک صحابی نے سن کر پوچھا کیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی؟ اس نے کہا ہاں! اس پر اس صحابی نے طیش میں آ کر یہودی کے تھپڑ مار دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق اور رواداری پر دشمنوں کو بھی اعتماد تھا اس لئے یہودی سیدھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور تمام واقعہ عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابی پر برہمی ظاہر فرمائی (صحیح بخاری)۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب مسلمان عمرے سے روک دیئے گئے اور صلح نامہ لکھا جانے لگا جس کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ قریش کا اگر کوئی شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر آئے گا تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی واپسی کے پابند ہوں گے لیکن اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں میں سے کوئی مکہ قریش کے پاس جائے گا تو اسے سپرد نہیں کیا جائے گا۔ ابھی یہ معاہدہ لکھا جا رہا تھا تو ابو جندل (صلح نامہ لکھنے والے سہیل بن عمرو کا بیٹا) اور ابو بصیر قریش کی قید سے فرار ہو کر زنجیروں بیڑیوں کو گھسیٹتے پہنچے اور پناہ کے طلبگار ہوئے۔ سہیل بن عمرو نے ایک تھپڑ بیٹے کو مارا اور کہا تم اسے پناہ نہیں دے سکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"لیکن ابھی تو معاہدہ لکھا نہیں گیا۔"

سہیل بن عمرو نے چیختے ہوئے کہا اسے معاہدہ کے مطابق آپ کو واپس کرنا ہوگا ادھر ابو جندل کی حالت اور کراہیں فریادیں مسلمانوں کے دلوں کو تڑپا رہی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درخواست کی سہیل اسے میرے لئے چھوڑ دو لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا ہر شخص کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے حضرت عمرؓ بن خطاب نے دیکھا ہر صاحب ایمان مضطرب ہے ڈرتے ڈرتے بارگاہ اقدس میں پہنچے اور پوچھا کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبیؐ برحق نہیں؟ ارشاد ہوا میں نبیؐ برحق ہوں پھر عرض کیا کیا ہم حق پر ہیں؟ ارشاد فرمایا ہم حق پر ہیں۔ عرض کیا پھر ہم دین کے معاملے میں ذلت آمیز شرائط کیوں قبول کریں؟ فرمایا:

"اے خطاب کے بیٹے! میں اللہ کا رسول ہوں وہی کرتا ہوں جو اللہ کا حکم ہوتا ہے میرا عمل ضائع نہیں ہوگا۔"

عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہم مکہ پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کریں گے پھر فرمایا بے شک لیکن یہ نہیں کہا تھا کہ اسی سال کریں گے انشاء اللہ تم ضرور طواف بیت اللہ کرو گے۔ حضرت عمرؓ نے باقی لوگوں کو بھی صورت حال بتا دی۔

ارشاد فرمایا:

''قربانی کے جانوروں کو ذبح کرو حلق کراؤ اور احرام اتار دو۔''

صحابہ کرام اتنے دل گرفتہ تھے کہ کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلا تین بار دہرانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیمے میں تشریف لے گئے اور ساری صورتحال حضرت ام سلمہؓ سے بیان کی انہوں نے تفصیل سن کر کہا آپ قربانی فرمائیں اور حلق کے بعد احرام اتار دیں پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے مشورہ پر عمل فرمایا یہ دیکھ کر صحابہ کرام نے بھی ایسے ہی کیا۔مسلمانوں کا یہ عمل بظاہر نافرمانی نظر آتا ہے لیکن چونکہ (بقول حضرت ام سلمہؓ) سب ملول اور دل گرفتہ تھے اس لئے اس سستی کو نافرمانی نہیں گنا گیا۔

اسی طرح ایک بار مسجد نبوی میں ایک گنوار کھڑا ہو کر پیشاب کرنے لگا،لوگوں نے اس کو للکارا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے کچھ نہ بولو جب وہ پیشاب کر چکا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی کا ڈول منگوا کر اس پر بہا دیا۔'' (بخاری)

اسلامی معاشرہ کی اقدار بہت ارفع واعلیٰ ہیں کیونکہ اس کا منبع ومحور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو قرآن لائے اس کی خود تصویر تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس اسلامی ریاست کا نمونہ ہمیں دکھایا ہمیں بھی اپنے ملک کو اسی جیسا بنانا ہے۔اپنے بچوں کو ایسا معاشرہ دینا ہے جس میں ہر شخص کو امن وسکون کی زندگی نصیب ہو خواہ وہ کسی فرقے رنگ نسل خاندان یا مذہب سے ہو۔اللہ تعالیٰ نے احترام انسانیت کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے اور بہترین انسان اسے قرار دیا ہے جو متقی ہو۔متقی وہ ہے جسے خوف خدا ہو۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ؐ نے اپنے خطبہ حجتہ الوداع میں فرمایا تھا:

''لوگو! تمہاری جانیں مال اور عزت وآبرو اتنا ہی قابل احترام ہے جتنا آج کا دن،مہینہ اور شہر۔جہالت نادانی وحشت اور بربریت کے تمام طور طریقے میرے قدموں کے نیچے ہیں۔آج کے بعد کسی شخص کو یہ اجازت نہیں کہ کسی کی جان مال یا عزت آبرو سے کھیلے۔''

مذہبی تشدد پسندی کے رجحان کو ختم کرنے کے لئے ہر شخص کو اپنے آپ کو تبدیل کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کے مطابق بنانا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

''بیشک تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بہترین نمونہ ہیں۔''

پھر یہ بھی فرمایا دیا۔

''دیکھو تم لوگوں کے پاس ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر گراں گذرتا ہے،تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے ایمان لانے والوں کے لئے وہ شفیق اور رحیم ہے۔''

جب تک ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح آپس میں محبت کرنے والے یعنی ایمان والوں کیلئے ریشم کی طرح

نرم اور طاغوت کے خلاف فولاد نہیں بنیں گے کامیاب نہ ہوں گے ہمیں ملک کو امن و امان کا گہوارہ بنانا ہے سب سے پہلی ہماری ترجیح یہ ہو کہ ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت کریں۔ آج ملک مختلف فرقوں میں بٹا ہوا ہے اور ہر فرقہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کو وجہ اختلاف بنائے ہوئے ہے جبکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اے ایمان والو! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو (اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو) ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو (ایسا نہ ہو) تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایمان کا معیار اپنی محبت کو بتایا ہے۔ فرمایا خبردار جس کے دل میں میری محبت نہیں اس کا ایمان نہیں۔ خبردار جس کے دل میں میری محبت نہیں اس کا ایمان نہیں خبردار جس کے دل میں میری محبت نہیں اس کا ایمان نہیں۔'' اس محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ہر وہ کام کریں جس کا حکم دیا گیا اور اس سے رک جائیں جس سے منع فرمایا۔

امر بالمعروف نهي عن المنكر کی ابتداء گھر سے کیجئے۔

ملک کے ادیبوں دانشوروں اور سیاستدانوں کا فرض بنتا ہے کہ ایسا لٹریچر چھاپیں جس سے ملک کی یکجہتی فروغ پائے ایسا مواد جو دلوں میں نفرتیں کدورتیں بڑھائے Ban کر دینا چاہئے۔ تمام مکاتب فکر کے لوگ مل کر ایسی کانفرنسیں منعقد کریں جن میں ہر ایک کو اظہار کی آزادی ہو۔ ایک دوسرے کا احترام کریں۔ ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر جمع ہو کر طاغوتی طاقتوں کے خلاف کام کریں ہم سب کا دشمن وہ ہے جو اسلام کا دشمن ہے کیونکہ فرقے اور مسالک بعد کی پیداوار ہیں۔ ہمارے دین کی بنیاد تو قرآن اور سنت ہے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا تھا۔ ہماری شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت جامع ہے اس میں بہت گنجائش ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں صہیبؓ رومی سلمانؓ فارسی اور حبشی نسل مسلمان عربوں کے ساتھ یک جان ہو کر رہ سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں؟

فخر و تکبر کو بری بات سمجھ کر انکساری اور تواضع کو اپنانا ہوگا۔ من عرف نفسہ فقد عرف اللہ کی طرح جب ہم اپنے نفس کی برائیوں سے واقف ہو جائیں گے تو خود بخود ہم میں انسانیت پیدا ہوگی۔ سنتوں کی پیروی سے ایمان تازہ ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں صحابہ کرامؓ اپنے قصور غلطیاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیان کر کے خود کو سزا کے لئے پیش کرتے تا کہ آخرت میں سرخرو ہوں مثلاً ایک لونڈی آ کر اپنے زنا کا اقرار کرتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بچے کی ولادت کے بعد آنے کو کہتے ہیں پھر دوبارہ بچے کے کھانے پینے کی عمر تک آنے کو کہتے ہیں مقصد یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حد لگانے میں کتنا تردد فرماتے اور خطا کار کتنا بے چین ہوتا کہ آخرت اچھی ہو جائے۔ آج کا مولوی ہر بات پر کفر کا فتویٰ لگا دیتا ہے آج پھر اسی احتیاط پسندی کی ضرورت ہے کوئی کسی پر کفر کے فتوے نہ لگائے اور یہ سوچ لے کہ مغفرت اور سزا کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اگر ہم کو کسی کے مذہبی عقائد پر اعتراض ہے تو پیار محبت سے اس کو صحیح راستے دکھانے کی کوشش کریں ورنہ جزا سزا کے لئے اللہ کے سپرد کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

''جب تک کوئی قوم اپنی حالت کو بدلنا نہیں چاہتی اللہ بھی اس کی حالت کو نہیں بدلتا۔''

جب تک مسلمان ہر قسم کے تعصب کو بالائے طاق رکھ کر کھلے دل سے بنی نوع انسان کے مفاد کے لئے کام نہ کرے گا فلاح نہ پائے گا اور مذہبی تشدد پسند کے رجحان میں اضافہ ہوگا افاقہ نہیں۔ دوسری قوموں کے گمراہ کن عقائد کا پروپیگنڈہ سختی سے بند کیا جائے اور میڈیا سے ایسے پروگرام نشر کئے جائیں جن کی کشش اور افادیت دوسرے لوگوں کے چینل کی طرف توجہ کم کر دے جو لوگ تشدد پسندی کے رجحان کو روکنے کیلئے کام کر رہے ہیں ان کی حوصلہ افزائی اس طرح کریں کہ دوسرے لوگ بھی آگے بڑھیں۔ مجھے یقین ہے کہ جو کام نیکی نیتی سے کیا جائے گا ضرور پراثر ہوگا۔ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ وما علینا الا البلغ

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ، تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

پروفیسر سیدہ خالدہ پروین، صوبہ سرحد

انسانی طبائع میں اختلافات ایک فطری اور قدرتی امر ہے اور ہم میں سے کون ایسا ہے جو غلطی نہیں کرتا اگر ایک دوسرے کے اختلافات کو برداشت کر کے غلطیوں کو معاف اور نظر انداز نہ کیا جائے تو سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور معاشرے کا امن وسکون تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ قوموں کی تاریخ کا اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو کسی قوم میں مذہبی انتہا پسندی کے مندرجہ ذیل اسباب وجوہات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ سماجی مسائل

۲۔ سیاسی مسائل

۳۔ معاشی عدم مساوات

۴۔ فرقہ واریت اور فرقہ بندی یا مذہبی منافرت

۱۔ سماجی مسائل:

پاکستانی معاشرے کا سب سے بڑا مسئلہ خاندانی یا نسلی عصبیت پر فخر ہے۔ ڈاکٹر مسکین علی حجازی اپنے سفرنامہ ایران میں رقم طراز ہیں ایران میں سارے مرد (آغا) اور ساری خواتین (خانم) ہیں۔ تخاطب کے حوالے سے جو تنوع پاکستان میں ہے شاید دنیا میں اور کہیں نہیں۔ خان صاحب، چوہدری صاحب، میاں صاحب، شیخ صاحب، شاہ صاحب، مرزا صاحب، ملک صاحب صبح سے شام تک تکرار لفظی کے بغیر تنوع سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ایرانی بھائیوں کے ساتھ اخوت محکم تر کرنے کی شرط اگر تنوع تخاطب کرنا ہو تو ہمیں ریفرنڈم کرائے بغیر یہ شرط منظور نہیں کرنی چاہیے کیونکہ پاکستان میں خواتین بھی ملکانی، چوہدرانی، سٹھانی، زمیندارنی، جاگیردارنی اور نوکرانی ہوتی ہیں، ساری خواتین خانم بننا پسند نہیں کریں گی۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ پاکستانی معاشرے میں ذاتیات کی تقسیم بڑی شدید ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

یوں تو مرزا بھی ہو سید بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

اس مصنوعی تقسیم پر اس سختی سے عمل کیا جاتا ہے کہ بہت سی لڑکیاں خاندان میں مناسب بر نہ ملنے کی وجہ سے خاندان

کے باہر نہیں بیاہی جاتیں، اسے گناہ کبیرہ سمجھا جاتا ہے اور بے چاری تمام عمر تجرد کی سولی پر لٹکی رہتی ہیں اور خاندانی عصبیت کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں اس طرز عمل سے معاشرے میں بڑے مفاسد جنم لیتے ہیں ہم اپنا یہ نامناسب رویہ سماجی و معاشرتی روش کسی قیمت پر ترک کرنے پر رضامند نہیں ہیں۔

۲۔ معاشی عدم مساوات:

ہمارے مندرجہ بالا رویے میں معاشرے میں دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کا بھی دخل ہے۔ اسلام کسی فرد پر کسب دولت کے سلسلے میں کوئی پابندی تو عائد نہیں کرتا لیکن وہ اس کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ دولت معاشرے کے ایک طبقے میں ہی مرتکز ہو کر رہ جائے کہ قرآن وسنت اور خلافت راشدہ کے نظائر سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ دولت اور آمدنی کے اندر تفاوت کو کم کرنا اسلام کی معاشی حکمت عملی کا ایک رہنما اصول ہے۔ اللہ کا فرمان ہے۔

''بے شک فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں۔''

اس لئے کہ اسلام کو معاشرے میں عیش پرست اور مترفین کے طبقے کا وجود سخت ناپسند ہے کیونکہ معاشرے میں عیش کوشی اور عیش پرستی کا غلبہ معاشرے کی تباہی و بربادی کا سبب ہوتا ہے۔

پاکستان میں جہاں عوام کی اکثریت خط افلاس سے بھی نیچے زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے وہاں ایک محدود اقلیت ذرائع وسائل معاش پر قابض ہے اور وہ اپنی بے انتہا دولت وثروت میں محروم لوگوں کو شریک کرنے کے روادار نہیں ہے، نہ وہ اپنے مال کی زکوٰۃ دیتے ہیں نہ زیورات کی جو فقراء و مساکین کا حق ہے۔ اللہ کا فرمان ہے۔

''زکوٰۃ تو صرف فقراء و مساکین کے لئے ہے۔''

نہ وہ اپنی دولت وثروت نیک اور رفاہی کاموں میں صرف کرتے ہیں۔ رفاہی کاموں میں زیادہ تر متوسط طبقے کے لوگ حصہ لیتے ہیں، رفاہی کاموں کیلئے جب ان سے مدد مانگی جائے تو وہ دس روپے دیتے ہوئے دس دفعہ سوچتے ہیں لیکن بسنت منانے پر اپنا روپیہ پانی کی طرح بہا دیتے ہیں، پتنگ بازی پر لاکھوں روپے کا ضیاع اور لہو ولعب ہے یہ بھی تبذیر کے ضمن میں آتا ہے اسی طرح ہمارے امراء صاحب ثروت لوگ شادی بیاہ پر بے دریغ خرچ کرتے ہیں۔ نمود و نمائش الگ اپنی امارت کی نمود و نمائش کیلئے بڑے بڑے محل گاڑیاں بنگلے اور کوٹھیاں تعمیر کرتے ہیں ان کی تزئین و آرائش پر بے تحاشا خرچ کرتے ہیں یہ اسراف ہے۔ تبذیر ناجائز کاموں میں صرف کرنے کو کہتے ہیں جیسے شراب، جواء، لاٹری وغیرہ اسراف جائز کاموں میں ضرورت سے بڑھ کر خرچ کرنا ہے۔

ہمارے رہنما اور امراء خود اسراف و تبذیر کے مظاہرے کرتے رہتے ہیں اور الناس علی دین ملوکھم کے مصداق عوام الناس ان کی ریس اور پیروی کرتے ہیں۔ اسلام میں امیر المومنین یا صدر یا اس کے مساوی عہدے دار کا معیار زندگی نہ شہنشاہوں جیسا نہ غریبوں جیسا بلکہ متوسط آدمی کے برابر رکھا گیا ہے۔

ابن سعد نے احنف بن قیس کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں ایک لونڈی گذری۔ لوگوں نے کہا یہ امیر المومنین کی باندی ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ یہ میری باندی نہیں ہے، کیسی باندی اور کیسی کنیز جبکہ میرے لئے بیت المال (اللہ کے مال) سے کنیز رکھنا حلال بھی نہیں ہے۔ ہم نے عرض کیا پھر اللہ کے مال سے آپ کے لئے کیا حلال ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ عمر کیلئے تو بس دو جوڑے کپڑے ایک موسم سرما کیلئے اور ایک موسم گرما کیلئے حج اور عمرہ کا خرچ میری اور میرے گھر کے لوگوں کی غذا جیسی کہ عام طور پر قریش استعمال کرتے ہیں نہ فقیروں جیسی اور نہ امیروں جیسی بلکہ متوسط درجہ کی کہ میں بھی ایک معمولی مسلمان جیسی حیثیت رکھتا ہوں۔[۲]

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کے کرتے میں شانے کے قریب چار پیوند دیکھے۔ ابن عمر فرماتے ہیں کہ ایک بار حج کے خرچ میں سے سولہ دینار خرچ ہو گئے۔ والد محترم نے فرمایا اے عبداللہ! ہم نے فضول خرچی کی ہے۔

اس کے برعکس ہمارے حکام، گورنر، امراء، وزراء، افسر نو آبادیاتی دور کے سینکڑوں ایکڑوں میں پھیلے ہوئے محلات وسیع عریض بنگلوں میں رہتے ہیں جو شہری آبادی سے عموماً دور بنائے گئے تھے جن کی دیکھ بھال پر بھی غریب قوم کے لاکھوں کروڑوں خرچ ہو رہے ہیں جبکہ عوام اور سرکاری ملازمین کی اکثریت کو سر چھپانے کو جگہ میسر نہیں۔ ایک ایک گورنر ہاؤس میں پورا شہر آباد ہو سکتا ہے۔ جمہوریت کے دور میں بادشاہوں کی طرح رہن سہن جمہوریت کے منہ پر طمانچہ ہے، ان بڑے گھروں میں یونیورسٹیاں یا ہسپتال یا لائبریریاں یا پبلک پارک بنا دینے چاہئیں۔ ایران رقبے میں پاکستان سے زیادہ ہے مگر آبادی چھ کروڑ ہے جس کے لئے ملک میں ۵۸ سرکاری یونیورسٹیاں ہیں۔[۳] پاکستان میں تو آبادی کے لحاظ سے کم از کم دگنی یونیورسٹیاں ہونی چاہئیں جبکہ اسلام آباد میں صرف پانچ یونیورسٹیاں ہیں۔ اسی طرح ایران کے حکمرانوں کے بارے میں حجازی صاحب لکھتے ہیں ایسا نہیں ہے کوئی بھی شخص شاہ (رضا شاہ پہلوی) یا اس کے دور کی بات نہ کرتا ہو ایسے لوگوں کی تعداد بظاہر بہت کم ہے مگر ایک بات کا اقرار وہ بھی کرتے ہیں یہ لوگ (موجودہ حکمران) تو بوریا نشین ہیں ان کے اپنے اخراجات ہی نہیں جو کچھ قومی خزانہ میں ہے وہ قومی مقاصد کے لئے عوام پر خرچ ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ آج کے دور میں بھی صدر اول کی تاریخ دہرائی جا سکتی ہے۔

میں ڈیرہ اسماعیل خان جیسے پسماندہ علاقے میں بھی شاندار بنگلے اور عالی شان کوٹھیاں دیکھتی ہوں تو کانپ اٹھتی ہوں اور مجھے قوم عاد کا طرز عمل اور ان کا عبرت ناک انجام یاد آ جاتا ہے۔ قرآن میں ارشاد ربانی ہے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ تو نے دیکھا نہیں کہ تیرے رب نے کیا کیا ستونوں والے عاد ارم کے ساتھ جس کے مانند ملکوں میں کوئی قوم پیدا نہیں کی گئی۔ (۸۹۔۶ تا ۸)

انہیں ان کے نبی حضرت ہودؑ نے جب ان الفاظ میں ٹوکا:

أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ. وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ.

ترجمہ: یہ تمہارا کیا حال ہے کہ ہر اونچے مقام پر لاحاصل ایک یادگار عمارت بنا ڈالتے ہو اور بڑے بڑے

قصر تعمیر کرتے ہو گویا تمہیں ہمیشہ رہنا ہے۔ (الشعراء ۱۲۹۔۱۲۸)

مولانا مودودی ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اپنے دور میں یہ بے مثال قوم تھی اس کا تمدن بڑا شاندار تھا اونچے اونچے ستونوں کی بلند و بالا عمارتیں بنانا اس کی خصوصیات تھیں جس کے لئے یہ اس وقت کی دنیا میں مشہور تھی۔ اس سلسلے میں یہ بات ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کہ بلاضرورت یا ضرورت سے زیادہ شاندار عمارتیں بنانا کوئی منفرد فعل نہیں ہے جس کا ظہور کسی قوم میں اس طرح ہو سکتا ہو کہ اس کی اور سب چیزیں تو ٹھیک ہوں اور بس یہ ایک کام وہ غلط کرتی ہو یہ صورت حال تو ایک قوم میں رونما ہی اس وقت ہوتی ہے جب ایک طرف اس میں دولت کی ریل پیل ہوتی ہے اور دوسری طرف اس کے اندر نفس پرستی و مادہ پرستی ہوتی ہے۔ جب ایک طرف اس میں دولت کی ریل پیل ہوتی ہے اور دوسری طرف اس کے اندر نفس پرستی و مادہ پرستی کی شدت بڑھتے بڑھتے جنون کی حد تک پہنچ جاتی ہے اور یہ حالت جب کسی قوم میں پیدا ہوتی ہے تو اس کا سارا ہی نظام تمدن فاسد ہو جاتا ہے۔ حضرت ہودؑ نے اپنی قوم (عاد) کی تعمیرات پر جو گرفت کی اس سے مقصود یہ نہیں تھا کہ ان کے نزدیک صرف یہ عمارتیں ہی بجائے خود قابل اعتراض تھیں بلکہ دراصل وہ بحیثیت مجموعی ان کے فساد تمدن و تہذیب پر گرفت کر رہے تھے اور ان عمارتوں کا ذکر انہوں نے اس حیثیت سے کیا تھا کہ سارے ملک میں ہر طرف کینسر کے یہ بڑے بڑے پھوڑے اس فساد کی نمایاں ترین علامت کے طور پر ابھرے نظر آتے تھے۔[۲۶]

اگلی آیت سے ان کی ایک اور عادت قبیحہ کا ذکر ہے:

وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ (الشعراء ۱۳۰)

اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو جبارین کر ڈالتے ہو۔

یعنی اپنا معیار زندگی بلند کرنے میں تو تم اس قدر غلو کر گئے ہو کہ رہنے کے لئے تم کو مکان نہیں محل اور قصور (کوٹھیاں اور بنگلے) درکار ہیں اور ان سے بھی جب تمہاری تسکین نہیں ہوتی تو بلاضرورت عالی شان عمارتیں بنا ڈالتے ہو جن کا کوئی مصرف اظہار قوت و ثروت کے سوا نہیں ہے جن کی کوئی حاجت نہیں ہے لیکن تمہارا معیار انسانیت اتنا گرا ہوا ہے کہ کمزوروں، ناداروں کیلئے تمہارے دلوں میں کوئی رحم نہیں، غریبوں کے لئے تمہاری سرزمین میں کوئی انصاف نہیں، گرد و پیش کی ضعیف و کمزور قومیں اور خود تمہارے اپنے ملک کے پست و پسماندہ طبقات سب تمہارے ظلم و جبر کی چکی میں پس رہے ہیں اور کوئی تمہاری چیرہ دستیوں سے بچا نہیں رہ گیا۔

ہمارے پاکستانی معاشرے کا کلچر بھی ہو بہو یہی نقشہ پیش کر رہا ہے ہم بھی مادیت پرستی و نفس پرستی میں اندھے ہو گئے ہیں جبکہ ہمارے علماء و مشائخ بھی پجیرو سے کم گاڑیوں میں سفر کرنا غالباً کسر شان سمجھتے ہیں اور پھر حضرت عمرؓ کی سادگی کی مثالیں دیتے ہیں اور حکمرانوں کی طرح صرف دوسروں کو سادگی اپنانے کے بھاشن دیتے ہیں۔ ان کے سامنے غالباً امام ابو حنیفہ کی مثال ہے کہ وہ ہر نیا کپڑا پہلے خود پہنتے تھے پھر خلیفہ وقت پہنتا تھا لیکن وہ تو خود کپڑے کے بڑے تاجر تھے لیکن ہمارے علماء و مشائخ کو بھاشن دینے کے سوا کچھ نہیں کرتے اور متوسط طبقے کے چندوں اور نذرانوں پر پیجارو میں گھومتے ہیں، حلال و حرام کی جائز ناجائز

کی کوئی تمیز نہیں، پیسے کی دوڑ لگی ہے نہ صرف پاکستانی معاشرے میں بلکہ تمام عالم کے تمام انسانی معاشروں میں اس موجودہ بے رحمانہ اور نامنصفانہ دولت کی تقسیم کی دو بڑی وجوہات اور اسباب ہیں۔

ا۔ سرمایہ داری کا استحصالی نظام:

اسلامی معیشت کے ماہر سید قطب شہید اپنی کتاب شبہات حول الاسلام میں لکھتے ہیں۔ سرمایہ داری نظام یورپ کی پیداوار ہے یہ مشین کی ایجاد کا نتیجہ تھا جو اتفاق سے یورپ میں ایجاد ہوئی اور اس سے دنیا کے باقی حصوں میں پھیلی اس کے فطری ارتقاء کے نتیجے میں دولت بتدریج سمٹ کر چند سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں آ گئی اور غریب اور مزدور اپنی جائیداد اور دولت اور اپنے پیشے تک سے محروم ہو گئے اور اس کی وجہ سے سرمایہ داروں کے تنخواہ دار ملازم بننے پر مجبور ہو گئے اور وہ بھی قلیل سی تنخواہ کے عوض جن کی محنت و مشقت کے طفیل ان کی دولت اور تجارت میں بے تحاشا اضافہ ہوا اس کے باوجود انہوں نے مزدوروں کی اجرتوں میں کوئی اضافہ نہ کیا۔ مزدوروں کے ان قلیل معاوضوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ سرمایہ دار ممالک کے باشندوں کی قوت خرید گھٹ گئی اور ان کا تیار کردہ سامان یونہی پڑا رہنے لگا چنانچہ سرمایہ داروں کو اپنا مال فروخت کرنے کیلئے نئی منڈیوں کی تلاش ہوئی جس نے نو آبادیاتی نظام نیز منڈیوں اور خام مال کے بارے میں بین الاقوامی رقابتوں کو جنم دیا اور بالآخر معاملہ اپنے ناگزیر منطقی نتیجے میں تباہ کن جنگوں تک جا پہنچا اور یہ جنگیں قوم کے افراد کے درمیان اور آپس میں قوموں کے درمیان انتہا پسندی کے رجحان کا لازمی ثمرہ ہیں۔[۵]

۲۔ سودی معیشت:

سرمایہ داری نظام کے دو پہیے ہیں جن پر یہ گھومتا ہے یا چلتا ہے۔ ایک سود اور دوسرا ٹیکس ان دو پہیوں کے یا ان میں سے کسی ایک کے بغیر اس نظام کے چلنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جدید ماہرین معاشیات کا کہنا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام جب سے اپنے ابتدائی دور خیر (جب معاشرے نے مشین کی ایجاد سے کافی ترقی کی) سے نکل کر موجودہ دور شر میں داخل ہوا ہے قومی قرضوں پر اس کا انحصار بڑھ گیا ہے چنانچہ بینک قائم ہوئے اور انہوں نے مالی کاروبار اس طرح استوار کیا کہ وہ بھاری سود پر حکومتوں کو قرضے دینے لگے حکومتیں ترقیاتی سکیموں کو عملی جامہ پہنانے اور دوسری سماجی خدمات انجام دینے کے لئے ان بینکوں سے جو قرضے لیتی ہیں ان کے سود بھی ان حکومتوں کے شہری ادا کرتے ہیں۔ حکومتیں مجبور ہیں کہ مختلف ٹیکسوں میں اضافہ کر کے ان قرضوں کو مع سود ادا کریں اس طرح ہر فرد سود خواروں کو یہ جزیہ ادا کرنے میں شریک ہے۔ اسلامی معیشت کے ماہر سید قطب شہید اپنی کتاب فی ظلال القرآن میں سود کی مضرت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

سود کی مضرت یہاں تک بڑھ چکی ہے کہ اس کے ایک مغربی نقاد جرمنی کے مشہور ماہر معاشیات ڈاکٹر شاخت ہیں جو جرمنی کے Reich Bank کے گورنر بھی رہ چکے ہیں۔ دمشق میں ۱۹۵۳ء میں ایک لیکچر میں انہوں نے کہا تھا کہ وہ الجبرا کے ایک (لامتناہی) سلسلہ حساب کے ذریعے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ دنیا کی ساری دولت معدود چند سود خواروں کے ہاتھوں میں کھنچ

آنے والی ہے اس لئے کہ سود پر قرضہ دینے والا ہمیشہ فائدے میں رہتا ہے جبکہ قرض دار کو کبھی فائدہ ہوتا ہے کبھی نقصان۔ آج عملاً ایسا ہو رہا ہے کیونکہ آج دنیا کی بیشتر دولت کے اصل مالک چند ہزار افراد ہیں باقی سارے اصحاب ملکیت اور کارخانہ دار جو بینکوں سے قرض لے کر کاروبار کرتے ہیں اور ان کے مزدور وغیرہ سب انہی سرمایہ داروں کے تنخواہ دار ملازمین کی حیثیت رکھتے ہیں۔

تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن میں بھی سود کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا (البقرہ ۲۷۵)

نیز فرمایا اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سود کی باقی رقم چھوڑ دو اگر تم مومن ہو ۲۷۸

اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے ۲۷۹

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں جو انسانی حقوق کا میگنا کارٹا ہے فرمایا

الاان كل ربا من الجاهلية موضوع لكم رئوس اموالكم لا تظلمون ولا تظلمون

خبردار ہر سودی معاملہ کالعدم ہے اور تمہیں اصل زر لینے کا حق ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ ایک اور حدیث میں ہے۔

الربوٰ سبعون جزاء ايسرهان ينكع الرجل امه.

سود کے گناہ کے ستر حصے ہیں اور اس کا کم تر حصہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے۔

۳۔ سیاسی مسائل:

دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کی ایک دولت دولت کا صرف محدود طبقے میں گردش ہے جبکہ اسلام یہ چاہتا ہے۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (الحشر:۷)

مال و دولت صرف تمہارے مالداروں میں گردش نہ کرتی ہے۔

لیکن مالداروں نے جو تمام ذرائع وسائل پر معاش پر قابض ہیں اپنی مال و دولت کو سماجی حیثیت کی بنیاد بنالیا ہے لیکن اسلام نے مال و دولت کو سماجی حیثیت کی بنیاد نہیں بننے دیا کیونکہ تمام معاشی خرابیوں کی جڑ مال و دولت نہیں بلکہ (قرآن میں اسے خیر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا) اس کی سماجی اساس ہے مادہ پرستانہ نظاموں میں ایک گروہ کو مال و دولت کی وجہ سے محض آسائشیں سہولیات اور فراخی ہی حاصل نہیں ہوتی بلکہ وہ قوت حاصل ہو جاتی ہے جس کے ذریعے وہ بڑے بڑے سماجی، سیاسی، معاشی، قانونی اور فکری ومراکز پر قابض ہو جاتا ہے اور معاشرے میں فساد و بگاڑ پیدا کرنے اور خلق خدا کو اپنی خواہشات نفس کا غلام بنانے کے قابل ہو جاتا ہے اور تمام وسائل و ذرائع کو اپنے مفادات کے تحفظ کیلئے استعمال کرتا ہے۔ سفارش، رشوت اثر و رسوخ تعلقات اور اقتدار و اختیار کے ذریعے اپنی اولاد خاندان اور طبقے کے لئے ترقی کی راہیں ہموار کرتا ہے اور عوام الناس کے آگے مصنوعی

رکاوٹیں کھڑی کرتا ہے اگر وہ سیاسی مناصب اور اختیارات پر تسلط حاصل کرتا ہے تو فرعون کی طرح اپنے آپ کو اقتدار اعلیٰ کا مالک سمجھے ہوئے انا ربکم الاعلیٰ کا دعویدار بن جاتا ہے اور اسے جو مال و دولت کی فراوانی حاصل ہوتی ہے اسے اپنی ذاتی صلاحیت وقابلیت اور علم معیشت میں اپنی سوجھ بوجھ ومہارت کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے قارون کی طرح اس گھمنڈ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

پاکستان میں عملاً جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور صنعتکاروں کا یہی طرز عمل ہے وہ اپنی مال و دولت کے بل بوتے پر سیاسی اقتدار واختیار اور معاشی وسائل پر قابض ہیں اور اپنے بیٹوں پوتوں کو مختلف سیاسی جماعتوں کے عہدوں پر فائز کیا ہوا ہے جو بھی سیاسی جماعت اقتدار میں ہو انہی کے بھائی بند۔ چچا ماموں بھانجے بھتیجے اقتدار میں رہتے ہیں اور وہ سب پورے خاندان کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ غریب طبقے کو درکنار یہ اہل ثروت متوسط طبقے کو بھی اوپر نہیں آنے دیتے۔ اسمبلی کے ایوانوں پر ان کا تسلط ہے اور حالیہ پارلیمان کے مشترکہ اجلاس کے صدر کے خطاب کے موقع پر جو دھاچوکڑی کا مظاہرہ ان دولت وثروت سے مست لوگوں نے کیا اسے دمادم مست قلندر ہی کا نام دیا جاسکتا ہے۔ کیا غریب قوم اپنا پیٹ کاٹ کر ایسے ہی ناشائستہ مظاہروں کے لئے ان کو روزانہ الاؤنس دیتی ہے اور ان کے لئے ایسے عالیشان ایوان تعمیر کرتی ہے کہ ان میں بیٹھ کر یہ اس قسم کی بدتہذیبی کے مظاہرے کریں۔ بجائے اس کے کہ جن عوام کے یہ نمائندے ہیں ان کی نمائندگی کریں ان کے گوناں گوں مسائل کیلئے آواز اٹھائیں کوئی قانون سازی کریں جس کیلئے ان کو ان ایوانوں میں بھیجا گیا ہے لیکن یہ اپنے مفادات حاصل کرتے ہیں اپنے مسائل حل کرتے، استحقاق حاصل کرتے ہیں اور ڈیوٹی فری گاڑیاں درآمد کرتے ہیں اور غریب عوام کو کہتے ہیں ٹیکس دو خود ٹیکس نہیں دیتے حالانکہ وہ دے سکتے ہیں۔

۴۔ مذہبی انتہا پسندی اور فرقہ بندی:

مذہب کے نام پر بھی جو دنیا میں امن وآشتی کا پیغام ہوتا ہے کہ مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا جنگ و جدل کے معرکے گرم ہوتے رہتے ہیں۔ آج جو معاشرے میں فساد برپا ہے وہ اسی مذہبی انتہا پسندی اور فرقہ بندی کی بدولت ہے ہر عالم دین نے دو چار نام نہاد علماء اور شاگردوں کو ساتھ ملا کر اپنی ایک جماعت بنالی ہے اور وہ ہر معاملے میں اپنے رائے پر چلتا ہے اور دوسروں کو اس پر بزور چلانا چاہتا ہے۔ دوسرے کی رائے کا احترام کرنا وہ اپنی کسر شان خیال کرتا ہے بلکہ دوسروں کی رائے سننا تک گوارا نہیں کرتا اور اگر کوئی اس کی رائے کی مخالفت کرے یا دلائل کے ساتھ تنقید کرے تو سیخ پا ہو جاتا ہے اس پر کفر کے فتوے لگا دیتا ہے حالانکہ لا اکراہ فی الدین کی رو سے کسی پر اپنی رائے جبراً ٹھونسنا منع ہے۔ اپنے شاگردوں کو بھی اس سے تنفر کرنے کی تعلیم دیتا ہے اس سے مذہبی انتہا پسندی کا رجحان پروان چڑھتا ہے۔ ایک مسلک کا عالم دوسرے مسلک کے عالم سے محض یہ کہہ کر ہمارا طریق عمل/طریقہ کار تم سے جدا ہے دوسرے کے پیچھے چلنے سے خواہ وہ اس سے زیادہ عالم فاضل ہو اور اعمال کے لحاظ سے بھی بہتر ہو جان چھڑا لیتا ہے اور یہی تفرقہ ہے اسی طرح فرقے پیدا ہوتے ہیں حالانکہ اقبالؒ نے فرمایا:

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں ، کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

نیز

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک — ایک ہی ان کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک — کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ:

عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ دو آدمی ایک آیت میں اختلاف کر رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن کر باہر نکل آئے۔ آپ کے چہرہ مبارک پر غصہ ظاہر تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلے لوگ صرف اس لئے ہلاک ہو گئے کہ وہ اللہ کی کتاب میں اختلاف کیا کرتے تھے چونکہ یہ ایک اختلافی مسئلہ تھا جس سے مسلمانوں کے اتحاد کو نقصان پہنچ سکتا تھا اس لئے آپ نے تنبیہ فرمائی کہ جب تک کسی قوم میں اتحاد فکر نہ ہو اتحاد عمل پیدا نہیں ہو سکتا اور قوم انتشار کا شکار ہو سکتی ہے جو تباہی اور بربادی کا راستہ ہے۔ دینی مباحث میں اختلاف کی گنجائش صرف ان پختہ کار علماء اور فقہاء کیلئے ہے جو بحث کے دوران جادہ حق سے ہٹ جانے سے مامون ہوں۔ ایک اور حدیث میں ہے۔

یداللّٰہ علی الجماعۃ ومن شذشذ فی النار

بین الاقوامی انتہا پسندی کا رجحان:

اس وقت دنیا دو نظریہ حیات یا دو معاشی نظاموں کی وجہ سے دو بلاکوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے ایک سرمایہ دارانہ نظام کے علمبردار اور دوسرے اس کی ضد اور اس کے ردعمل کے طور پر پیدا ہونے والا اشتراکی نظام ہے، دونوں نے دنیا کی اقوام کو عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ امریکہ نے آج کل تمام دنیا میں دہشت پھیلا رکھی ہے۔ روس تو افغانستان پر حملہ کر کے ایسے تتر بتر ہوا جیسے کبھی جرمنی روس پر حملہ کر کے ہوا تھا۔ اب ایک ہی سپر پاور اور اس کے حواری یورپی ممالک رہ گئے ہیں جو اس کی غلط پالیسی میں اس کی حمایت کرتے ہیں اس کی جانبداری کرتے ہیں امریکہ اور برطانیہ عراق کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے رہے کہ وہ اقوام متحدہ کے انسپکٹروں کو اپنی ایٹمی تنصیبات کا معائنہ کرنے کیوں نہیں دیتا جب اس نے معائنہ کروایا بقول صدام یہ عراق کے حساس اور دفاع کے لحاظ سے اہم مقامات کا پتہ لگانا تھا یعنی جاسوسی تھی پھر وسیع پیمانے پر تباہی کے آلات کے کوئی شواہد نہ ملنے کے باوجود عراق پر حملہ کر دیا اور اس پر غاصبانہ قبضہ کر لیا کیا یہ انتہا پسندی نہیں ہے۔ اسرائیل نے بھی تو عالمی اٹامک ایجنسی کو اپنے ایٹمی اثاثوں کے معائنے سے انکار کر دیا ہے اب امریکہ اس کی بھی خبر لے اس پر بھی تو حملہ کرے اسے بچانے کے لئے تو امریکہ نے عراق پر قبضہ کیا۔

یہ تو ہر ملک کا اپنا داخلی معاملہ ہے اگر امریکہ برطانیہ فرانس اور روس ایٹمی ہتھیاروں کے انبار لگا سکتے ہیں اور انہیں کوئی نہیں روکتا تو عراق، لیبیا یا پاکستان کیوں نہیں ایٹم بم بنا سکتے اس بین الاقوامی انتہا پسندی کے رجحان کا یہی علاج ہے جو اسلام نے تجویز کی ہے یعنی رواداری ہاں تباہی و بربادی کے سامان امریکہ روس بھی نہ بنائے تو ہر ملک C.T.B.T پر دستخط کر دے گا ورنہ

امریکہ کوئی امن عالم کا ٹھیکیدار نہیں ہے بلکہ عالمی دہشت گرد ہے۔

مشہور امریکی فلاسفر نوم چومسکی لکھتا ہے امریکہ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی بدمعاش ریاست ہے اور ہندوستان ریاستی دہشت گردی کا مجرم اور انسانی حقوق کو پامال کرنے والا ملک ہے۔ انیسویں صدی میں برطانیہ دنیا کی چند بڑی بدمعاش ریاستوں میں سے ایک تھا اور بیسویں صدی کے اواخر (یعنی نصف آخر میں) یہ اعزاز امریکہ کو حاصل ہو گیا ہے۔ یہ امریکہ کی اپنے ہی خلاف گواہی ہے اور بڑی معتبر گواہی ہے۔[۶]

مصادر و مراجع

(۱)

(۲) سیوطی علامہ جلال الدین...... تاریخ الخلفاء۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی 1976ء ص: ۵۔۲۰۴

(۳) حجازی ڈاکٹر سکین علی...... سفر نامہ ایران اور مجلہ ایران شناسی لاہور شمارہ ۱۷۔۱۸، ص: ۸۹

(۴) مودودی سید ابوالاعلیٰ...... تفہیم القرآن جلد سوم ادارہ ترجمان القرآن 1996ء ص: ۱۹۔۵۱۸

(۵) ترمذی، پروفیسر سید خالد محمود...... مقالات سیرت وزارت مذہبی امور عشر و زکوۃ اسلام آباد 1989ء ص: ۱۱۶

(۶) چومسکی نوم ورلڈ آرڈر اینڈ نیو پلوٹو پریس لندن 94-1994ء

''دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اُس کا خاتمہ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں''

پروفیسر ڈاکٹر مسز فرحت عظیم، کراچی

مذہبی انتہا پسندی کی تعریف

گیارہ ستمبر 2001ء کا واقعہ رونما ہونے کے بعد سے اسلام کے بارے میں گفتگو مذہبی انتہا پسندی، مذہبی دہشت گردی، مذہبی بنیاد پرستی جیسے مرکب الفاظ کے ساتھ کی جاتی ہے یہ مغرب کا تجزیہ ہے۔ اہل مغرب ہی نے اسلامی انتہا پرستی اسلامی دہشت گردی اسلامی بنیاد پرستی اور سیاسی اسلام جیسی اصطلاحات وضع کیں ان اصطلاحات کا کیا مفہوم ہے اور ان میں سے کس پر کس کو برتری حاصل ہے اس بارے میں بیشتر مغربی مفکرین ایک دوسرے سے اتفاق نہیں کرتے۔

(۱) ایک امریکی دانشور فوح فلڈ مین (Foah Feldman) نے اپنی ایک حالیہ کتاب میں اسلامی انتہا پسندی کی تعریف اس طرح کی ہے اسلامی انتہا پسندی ایک جامع سیاسی روحانی اور شخصی انداز فکر ہے اور ہر اس بات کا مخالف ہے جو اسلامی نہیں۔[۱]

(۲) ایک اور کتاب میں سی آئی اے کے ایک سابق افسر گراہمفلر (Graham Fuller) کہتا ہے ''اسلامی انتہا پسند سے مراد وہ شخص ہے جو اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اسلامی عقائد عصر حاضر کی دنیا کو سیاسی سماجی اور معاشی حالات کی اصلاح کے لیے رہنمائی کرتے ہیں اس قسم کے انتہا پسند افراد اپنے نظریات کو کسی نہ کسی طرح نافذ کرنا چاہتے ہیں۔''[۲]

(۳) ایک فرانسی اسکالر الیورائے (Olive Roy) کے خیال میں انتہا پسندی ایک اصلاحی مملکت قائم کرنے کی ناکام کوشش ہے۔''[۳]

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان:

مذہبی انتہا پسندی کی تشریح اور بھی بہت سے لوگوں نے کی ہے اس کا مفہوم کچھ بھی ہو اہم بات یہ ہے کہ مسلم دنیا میں اپنے مسائل حل کرنے کے لیے مذہب کی طرف رجوع کرنے کا رجحان بڑھ رہا ہے یہ بات صرف مسلمانوں تک محدود نہیں۔ بہت سے امریکی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ سیاسی اور سماجی ڈھانچے کو مربوط ومنظم کرنے کے لیے مسیحیت کی تعلیمات سے استفادہ کرنا چاہیے۔ بھارت کے بہت سے لوگ ہندومت اور بہت تعداد میں اسرائیلی شہری یہودیت کے حوالے سے بھی اسی نوع کے خیالات رکھتے ہیں لیکن اس ضمن میں اسلام پسندوں کو زیادہ مقبولیت ملی اور انتہا پسندی کا اضافی لاحقہ ان سے منسوب کیا گیا۔

گیارہ ستمبر کے واقعے نے مغرب کو ہلا کر رکھ دیا اس کے باسیوں کو اسلامی انتہا پسندی سے لاحق خطرات کا ادراک کرنے پر مجبور کر دیا۔ ان کے نزدیک اس واقعے نے اسلام کو مغرب کے مدمقابل لا کھڑا کیا۔ وہ اسکا ذمہ دار اسلامی انتہا پسندوں

کو ٹھہراتے ہیں اس کے لیے وہ ایک اور اصلاح ''اسلامی دہشت گردی'' استعمال کرتے ہیں اسلامی دہشت گردی کی اصلاح مسلمانوں کے لیے انتہائی ناپسندیدہ ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک دہشت گردی سے اسلام کا بالکل اسی طرح کوئی تعلق نہیں جس طرح عیسائیت کا کوئی تعلق جرمنی کے (Baader meinhof gang) یا اٹلی کے (Red Bridges) سے نہیں تھا۔ اس کے باوجود اسلام کے ساتھ انتہا پسندی اور دہشت گردی دور حاضر کی مضبوط سیاسی اصطلاحیں بنتی جا رہی ہیں اس وقت اسلام کو کم و بیش ان حالات کا سامنا ہے جن سے عیسائیت سولہویں صدی عیسوی میں گزری اور جس کے نتیجے میں ''اصلاح کی تحریک'' نے جنم لیا جو مغرب میں جدید جمہوریت کے فروغ کا اصل سبب بنیں۔

پس منظر:

اس نکتہ نظر کو سمجھنے کے لیے ہمیں کم از کم 70 یا 80 برس پیچھے جانا ہوگا اور سید قطب کے نظریات اور خیالات سے شروعات کرنی ہوگی جو 1930 اور 1940ء کی دہائیوں کے درمیان ایک ادبی ناقد کی حیثیت سے منظر عام پر آئے بعد ازاں 1966ء میں اپنی پھانسی تک مصر کی اخوان المسلمون کے سرگرم کارکن کی حیثیت سے فعال رہے 1940ء کے عشرے میں سید قطب نے دو برس امریکہ میں بسر کئے جوان کے لیے خاصا تلخ اور نفرت انگیز تجربہ ثابت ہوا جس کے نتیجے میں مغرب کے جدید طرز زندگی اور اسلوب سے بے زار ہوگئے۔ اخوان المسلمون آج بھی سرگرم عمل ہے۔ اسامہ بن لادن اور ان کے نائب ایمن الزاوہری بھی اخوان کے رکن رہ چکے ہیں۔ زندان سے لکھے جانے سے ایک خط میں انہوں نے لکھا تھا کہ ''مسلمان کا وطن زمین کا ایک ٹکڑا نہیں بلکہ پورا دارالسلام ہونا چاہیے وہ سرزمین جہاں اسلام کے احکامات پر عمل درآمد کیا جائے اگر ایسا نہ کیا جائے تو اسے خود بخود ''دارالحرب'' کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

انتہا پسندی کی جڑیں موجودہ دور میں 2001ء کے مخصوص تناظر اور پس منظر میں پیوستہ ہیں مغربی مفکرین جس ''اسلام فوبیا'' کا شکار ہیں اسے وہ انتہا پسندی کا نام دیتے ہیں اس کا بڑا گہرا تعلق امریکہ اور امریکی حکومت کے ان تجزیوں سے ہے جن کے مطابق جو امریکی حکومت کہے اسے تسلیم کرلیا جائے جہاں تک امریکی حکومت کے تجزیوں کا تعلق ہے تو ان کی صداقت کے لیے بعد از جنگ عراق کے حالات پر ایک نظر ڈالنا ہی کافی ہوگا۔ امریکی حکومت نے بڑے یقین کے ساتھ اور بڑی شدومد سے یہ دعوے کئے تھے کہ عراق وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی تیاری میں ملوث ہے وہ صرف پینتالیس منٹ کے مختصر وقفے میں انہیں استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے وقت نے ثابت کردیا کہ امریکہ کے بلند و بانگ دعوے جھوٹے تھے لیکن ہم نے آج تک ان کی صداقت پر غور کرنے کی زحمت نہیں کی۔ یہ اور ان جیسے ہزاروں دعوے جھوٹے اور مہمل ہوں گے۔ افغانستان اور عراق پر حملہ محض ان پر قبضہ کرنے کا جواز تھا۔ ان حالات میں مغربی معاشرہ کبھی اسلام کو ایک عظیم دین کی حیثیت میں قبول نہیں کرے گا جو بلاشبہ امن، ہم آہنگی اور رواداری کا مذہب ہے صبر و تحمل کا درس دیتا ہے۔

قرآن مجید سے مغربی دنیا نے بھی استفادہ کیا ہے۔ جب لارڈ اٹیلی برطانوی وزیراعظم چرچل کو شکست دے کر

برسر اقتدار آئے تو اس کامیابی کا اصل سبب یہی تھا کہ انہوں نے قرآنی تعلیمات اور ہدایات کے عین مطابق عوام سے برطانوی معاشرے کو ایک حقیقی عوامی اور فلاحی ریاست میں تبدیل کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ فلاحی ریاست کا تصور ان کے مشیر اور کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر ٹیلر نے قرآن مجید کی تعلیمات سے اخذ کرنے کے بعد ہی لارڈ اٹیلی کو پیش کیا تھا۔ برطانیہ میں رائج نیشنل ہیلتھ اسکیم کا بنیادی تصور بھی خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت سے اخذ کیا گیا ہے جس کے دوران پہلی بار بیماروں بیواؤں اور حاجت مندوں کو حکومت کی جانب سے ضروری امداد اور مالی اعانت فراہم کیے جانے کا آغاز ہوا تھا۔ اسی طرح یو این او کا چارٹر ہو یا 1215ء میں انگلستان میں King John کا مگنا کارٹا سب میں انسانی حقوق کا تصور مذہب اسلام سے اخذ کردہ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی ممالک میں یہ سارے اصول کیوں رائج نہیں ہیں اگر رائج ہیں تو مثبت نتائج کیوں برآمد نہیں ہو رہے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ جن معاشروں میں ترقی اور خوش حالی آئی وہاں سرچشمہ ہدایت قرآن و سنت کو بنایا گیا دوسری جانب وہ حاکم جو آمرانہ ہتھکنڈوں سے حاکم بنے ان کی تمنا یہی رہی کہ نہ صرف وہ آمروں کی پرورش کریں بلکہ ان کی اپنی سرپرستی بھی کسی ظالم حکمراں اور آمر وقت سے ہوتی ہے جبکہ مسلم ممالک میں اندرونی اور داخلی سطحوں پر جہاں فاسق فاجر حکمرانوں نے مغربی طرز زندگی اختیار کیا عوام ان کے خلاف ہوگئے کیونکہ وہ اسے اسلامی اقتدار کے خلاف سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اسامہ بن لادن کے نزدیک موجودہ سعودی حکمراں بھی اتنے ہی عوام دشمن اور اسلام دشمن ہیں جتنا امریکہ۔ امریکہ نے 11 ستمبر 2001ء کے واقعات کا سہارا لے کر انتہا پسندی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا اور افغانستان اور عراق پر قبضہ کر لیا ان حملوں کے نتیجے میں دنیا بھر کے مسلمانوں کے دلوں میں امریکہ اور مغرب کے خلاف خاص قسم کی نفرت پیدا ہوگئی۔ گزشتہ جون میں کیے گئے ایک سروے کے مطابق انڈونیشیا اور نائیجریا سے لے کر مشرق وسطی تک پاکستان، مراکش اور ایران تک میں مغرب کے خلاف نفرت کے جذبات پرورش پا رہے ہیں۔ امریکہ اور مغرب اسے ہی انتہا پسندی قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ تمام واقعات اسلام کو انتہا پسند دہشت گرد ثابت کرنے میں ناکام رہے ہیں اور تصور پھیل رہا ہے کہ اسلام کو معاشرے پر حکمرانی کے طریقہ کار میں اہم کردار ملنا چاہیے اس کا ثبوت ترکی میں 2002 میں طیب اردگان کی جسٹس اینڈ ڈیولپمنٹ پارٹی کی کامیابی پاکستان میں متحدہ مجلس عمل کا بڑھتے ہوئے اقتدار کے علاوہ وہ پالیسیاں بھی ہیں جو مسلم ممالک کے سربراہان نے اختیار کیں۔ ملائشیا کے مہاتیر محمد نے 2001ء میں ملک کی سیکولر روایت کو توڑا اور ملائشیا کو ایک اسلامی ریاست بنانے کا اعلان کر دیا۔ پاکستان میں اسلامی رجحان کو دیکھتے ہوئے ضیاء الحق نے اپنی پالیسیوں میں اسے ملحوظ خاطر رکھا ایران میں 1979ء میں انقلاب آیا۔

افغانستان سے سوویت کی بے دخلی اور اب بھی افغانستان اور عراق میں امریکہ کے خلاف مزاحمت وہ دلیلیں ہیں کہ اسلام نہ تو دہشت گردی کی تعلیم دیتا ہے اور نہ ہی انتہا پسندی جیسی بے معنی اصطلاح سے اس کا کوئی تعلق ہے یہ تو زندگی گزارنے کا ایک سیدھا سادا مذہب ہے جس میں جلال بھی ہے جمال بھی صدقات و خیرات بھی ہے اور فلاح و بہبود بھی اور زور اس بات پر ہے کہ اس میں کوئی جبر نہیں ہے اس حقیقت کا اعتراف امریکی دانشور و فلاسفر بھی کرتے ہیں۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر James Piscatori کہتے ہیں یہ مشکل کام ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ اسلام اپنے پیروکاروں کو دہشت گردی کی تعلیم دیتا

ہے۔فرانسی مفکر Guoll Capay اپنی کتاب "The Trail of Political" اور دوسرے فرانسی مفکر Olivr Roy اپنی کتاب "The Future of Political Islam" میں لکھتے ہیں ''الجزائر سے لے کر ایران اور افغانستان سے لے کر مراکش تک مسلمان اب اسلام کو اپنی تخیلاتی دنیا کے ماخذ کے طور پر نہیں دیکھتے بلکہ عملیت پسندانہ نقطہ نظر کی توقع رکھتے ہیں''

دور حاضر میں اسلام کے بارے میں تاثر:

یورپ ایک مدت تک اسلام کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا جب انہوں نے جاننا چاہا تو مدت دراز تک ایک عجیب حیرت انگیز خیالات وتوہمات میں مبتلا رہا[۲] اس کی وجہ یہ ہے کہ یورپ اسلام کے متعلق خود اسلام کی زبان سے کچھ نہیں سن سکا عصر حاضر کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ مسلمانوں میں خود اعتمادی پیدا کی جائے ان میں ماضی پر اعتماد اور مستقبل کے بارے میں حوصلہ پیدا کیا جائے اس دین پر ان کا ایمان ویقین تازہ اور زندہ ہو جائے جس کا نام تو وہ لیتے ہیں لیکن اس کی حقیقت سے ناآشنا ان کا تعلق اس دین سے زیادہ سر نسلی اور موروثی ہے اور انہوں نے اس پر عمل کرنے کی بہت کم کوشش کی ہے۔[۵] یہی وجہ ہے کہ قیادت اسلام کے ہاتھ سے نکل گئی اور مسلمانوں پر زوال آ گیا وہ ان ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے جو زندگی کے ہر موڑ پر ان کی رہنمائی کرتی ہیں[۶]

یورپ میں کائنات کے محسن اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق صدیوں سے تاثر دیا جاتا رہا کہ نعوذ باللہ وہ ایک بت ہیں جس کی اہل عرب میں پرستش کرتے ہیں۔ سترہویں اور اٹھارویں صدی میں کیمبرج و آکسفورڈ نے عربی علوم کے شعبے قائم کیے۔ باقی یونیورسٹیوں نے تقلید کی اور 1712 میں Andrew Reland نے جو Utreacht یونیورسٹی میں عربی کا پروفیسر تھا اپنی کتاب میں مسلمانوں کے لیے پہلا کلمہ خیر لکھا۔

''مسلمان اتنے پاگل نہیں ہیں جتنا انہیں سمجھا جا رہا ہے'' 1731 میں جارج سیل نے قرآن شریف کا انگریزی ترجمہ کیا۔ Carllayl پہلا عیسائی مصنف ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت سے متاثر ہوا اپنی مشہور تصنیف Hero & Heroship میں اس نے آپ کے متعلق چند تعریفی کلمات ادا کیے۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اگر عرب نہ ہوتے تو آج یورپ کا حال افریقہ سے بھی بدتر ہوتا۔ مسلمانوں نے یورپ کے باشندوں کو لکھنا پڑھنا سکھایا۔ نشست و برخاست کے آداب سکھائے ان کی درسگاہوں میں علوم وفنون کے دریا بہائے لیکن 1922 میں امریکی پروفیسر Shmidt نے امریکن اورینٹل سوسائٹی کے اجلاس میں ''یورپ میں مشرقی عوام'' کے عنوان سے ایک مقالہ پڑھا اور مسلمانوں کا نام تک نہ لیا۔ 1938 میں امریکی پروفیسر Water man نے چھ لیکچر دیئے اور اسلامی علوم کا ذکر تک نہ کیا[۷]

یورپ نے عربوں کی ہر ایجاد اور ہر انکشاف کا سہرا اس یورپی کے سر باندھ دیا جس نے پہلے پہل اس کا ذکر کیا تھا۔ مثلاً قطب نما کی ایجاد ایک فرضی شخص Wholoobo کی طرف منسوب کر دی۔ الکحل Arnold کو اور بارود کا موجد Becon

کو بنا دیا۔ صرف یہی نہیں عربوں کی تصانیف پر اپنا نام بطور مصنف جڑ دیا۔ مفکرین یورپ اور مغرب کو اس بات کا یقین ہے کہ اگر کوئی تہذیب مغربی تہذیب کو پچھاڑ سکتی ہے تو وہ صرف اسلامی تہذیب ہے جو علم واخلاق سے آراستہ اور عشق جیسی توانائی سے مسلح ہے مصر اور بابل کی تہذیبیں مر گئیں یونان ختم ہو گیا۔ چین کی قدیم تہذیب عصر رواں کا ساتھ نہ دے سکے اور ہندو تہذیب اوہام اور خرافات میں گم ہو گئی صرف اسلامی تہذیب ہی ہے جو ڈیڑھ ہزار برس گزر جانے کے باوجود قائم ہے نہ صرف قائم ہے بلکہ اس کے ماننے والوں میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔[۸] کوئی مثال انسانی تاریخ میں ایسی نہیں ملتی کہ ڈیڑھ ہزار برس گزر جانے کے باوجود حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زندگی کے حالات اس طرح مل جائیں کہ آپ کی زندگی کی وسعت اور تفصیل من وعن مل جائے یہاں تک کہ آپ کی باتیں، کام، زندگی گزارنے کا ڈھنگ شکل وصورت اٹھنا بیٹھنا، بول چال، رہن سہن، سونے جاگنے اور ہنسنے بولنے کی ایک ایک ادا محفوظ ہے۔ ہم اپنے زمانے سے چند سو برس پہلے گزرے ہوئے بڑے لوگوں کے بارے میں نہیں جانتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ریکارڈ کی صحت کا یہ عالم کہ کوئی اس پر حرف نہیں لا سکتا۔ سب جانتے ہیں کہ انسانیت کا سب سے مقدم فرض اور اس کی سب سے بہتر تعریف یہی ہے کہ لوگوں کی اخلاقی تربیت کی جائے۔ ان کی برائیوں کو دور کیا جائے اور زندگی کا ایسا مکمل نقشہ پیش کیا جائے جس پر چل کر انسان صحیح معنوں میں کامیاب ہو سکے اس مقصد کے لیے اصلاحی کام کرنے والوں نے انسانی اصلاح کے کچھ گوشوں کو اپنے لیے مخصوص کر لیا پھر ان ہی میں وہ جو کام کر سکتے تھے انہوں نے کیا کسی نے روحانیت کو اپنا مرکز بنایا کوئی سیاست کا کھلاڑی رہا کسی نے حکومت واقتدار کو مرکز بنایا کوئی معاشی حوالے سے پہچانا گیا کسی نے تہذیب وتمدن کو سنوارنے کی کوشش کی لیکن پوری زندگی کو اس کے ایک ایک شعبے کو روحانی ہو یا جسمانی، سماجی ہو یا معاشی سیاسی ہو اصلاحی کو سنوارنے والی شخصیت صرف اور صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے۔[۹] اور پھر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کسی ایک مخصوص خطہ یا طرز فکر کے لیے نہیں تمام انسانوں کے لیے ہیں آپ تمام دنیا کے لیے رحمت ہیں۔ اسلام اور اسلامی تحریک کی یہی وہ خصوصیت ہے جو ہر طالب علم کو متوجہ کرتی ہے کہ وہ اسے قریب سے دیکھے اور سمجھنے کی کوشش کرے۔

انتہا پسندی اور اس کا خاتمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں:

یورپ کے مطابق پوری دنیا انتہا پسندی کی لپیٹ میں ہے ہم مسلمان اگر انتہا پسندی کو لغو اور بے بنیاد اصطلاح کہیں بھی تو اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ ہم نے اپنے اعمال سے اہل دنیا پر حسین اور سچے نقش مرتب نہیں کیے ہمارے لیے سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں نجات اور بہترین مستقبل کی ضمانت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سرور دو عالم ہیں۔ سیدھی سادھی زبان میں اس کا مطلب ہے ''دنیا کا سردار''، جس بلند پایہ ہستی کو یہ خطاب دیا گیا ہے اس کا کارنامہ ایسا ہی ہے کہ اسے سرور دو عالم نہ صرف زبان سے کہا جائے بلکہ عمل سے توثیق بھی کی جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری انسانیت کے لیے کام کیا:

ایک محب وطن ایک قوم پرست رہنما کی آپ جتنی چاہیں قدر کر لیں لیکن اگر ہم اس بقدر کے ہم وطن نہیں ہیں تو اسے

اپنا لیڈر نہیں بنائیں گے۔ چین، ہسپانیہ، ہندوستان، ایران کے لوگوں کو ایک پڑی ہے کہ وہ امریکہ کے لیڈر کو اپنا لیڈر کہیں خواہ وہ اپنی قوم کے لیے کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو اسکے برعکس یہ عین ممکن ہے کہ کسی قوم کا لیڈر دوسری قوموں کے نزدیک قابل نفرت ٹھہرے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کریں تو ایک ہی نظر میں یہ محسوس کر لیں گے کہ یہ ایک محب انسانیت اور عالمگیر نظر رکھنے والے انسان کی زندگی ہے ان کی نگاہ میں تمام انسان یکساں تھے کسی خاندان کسی طبقے کسی قوم کسی نسل یا کسی ملک کے خاص مفاد سے ان کا تعلق نہ تھا انہوں نے اپنا پیغام ہر ملک اور ہر جگہ پہنچایا۔ ان کی زبان سے تمام عمر کوئی ایک لفظ یا فقرہ بھی ایسا نہ نکلا اور نہ زندگی بھر کوئی ایسا کام کیا جس سے شبہ بھی کیا جاسکتا ہو کہ یہ کام ایک انسانی طبقہ یا نسل کے مفاد میں تھا۔ یہی وجہ ہے ان کی زندگی ہی میں حبشی، ایرانی، رومی، مصری اور اسرائیلی اس طرح رفیق کار بنے جس طرح عرب کے رہنے والے۔ پوری دنیا زمین کے ہر گوشے، ہر نسل ہر قوم نے انہیں اپنا رہنما تسلیم کیا۔ یہ اسی انسانیت کا کرشمہ ہے کہ آج زمین کے کسی بھی خطے میں ہوں۔ کوئی بھی ملک ہو قومیت کچھ بھی ہو دنیا کے دور دراز علاقوں میں رہنے والے زمین کے کسی بھی خطے میں ہوں۔ اس کا ذکر کرنا عبادت سمجھتے ہیں۔ جو صدیوں پہلے عرب میں ہوا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر زمانے کے لیے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہر زمانے میں یکساں کارآمد اور مفید ہیں۔ آج بھی سیاست و حکمت کے اصول، جہاں بانی و جہاں سازی اسی وقت بہترین نتائج دے سکتے ہیں جب ہم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کریں اور یہ آنے والے ہزاروں برسوں میں بھی اسی طرح قابل عمل رہیں گے جس رہنما کی تعلیمات ایک خاص زمانے میں خاص ماحول اور وسائل کے مطابق ہوں وہ پورے جہاں کا سردار نہیں کہا جاسکتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ اصول پوری دنیا کے انسانوں کے لیے قابل عمل ہیں:

دنیا میں کوئی بھی ایسی ہستی نہیں جس کے اصول پوری دنیا کے لیے اتنے ہی قابل عمل ہوں جتنے عرب کے باشندوں کے لیے۔ جو ساری دنیا کے انسانوں کی رہنمائی کرتے ہوں اور جن میں انسانی زندگی کے تمام اہم مسائل کا حل موجود ہو، دنیا کا سردار وہی ہوسکتا ہے جو ساری دنیا کے لوگوں کو ایسا طریقہ بتائے جس میں سب کی فلاح ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملکوں اور قوموں کے وقتی اور مقامی مسائل سے بحث نہیں کی بلکہ اپنی پوری قوت اس مسئلے کے حل کی طرف لگا دی جس سے چھوٹے چھوٹے مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ "پوری کائنات خدا کی سلطنت ہے"۔ زمین، سورج، چاند، ہوا، پانی، روشنی سب خدا کی ملکیت ہیں اور اللہ کی ایک عظیم الشان سلطنت میں انسان بھی ایک جز ہے۔ انسان کو اس کے مالک و مختار نے کچھ قوانین دے کر دنیا میں بھیجا ہے اسے ان پر لامحالہ عمل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ مالک و مختار ہے آقا ہے اور ہر غلام کو اپنے آقا کی مرضی ملحوظ خاطر رکھنی چاہیے۔ دنیا میں ایک انسان اپنے ہی جیسے انسان پر مالک یا آقا بن کر یہ امید رکھتا ہے کہ وہ اس کا حکم مانے تو ایسا آقا جو سب سے بڑا ہے جس سے بڑا کوئی اور نہیں ہے جس کے اصول بھی اس کی اپنی کے لیے نہیں۔ اسے بھلائی کی حاجت

نہیں ہے۔ اگر ہم اس کی مرضی کے خلاف کام کریں گے تو اس کے نتائج حقیقتاً تباہ کن ہوں گے۔[۱۰]

یہ بنیادی اصلاح تھی جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی زندگی گزارنے کے لیے تجویز کی یہ مشرق و مغرب کی قید سے آزاد ہے روئے زمین پر جہاں جہاں انسان آباد ہیں یہی ایک اصلاحی تجویز ان کی زندگی کی بگڑی ہوئی کل کو درست کر سکتی ہے یہ ماضی و مستقبل کی قید سے بھی آزاد ہے۔ ڈیڑھ ہزار برس پہلے یہ جتنی صحیح اور کارگر تھی اتنی ہی آج ہے اور اتنی ہی دس ہزار برس بعد ہوگی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کر کے دکھایا:

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اصول پیش کرنے پر ہی اکتفا کیا بلکہ اپنے پیش کردہ اصولوں کو زندگی میں جاری کر کے دکھایا اور ان کی بنیاد پر ایک جیتی جاگتی سوسائٹی پیدا کر دی صرف خیالی نقشہ ہی پیش نہیں کیا بلکہ اس نقشہ پر ایک زندہ سوسائٹی پیدا کر کے دکھلا دی۔ انہوں نے 23 برس کی مختصر مدت میں لاکھوں انسانوں کو خدا کی حکومت کے آگے سر اطاعت جھکانے پر آمادہ کیا۔ ان سے خود پرستی چھڑوائی اور خدا کے سوا دوسروں کی بندگی سے نجات دلائی۔ پھر ان کو جمع کر کے خالص خدا کی بندگی پر ایک نظام اخلاق نیا نظام تمدن، نیا نظام معیشت اور نیا نظام حکومت بنایا اور تمام دنیا کے سامنے اس بات کا عملی مظاہرہ کر کے دکھا دیا کہ جو اصول آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیے ہیں اس پر کیسی زندگی بنتی ہے کتنی پاکیزہ اور صالح ہوتی ہے۔ یہی وہ بنیادیں ہیں کہ آپ انسانیت کی مشترک میراث ہیں جس پر کسی کا حق کسی دوسرے سے کم یا زیادہ نہیں ہے۔ جو چاہے اس میراث سے فائدہ اٹھائے۔ آج دنیا میں جہاں کہیں بھی حسن اخلاق کا کوئی نمونہ ہے وہ اسی صحیفہ تعلیم کا ایک ورق ہے۔[۱۱]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی کی مثالیں

عام سماجی رابطہ:

بڑے بڑے کام کرنے والے لوگ بالعموم رابطہ عام کے لیے وقت نہیں نکال سکتے اور نہ ہر طرف توجہ دے سکتے ہیں۔ بعض بڑے لوگوں میں خلوت پسندی اور خشکی مزاج پیدا ہو جاتی ہے اور کچھ کبر کا شکار ہو کر اپنے لیے ایک عالم بالا بنا لیتے ہیں مگر حضور انتہائی عظمت کے مقام پر فائز ہو کر اور تاریخ کا رخ بدلنے والے کارنامے انجام دے کر عوامی حلقوں سے پوری طرح مربوط تھے۔ اور جماعت اور معاشرہ کے افراد سے شخصی اور نجی تعلق رکھتے تھے علیحدگی پسندی یا کبر یا یبوست کا شائبہ تک نہ تھا۔ درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نظام اخوت کی تاسیس فرمائی تھی، یہ اس کا اہم تقاضا تھا کہ لوگ باہم و مربوط رہیں ایک دوسرے کے کام میں آئیں اور ایک دوسرے کے حقوق پہچانیں۔[۱۲]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ راستہ میں ملنے والوں سے سلام کہتے اور سلام میں پہل کرتے کسی کو پیغام بھجواتے

تو ساتھ سلام ضروری کہلواتے۔ کسی کا سلام پہنچایا جاتا تو بھیجنے والے کو بھی اور لانے والے کو بھی درجہ بہ درجہ سلام کہتے۔ ایک بار لڑکوں کی ٹولی کے پاس سے گزرے تو ان کو سلام کیا۔ عورتوں کی جماعت کے قریب سے ہو کر نکلے تو ان کو سلام کیا۔ گھر میں داخل ہوتے ہوئے اور گھر سے نکلتے ہوئے گھر کے لوگوں کو بھی سلام کہتے۔

محسن انسانیت:

مجلس میں جاتے وقت تو اس امر کو ناپسند کرتے کہ صحابہ تعظیم کے لیے کھڑے ہوں مجلس کے کنارے ہی بیٹھ جاتے۔ کندھوں پر سے پھاند کر بیچ میں گھسنے سے احتراز فرماتے۔ فرمایا اجلیس کمایجلس العبد''۔(اسی طرح اٹھتا بیٹھتا ہوں جس طرح خدا کا ایک بندہ اٹھتا بیٹھتا ہو، (روایت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اپنے زانوں ساتھیوں سے بڑھا کر نہ بیٹھتے، کوئی آتا تو اعزاز کے لیے اپنی چادر بچھا دیتے۔ آنے والا جب تک خود نہ اٹھتا آپ مجلس سے الگ نہ ہوتے۔

اہل مجلس کی گفتگو میں غیر متعلق موضوع نہ چھیڑتے بلکہ جو سلسلہ کلام چل رہا ہوتا اسی میں شامل ہو جاتے۔ چنانچہ نماز صبح کے بعد مجلس رہتی اور اس میں صحابہ سے خوب باتیں ہوتیں۔ جاہلیت کے قصے چھڑ جاتے اور ان پر خوب ہنسی بھی ہوتی۔ صحابہ شعر بھی پڑھتے۔ جس موضوع سے اہل مجلس کے چہروں سے اکتانے کا اثر محسوس ہوتا اسے بدل دیتے۔ ایک ایک فرد مجلس پر توجہ فرماتے تاکہ کوئی یہ محسوس نہ کرے کہ کسی کو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوقیت دی ہے۔ دوران تکلم کوئی شخص غیر متعلق سوال چھیڑ دیتا تو اسے نظر انداز کر کے گفتگو جاری رکھتے اور سلسلہ پورا کر کے پھر اس کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ خطاب کرنے والے کی جانب سے اس وقت تک رخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود منہ نہ پھیر لیتا۔ کان میں کوئی سرگوشی کرتا تو جب تک وہ بات پوری کر کے منہ نہ ہٹا لیتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر اپنا سر اسی کی طرف جھکائے رکھتے کسی کی بات کو بھی نہ کاٹتے۔ الا یہ کہ حق کے خلاف ہو۔ اس صورت میں یا تو ٹوک دیتے یا چہرے پر ناگواری آجاتی یا اٹھ کر چلے جاتے۔ ناپسند تھا کہ کھڑے کھڑے کوئی اہم بحث چھیڑ دی جائے ناپسندیدہ باتوں سے یا تو اعراض فرماتے ورنہ گرفت کرنے کا عام طریقہ یہ تھا کہ براہ راست نام لے کر ذکر نہ کرتے۔ بلکہ عوامی انداز میں اشارہ کرتے یا جامع طور پر نصیحت کر دیتے۔

کسی کی ملاقات کو جاتے تو دروازے کے دائیں یا بائیں کھڑے ہو کر اطلاع دیتے اور اجازت لینے کے لیے تین مرتبہ سلام کہتے۔ جواب نہ ملتا تو بغیر کسی احساس تکدر کے واپس چلے جاتے۔ رات کو کسی سے ملنے جاتے تو اتنی آواز میں سلام کہتے کہ اگر وہ جاگتا ہو تو سن لے اور سو رہا ہو تو نیند میں خلل نہ آئے۔

بدن یا لباس سے کوئی شخص تنکا یا مٹی ہٹاتا تو شکریہ ادا کرتے ہوئے فرماتے مسح اللہ عنک ما تکرۃ (خدا تم سے ہر اس شے کو دور کرے جو تمہیں بری لگے) ہدیہ قبول کرتے اور جواباً ہدیہ دینے کا خیال رکھتے۔ کوئی شخص نیا لباس پہن کر سامنے آتا تو فرماتے حسنۃ حسنہ ابل و اخلق (یعنی خوب ہے خوب دیر تک پہنو بوسیدہ کرو) بدسلوکی کا بدلہ برے سلوک سے نہ دیتے

بلکہ عفو درگزر سے کام لیتے۔ دوسرے کے قصور معاف کردیتے واطلاع کے ساتھ اپنا عمامہ علامت کے طور پر بھیج دیتے۔ کوئی پکارتا تو خواہ وہ گھر کا آدمی ہو یا رفقاء میں سے ہمیشہ لبیک (حاضر ہوں) کہتے۔

بیماروں کی عیادت کو اہتمام سے جاتے۔ سرہانے بیٹھ کر پوچھتے۔ کیف تجدک؟ (تمہاری طبیعت کیسی ہے؟) بیمار کی پیشانی اور نبض پر ہاتھ رکھتے۔ کبھی سینے اور پیٹ پر دستِ شفقت پھیرتے اور کبھی چہرے پر کھانے کو پوچھتے۔ بیمار کسی چیز کی خواہش کرتا تو اگر مضر نہ ہوتی تو منگوا دیتے۔ تسلی دیتے اور شفا کے لیے دعا فرماتے۔ حضرت سعد کے لیے تین بار دعا کی۔ مشک چچاؤں کی بیمار پرسی بھی کی۔ ایک یہودی بچے کی عیادت بھی فرمائی (جو ایمان لے آیا) اس کام کے لیے کوئی دن اور وقت مقرر نہ تھا جب بھی اطلاع ملتی اور وقت ملتا تشریف لے جاتے۔

جب کسی شخص کی وفات ہو جاتی تو تشریف لے جاتے۔ عالم نزع میں بلایا جاتا یا از خود اطلاع پا کر پہنچتے تو توحید اور توجہ الی اللہ کی تلقین کرتے میت کے لواحقین سے ہمدردی کا اظہار فرماتے، صبر کی نصیحت کرتے اور چلانے اور پکارنے سے روکتے سفید کپڑوں میں اچھا کفن دینے کی تاکید کرتے اور تجہیز وتکفین میں جلدی کراتے جنازہ اٹھتا تو ساتھ ساتھ چلتے۔ مسلمانوں کے جنازے خود پڑھاتے اور مغفرت کے لیے دعا کرتے۔ کوئی جنازہ گزرتا تو چاہے وہ غیر مسلم کا ہو کھڑے ہو جاتے۔

کوئی مسافر سے واپس آتا اور حاضری دیتا تو اس سے معانقہ کرتے بعض اوقات پیشانی چوم لیتے۔ کسی کو سفر کے لیے رخصت فرماتے تو کہتے کہ بھائی ہمیں بھی دعاؤں میں یاد رکھنا۔

مروت کی انتہا یہ تھی کہ مدینہ کی ایک عورت جس کی عقل میں کچھ فتور تھا آتی ہے اور کہتی ہے کہ مجھے کچھ کہنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے فرماتے ہیں کہ تم چلو کسی کوچے میں انتظار کرو میں ابھی آتا ہوں چنانچہ اس کی بات جا کر سنی۔ اور اس کا کام کر کے دیا۔

میل جول کی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کردار کی تصویر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خوب کھینچی ہے وہ فرماتے ہیں "میں دس برس تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کبھی اف تک نہ کہی۔ کوئی کام جیسا بھی کیا۔ نہیں کیا یہ کیوں کیا اور کوئی کام نہ کیا تو نہیں کہا کہ کیوں نہیں کیا۔

یہی معاملہ آپ کا خاموں اور کنیزوں کے ساتھ رہا۔ آپ نے ان میں سے کسی کو کبھی نہیں مارا۔

اس کی تصدیق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ ازواج یا خادموں میں سے نہ کبھی کسی کو مارا نہ کسی سے کوئی ذاتی انتقام لیا۔ بجز اس کے آپ خدا کے راستے میں جہاد کریں یا قانون الٰہی کے تحت اس کی مقرر کردہ حرمتوں کے تحفظ کے لیے کارروائی کریں۔

خالص نجی زندگی

اکثر بڑے لوگ وہ کہلاتے ہیں جو پبلک لائف کے لیے ایک مصنوعی کردار کا چغہ پہنے رکھتے ہیں جو نجی زندگی میں اتر جاتا ہے باہر دیکھیے تو بڑی آن بان ہے گھر پہنچے تو انتہائی پستی میں جا گرے۔ باہر سادگی اور تواضع دکھائی گھر کو پلٹے تو عیش وتنعم

میں ڈوب گئے۔ پبلک اور پرائیوٹ زندگی میں کسی شخص کے ہاں جتنا زیادہ اختلاف اور فاصلہ ہوتا ہے۔ اتنا ہی اس کا مرتبہ ادنیٰ ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیے تو ایک ہی رنگ گھر میں بھی ہے اور گھر سے باہر بھی۔

حضرت عائشہ سے کسی نے دریافت کیا کہ رسول خدا اپنے گھر میں کیا کیا کرتے تھے۔ انہوں نے جواب میں فرمایا آپ آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے۔ اپنے کپڑوں کی دیکھ بھال خود ہی کر لیتے۔ (کہ ان میں کوئی جوں وغیرہ نہ چڑھ آئی ہو) بکری کا دودھ دوہتے اور اپنی ضرورتیں خود ہی پوری کر لیتے۔ نیز اپنے کپڑوں کو خود ہی پیوند لگا لیتے اپنے جوتے کی مرمت کر لیتے حدیہ کہ اپنے ڈول کو ٹانکے لگا لیتے، بوجھ اٹھاتے، جانوروں کو چارہ ڈالتے، کوئی خادم ہوتا تو اس کے ساتھ مل کر کام کرا دیتے (مثلاً) اسے آٹا پسوا دیتے کبھی اکیلے ہی مشقت کر لیتے۔ بازار جانے میں عار نہ تھی خود ہی سودا سلف لاتے اور ضرورت کی چیزیں ایک کپڑے میں باندھ کر اٹھا لاتے۔

ایک بار حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوچھنے پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول خدا گھر میں آتے تو اپنا وقت تین طرح کی مصروفتوں میں صرف کرتے۔ کچھ وقت خدا کی عبادت میں صرف ہوتا۔ کچھ وقت اہل وعیال کے لیے تھا اور کچھ وقت آرام کے لیے۔ پھر انہی اوقات میں ایک حصہ ملاقاتوں کے لیے نکالتے جن میں مسجد کی عام مجالس کے علاوہ خصوصی گفتگو کرنے والے احباب یا مہمان آ کر ملتے یا کچھ لوگ ضروریات وحاجات لے کر آتے۔ دیکھا جائے تو آرام کے لیے بہت ہی کم وقت رہ جاتا تھا۔

ازواجِ مطہرات کے نان ونفقہ اور مختلف ضروریات کا انتظام بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرنا ہوتا پھر ان کی تعظیم و تربیت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے تھی۔ پھر انہی کے ذریعہ طبقہ خواتین کی اصلاح کا کام جاری رہتا۔ عورتیں اپنے مسائل لے کر آتیں اور ازواج مطہرات کی معرفت دریافت کرتیں۔ اس کے باوجود گھر کی فضا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خشک اور بوجھل نہ بننے دیا اور نہ اس میں کوئی مصنوعی انداز پیدا ہونے دیا۔ گھر ایک انسانی گھر کی طرح تھا جس کی فضا میں فری جذبات بھی تھے۔ اس میں آنسوؤں کی چمک بھی ہوتی اور تبسموں کی معانی بھی محبتیں بھی کارفرما تھیں اور کبھی کبھار رشک کا کھچاؤ بھی پیدا ہوتا پریشانیاں بھی رہتیں اور تفریح کے لمحات بھی آتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس باغ میں آتے تو نسیم کے جھونکے کی طرح آتے اور ایک عجیب شگفتگی پھیل جاتی۔ بات چیت ہوتی کبھی کبھار قصہ گوئی بھی ہوتی اور دلچسپ لطائف بھی وقوع میں آتے۔

گھریلو زندگی کے اس فطری اتار چڑھاؤ کو بعض لوگ اسلامیت کے تصور سے فروتر پاتے ہیں۔ اور خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا نقشہ کچھ ایسا ذہن رکھتے ہیں کہ اس میں غیر انسان پتلے رہتے تھے جن میں نہ کوئی جذبہ تھا، نہ خواہش۔ حالانکہ وہ گھر انسانوں کا گھر تھا۔ اور اس میں سارے انسانی جذبات کام کرتے تھے۔ مگر اس گھر میں معصیت نہ تھی۔ اس لحاظ سے وہ نمونہ کا گھر تھا۔ راتوں کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر ہوتے تو اہل وعیال سے عام باتیں ہوتیں۔ گھریلو امور پر کبھی عام مسلمانوں کے مسائل پر۔

گھر اور اس کے ساز وسامان کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نقطہ نظر یہ تھا کہ زندگی اس طرح گزاری جائے جیسے

مسافر گزارتا ہے فرمایا کہ میری مثال اس مسافر کی سی ہے جو تھوڑی دیر کے لیے سائے میں آرام کرے اور پھر اپنی راہ لے، مراد یہ ہے کہ جو لوگ آخرت کو منتہا بنائیں اور دینوی زندگی کو ادائے فرض یا امتحان کے طور پر گزاریں اور جنہیں یہاں کسی بڑے نصب العین کے لیے جدوجہد کرنی ہو ان کے لیے کیا موقع ہے کہ اعلیٰ درجہ کے مسکن بنائیں۔ اور ان کو ساز و سامان سے آراستہ کریں۔ اور پھر ان میں مگن رہ کر لطف اٹھائیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے اعلیٰ درجہ کی عمارتیں بنائیں اور نہ ان میں اسباب جمع کیے اور نہ ان کی زینت و آرائش کی۔ ان کے گھر بس بہترین مسافرانہ قیام گاہ تھیں۔ ان میں گرمی سردی سے بچنے کا اہتمام تھا، جانوروں کی مداخلت سے بچاؤ کا انتظام تھا، پردہ داری (Privacy) کا بندوبست تھا۔ اور حفظان صحت کے ضروری پہلو ملحوظ تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان نام نہاد بڑے لوگوں میں سے نہ تھے۔ جو دنیا جہاں کے غم میں گھلے جاتے ہیں۔ لیکن گھر کے لیے سنگدل اور تغافل کش ثابت ہوتے ہیں۔ باہر کی زندگی پر ہنگامہ ہوتی ہے۔ گھر کی پھیکی اور بدمزہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ازواج مطہرات کے ساتھ سچی محبت تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک ہی پیالہ میں پانی پیتے اور جہاں وہ منہ لگاتی، وہیں منہ لگاتے، انصار کی بچیوں کو بلواتے تا کہ وہ ان کے ساتھ کھیلیں۔ حبشیوں کے ورزشی کرتب اس انداز سے دکھاتے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھوڑی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر تھی۔ بار بار پوچھتے کہ کیا تم سیر ہوگئی۔؟ وہ کہتیں ابھی نہیں'' ! دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ حضرت صفیہ کو اونٹ پر سوار کرانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا گھٹنہ بڑھا دیتے۔ ایک مرتبہ سفر میں نقہ کا پاؤں پھسلا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب صفیہ دونوں گر پڑے۔ ابوطلحہ ساتھ تھے۔ دوڑے ہوئے آپ کے پاس آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے خاتون کی طرف توجہ کرو۔

اپنے بچوں کے لیے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات بڑے گہرے تھے۔ حضرت ابراہیم کو رضاعت کے لیے ایک لوہا کے گھر میں مدینہ کے بالائی حصہ میں رکھا گیا تھا۔ ان کو دیکھنے کے لیے خاصہ فاصلہ چل کر تشریف لے جاتے۔ گھر میں دھواں بھرا ہوتا مگر بیٹھتے اور بچے کو گود میں لے کر پیار کرتے۔

حضرت فاطمہ آتیں تو اٹھ کر استقبال کرتے۔ خود تشریف لے جاتے۔ اپنی کہتے ان کی سنتے ان کے صاحبزادوں امام حسن و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت ہی پیار تھا۔ ان کو گود میں لیتے ان کو کندھے پر سوار کرتے۔ ان کے لیے گھوڑا بنتے۔ حالت نماز میں بھی ان کو کندھوں پر بیٹھنے دیتے۔ ایک بار اقرع بن حابس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جناب حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بوسہ لیتے دیکھا تو تعجب سے کہا کہ میرے دس بیٹے ہیں میں نے کبھی کسی کو پیار نہیں کیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بوسہ لیتے ہوئے فرمایا جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

وتبسمک فی وجہ اخیک صدقة (اپنے بھائی کے سامنے مسکراتے ہوئے آنا بھی ایک کار خیر ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان بھی بیان ہو چکی ہے کہ۔ **کان بساما ضاحکا**۔ عظیم کارنامے سے انجام دینے والی شخصیت کے لیے یہ ایک لازمی وصف ہے کہ وہ فرائض حیات کے بوجھ کو اپنے تبسم سے گورا بنا دے اور ساتھیوں کے دلوں میں گھر کر لے۔ آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ قد کان یباسط اصحاب بما یولج حتبه فی القلوب۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے بے تکلفانہ انداز مزاج سے پیش آتے تھے کہ رفقاء کے دلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں رچ بس گئی تھی۔ آپ ہنسی، دل لگی کی باتیں کرتے۔ اور مجلس میں شگفتگی کی فضا پیدا کر دیتے مگر توازن اعتدال ہمیشہ ملحوظ رہتا مزاح کا رنگ آٹے میں نمک کی طرح ہلکا رہتا اور اس میں بھی نہ تو خلاف حق کبھی کوئی بات شامل ہوتی۔ نہ کسی کی دلآزاری کی جاتی اور نہ ٹھٹھے لگا کر ہنسنا معمول تھا۔ غنچوں کا سا تبسم ہوتا جس میں زیادہ سے زیادہ دانتوں کے کیلے دکھائی دیتے۔ ایک بڑھیا نے آکر عرض کی کہ میرے لیے دعا کیجیے کہ خدا مجھے جنت عطا فرمائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاحاً کہا۔ ''اے ام فلاں! جنت میں کوئی بوڑھی نہیں جاسکتی''۔ وہ روتی ہوئی اٹھ کر جانے لگی۔ حاضرین سے فرمایا۔ اسے کہو کہ خدا تعالیٰ اسے اس بڑھاپے کے ساتھ جنت میں نہیں لے جانے کا بلکہ اس کا ارشاد ہے کہ

انا انشاناهن انشاء فجعلنا هن ابکارا عربا اترابا

مراد یہ کہ جنت میں جانے والوں کو اللہ تعالیٰ جوانی سے سرفراز فرمائے گا۔

متوازن زندگی کا ایک لازمی جز تفریحات (جائز حدود میں) بھی ہیں۔ مزاج کی طرح یہ جز ساقط ہو جائے تو زندگی بوجھ بن جاتی ہے اور جس نظام حیات میں تفریحات کی گنجائش نہ رکھی گئی ہو اسے کوئی معاشرہ دیر تک اٹھا نہیں سکتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بعض تفریحات پسند تھیں اور جائز حدوں میں ان کیلیے راستے نکالے۔ شخصی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باغوں کی سیر کا شوق تھا۔ کبھی رفقا کے ساتھ باغوں میں چلے جاتے اور وہیں مجلس آرائی بھی ہو جاتی۔ تیرنے کا مشغلہ بھی تھا اور احباب کے ساتھ کبھی کبھار تالاب میں تیرا کرتے دو ساتھیوں کے جوڑ بنائے جاتے اور پھر ہر جوڑ کے ساتھی دور سے تیر کر ایک دوسرے کی طرف آتے۔ ایک موقع پر اپنا ساتھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پسند کیا۔ وقفے کے بعد بارش پڑتی تو تہہ بند باندھ کر پھادر میں نہایا کرتے کبھی تفریحاً کنویں میں پاؤں لٹکا کر اس کے دہانے پر بیٹھتے۔

دوڑوں اور تیراندازی کے مقابلے کراتے اور اکھاڑے میں خود پوری دلچسپی سے شریک رہتے ایسے موقعوں پر ہنسی بھی ہوتی۔

عیب جوئی اور مداحی کی ناپسندیدگی:

مداحی اور تعریف کو بھی (گو دل سے ہو) ناپسند فرماتے تھے، ایک دفعہ مجلس اقدس میں ایک شخص کا مذکور نکلا، حاضرین میں سے ایک شخص نے ان کی بہت تعریف کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اپنے دوست کی گردن کاٹی۔ یہ الفاظ چند بار فرمائے پھر ارشاد کیا تم کو اگر کسی کی مدح کرنی ہو تو یوں کہو کہ میرا ایسا خیال ہو۔

ایک دفعہ ایک شخص کسی حاکم کی مداح کر رہا تھا حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی موجود تھے۔ انہوں نے زمین سے خاک اٹھا کے منہ میں جھونک دی اور حکم دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ مداحوں کے منہ میں خاک بھر دو۔

ایک دفعہ آپ مسجد میں تشریف لائے ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا مجن ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا یہ کون ہے مجن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا نام بتایا اور نہایت تعریف کی ارشاد فرمایا کہ "دیکھو یہ سن نہ پائے ورنہ تباہ ہو جائے گا یعنی دل میں غرور پیدا ہوگا۔ جو موجب ہلاکت ہوگا۔

سادگی اور بے تکلفی

معمول تھا کہ مجلس سے اٹھ کر گھر میں تشریف لے جاتے تو کبھی کبھی ننگے پاؤں چلے جاتے اور جوتی وہیں چھوڑ جاتے۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ پھر واپس تشریف لائیں گے۔ روز کنگھا کرنا پسند فرماتے ارشاد تھا کہ دن بیچ دے کر کنگھا کرنا چاہیے (کھانے پینے پہننے اوڑھنے، اٹھنے بیٹھنے کسی چیز میں تکلف نہ تھا، کھانے میں جو سامنے آتا تناول فرماتے پہننے کو موٹا جھوٹا جو مل جاتا پہن لیتے زمین پر چٹائی پر فرش پر جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے آپ کے لیے آٹے کی بھوسی کبھی صاف نہیں کی جاتی تھی۔ کرتہ کا تکمہ اکثر کھلا رکھتے تھے، لباس میں نمائش کو ناپسند فرماتے تھے۔ غرض ہر چیز میں سادگی اور بے تکلفی پسند تھی۔

امارت پسندی سے اجتناب:

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت علیؓ کی دعوت کی اور کھانا پکوا کر گھر بھیج دیا۔ حضرت فاطمہؓ زہرا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے لیکن دروازہ پر پہنچے تو یہ دیکھ کر گھر میں دیواروں پر پردے لٹکے ہوئے ہیں واپس چلے گئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واپسی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا پیغمبر کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی زیب و زینت کے مکان میں داخل ہو۔ فرمایا کرتے کہ گھر ایک بستر اپنے لیے، ایک بیوی کے لیے اور ایک مہمان کے لیے کافی ہے چوتھا شیطان کا حصہ ہے۔ ایک دفعہ کسی غزوہ میں تشریف لے گئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رہ گئیں، لڑائی سے واپس تشریف لائے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے تو دیکھا چھت گیر لگی ہوئی ہے اسی وقت پھاڑ ڈالی اور فرمایا کہ خدا نے ہم کو دولت اس لیے نہیں دی کہ اینٹ پتھر کو کپڑے پہنائے جائیں۔

ایک انصاری نے ایک مکان بنوایا جس کا گنبد بہت بلند تھا آپ نے دیکھا تو پوچھا کس نے بنایا ہے لوگوں نے نام بتایا۔ آپ چپ ہو گئے جب وہ حسب معمول خدمت اقدس میں آئے اور سلام کیا تو آپ نے منہ پھیر لیا، انہوں نے پھر سلام کیا آپ نے پھر منہ پھیر لیا وہ سمجھ گئے ناراضگی کی کیا وجہ ہے جا کر گنبد کو زمین کے برابر کر دیا۔ ایک دن آپ بازار میں نکلے تو گنبد نظر نہ آیا معلوم ہوا کہ انصاری نے اس کو ڈھا دیا ارشاد فرمایا کہ ضروری عمارت کے سوا ہر عمارت انسان کے لیے وبال ہے۔

ایک دفعہ کسی نے کمخواب کی قبا بھیجی آپ نے پہن لی پھر خیال آیا اور اتار کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ روتے ہوئے آئے اور عرض کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چیز ناپسند کی وہ مجھ کو عنایت ہوتی ہے، ارشاد ہوا کہ میں نے استعمال کے لیے نہیں بلکہ فروخت کے لیے بھیجی۔ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں انسان کے لیے اتنا کافی ہے جتنا ایک مسافر کو زاد راہ کے لیے۔ ایک دفعہ بوریے پر آرام فرما رہے تھے، اٹھے تو لوگوں نے دیکھا کہ پہلوئے مبارک پر نشان پڑ گئے

ہیں، عرض کی یارسول اللہ ! کیا ہم لوگ کوئی گدا بنوا کر حاضر کریں، ارشاد ہوا کہ مجھ کو دنیا سے کیا غرض؟ مجھ کو دنیا سے اس قدر تعلق ہے جس قدر اس مسافر کو جو تھوڑی دیر کے لیے راہ میں کسی درخت کے سایہ میں بیٹھ جاتا ہے، پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔

مساوات:

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر میں امیر و غریب، صغیر و کبیر، آقا و غلام سب برابر تھے، سلمان و صہیب و بلال رضی اللہ عنہم کہ سب غلام رہ چکے تھے، آپ کی بارگاہ میں روسائے قریش سے کم رتبہ نہ تھے، ایک دفعہ حضرت سلمان و بلال رضی اللہ عنہم ایک موقع پر جمع تھے، اتفاق سے ابوسفیان نکلے، ان لوگوں نے کہا ابھی تلوار نے اس دشمن خدا کی گردن پر پورا قبضہ نہیں پایا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے کہا سردار قریش کی شان میں یہ الفاظ، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ کہیں تم نے ان لوگوں کو ناراض تو نہیں کیا، ان لوگوں کو ناراض کیا تو خدا کو ناراض کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فوراً جا کر ان بزرگوں سے کہا بھائیو! آپ لوگ مجھ سے ناراض تو نہیں ہوئے، ان لوگوں نے کہا نہیں، خدا تم کو معاف کرے۔

غریبوں کے ساتھ محبت وشفقت:

مسلمانوں میں امیر بھی تھے اور غریب بھی دولتمند بھی اور فاقہ کش بھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ سب کے ساتھ یکساں تھا بلکہ غریبوں کے ساتھ آپ نرمی سے پیش آتے تھے کہ دنیاوی دولت کی محرومی ان کے دلوں کو صدمہ نہیں پہنچاتی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر دعا میں فرمایا کرتے تھے۔ خداوند مجھے مسکین زندہ رکھ مسکین اٹھا اور مسکینوں ہی کے ساتھ میرا حشر کر۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیوں فرمایا اس لیے کہ یہ دولتمند پہلے جنت میں جائیں گے۔ پھر فرمایا اے عائشہ کسی مسکین کو اپنے دروازہ سے نامراد نہ پھیرو گو چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو اے عائشہ غریبوں سے محبت رکھو اور ان کو اپنے سے نزدیک کرو تو خدا بھی تم کو اپنے سے نزدیک کرے گا۔

حضور ﷺ کی تعلیم کے چند اسباق:

اب رہی یہ بات کہ خدا پرستی کس قسم کے اخلاق کا تقاضا کرتی ہے اور ان اخلاقیات کا ظہور کس طرح انسان کی عملی زندگی میں، اور انفرادی و اجتماعی رویہ میں ہونا چاہیے، تو یہ ایک وسیع مضمون ہے جسے ایک مختصر مضمون میں سمیٹنا مشکل ہے۔ مگر میں نمونے کے طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات جن سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتب کئے ہوئے نظام زندگی میں ایمان، اخلاق اور عمل کا امتزاج کس نوعیت کا ہے۔ سنئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔[۱۳]

الایمان بضع و سبعون شعبة افضلها قول لا اله الا اللّٰه و ادنا ها اماطة الاذى عن الطريق و الحياء شعبة من الايمان

''ایمان کے بہت سے شعبے ہیں۔ اس کی جڑ یہ ہے کہ تم خدا کے سوا کسی کو معبود نہ مانو، اور اس کی آخری شاخ یہ ہے کہ راستے میں اگر تم کوئی ایسی چیز دیکھو جو بندگان خدا کو تکلیف دینے والی ہو تو اسے ہٹا دو۔ اور حیا بھی ایمان ہی کا ایک شعبہ ہے۔''

الطهور شطر الايمان

''جسم ولباس کی پاکیزگی آدھا ایمان ہے۔''

المومن من امنه الناس على دمائهم و اموالهم

''مومن وہ ہے جس سے لوگوں کو اپنی جان و مال کا کوئی خطرہ نہ ہو۔''

لا ايمان لمن لا امانة له ولا دين لمن لا عهد له

''اس شخص میں ایمان نہیں جس میں امانت داری نہیں اور وہ شخص بے دین ہے جو عہد کا پابند نہیں۔''

اذا سر تک حسنتک وساء تک سیاتک فانت مومن

''جب نیکی کر کے تجھے خوشی ہو اور برائی کر کے تجھے پچھتاوا ہو تو مومن ہے۔''

الايمان الصبر والسماحة

''ایمان تحمل اور فراخ دلی کا نام ہے۔''

افضل الايمان ان تحب لله و تبغض لله و تعمل لسانک فی ذکر الله و ان تحب للناس ماتحب لنفسک و تکره لهم ماتکره لنفسک

''بہترین ایمانی حالت یہ ہے کہ تیری دوستی اور دشمنی خدا واسطے کی ہو، تیری زبان پر خدا کا نام جاری ہو اور تو دوسروں کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور ان کے لیے وہی کچھ ناپسند کرے جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔''۔

اکمل المومنين ايمانا احسنهم خلقا والطفهم باهله

اہل ایمان میں سب سے زیادہ کامل ایمان اس شخص کا ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں اور جو اپنے گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔''

من کن یومن بالله واليوم الاخر فليكرم ضيفه ولا یونجاره و من کان یومن بالله واليوم الاخر فليقل خيرا اوليصمت

''جو شخص خدا اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے مہمان کی عزت کرنی چاہیے، اپنے ہمسائے کو تکلیف نہ دینی چاہیے اور اس کی زبان کھلے تو بھلائی پر کھلے ورنہ چپ رہے۔''

ليس المومن بالطعان ولا باللعان ولا الفاحش ولا البذی

''مومن کبھی طعنے دینے والا لعنت کرنے والا اور بدگو اور زباں دراز نہیں ہوا کرتا۔''

يطبع المومن على الخصال كلها الا الخيانة و الكذب

''مومن سب کچھ ہوسکتا ہے مگر جھوٹا اور خائن نہیں ہوسکتا۔''

والله لا يومن، والله لا يومن، والله لا يومن الذى لا يامن جاره بوالقه

''خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہے، خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہے، خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہے، جس کی بدی سے اس کا ہمسایہ امن میں نہ ہو۔''

ليس المومين بالذى يشبع و جاره جائع الى جنبه

جو شخص خود پیٹ بھر کھالے اور اس کے پہلو میں اس کا ہمسایہ بھوکا رہ جائے وہ ایمان نہیں رکھتا۔

من كظم غيضا و هو يقدر على ان ينفذه ملا الله قبله امنا و ايمانا

جو شخص اپنا غصہ نکال لینے کی طاقت رکھتا ہو اور پھر ضبط کر جائے، اس کے دل کو خدا ایمان اور اطمینان سے لبریز کر دیتا ہے۔

من صلى يرائى فقد اشرک و من صام يرائى فقد اشرک و من تصدق يرائى فقد اشرک

جس نے لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھی اس نے شرک کیا جس نے لوگوں کو دکھانے کے لیے روزہ رکھا اس نے شرک کیا، اور جس نے لوگوں کو دکھانے کے لیے خیرات کی اس نے شرک کیا۔

اربع ميں كن فيه منافق خالصا. اذائتمن خان و اذا حدث كذب و اذا عاهدغدرو اذا خاصم فجر

چار صفات ایسی ہیں کہ جس میں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے۔ امین بنایا جائے تو خیانت کرے بولے تو جھوٹ بولے۔ عہد کرے تو اسے توڑ دے۔ اور لڑے تو شرافت کی حد سے گزر جائے۔

عدلت الشهادة الزور بالاشراک بالله

جھوٹی گواہی اتنا بڑا گناہ ہے کہ شرک کے قریب جا پہنچتا ہے۔

المجاهد من جاهد نفسه فى طاعة الله و المهاجر من هجر مانهى الله عنه

اصلی مجاہد وہ ہے جو خدا کی فرماں برداری میں خود اپنے نفس سے لڑے اور اصلی مہاجر وہ ہے جو ان کاموں کو چھوڑ دے جنہیں خدا نے منع فرمایا ہے۔

اتدرون من السابقون الى ظل الله عزو جل يوم القيامة؟ قالو الله و رسوله اعلم" قال الذين اذا اعطوا الحق قبلوه و اذا سئلوه يذلوه و حكمو اللناس كحكمهم لانفسهم"

''جانتے ہو قیامت کے روز خدا کے سائے میں سب سے پہلے جگہ پانے والے لوگ کون ہوں گے؟ وہ جن کا حال یہ رہا کہ جب بھی حق ان کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے مان لیا، اور جب بھی حق ان سے مانگا گیا تو

انہوں نے کھلے دل سے دیا، اور دوسروں کے معاملہ میں انہوں نے وہی فیصلہ کیا جو وہ خود اپنے معاملہ میں چاہتے تھے۔"

اضمنو الی ستامن انفسکم اضمن لکم الجنة. اصدقوا اذا حدثتم، واوفوا اذا و عدتم، وادوا اذائتمنتم، واحفظوافروجکم، وغضوا ابصار کم و کفوا ایدیکم.

"تم چھ باتوں کی مجھے ضمانت دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ بولو تو سچ بولو۔ وعدہ کرو تو وفا کرو امانت میں پورے اترو۔ بدکاری سے پرہیز کرو۔ بدنظری سے بچو اور ظلم سے ہاتھ روکو۔

لایدخل الجنته ولا بخیل ولامنان"

"دھوکہ باز اور بخیل اور احسان جتانے والا آدمی جنت میں نہیں جاسکتا۔"

لایدخل الجنته لحکم نبت من السحت وکل لحم نبت من السحت فالنار اولی به.

"جنت میں وہ گوشت نہیں جاسکتا جو حرام کے لقموں سے بنا ہو۔ حرام خوری سے پلے ہوئے جسم کے لیے تو آگ ہی زیادہ موزوں ہے۔"

من باع عیبا لم ینبه لم یزل فی مقت اللّٰہ ولم تزل الملئکة تلعنه

"جس شخص نے عیب دار چیز بیچی اور خریدار کو عیب سے آگاہ نہ کیا اس پر خدا کا غصہ بھڑکتا رہتا ہے اور فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔"

لو ان رجلا قتل فی سبیل اللّٰہ ثم عاش ثم قتل فی سبیل اللّٰہ ثم عاش ثم قتل فی سبیل اللّٰہ ثم عاش و علیه دین مادخل الجنته حتیٰ یقضی دینه.

"کوئی شخص خواہ کتنی ہی بار زندگی پائے اور خدا کی راہ میں جہاد کر کے جان دیتا رہے مگر وہ جنت میں نہیں جاسکتا اگر اس پر قرض ہو اور وہ ادا نہ کیا گیا ہو۔"

ان الرجل لیعمل و المراة بطاعة اللّٰہ ستین سنة ثم یحضرهما الموت فیضاران فی الوصیة فتجب لهما النار.

"مرد ہو یا عورت، اگر انہوں نے اپنی زندگی کے ساٹھ سال بھی اللہ کی فرمانبرداری میں بسر کئے ہوں لیکن جب ان کی موت کا وقت آیا تو وصیت میں کسی کی حق تلفی کر کے اسے نقصان پہنچایا تو دونوں دوزخ کے مستحق ہوں گے۔"

لایدخل الجنة سیئی الملکة.

"وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جو اپنے ماتحتوں پر بری طرح افسری کرے گا۔"

الااخبر کم بافضل من درجة الصیام و الصدقة و الصلوة؟ اصلا ذات البین و افساد ذات البین

هی الحالقة.

''میں تمہیں بتاؤں کہ روزے اور خیرات اور نماز سے بھی افضل کیا چیز ہے؟ وہ ہے بگاڑ میں صلح کرانا۔ اور لوگوں کے باہمی تعلقات میں فساد ڈالنا وہ فعل ہے جو آدمی کی ساری نیکیوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔''

ان المفلس من امتی من یاتی یوم القیمة بصلوة وصیام و زکوة و یاتی قدشتم هذا و قذف هذا و اکل مال هذا و سفک دم هذا وضرب هذا فیعطی هذا من حسناته فان قضیت حسناته قبل ان یقضی ماعلیه اخذ من خطایاهم فطرحت علیه ثم طرح فی النار.

''اصل مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز خدا کے حضور اس حال میں حاضر ہوا کہ اس کے ساتھ نماز، روزہ، زکوۃ سب ہی کچھ تھا، مگر اس کے ساتھ وہ کسی کو گالی دے کر آیا تھا، کسی پر بہتان لگا کر آیا تھا، کسی کا مال مار کھایا تھا، کسی کا خون بہایا تھا اور کسی کو پیٹ کر آیا تھا، پھر خدا نے اس کی ایک ایک نیکی ان مظلوموں پر بانٹ دی اور جب اس سے بھی حساب چکتا نہ ہوا تو ان کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیے اور اسے دوزخ میں جھونک دیا۔''

لن یهلک الناس حتیٰ یعذروا من انفسهم.

''لوگ کبھی نجات سے محروم نہ ہوں اگر اپنی برائیوں کی تاویلیں کر کر کے اپنے نفس کو برائیوں پر مطمئن نہ کرتے رہیں۔''

المحتکر ملعون.

''جو تاجر قیمتیں چڑھانے کے لیے مال روک رکھے وہ ملعون ہے۔''

من احتکر طعاما اربعین یوما ثم تصدق به لم یکن له کفارة.

''چالیس دن غلہ روکنے کے بعد اگر آدمی اس غلہ کو خیرات بھی کر دے تو معاف نہ کیا جائیگا۔''

یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بہت سے اقوال میں سے چند ہیں جو میں نے محض نمونے کے طور پر آپ کے سامنے پیش کیے ہیں۔ ان سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایمان سے اخلاق کا اور اخلاق سے زندگی کے تمام شعبوں کا تعلق کس طرح قائم کیا ہے۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان باتوں کو صرف باتوں کی حد تک ہی نہ رکھا بلکہ عمل کی دنیا میں ایک پورے ملک کے نظام تمدن و سیاست کو انہی بنیادوں پر قائم کر کے دکھا دیا۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہی وہ کارنامہ ہے جس کی بناء پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نوع انسانی کے سب سے بڑے رہنما ہیں۔

حوالہ جات

(۱) دی اکنامسٹ (لندن)

''انتہا پسند عناصر اس خلاء سے فائدہ اٹھا رہے ہیں''

(۲) دی اکنامسٹ (لندن) Graham Fuller

(۳) دی اکنامسٹ (لندن) Olive Roy

(۴) سیرۃ النبی (علامہ شبلی نعمانی) صفحہ 87

(۵) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کے اثرات (مولانا سید ابوالحسن ندوی) صفحہ 27

(۶) مقدمہ (مصر کے نامور اہل قلم سید قطب کے قلم سے) کتاب کے مصنف (مولانا سید ابوالحسن ندوی)

(۷) یورپ پر اسلام کے احسانات (ڈاکٹر غلام جیلانی برق) صفحہ نمبر 27-26

(۸) حیات طیبہ (ابو سلیم عبدالحیٔ) صفحہ نمبر 11-12

(۹) سیرۃ النبی (علامہ شبلی نعمانی) صفحہ نمبر 287

(۱۰) سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم (مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی) صفحہ نمبر 160-157

(۱۱) انسان کے بنیادی حقوق (مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی) صفحہ نمبر 3

(۱۲) محسن انسانیت (نعیم صدیقی) صفحہ نمبر 128-109

(۱۳) سرور دو عالم (مولانا ابوالاعلیٰ مودودی) صفحہ نمبر 67-163

''دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اُس کا خاتمہ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں''

رضوانہ افضل، لاہور

اسلام خدا کی وحدانیت اور اصلی خوبیوں کا ایک ایسا عقیدہ ہے جس میں آزادی ضمیر اور دیگر مذاہب کے احترام کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس میں غیروں کی محافظت اور جداگانہ معتقدات رکھنے والوں کے لیے مساوی حقوق کا انتظام بھی ہے۔ یہ ایک ایسا مذہب ہے جو زندگی کی قدر کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ نیکی، عقل اور جدوجہد کے ذریعے سے اس سے پوری طرح مستفید ہوا جائے۔

اسلام یہ بتاتا ہے کہ مذہب اپنے بنیادی مسلمات پر اس وقت پہنچتا ہے جب وہ انسانیت کو ہمہ خیز خدا کی پرستش کی تعلیم دے اور انسان کو اپنی حدود میں رہ کر صفات الٰہی کو اپنے اندر سمو لینے کی تلقین کرے۔ چنانچہ نبوت کی صداقت کا جو معیار اسلام نے بتایا ہے وہ سراسر عقیدہ توحید کی تبلیغ اور اس پر ایمان و عمل ہے۔ جب کبھی یہ حقیقت قوموں کے قلوب سے محو ہونا شروع ہوئی تو وہ جاہل و ظالم بن گئیں اور جو قومیں صداقت کی بصیرت سے محروم ہوتی ہیں وہ تباہ ہو جاتی ہیں۔

اسلام انسانیت کو ایمان کے بنیادی اصولوں کی دعوت دیتا ہے جن میں کوئی فرقہ پرستی نہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے معین صورت میں ایک معاشرہ کی تشکیل کی ہے اور اپنے خاص رسوم بتائے لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ دوسروں کی زندگی کی بھی پوری قدر کرتا ہے جو اگرچہ اس کے نظام سے باہر ہیں مگر اس کی بنیادی تعلیمات کے حامل ہیں۔

اس وقت تقریباً تمام مسلمان ممالک میں ایک ذہنی معرکہ برپا ہے جس کو ہم اسلامی افکار و اقدار اور مغربی افکار و اقدار کی کشمکش یا معرکہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ان ملکوں کی قدیم تاریخ، مسلم اقوام سے گہری وابستگی اور محبت اور جس نام پر جنگ آزادی لڑی اور جیتی گئی یا جس طاقت کے سہارے ان ملکوں کی آزادی کی حفاظت کی گئی سب کا دعویٰ ہے کہ اس سرزمین پر اسلامی افکار و اقدار کا حق ہے اور یہاں صرف اس مسلک زندگی کی پیروی جائز ہے جس کی اسلام نے دعوت دی ہے، لیکن اس کے برعکس جس طبقہ کے ہاتھ میں ان ملکوں کی زمام کار ہے اس کی ذہنی ساخت اور اس کی سیاسی و ذاتی مصالح کا تقاضا ہے کہ ان ممالک میں مغربی افکار و اقدار کو فروغ دیا جائے اور ان ممالک کو مغربی ممالک کے نقش قدم پر چلایا جائے اور جو دینی تصورات، قومی عادات، ضوابط حیات اور قانون و روایات اس مقصد میں فراہم ہوں ان میں ترمیم و تنسیخ کی جائے اور بالاختصار یہ کہ ملک و معاشرہ کو تدریجی طور پر ''مغربیت'' کے سانچے میں ڈھال دیا جائے۔[1]

مغرب نے دور رہتے ہوئے بھی ایسے حالات پیدا کر دیئے ہیں کہ غلامی کے کہنہ اور فرسودہ طریقوں سے کہیں زیادہ آزاد ملک مغربی طاقتوں کے پنجہ اقتدار میں گرفتار ہیں۔

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

اکبر کے شعر میں ایک ایسی وسیع اور پر از حقیقت تشریح سامنے آرہی ہے کہ شاید خود شاعر کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔

آج کل جس طرح ان ممالک کے سربراہ جو ایک عالمگیر اسلامی طاقت اور اسلامی بلاک کی باتیں کرتے ہیں اور جس طرح بے چون و چرا امریکہ اور روس کی اصلاحی اور تعلیمی منصوبوں کو قبول کرنے میں سرگرم نظر آتے ہیں۔ جس طرح ان کے ماہرین فن کو ان ملکوں کے ذہن و مزاج کی تبدیلی کا نقشہ بنانے کی اجازت دی جارہی ہے اور مستشرقین کے بعض سعادت مند شاگردوں کو اسلامی معاشرہ میں تشکیک و انتشار پیدا کرنے کے وسائل اور مواقع فراہم کیے جارہے ہیں اور مختلف تفریح اور تعیش کا رجحان پیدا کیا جارہا ہے۔ عورتوں کو غیر محدود آزادی اور بے پردگی، مخلوط تعلیم، فلم سازی کی صنعت کی ہمت افزائی اور سرپرستی کی جارہی ہے۔ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ وہ سراسر ان ممالک کے عوام کو اس دینی غیرت، اخلاقی شعور خیر و شر کی تمیز اور بے حیائی کے مفہوم سے نا آشنا بنا دینا چاہتے ہیں جو بعض اوقات ان کی انفرادی بے راہ روی اور تجدد و مغرب پرستی کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے اور جو کسی وقت بھی ایک دینی انقلاب اور نشاۃ ثانیہ بن کر ان کے اقتدار کے لیے خطرہ بن سکتا ہے۔[۲]

مغرب اپنے غلط تصور کی بناء پر خوف زدہ ہو کر کوتاہ نظری کی وجہ سے یہ سوچتا ہے کہ مسلمان ریاستوں میں اسلامی افکار کی اشاعت و ترویج ایک خطرہ اور فساد کا پیش خیمہ ہے جس کو روکنا ضروری ہے۔ مغرب عام طور پر اسلامی نشاۃ ثانیہ کی ظاہری اور امکانی طاقت کا اندازہ کرنے میں ناکام رہا ہے۔ اس نے اسلامی تحریکات کے ارکان پر بنیاد پرست، انقلاب پسند، متعصب، دہشت گرد مغرب مخالف عصر حاظر کے مخالف وغیرہ کے لیبل لگا دیے ہیں۔[۳]

انسانی حقوق کی پامالی کے بھیانک ریکارڈ کی توجیہ کے لیے انہیں اسلام سے زیادہ بہتر قربانی کا بکرا میسر نہیں ہے۔ اسلام کا نام بکتا ہے۔ بم دھماکے یا ہائی جیکنگ میں مسلم بنیاد پرستوں کے ملوث ہونے کا اشارہ کر کے اسے صفحہ اول کی خبروں میں لگا دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ نیوکلیائی ہتھیاروں کے پجاری مسلمان انقلاب پرست عالمگیر سلطنت قائم کرنا چاہتے ہیں۔[۴]

دور حاضر میں ''بنیاد پرستی'' اور ''انتہا پسندی'' کی اصطلاحات کا کثرت سے استعمال کر کے اس کے ذریعے سے مسلمانوں میں پست اور شکست خوردہ جذبات پیدا کرنا اصل مقصد ہے تاکہ مسلمانوں کو پراگندہ خیال متفرق اور بے وزن کر کے ان کی عمل کی صلاحیت، قوت فیصلہ اور عالم اسلام کے لیے وسیع تر منصوبہ بندی کے رجحانات کو روکا جاسکے۔

مختصر یہ ہے کہ وہ افریشائی قالب میں ایسی روح پیدا کرنا چاہتے ہیں جسے مغرب کی ہر چیز پسند ہو، ہر ادا پسند ہو، اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے استعماری طاقتوں نے تعلیمی نظام کو اپنے رنگ میں رنگا۔ دین اور دینی تعلیم کو سرکاری تعلیم گاہوں سے الگ تھلگ کر کے پڑھے لکھے لوگوں کی ایسی کھیپ تیار کرنا شروع کر دی جو ان کی آرزوؤں کی تکمیل کے لیے سہارا بن سکے۔ چنانچہ جب دینی تعلیم و تربیت اور دعوت اسلامی کی نشر و اشاعت کے نتیجے میں مسلم نوجوانوں کے اندر اسلامی بیداری کی لہر پیدا ہوئی تو استعماری نشریات ہی نے نہیں بلکہ خود مسلم ملکوں میں بھی ارباب حل و عقد نے ان نوجوانوں پر رجعت پسند، انتہا پسندی اور

دہشت پسندی کی تہمتیں لگا کر گلا گھونٹنا چاہا۔ نماز پڑھنا، داڑھی رکھنا یا لڑکیوں کا پردہ کرنا بھی انتہا پسندی کی علامت بن گیا۔ نقاب استعمال کرنے والی لڑکیوں پر تعلیم گاہوں کے دروازے بند کر دیے گئے۔ دین پسندوں کے لیے سرکاری نقطہ نظر سے جیل کے باہر کوئی مناسب جگہ نہ رہی اور ایسا صرف اس لیے کیا گیا کہ یہ اسلام کو پسند کرتے تھے اور اسلام کا پرچار کرتے اور اسلام کو ہی انفرادی و اجتماعی زندگی کی بنیاد اور اساس بنانا چاہتے تھے لیکن انہیں اس کی اجازت نہ تھی جبکہ اشتراکیت اور سرمایہ داری کے پرچار پر کوئی پابندی نہ تھی، نہ ہے اور ان لوگوں کو آج بھی اجازت ہے کہ یہ اپنی تنظیمیں بنائیں اور اپنے نظریات کا پرچار کریں جبکہ یہ ساری چیزیں اسلام پسندوں کے لیے ممنوع ہیں۔[۵]

مسلمانوں کی اپنی روایات و اقدار سے وابستگی اور بنیادی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو انتہا پسند تصور کیا جاتا ہے اور اسلام کے خلاف ان اصطلاحات کے استعمال کرنے والوں کا کہنا یہ ہے کہ اسلام ترقی کا دشمن ہے اور موجودہ مسلم دنیا تیز رفتار ترقی کرنے سے قاصر ہے اور اپنے مسائل کو حل کرنے کے لیے جدید علوم سے نہ فائدہ اٹھا رہی ہے اور نہ اٹھانا چاہتی ہے جو انسانیت کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔

انتہا پسندی کا مفہوم:

(نهي ينهي نهي ، نهي الشيء) انتہا کو پہنچنا۔

(انتهي انتها نا الشيء) کسی شے کا اپنی انتہا کو پہنچنا۔[۶]

''انتہا'' عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی انجام یا خاتمہ کے ہیں۔

''انتہا پسند'' کسی کام میں چیز کی انتہا چاہنے والا، جو کہ اعتدال پسندی کی ضد ہے۔

''انتہا پسندی'' سے مراد انتہا پسند ہونے کے ہیں۔[۷]

گویا کسی بھی معاملے میں انتہائی سوچ رکھنا۔ کسی کام کے کرنے کے لیے عروج پر ہونا۔ کسی شے کا انتہائی جنون ہونا۔ زندگی میں توازن نہ ہونا انتہا پسندی کے معنوں میں مستعمل ہے۔

انتہا پسندی کے مترادفات:

افرط۔ یفرط۔ افراط کے معنی حد سے بڑھنے کے ہیں، گویا کسی بھی بات میں افراط و تفریط کا ہونا، حد سے زیادہ غلو کرنا بھی انتہا پسندی ہی ہے۔ قرآن کریم میں بھی اس مقصد کے لیے ''غلو''، ''تنطع'' اور ''تشدید'' کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

درمیان سے دور ہٹ کر کنارے کھڑے ہونے کو ''تطرف'' کہتے ہیں اصلاً اس لفظ کا استعمال شروع میں محسوس اور غیر مرئی چیزوں کے لیے ہوتا تھا۔

مثلاً کنارے بیٹھنا۔ کنارے چلنا۔ لیکن پھر بعد میں اسکا استعمال معنوی چیزوں کے لیے ہونے لگا مثلاً دینی انتہا پسندی، فکری اور نظریاتی انتہا پسندی، سلوک اور رویہ میں انتہا پسندی، اس انتہا پسندی اور غلو کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی امن اور سلامتی

سے دور اور ہلاکتوں اور خطروں سے قریب ہو جاتا ہے۔[8] گویا اب یہ جاننا ضروری ہے کہ آیا دینی انتہا پسندی کا مفہوم کیا ہے؟

غلو پسندی:

جامع اللغات میں غلو کا مفہوم۔ زیادتی، شدت، ایسا مبالغہ جو عقلاً اور عادتاً محال ہو۔

مصباح اللغات میں غلو سے مراد: حد سے گزرنا[9]

فیروز اللغات کے مطابق: حد سے زیادہ غلو کرنا[10]

انسان کے اندر یہ عام کمزوری ہے کہ جن چیزوں سے اسکا تعلق محض عقلی ہی نہیں بلکہ جذباتی بھی ہوتا ہے تو بعض اوقات وہ ان کے لیے غیر متوازن اور غیر معتدل ہو جاتا ہے اور آدمی جب اپنی بیوی بچوں سے محبت کرتا ہے تو بسا اوقات اس محبت میں ایسا اندھا ہو جاتا ہے کہ وہ دوسروں کے ساتھ عداوت بھی کرنے لگتا ہے اور اسے خدا کے حقوق کا بھی کچھ ہوش نہیں رہتا۔ اگر اس کی محبت قبیلہ یا قوم کے لیے ہے تو وہ اس سلسلے میں بسا اوقات پوری انسانیت کا دشمن بن جاتا ہے۔ یہ چیز مذہب کے دائرے میں آکر نمایاں ہو جاتی ہے کیونکہ اول تو مذہب کے ساتھ لوگوں کا تعلق عقلی کم اور جذباتی زیادہ ہوتا ہے اور اگر عقلی ہو بھی تو اس معاملہ میں انسان کے جذبات اتنے شدید ہوتے ہیں کہ عقل کے لیے ان کو ضبط میں رکھنا آسان کام نہیں ہوتا اگر ایک شخص کا مرشد ہے تو وہ اس کو اسی درجہ پر نہیں رکھے گا بلکہ اس کی خواہش یہ ہوگی کہ وہ کسی طرح اس کو رسالت کے درجے پر فائز کر دے۔ اسی غلو پسندی کے سبب عیسائیوں نے حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا بنایا اور صوفیوں اور عالموں کو ''اربابامن دون اللہ'' کا درجہ دیا۔

چنانچہ قرآن میں اس غلو پسندی پر کئی جگہ ملامت کی ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ۔[11]

''حضرت عیسیٰؑ کی ذات میں غلو نے ہی عیسائیوں کو ان کفریہ خیالات تک پہنچایا اور رومی حکمرانوں کو وثنیت نے ان افکار میں بت پرستی کا رنگ داخل کیا اور آپس میں متحارب ومجالس عقائد نے دین عیسیٰؑ کو کہیں پہنچا دیا حالانکہ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات اس کے برعکس تھیں''[12] اہل کتاب اپنے دین کے معاملہ میں بہت آگے بڑھ گئے۔ عقائد کے معاملہ میں کسی نے حضرت عیسیٰؑ کو بڑھا کر اللہ کا بیٹا بنا دیا تو کسی نے حضرت عزیرؑ کو ابن اللہ کہا۔

وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـــــُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ۔[13]

حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں بھی انہوں نے بہت سی فرضی باتوں پر اعتماد کر رکھا تھا اور بہت سی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو گئے مثلاً کہتے تھے:

نَحْنُ اَبْنٰۗؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ[14]

لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى[15]

اللہ کی رضا جوئی ہر دین میں بحیثیت اصلی نصب العین کے پیش نظر رہی ہے اور اس سلسلے میں اللہ نے ہر مذہب میں معتدل اور متوازن پروگرام دیا جو قوم کے مناسب حال ہو اور یہی پروگرام نصاریٰ کے پاس بھی موجود تھا لیکن وہ اس پر کار بند نہ ہوئے بلکہ انہوں نے حد سے بڑھ کر رہبانیت کا ایک پورا نظام کھڑا کر دیا۔

قرآن نے ان کی بدعت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

وَ رَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَارَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ج [۱۶]

تو گویا یہود و نصاریٰ کو روکا گیا ہے کہ وہ غیر الحق یعنی افراط و تفریط نہ کریں یعنی ان کے ہر قسم کے باطل نظریات کی تردید کی گئی ہے۔

چونکہ غلو کے معنی حد سے نکلنے کے ہیں۔

الغلو فی الدین ھو مجاوزۃ حد الحق ضیه

اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ دونوں کو اس چیز کا مخاطب اس لیے بنایا گیا کہ غلو فی الدین ان دونوں میں مشترک ہے اور دونوں فرقے غلو فی الدین کا شکار ہیں۔[۱۷]

نبی اکرمؐ نے مسلمانوں کو تنبیہ کے طور پر فرمایا:

ھلک المتنطعون ھلک المتنطعون ھلک المتنطعون

اے ایمان والو! دین کے معاملہ میں غلو نہ کرو۔ انبیا و اولیاء کے مرتبہ کو اتنا نہ بڑھاؤ کہ فرق مراتب نہ رہے اور نہ اولیاء اللہ کی ایسی تعریف کرو کہ انہیں انبیاء سے جا ملاؤ۔ اللہ کی ذات صفات اور صفات اور حدود میں کسی کو شریک نہ کیجیے اور رسول کی باتوں کو معیار حق بنایئے۔[۱۸] مسلمانوں کو اس غلو پسندی کی بیماری سے بچانے کے لیے قرآن و حدیث دونوں میں افراط و تفریط سے بچتے ہوئے صحیح نقطہ اعتدال پر قائم رہنے کی تاکید کی ہے۔

اسلام دین معتدل:

اسلام کی راہ اعتدال کی راہ ہے جہاں ہر چیز میں اعتدال، تصور و عقائد میں، عبادت و زہد میں، اخلاق و رویہ میں معاملات اور قانون سازی میں اور اسی راہ کا نام اللہ نے "صراط مستقیم" رکھا ہے جو اس راہ سے الگ ہے جن کی راہوں پر غلو اور افراط و تفریط کی چھاپ پڑی ہوئی ہے۔ اسلام کی عمومی خصوصیات میں میانہ روی اور اعتدال پسندی ایک اہم ترین خصوصیت ہے۔ نیز راہ اسلام کی بنیادی نشانیوں میں سے وہ اہم نشان راہ ہے جسے اللہ نے دوسری ملتوں کے مقابلے امت مسلمہ کا وصف قرار دیا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔[۱۹]

آج کی دنیا مادیت پرستی اور معاشی کشمکش کی دوہری لعنت میں گرفتار ہے اسلام اسے ان دونوں سے آزاد کرتا ہے اور

ایک ایسا نظام حیات عطا کرتا ہے جو مادہ اور روح دونوں پر محیط ہے اور جو دونوں کے تقاضے بیک وقت پورے کرتا ہے۔ دورِ جدید کے ان امراض کا علاج محض اسلام ہی کے ذریعے ممکن ہے کیونکہ وہ نہ تو روح کو مادہ پر قربان کرتا ہے اور نہ ہی روح کی اہمیت میں اتنا غلو کرتا ہے کہ دو انتہاؤں کے درمیان مادی پہلو نگاہوں سے اوجھل ہو جائے۔ البتہ ان دو انتہاؤں کے درمیان نقطہ اعتدال کو واضح کرتا ہے اور ان کے تقاضوں میں ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔ [۲۰]

اسلام نے خواہشات نفس کی غلامی سے آزادی پر بہت زور دیا ہے اور اپنے پیروؤں کو نہ تو وہ رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دیتا ہے اور نہ ان کو اچھی اور پاکیزہ چیزوں سے متمتع ہونے سے روکتا ہے بلکہ ان دوراہوں کو چھوڑ کر وہ بیچ کی راہ اختیار کرتا ہے اور انتہا پسندی سے خبردار کرتا ہے، گویا قانون فطرت بھی عدل کا تقاضہ کرتا ہے۔

عدل ہے فاطرِ ہستی کا ازل سے دستور

تعلیماتِ نبوی ﷺ مبنی بر اعتدال:

بحیثیت مسلمان ہمارے لیے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ کا ایک ایک گوشہ اسوہ حسنہ اور نمونہ عمل ہے۔ اسی لیے اللہ جل شانہ، نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [۲۱]

لوگو یا اسوہ حسنہ کے نور سے ہم اپنے ایمان وعمل تو منور کر کے ہی دنیا کے لیے منبع رشد وہدایت بن سکتے ہیں۔ اسی ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا نظام حیات ہی ہمیں دنیا میں امن وآشتی اور آخرت میں فوز وفلاح سے ہمکنار کر سکتا ہے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا گیا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ [۲۲]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دینداری کے سلسلہ میں ہر ایسے رویہ پر ٹوکا جس میں غلو کی طرف رجحان پایا جاتا تھا۔ صحابہ اکرام رضی اللہ عنہ میں سے جن لوگوں نے عبادت وزہد کے معاملہ میں مبالغہ کا ایسا رخ اپنایا جو اسلام کی راہ اعتدال سے میل نہیں کھاتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غیر معمولی رویہ پر نکیر فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روحانیت اور مادیت میں توازن اور دین میں یگانگت پیدا کی اور بندگی اور عبادات میں پروردگار کے حق سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ [۲۳]

اسلام رہبانیت اور جوگی پن کے سخت خلاف ہے اسی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کے جائز دنیوی خطوط سے متمتع ہونا جائز رکھتے تھے اور خود بھی کبھی کبھی ان چیزوں سے متمتع ہوتے۔ چنانچہ دوسرے ادیان اور فلسفے، روحانی زندگی کی کامیابی کے لیے روح کی صفائی، پاکیزگی، ترقی اور آخرت کی فلاح کے لیے مادی زندگی سے غفلت برتنے اور بدن کو راحتوں سے محروم رکھنے اور دنیا کی اہمیت کو گھٹانے کے لیے جو دعوت دی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام باتوں میں انسانوں کو اعتدال وتوازن برقرار رکھنے کی تعلیم دیتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو شدت عبادت سے روکتے، ایک صحابی نے ایک غار دریافت کر لیا جہاں پانی اور جڑی بوٹیوں کا آس پاس انتظام تھا جنہیں کھا کر گزارا ہو سکتا تھا انہوں نے آپ کو اس کی اطلاع دی اور کہا: میرا جی چاہتا ہے کہ وہاں گوشہ نشین ہو کر ترک دنیا کر لوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں یہودیت یا نصرانیت لے کر دنیا میں نہیں آیا۔ میں آسان اور سہل دین ابراہیمی لے کر آیا ہوں'' چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہ میں سے بعض بزرگ میلان طبعی یا عیسائی راہبوں کے اثر سے رہبانیت پر آمادہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو باز رکھا۔[۲۴]

عن ابی ھریرہ قال :قال النبی ﷺ تواصلوا، قالو انک تو اصل قال: انی لست مثلکم انی ابیت یطعمنی ربی ویسقینی فالم ینتھوا عن الوصال قال فواصل بھم النبی ﷺ یو مین اولیلتین، ثمہ راوا الھلال فقال النبی لوتاخرا الھلال لزدتکم کالمنکی لھم[۲۵]

ترجمہ: حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم طے کے روزے مت رکھو لوگوں نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو رکھتے ہیں؟ فرمایا کہ میں تم جیسا نہیں ہوں۔ میں رات کو لیٹتا ہوں میرا پروردگار مجھے کھلا پلا دیتا ہے الغرض وہ لوگ باز نہ رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے ساتھ دو دن یا دو رات روزہ رکھا پھر چاند دکھائی دے گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ کے طور پر فرمایا اگر چاند دکھائی نہ دیتا تو میں تم پر اور زیادہ کرتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

لاتشددوا علی عن انفسکم فیشدد اللّٰہ علیکم فان قوما شددوا علی انفسھم فشدداللہ علیھم فتلک بقایا ھم فی ھم الصوامع والدیار[۲۶]

ترجمہ: فرمایا کہ دین میں اپنے اوپر سختی نہ کرو کہ اللہ بھی تم پر سختی کرے گا ایک گروہ نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی۔ یہ انہی کی بقایاجات ہیں جن کو تم خانقاہوں میں دیکھ رہے ہو۔

عن انس قال: رائی النبی ﷺ رجلا یھادی بین رجلین فقال ماھذا؟ قالو: نزدان یمشی الیٰ بیت اللہ قال ان اللہ غنی عن تعذیب ھذا نفسہ مرہ فلیرکب[۲۷]

عن علیؓ قال:

لا تعالیٰ فی کفن فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا تغالوافی الکفن فاء نہ سیلبہ سلیا سریعا[۲۸]

ترجمہ: حضرت علیؓ ابن طالب سے روایت ہے کہ کفن میں بہت قیمتی کپڑا نہ لگاؤ اور رسول ﷺ سے میں نے سنا کہ کفن میں زیادتی مت کرو اس لیے کہ وہ بہت جلد خراب ہو جاتا ہے۔

عن ابی سلمھا عن عبداللہ بن عمرو قال: قال رسول ﷺ اقرا القران فی کل شھر قال قلت اجد قوت قال فاقراہ فی سبع ولاتزد علی ذلک[۲۹]

ترجمہ: ابوسلمھا نے عبداللہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن ختم کرو ہر

ماہ میں ایک بار میں نے کہا مجھ میں قوت اور ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ختم کرو سات دن میں اور اس سے زیادہ قرات نہ کرو۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ تین جماعتیں نبی کریم ﷺ کی ازواج کے پاس آنحضرت ﷺ کی عبادت کا حال پوچھنے آئیں جب ان کو آپ ﷺ کی عبادت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے آپ کو گمان اور توقع سے بہت کم پایا اور بولے کہ ہمارا اور نبی ﷺ کا کیا مقابلہ؟ آپ ﷺ کے تو اگلے پچھلے گناہ اللہ تعالیٰ نے بخش دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک صاحب بولے کہ میں تو ''رات بھر نمازیں پڑھوں گا'' دوسرے نے کہا ''میں برابر روزہ رکھوں گا'' تیسرے نے کہا ''میں عورتوں سے ہمیشہ دور رہوں گا اور شادی نہ کروں گا''۔ جب آپ ﷺ کو علم ہوا آپ ﷺ نے انہیں جا کر فرمایا کہ ''خدا کی قسم! میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں اور اس کی حدود کا پاس کرنے والا ہوں لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں، سوتا بھی ہوں اور شادی بھی کرتا ہوں پس فرمایا:

فمن رغب عن سنتی فلیس منی.[۳۰]

آپ ﷺ کا فرمان ہے

ان لربلک حقا و ان لا هلک علیک حقا فاعط کل ذی حق حقه[۳۱]

عن ابی عبداللہ بن جابر قال:

کنت اصلی مع النبی ﷺ فکانت صلاته قصداو خطبة[۳۲]

آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو لوگوں کے دلوں میں اکتاہٹ پیدا کرتے ہیں، پس جو لوگوں کی امامت کرے اسے ہلکی نماز پڑھنی چاہیے اس لیے کہ نماز میں اس کے پیچھے بوڑھے کمزور اور ضرورت مند لوگ بھی ہوتے ہیں۔[۳۳]

پس غلو اور بدعات کا خاصہ یہ ہے کہ ان میں ہمیشہ تحسینی پہلو ہی غالب آتا ہے اور اس سے بہر حال بچنا ضروری ہے کیونکہ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ:

من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهورد[۳۴]

ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ:

دین آسان ہے، جو انتہا پسندی کا رویہ اپنائے گا وہ مغلوب ہو جائے گا پس سیدھی اور میانہ روی کی راہ اپناؤ اور بشارت حاصل کرو۔[۳۵]

اس حدیث پر علامہ نووی یوں شرح لکھتے ہیں ''جب کوئی شخص راہبوں کی طرح عبادت کا تعمق کا رویہ اپناتا ہے اور نرمی کی راہ چھوڑ دیتا ہے تو آخر میں وہ عاجز اور مغلوب ہو کر رہ جاتا ہے پس افراط سے بچ کر درست رویہ اپناؤ اگر اکمل پر عمل ممکن نہ ہو تو میانہ روی کی وہ عملی راہ اپناؤ جو اس کے قریب ہو اور اس عمل پر بشارت حاصل کرو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نیکی اور تقویٰ کے انہی پیمانوں سے ناپنا چاہتا ہے جو اس نے خود مقرر کر دیئے ہیں لیکن اگر کوئی شخص ان پیمانوں کو حقیر ٹھہرا

دے اور خود اپنی ایجاد سے کچھ نئے پیمانے بنالے تو پھر خدا اسے انہی پیمانوں سے ناپے گا اور اگر اس کے پیمانے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقرر کیے ہوئے پیمانوں سے اونچے ہیں تو انہی معیارات سے جانچا جائے گا اور اگر ان پر پورا نہ اترے گا تو کھوٹا قرار پائے گا۔[۳۶]

انتہا پسندی تاریخی تناظر میں:

قرآن وحدیث کی نہایت واضح تاکیدات وتنبیہات کے باوجود مسلمانوں کے اندر بھی غلو پسندی کی بیماری پھیلی ہوئی ہے اور اس سے ہمارے فکر وعمل کے ہر گوشے میں مختلف قسم کی بدعتیں داخل ہوگئیں ہیں جن سے عقائد، احکام وقوانین عبادات و اخلاق سبھی متاثر ہوئے ہیں۔ یہ فتنہ عقائد میں بیشتر علم الکلام کی راہ سے گھسا ہے اور عبادات و اخلاق میں زیادہ تر تصوف کی راہ سے، اس سلسلے میں مولانا امین احسن اصلاحی مثال کے طور پر اشاعرہ کے جبر، معتزلہ کے نظریہ اختیار، معطلہ ومجسمہ کے نظریات، تعلیل وتجسیم اور حضرات صوفیہ کے نظریہ، وحدت الوجود کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور نجات کے معاملے میں خوارج کی تنگ گیری اور مرجیہ کی بے قیدی اور اباحت بھی اسی ذیل میں شمار کیے جانے کے لائق ہیں۔

اسی طرح فقہ میں بعض خود ساختہ اصولوں کو اساس بنا کر تخریج در تخریج کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے اور خیالی صورتیں فرض کر کے جو مسائل پیدا کیے گئے ہیں ان سے فقہ اسلامی میں بھی بے شمار جزیات داخل ہوگئیں ہیں جو زندگی کو بالکل تنگ کر دینے والی اور آدمی کے فکر وعمل کی آزادی کو بالکل سلب کر لینے والی ہیں اور جو باتیں شریعت نے ہر آدمی کی سمجھ بوجھ پر چھوڑی تھیں ان کو ایک خاص شکل میں معین کر کے اس سے معمولی انحراف خود دین سے انحراف سمجھا جانے لگا۔ صوفیاء نے تزکیہ نفس، تقرب الٰہی اور ذکر وعبادات کی ایسی صورتیں ایجاد کیں ہیں جن کا کتاب وسنت میں کوئی نشان نہیں ملتا پر مشقت ریاضتیں، چلہ کشی اور عملیات کی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ جن کا دین سے ثابت ہونا تو درکنار ان کا جواز بھی مشکل سے ثابت ہوتا ہے۔

اس غلو پسندی کا سب سے زیادہ مظاہر ان مسائل میں پیدا ہوا جو مختلف فقہی مذاہب میں کسی سبب سے مابہ النزاع بن گئے ہیں۔ یہ مسائل اگرچہ جزوی اور فروعی نوعیت کے ہیں لیکن ہر مسلک کی کتابوں میں اتنی شدومد کے ساتھ ان پر بحثیں ہوئیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ دین کے اصل مسائل یہی ہیں اور انسان کی نجات کا تمام تر انحصار انہی کے اختیار کرنے یا نہ کرنے پر ہے اور انہی اختلافات پر ایک ایک مسجد اور ایک ایک مدرسہ میں آئے دن مناظرہ کی مجلسیں بھی گرم ہوتیں رہتی ہیں بلکہ بسا اوقات ان کے سبب سے مسلمانوں کے اندر جنگ وجدل، تکفیر وتفسیق، گرفتاری ومقدمہ بازی اور قتل وآتش زنی تک نوبتیں پہنچی ہیں۔[۳۷]

پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا لیکن اب یہاں وہ اسلام جس کی نشو ونما خانقاہوں میں ہوئی تھی جس میں محبت، انکسار اور رواداری تھی وہ نابود ہوگیا ہے اور یہ اسلام تو اپنے چھپنے کی جگہ ڈھونڈ رہا ہے اور اس کی جگہ ''مذہبی جنون'' نے لے لی ہے اور دیوانگی کے ایسے مظاہرے دیکھنے میں آرہے ہیں جن کا پہلے کسی نے تصور بھی نہ کیا تھا۔ ہندو، عیسائی اور قادیانی مذہبی جنون کا شکار ہونے لگے اور شیعہ سنی فساد اور قتل وخون کے واقعات رونما ہونے لگے۔ پاکستان کی روح اور اس کے جذبے کو ایسی

مہم جوئیوں سے پہلے ہی بہت نقصان پہنچا ہے اور اس کا سیاسی وجود مستقل طور پر زخم کھائے ہوئے ہے۔ گویا اس کے خاتمے کے لیے کم از کم اتنا تو کیا جا سکتا ہے کہ لسانی اور فرقہ وارانہ بنیادوں پر سیاسی پارٹیاں بنانے کی اجازت ہی نہ دی جائے کیونکہ ان نسلی، لسانی اور فرقہ واریت کی بنیاد پر سیاسی پارٹیاں بنانے کا مقصد باہمی منافرت اور عدم رواداری کی حوصلہ افزائی کرنا ہے۔ لہٰذا فرقہ واریت کے خاتمے کے لیے عملاً کوشش کی جانی چاہیے اور لوگوں کو متحد کرنے کی تجاویز پیش کی جائیں، اعتدال و توازن پر مبنی تعلیمات کا انتظام کیا جائے اور اسلامی تعلیمات کی اصل روح کی طرف لوگوں کو لایا جائے اور جو حدود قرآن وسنت نے متعین کر دی ہیں اس میں نہ کوئی زیادتی کی جائے اور نہ کمی اور کوئی بھی اپنے ذاتی میلانات اور رجحانات کو قرآن وحدیث کے نام سے پیش کرنے کا خواہش مند نہ ہو، اگرچہ یہ کام کہنے میں آسان ہے اور کرنے میں مشکل، کیونکہ اس دور میں انہی فسادات کے باعث حالات اتنے بگڑ چکے ہیں کہ شریعت کے مطابق اگر کوئی شخص صحیح سنت پر قائم رہنا چاہتا ہے تو وہ سوسائٹی میں بالکل نکو بن کر رہ جاتا ہے اور ہر جگہ اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور وہ خود بھی ہر مجلس کو اپنے لیے بیگانہ محسوس کرتا ہے اور دوسرے بھی۔ اور ان حالات میں اگر وہ ایک قدم آگے بڑھ کر دوسروں کی اصلاح کی کوشش بھی کرتا ہے تو یہ بیگانگی فوراً اختلاف وکشمکش کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور ہر جگہ اس کے خلاف ایک محاذ جنگ قائم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس صورتحال کا مقابلہ کرنا معمولی عزم وہمت کے آدمی کا کام نہیں یہ کام تو وہ ہی کر سکتے ہیں جو حق کے لیے رشتوں اور قرابتوں سے بے پرواہ ہو سکتے ہوں اور ہر طرح کے نقصان کو گوارہ کرنے کے لیے، سنت کی حمایت ونصرت کے لیے پہاڑ کی طرح مضبوط ہو کر کھڑے ہونے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔

مذہبی انتہا پسندی کا غلط تصور:

دینی طرز زندگی کو انتہا پسندی کا نام دینا ایسا ہی ہے جیسے کوئی دن کو رات کہے اور سایہ کو دھوپ۔

تسمیة الاشیاء بغیر اسماء ھا[۳۸]

گویا مسلمانوں سے چڑ کی بناء پر ان کی مذہبیت کو جنونی پن سے تعبیر کیا گیا اور ملا ازم کو ایک خوفناک ہوا بنا کر پیش کیا گیا اور اب Fundamentalist اور Extremist کی جدید اصطلاحات کو اسلامی رجحانات کے خلاف فکری سیاسی اور تہذیبی معرکے میں خوب استعمال کیا گیا جس سے اسلام اور اسے پیش کرنے والی ہستی سے مغرب کا کھچاؤ بڑھتا جا رہا ہے۔

چنانچہ بہت سے لوگ جو اپنے اسلامی ناموں اور مغربی ذہن کے ساتھ مسلم ممالک میں رہتے ہیں تو یہ لوگ اوامر ونواہی کی پابندی کو ہی دینی انتہا پسندی شمار کرتے ہیں اور ان کی نگاہ میں ہر وہ شخص جو کھانے پینے، رہن سہن، لباس وزینت میں اسلامی آداب کی پابندی کرتا ہے دینی انتہا پسند اور تعصب کے روگ میں مبتلا ہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو نوجوان لڑکوں کو داڑھی رکھنے اور نوجوان لڑکیوں کو پردہ کی پابندی کرنے کو دینی انتہا پسندی شمار کرتے ہیں اور جو لوگ گانا، موسیقی، فوٹو گرافی اور تصویر بنانے کے سلسلے میں سخت رویہ رکھتے ہیں ان کو انتہا پسند گردانتے ہیں جن کے نزدیک بھلائیوں کو اس وقت فروغ دینا جب وہ مٹ رہی ہوں اور برائیوں سے روکنے کا کام دین میں انتہا پسندی اور دوسروں کی شخصی آزادی میں مداخلت شمار ہوتی ہے اور ایسے لوگ بھی

موجود ہیں جن کے نزدیک غیر مسلموں کو کافر کہنا بھی انتہا پسندی اور تعصب ہے حالانکہ ایمان کی یہ بنیاد ہے کہ مومن اس بات پر یقین رکھے کہ وہ حق پر ہے اور اس کے مخالفین باطل پر ہیں۔ یہ وہ حقیقت ہے جس میں رواداری کی گنجائش نہیں۔[۳۹]

یورپ کی اصل کوشش یہ ہے کہ جس "نظام زندگی" کو اس نے اختیار کر رکھا ہے ساری دنیا اسے اختیار کرے اور اس کی مزاحمت نہ کی جائے اور یورپ خود کو ایک مجسم نظام کی حیثیت سے پیش کر کے جو نمونہ لاتا ہے وہ اسلام کو بدنام کرنے کے ہر حربے پر پورا اترتا ہے۔ انسانی زندگی کی بے وقعتی، خاندانی نظام کی بربادی، سماجی رابطوں کی مادی تعبیر، دولت کی سرمایہ دارانہ تقسیم، اختیارات کا ایک طبقے میں ارتکاز، نسلی و لسانی فسادات، ایک یورپی قوم کی دوسری یورپی قوم پر برتری کی خواہش ہے۔ ترقی کو خود تک محدود کر کے رکھنا اور ٹیکنالوجی کے ذریعے قوموں کو بلیک میل کرنا، یہ سارے وطیرے یورپ کے ہیں۔[۴۰]

مشنری کھلم کھلا کہتے ہیں اسلام رجعی اور متاخر ہے کیونکہ اس کے ماننے والے رجعی اور پسماندہ ہیں اور مسیحیت ترقی یافتہ اور مہذب ہیں کیونکہ ان کی مذہبی دنیا مہذب اور ترقی یافتہ ہے۔[۴۱]

مسلمان دہشت گرد نہیں:

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کرنے کا حکم دیا ہے خواہ ظالم کی طاقت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، پس جہاد کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد دنیا سے ظلم و تشدد، جارحیت، خون ریزی، غارت گری، دہشت گردی اور بدامنی کا مکمل طور پر استیصال اور خاتمہ کرنا ہے۔[۴۲]

رسول اکرم ﷺ نے حکم خداوندی کے بموجب جہاد کے حکم پر عمل کیا اور اسے امن و سلامتی کا ذریعہ قرار دیا جس کا بنیادی مقصد فروغ امن ہے جبکہ مغربی اس بارے میں معترض ہوئے ہیں کہ اسلام تلوار کے ذریعے پھیلا ہے، لہٰذا امن کے تصور کا اس عمل سے رد ہوتا ہے۔ جبکہ نبی کریم ﷺ نے امن و اخوت کا ایک بہترین تصور دیا اور دشمنوں سے لڑنے کے لیے ایسے انسانی حقوق وضع کیے جنہیں آج بھی قانون بین الاقوام جابجا اسلامی تعلیمات سے لے کر بیان کرتے ہیں۔

آنحضور ﷺ کی سیرت طیبہ کا ایک اہم پہلو بحیثیت "داعی امن و اخوت" ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اپنے اخلاق کریمانہ سے تائید غیبی کے ساتھ لوگوں کو اخوت و محبت کی لڑی میں پرو دیا اور جو معاشرہ انتشار و افتراق کا شکار تھا اس میں توحید الٰہی کے رشتہ سے لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کر دیا۔ مدینہ پہنچنے پر آپ ﷺ نے اپنی حکمت عملی سے بہترین سیاسی رہنمائی سرانجام دی اور ریاست مدینہ کے استحکام کے لیے بہترین مثالیں دیں کہ ان تمام رسموں کو ختم کرنے کا اعلان کیا جو امن و اخوت کو درہم برہم کرنے اور معاشرہ کی تباہی کا سبب تھیں۔[۴۳]

سرد جنگ کے خاتمہ کے بعد اہل مغرب نے اسلام کو دشمن نمبر ایک قرار دے کر اس کا راستہ روکنے اور مسلمانان اسلام کو ناکام بنانے کی حکمت عملی اختیار کی اور بنیاد پرستی کی اصلاح استعمال کر کے اس کو دہشت گرد اور اس کے فلسفۂ حیات کو فقط دہشت گردی کا محافظ قرار دینا شروع کر دیا۔[۴۴]

مغرب خود کو دہشت گردی سے بری الذمہ قرار دے کر اسلام کو مورد الزام ٹھہراتا ہے تاکہ اسے عالمی امن کے لیے خطرہ قرار دیا جا سکے اور سرمایہ داری کے سائے میں عیسائیت کو عالمی مذہب کے طور پر سامنے لایا جائے۔ دو بڑے مذاہب میں کشمکش کو جاری رکھنے کی مغربی پالیسی عالمی امن کے لیے کسی طرح بھی مستحسن نہیں لیکن صلیبی جنگوں کی روش نہ چھوڑنے والا مغرب اسلام کو ''جاہلیت کا نظام'' ثابت کرنے پر تلا ہوا ہے۔

ڈبلیو کانٹ ویل سمتھ بتاتا ہے کہ ''یورپ نے اسلام کو صدیوں تک ایک دشمن اور خوف کی صورت میں دیکھا ہے اس میں حیرانگی کی کوئی بات نہیں ہے کہ محمد ﷺ کے ماننے والوں کو مغرب میں ترجمان نہیں مل سکے اس لیے اسلام کو بیرونی دنیا کے ایک مذہب کے طور پر بہت کم ہی جانا گیا اور اس کی تعریف کی گئی۔ کارل مارکس اور کمیونزم کے آغاز سے قبل تک اسلام ایک سنجیدہ خطرہ تھا جس سے مغربی تہذیب کو اس کی پوری تاریخ میں کوئی سابقہ پڑا تھا۔[۴۵]

اصل جنونی کون؟

عصر حاضر میں یہ کہا جانا کہ عیسائی مسلمانوں کے ''مذہبی جنون'' سے خوفزدہ ہیں اگر صحیح مانا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ مذہبی تعصب وجنون کے مفہوم سے ناآشنا ہیں اگر وہ اس بات کا درست مفہوم معلوم کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اپنے کردار پر نظر ثانی کرنا ہوگا کہ ہر دور میں انہوں نے کس طرح مسلمانوں کو اپنے مذہبی جنون کا نشانہ بنایا۔

کلیسا کی مذہبی عدالتوں کے قیام کا اصل مقصد سپین کی مسلمانوں کی بیخ کنی تھا جس کے ذریعے مسلمانوں کو بھیانک سزائیں دی گئیں اور انہیں ستانے کے لیے ایسے حربے استعمال کیے جو اس سے قبل نہ دیکھے گئے تھے۔ آج بھی تعصب کے پجاری یوگوسلاویہ، البانیہ، روس اور اہل یورپ کے زیر اثر ممالک مثلاً شمالی افریقہ، سالی لینڈ، کینیا، زنجبار، ملایا اور بھارت میں بھی امن و سلامتی کے نام پر اور کبھی قوم کی تطہیر کے نام پر مسلمانوں کا قتل عام کرتے رہتے ہیں۔ اطالوی حملے سے پہلے ایتھوپیا میں اگر کوئی مقروض مسلمان اپنے عیسائی قرض خواہ کو قرضہ وقت پر نہ لوٹا تا تو اس کو غلام بنا کر طرح طرح کی اذیتیں دی جاتیں۔[۴۶]

آج آزادی، جمہوریت، عدل اور بنیادی حقوق کے علمبردار مغربی دانشور ہمیں بتائیں کہ اس تصادم کا ذمہ دار کون تھا؟ وہ مغربی ممالک جنہوں نے مسلمانوں کے علاقوں پر بندوقوں کے زور سے قبضہ کیا، مردوں کو غلام بنایا، عورتوں کی عصمت دری کی، مالی وسائل کو لوٹا یا وہ مظلوم مسلمان جو اپنی عزت، آزادی اور بنیادی حقوق کے لیے لڑ رہے ہیں؟[۴۷] کیا اسلامی ممالک میں بسنے والے عیسائیوں کو بھی اس طرح کے برتاؤ سے واسطہ پڑا ہے اور آج ان کے ہم مذہبوں کے متعلق جو سلوک اختیار کر رکھا ہے کیا وہ اپنے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جانا پسند کریں گے؟

ڈاکٹر ظہور احمد اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ ''یورپ کے صلیبی ذہن نے اسلام اور اہل اسلام پر ضرب لگانے کے لیے بھی استشراق، کبھی استعمار اور کبھی جدید تہذیب کے عنوان سے حملے کیے مگر وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے اب وہ امت مسلمہ کے اپنے خون کو اس مکروہ مقصد کے لیے استعمال کرنے چلیں ہیں۔ کبھی کسی نام نہاد مسلمان مفکر، مسلمانوں اور اسلام

کی سربلندی کا نام لینے والوں کو بدنام زمانہ القابایات سے نواز کر انہیں نیست و نابود کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کا یہ شیطانی طریقہ براہ راست تصادم اور خون مسلم میں اپنے ہاتھ رنگنے سے زیادہ کارگر ثابت ہو رہا ہے صیہونی سازشوں اور صلیبی کارستانیوں سے تحریک اسلامی کی راہ روکنے کے لیے کبھی مسلمانوں کو خونخوار درندہ، کبھی دقیہ نوسی مذہب پرست، کبھی متعصب اور جنونی اور کبھی رجعت پسند اور کبھی بنیاد پرست کا خطاب دے کر گردن زدنی قرار دیا جا رہا ہے اور اری ٹیریا، فلپائن، آذر بائیجان، تاجکستان اور افغانستان کے تمام حریت پسند مسلمان ان کے نزدیک گردن زدنی ہیں۔ انسانی حقوق کے نام نہاد علمبردار آزادی جمہور کے نقلی چیمپئن ہر جگہ مسلمانوں کے قتل عام پر نہ صرف خاموش بلکہ خوش بھی ہیں۔ جب آذر بائیجانی مسلمانوں کی تحریک آزادی کو روسی ٹینک کچلتے ہیں تو چچا سام کی طرف سے پر مسرت تائید ہوتی ہے مگر دیوار برلن ٹوٹتی ہے تو مشرقی یورپ کے عیسائی گوروں کی آزادی کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے اس دیوار کے ٹکڑے کرسمس کا تحفہ اور ڈیکوریشن پیس کے طور پر ہر امریکی کے گھر میں سجتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ اصطلاحیں اسلام کی تاریخ میں مسلمانوں پر کبھی صادر ہی نہیں ہوئیں۔ وہ دراصل مسلمانوں کو بدنامی کا لقب دے کر انسانیت کے لیے بے رحمانہ قتل عام و غارت گری کے خوگر ہیں مگر ہدایت ربانی کی جو کرن غار حرا سے نمودار ہوئی تھی اور علم و حکمت کا پیغام لے کر نغمۂ توحید، وحدت نسل انسانی، احترام آدمیت، اخوت و مساوات اور آزادی کا علم لیے انسان کو بھوک اور غلامی سے نجات دینے کے لیے جگمگائی تھی وہ آج بھی پوری آب و تاب کے ساتھ اسی طرح موجود ہے''۔[۴۸]

حاصل کلام:

مغرب کا لبرل طبقہ مذہب کے اس عمل کو شرمناک قرار دیتا ہے کہ مذہب انسان پر پابندیاں عائد کر کے اس کی جبلی خواہشات کی تہذیب چاہتا ہے۔ جبکہ مغرب میں مذہب کی بنیاد پر یا مذہب کو سیاست کا جزو بنانے والے مسیحی جمہوریت پسندوں کا موقف ہے کہ فرد کی زندگی آزادی سے عبارت ہو اور وہ صرف آزادی سے زندگی بسر ہی نہ کر سکے بلکہ شاندار انداز سے زندگی گزارے۔ اسے یہ حق دیا جائے کہ اس کی ذات، اس کا دل و دماغ جس چیز کو سچ قرار دے وہ اس سچ کو اختیار کر سکے خواہ یہ سچ سوسائٹی کے نزدیک جھوٹ ہی کیوں نہ ہو۔ اگر ذات کی پہچان کے اس عمل میں وہ اپنے وجود سے سارے لباس کو اتار کر برہنہ پھرنا چاہے تب بھی اسے کوئی نہ روکے۔[۴۹]

موجودہ دور میں فیصلہ مسلمانوں کی بنیاد پرستی کے خلاف ہے چونکہ مسلسل ترقی کے سبب معیار زندگی کے شعور میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک ہی خاندان کا تنہا فرد خرچ نہیں اٹھا سکتا اس لیے عورتوں کے کام کرنے کی ضرورت بڑھ رہی ہے اور عورتوں کی تعلیم اور ملازمت بنیادی ضرورت بن رہی ہے اور اس کا متبادل بھی نہیں۔ گویا ایک عورت جو گزر بسر کے لیے کام کرتی ہے وہ آزادی و مساوات چاہتی ہے اور اسے زیادہ محروم نہیں رکھا جا سکتا اور کام کی شرائط کی بناء پر ''پردہ کی بنیاد پرستی'' نہیں چل سکتی۔ عورتوں کو بسوں، ریل گاڑیوں اور ٹیکسی کاروں میں سفر کرنا پڑتا ہے لیکن وہ تمام وقت ''محرم'' کو ساتھ نہیں رکھ سکتیں اور حکومت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو BBC,CNN اور دیگر T.V اور Media Stations تہذیبی طور پر کر رہے ہیں۔ بیرونی میڈیا کو

روکنے کے لیے کوئی دیوارِ چین تعمیر نہیں کی جاسکتی۔ جنسی مساوات، انسانی حقوق اور سیاسی حقوق کے نظریات کو کوئی بھی بنیاد پرست سنسر شپ پھیلنے سے نہیں روک سکتی۔[۵۰]

ان سب باتوں سے ایک سوال بحرحال ہمارے ذہنوں میں اٹھتا ہے کہ کیا ملاؤں اور مولاناؤں کا اسلام اور ہے اور اقبال اور قائداعظم کا اسلام اور ہے؟ اقبال اور جناح کو عام آدمی سے جدا کر کے کوئی مقاصد حاصل نہیں کیے جاسکتے۔ درحقیقت اسلام کو مختلف ناموں سے پکارنے والوں کو بھی علم ہے کہ اسلام کو متنازعہ بنانے سے لوگوں کے اس پر ایمان و اعتقاد کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔

مسلمانوں کے تمام عقائد و عبادات کے اہتمام سے اصل مقصود اعلیٰ سیرت و کردار کی تعمیر ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان لانے اور نماز روزہ کے اہتمام سے مقصود صرف چند باتوں کو مان لینا یا چند رسموں کا بجالانا ہی نہیں بلکہ ان کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے سے انسان کے اندر جو روشنی پیدا ہوتی ہے اس سے ہمارے دل جگمگا اٹھیں اور نماز، روزے سے جو مضبوط انفرادی و اجتماعی کردار پیدا ہوتا ہے وہ ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کی خصوصیت بن جائے کیونکہ امتحان و آزمائشوں کا اصل میدان سیرت و کردار ہی ہے اور انسان کا اصل خزانہ جو وہ دین کی مدد سے فراہم کرتا ہے یا کرسکتا ہے مضبوط اور پاکیزہ سیرت ہی ہے۔ یہی چیز اس کو انفرادی زندگی میں بھی مقام و تقویٰ سے سرفراز کرتی ہے اور اجتماعی زندگی میں بھی اسی کے لیے صالحین اور شہدا و صدیقین کی معیت ضامن بن سکتی ہے۔ اسی وجہ سے ضروری ہوا کہ اس پر خاص طور پر زور دیا جائے کہ مسلمان ہر قسم کی آزمائشوں اور ہر قسم کے فتنوں میں اپنے اس خزانہ کی حفاظت کے لیے چوکنا رہیں۔[۵۱]

چنانچہ ضروری ہے کہ نبی کریم ﷺ کی سیرت کے مطالعہ سے ہمارے درمیان آپس میں امن و صلح اور رواداری کی فضا ہموار ہو اور فلاح و سعادت، امن و عافیت، محبت و اخوت کی ہوائیں چلیں۔ ظلم و تشدد، عداوت و تعصب اور عدم برداشت کے رویے ختم ہوں اور ملک سے نسلی، گروہی، علاقائی ولسانی اور مذہبی و مسلکی اختلافات، فرقہ واریت کا خاتمہ ہو۔ انسان دوستی اور رواداری کا ماحول پروان چڑھے اور عالم کفر کے ان منفی پراپیگنڈے کا جواب بھی ہو جو اسلام اور مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔

یہودیوں کے ساتھ مذہبی رواداری، آزادی اور ان کے حقوق کے تحفظ کی تاریخ ساز دستاویز اپنی حقیقت آپ پر گواہ ہیں کہ مذہبی رواداری، امن و سلامتی، آزادی انصاف کا ہر جوہر دین اسلام میں موجود ہے۔

برٹرینڈ رسل لکھتا ہے کہ:

''عیسائیت اور اس کے علمبرداروں نے ہمیشہ اسلام اور محمد ﷺ کے خلاف باطل پراپیگنڈہ جاری رکھا جبکہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ محمد ﷺ ایک عظیم الشان اور فقید المثال، مذہبی رہنما ہیں اور وہ ایک ایسے دین کے بانی ہیں جو بردباری، مساوات اور انصاف کی بنیادوں پر کھڑا ہے۔[۵۲]

گویا آپ ﷺ کی سیرت کے مطالعے سے اور آپ کی تعلیمات کو جاننے کے بعد یہ کہنے پر فخر ہوتا ہے اسلام کا رب،

رب المسلمین ہی نہیں بلکہ رب العالمین ہے اور اس کا رسول ﷺ رحمت المسلمین ہی نہیں بلکہ رحمت اللعالمین ہے۔

اگر کوئی اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے گریز کرے تو یا تو اس کا یہ مذہبی تعصب ہے یا اسلام کی تعلیمات سے ناواقفیت اس کے بیچ میں حائل ہے یا وہ غلط راستے قائم کرنے کی منفیانہ ذہنیت میں مبتلا ہے۔

مراجع ومصادر

(۱) مولانا ابوالحسن ندوی، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص ۱۱۔

(۲) ایضاً، ص ۳۰۷

(۳) ''تہذیب کا مستقبل اور اسلام''، ترجمان القرآن، اپریل ۲۰۰۲، ص ۱۷

(۴) ''اسلام کے خلاف مغربی ہتھکنڈے''، ابراہیم ابوخالد ''محدث''، جولائی ۲۰۰۲، ص ۳۸

(۵) یوسف القرضاوی، اسلامی بیداری انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ص ۔۶

(۶) المنجد، مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور، فروری ۲۰۰۲، ص ۹۳۵

(۷) فیروز اللغات (اردو)، الحاج مولوی فیروز الدین، ص ۱۲۶

(۸) یوسف القرضاوی، اسلامی بیداری انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ص ۹،۱۰،۱۱

(۹) مصباح اللغات، مکتبہ دہلی، ۱۹۵۰، ص ۵۹۴

(۱۰) فیروز اللغات، فیروز سنز لاہور، س،ن، ص ۹۱۶

(۱۱) النساء ۱۷۱

(۱۲) تفسیر النساء ۔۱۷۱، سید قطب شہید، تفسیر فی ظلال القرآن، ۲/۲۳۶، اسلامی اکیڈمی لاہور ۱۹۸۹

(۱۳) التوبہ ۹: ۳۰

(۱۴) المائدہ ۔۵: ۱۸

(۱۵) البقرہ ۔۲: ۱۱۱

(۱۶)

(۱۷) معارف القرآن ۔ مولانا ادریس کاندھلوی ۔۲/۲۱۹ ۔ دار العلوم کراچی شعبان ۱۳۸۹ھ ۔

(۱۸) تفسیر المائدہ ۔۵: ۷۷، مسعود احمد، تفسیر قرآن عزیز، ۳/۱۱۲۵، ۱۱۲۴، میج پرنٹرز کراچی ۱۹۹۲

(۱۹) البقرہ ۔۲: ۱۴۳

(۲۰) محمد قطب، اسلام اور جدید ذہن کے شبہات، البدر پبلیکیشنز، نومبر ۱۹۹۳، ص ۳۴۹

(۲۱) احزاب ۔۲۱

(۲۲) انبیاء ۔۱۰۷

(۲۳) یوسف القرضاوی ۔ اسلامی بیداری انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ص ۲۶

(۲۴) عبدالمجید، آخری نبیؐ اور ان کی تعلیمات، فضلی سنز کراچی ۱۹۹۸، ص ۲۰۶

(۲۵) صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب مایکرہ من التعمق والغلو فی الدین والبدع، الکتب الستہ ص:۲۰۷، ح، ۲۸۶۹

(۲۶) سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی الحسد، الکتب الستہ ص: ۲۰۷، ح، ۲۸۶۹

(۲۷) سنن نسائی، کتاب الایمان والنذور، ماالواجب علی اوجب علی نفسہ نذر افعجز منہ، الکتب الستہ ص:۲۳۴۰، ح:۳۸۸۵

(۲۸) سن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب، کراھیۃ المغالاۃ فی الکفن، الکتب الستہ ص، ۱۴۶۰، ح: ۳۱۵۴

(۲۹) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النہی عن الصوم الدھر، الکتب الستہ ص: ۸۶۴ ح: ۲۸۳۲

(۳۰) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، الکتب الستہ ص:۴۳۸ ح: ۵۰۶۳

(۳۱) صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب حق الضیف فی الصوم، الکتب الستہ ص، ۱۵۴ ح: ۱۹۷۴

(۳۲) عبدالغفار حسن، دین میں غلو ص: ۱۸، رباط العلوم اسلامیہ کراچی ۱۴۰۳ھ

(۳۳) صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ، باب تخفیف الامام فی القیام، الکتب الستہ ص: ۱۵۴

(۳۴) صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود، الکتب الستہ ص: ۲۱۴، ح: ۲۶۹۷

(۳۵) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب الدین یسر، الکتب الستہ۔ ص: ۵، ح: ۳۹

(۳۶) امین احسن اصلاحی، تزکیہ نفس (حصہ اول)، المطبعۃ العربیۃ ۱۹۹۲ ص: ۲۰۴

(۳۷) ایضاً: ص ۲۰۵

(۳۸) یوسف القرضاوی، اسلامی بیداری انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ص: ۲۶

(۳۹) ایضاً، ص ۳۳

(۴۰) میرزا محمد الیاس، بنیاد پرستی اور تہذیبی کشمکش، حرا پبلیکشنز نومبر ۱۹۹۴ء ص: ۱۹

(۴۱) محمد قطب، ''انسانی زندگی میں جمود وارتقاء''، ترجمہ ساجد الرحمن صدیقی

(۴۲) ''اسلامی جنگیں، دہشت گردی یا امن کی ضمانت،'' محمد اقبال کیانی، ''محدث'' مارچ ۲۰۰۱ ص: ۲۱

(۴۳) حافظ محمد طاہر محمود اشرفی، رواداری سیرت طیبہؐ کی روشنی میں، مطبع دارالاسلام لاہور ۲۰۰۲ ص ۳۳، ۳۲

(۴۴) مرزا محمد الیاس، بنیاد پرستی اور تہذیبی کشمکش، حرا پبلیکشنز نومبر ۱۹۹۴، ص: ۲۶۹

(۴۵) "Islam & Modern History", New York by W Kant Well Smith

(۴۶) محمد قطب، اسلام اور جدید ذہن کے شبہات، البدر پبلیکشنز، نومبر ۱۹۹۳ ص: ۳۰۵، ۳۰۴

(۴۷) ''کیا اسلام اور مغرب میں تہذیبی تصادم ناگزیر ہے؟''، ڈاکٹر محمد امین ''محدث'' جولائی ۲۰۰۱ء ص: ۶

(۴۸) ''بنیاد پرست کی اصلاح'' ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، سہ روزہ دعوت دھلی، ۱۰ اپریل ۱۹۹۰ء۔

(۴۹) مرزا محمد الیاس، بنیاد پرستی اور تہذیبی کشمکش، حرا پبلیکشنز نومبر ۱۹۹۴ء۔ ص ۹۱، ۹۰

(۵۰) "The Destiny of FundamentalismThe Nation, 29 January 1992 Aziz-ud-din Ahmed

(۵۱) تفسیر تدبر القرآن، مولانا امین احسن اصلاحی، ص: ۶۲۸، ج: ۱

(۵۲) "Why I am not a Christian?" by Bertrand Russell

دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اُس کا خاتمہ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

فائزہ احسان، کراچی

''مذہبی انتہا پسندی'' اور ''مذہبی جنونی پن'' یا ''مذہبی دیوانگی'' دورِ جدید کی تراکیب اور اصطلاحات ہیں ان اصطلاحات کو اہلِ مغرب نے وضع کیا اور رواج دیا ہے اور نہ صرف وضع کیا ہے بلکہ مسلمانوں کے لیے وضع کیا ہے اور مسلمانوں پر اس کا اطلاق و انطباق بھی کرتے ہیں اور ہر معاملے کی طرح اہلِ مغرب سے اثر پذیر ہوتے ہوئے ہم نے بھی ان اصطلاحات کو الفاظ کی اس ترتیب و ترکیب کو استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔

مذہبی انتہا پسندی کا تعین ہر دین و مذہب میں ان کے اپنے لوگ کر سکتے ہیں اسلام میں انتہا پسندی کا تعین غیر مذاہب کے لوگ یا اہلِ مغرب نہیں کر سکتے۔ بہر کیف اہلِ مغرب کے خیال کے مطابق بنیاد پرستی fundamentalism پہلا مرحلہ ہے

(۲) بنیاد پرستی کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے مذہبی انتہا پسندی

(۳) مذہبی انتہا پسندی سے جنم لیتی ہے فرقہ واریت

(۴) فرقہ واریت کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے دہشت گردی

(۵) مسلمانوں کے جہاد و قتال کو بھی وہ دہشت گردی سے تعبیر کرتے ہیں

(۶) اور خودکش حملے بھی ان کے خیال میں اسی سبب سے وقوع پذیر ہوتے ہیں

ستم ظریفی یہ ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ باقی دنیا یعنی یہود، ہنود اور نصاریٰ پر وہ ان اصطلاحات و تراکیب کا اطلاق نہیں کرتے۔ مغرب میں جس چیز کا نام بنیاد پرستی ہے اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

کیرن آرمسٹرانگ Karen Armstrong رومن کیتھولک خاتون ہیں وہ لندن کے لیوبک کالج برائے مطالعہ یہودیت میں استاد ہیں مسلم پبلک افیئرز کونسل نے انہیں ۱۹۹۹ء میڈیا ایوارڈ سے نوازا۔ اپنی کتاب ''مسلمانوں کا سیاسی عروج و زوال'' کے باب ''بنیاد پرستی'' کے صفحہ ۱۸۰ میں لکھتی ہیں ''مغربی میڈیا اکثر و بیشتر یہ تاثر دیتا ہے کہ بنیاد پرستی کے نام سے مشہور مذہبی جدوجہد، جو بعض اوقات تشددانہ بھی ہو جاتی ہے ایک خالصتاً اسلامی مظہر ہے جبکہ معاملہ یہ نہیں ہے۔ بنیاد پرستی ایک عالمی (گلوبل) حقیقت ہے اور ہماری جدیدیت کے جواب میں ہر بڑے عقیدے میں رونما ہو چکی ہے۔ بنیاد پرستانہ یہودیت ہے، بنیاد پرستانہ عیسائیت ہے، بنیاد پرستانہ ہندومت ہے، بنیاد پرستانہ بدھ مت ہے، بنیاد پرستانہ سکھ مت اور یہاں تک کہ بنیاد پرستانہ کنفیوشس مت بھی موجود ہے''

مصنفہ آگے لکھتی ہیں۔ (صفحہ ۱۸۱ پر)

''درحقیقت تینوں توحیدی مذاہب میں سے اسلام میں بنیاد پرستی سب سے آخر میں رونما ہوئی۔ جب 1960 اور 1970 کے عشروں میں جدید ثقافت اسلامی دنیا کے اندر جڑ پکڑنا شروع ہوئی۔ اس وقت تک بنیاد پرستی عیسائیوں اور یہودیوں میں خوب راسخ ہو چکی تھیں جو کہ جدیدیت کے تجربے سے بہت پہلے گزر چکے تھے'' مزید لکھتی ہیں۔ ''یہ بھی ذکر کر دینا چاہیے کہ مسلمان ''بنیاد پرستی'' کی اصطلاح استعمال کرنے پر جو اعتراض کرتے ہیں وہ بالکل درست ہے۔

مسلمانوں کے خیال میں ہر مسلمان جو کہ مسلمان پیدا ہوا ہے یا ایمان لاکر مسلمان ہوا یعنی دائرہ اسلام میں شامل ہوا ہے ہر مسلمان ایمان مجمل اور ایمان مفصل پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ (۱) کلمہ طیبہ لاالہ الااللہ محمد الرسول اللہ پڑھنے کے بعد اور کلمہ شہادت اشھد ان لاالہ الااللہ و اشھدان محمد عبدہ و رسولہ پڑھنے کے بعد اس کے لیے ضروری ہے کہ

(۲) وہ دین کی مبادیات سے آگاہی رکھتا ہو اور ان کی پابندی کرتا ہو یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا اہتمام کرتا ہو۔ کیونکہ یہ ارکان دین ہی اس کی تربیت نفس اور تہذیب نفس کا ذریعہ بنتے ہیں۔ (۳) اور شعائر اسلامی کی پابندی کرتا ہو۔ پس یہ ہے ایک مسلمان کی بنیاد پرستی کہ اس کا عقیدہ درست ہو اور وہ اسلام کے بنیادی ارکان یعنی دین کے بنیادی ستونوں پر اپنی فکر و نظر اور کردار و عمل کو استوار کرے۔ اس کے لیے لازماً وہ حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات و سیرت کی پیروی کرے جن کو اللہ نے ہمارے لیے بہترین نمونہ عمل بنا کر بھیجا ہے''۔

لیکن مغرب میں جس چیز کا نام بنیاد پرستی ہے اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ گویا بنیاد پرستی جن معنوں میں مسلمانوں میں ہو سکتی ہے اس کا مذہبی انتہا پسندی، تشدد، دہشت گردی فرقہ واریت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

گویا اہل مغرب بزعم خود مذہبی انتہا پسندی اور دہشت گردی کے درمیان سبب و نتیجے کا جو رشتہ Cause & Effect Relationship قائم کرتے ہیں اور مسلمانوں کو موردالزام ٹھہراتے ہیں وہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔

دنیا میں اس وقت مسلمانوں کے جو گروہ مزاحمت کر رہے ہیں۔ جدوجہد آزادی میں مصروف ہیں۔ اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ ظلم کے خلاف سینہ سپر ہیں ان کا بنیاد پرستی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مختصراً یوں کہہ سکتے ہیں کہ ان کے حقوق غصب کئے جا رہے ہیں اور وہ اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس کو صرف بنیاد پرستی کہہ کر رد کر دینا کوئی معقول رویہ نہیں ہے۔

آیئے مذہبی انتہا پسندی کے موضوع کے متعلق دین اسلام، قرآن حکیم اور حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کا جائزہ لیں۔

اسلام کے معنی ہی امن و سلامتی کے ہیں یعنی جو اسلام میں داخل ہوا وہ سلامتی میں اور امن میں داخل ہو گیا ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملتا ہے تو ''السلام علیکم'' کہتا ہے یعنی ''آپ پر سلامتی ہو'' یہ دعا دیتا ہے۔ یعنی ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچیے۔ تعصب اور جانبداری سے بالاتر ہو کر جائزہ لیجیے تو سمجھ میں آتا ہے کہ اسلام سلامتی ہی سلامتی ہے، امن ہی امن ہے، محبت ہی محبت ہے، اسلام فرمانبرداری کا نام ہے۔ اسلام کی تعلیمات کا مطالعہ کیجیے تو واضح ہوتا ہے کہ اعتدال اور میانہ روی اس دین کی روح ہے اس میں افراط، تفریط، ظلم، زیادتی کی کوئی گنجائش نہیں۔ توازن و اعتدال اس دین کا منشاء ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''مسلم وہ ہے جس کی زبان درازیوں سے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے جس کی طرف سے اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں لوگوں کو کوئی خطرہ نہ ہو''

ابن حبان نے اس حدیث میں مسلمان کی جگہ بنی نوع انسان یعنی (الناس) کے الفاظ روایت کیے ہیں اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو تمام بنی نوع انسان کے لیے پرامن اور بے ضرر ہونا چاہیے۔ بخاری میں یہ حدیث مبارک بھی ہے۔ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ''قسم ہے اللہ کی وہ مومن نہیں، قسم ہے اللہ کی وہ مومن نہیں، قسم ہے اللہ کی وہ مومن نہیں'' عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ کون مومن نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں سے حالت امن و بے خوفی میں نہ ہوں۔''

اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک فرض ہے خواہ ہمسائے مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ حضور اکرم ﷺ اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کے ساتھ بھی حددرجہ حسن سلوک سے پیش آتے تھے جو لوگ آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھاتے تھے آپ ﷺ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے۔

قرآن کریم کی تعلیمات کے مطابق ناحق جان لینا تمام انسانیت کے قتل کر دینے کے برابر جرم ہے اور ایک جان کو بچا لینا گویا پوری انسانیت کو بچا لینے کے مترادف ہے۔ قرآن کریم نے مطلق نفس انسانی کے قتل کی ممانعت کی ہے۔ واضح ہو کہ یہ بلا تفریق مذہب و ملت اور بلا تفریق رنگ و نسل اور بلا تفریق دوست و دشمن اور بلا تفریق ملک و وطن ہے۔

سورہ۔ بنی اسرائیل آیت ۳۳ میں ارشاد ربانی ہے

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

اور نہ قتل کرو کسی بھی نفس کو جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ۔ اس آیت میں مطلق نفس انسانی کے قتل کی ممانعت کی گئی ہے۔

اسلام وہ دین ہے جو نظام عدل اجتماعی ہے:

''لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ''

تاکہ لوگ عدل اور انصاف پر قائم ہو جائیں۔ الحدید ۲۵

اسلام میں انسان کو ایک ایسا نظام عدل اجتماعی، عطا کر دیا گیا جو اقتضاً ''المیزان'' کے حکم میں ہے اور تمدن و اجتماعیت کے جملہ نازک اور پیچیدہ مسائل میں مختلف پہلوؤں سے ''راہ وسط'' کا تعین کر دے اور معاشرت، معیشت اور سیاست تینوں کے ضمن میں صراط مستقیم اور سواء السبیل کو پوری طرح واضح کر دے تاکہ نہ معاشرتی بے راہ روی کا کوئی امکان باقی رہے نہ معاشی استحصال کا نہ سیاسی جبر کا۔ یعنی لیقوم الناس بالقسط کا مقام حاصل ہو جائے اور معاشرہ پوری طرح عدل و انصاف اور اعتدال و توازن پر قائم ہو جائے۔

امت وسط ہونے کا اعزاز:

سورہ بقرہ آیت ۱۴۳۔ ترجمہ ''اور اسی طرح ہم نے تم کو امت (امۃ وسطا) معتدل بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزماں) تم پر گواہ ہیں۔

امۃ وسطا کی وضاحت کرتے ہوئے ہم یہ دیکھتے ہیں۔ امت وسط سے مراد بہترین امت اور عمدہ امت ہے۔ قریش نسب کے اعتبار سے وسط عرب ہیں۔ حضور اکرم ﷺ اپنی قوم میں وسط تھے یعنی اشرف نسب والے صلوٰۃ وسطیٰ یعنی افضل ترنماز جو نماز عصر ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے درمیانی نماز یعنی صلوٰۃ الوسطیٰ کی حفاظت کا بالخصوص تذکرہ ملتا ہے اور چونکہ تمام امتوں میں یہ امت بھی بہترین افضل واعلیٰ ہے اس کا سبب یہ ہے کہ یہ دین میں اعتدال کی راہ پر رہتی ہے وسط کے معنی عدل کے ہیں۔

وسط کا لفظ قابل غور ہے اس کے معنی ہے درمیانہ، ہر چیز کا درمیانی حصہ ہی اس کا عمدہ ترین حصہ ہوا کرتا ہے۔ انسان کی زندگی کا درمیانی عرصہ ''عہد شباب'' اس کی زندگی کا بہترین وقت ہے۔ دن کے درمیانی حصہ دوپہر میں روشنی اپنے نقطہ عروج پر ہوتی ہے۔

اخلاق میں میانہ روی قابل تعریف ہے۔ عمل میں افراط وتفریط دونوں پہلو مذموم ہوتے ہیں۔ میانہ روی اور اعتدال پسندیدہ ہے۔ مثلاً بخل وفضول خرچی کی درمیانی حالت کو سخاوت بزدلی اور طیش کی درمیانی حالت کو شجاعت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ ﷺ کو اس عظیم المرتبت خطاب سے سرفراز فرمایا۔

ان کے عقائد	یہاں اعتدال ہے
ان کی شریعت	توازن ہے
ان کے نظام اخلاق، سیاست اور	موزونیت ہے
معیشت واقتصاد میں افراط وتفریط کا گزر نہیں	

جب مسلمانوں کو اپنے اس عظیم منصب (امت وسط) کا پاس تھا اس وقت ان کا ہر قول اور ہر فعل آئینہ تھا اس ارشاد ربانی کا۔ لیکن آج تو ہم یوں بگڑ چکے ہیں کہ قرآن میں جس امت کے محاسن بیان کئے گئے ہیں ہم پہچان ہی نہیں سکتے کہ وہ ہم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال زار پر رحم فرمادے۔ آمین [1]

افراط وتفریط اور سابقہ انبیاء کی امتیں:

دین میں غلو:

سابقہ کتب سماوی جن انبیاء پر نازل ہوئیں ان کی امتوں کا ذکر کرتے ہوئے حق تعالیٰ فرماتا ہے سورۂ مائدہ آیت نمبر ۶۶ ترجمہ ''ان میں کچھ لوگ میانہ رو (اعتدال پسند) ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جن کے اعمال برے ہیں''۔ (یعنی اکثریت ان میں

سے انتہا پسند) ہے۔

نیز سورۂ مائدہ آیت نمبر ۷۷ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

''آپ فرمایئے اے اہل کتاب! نہ حد سے بڑھو اپنے دین میں۔

دین میں غلو کرنا (حد سے بڑھ جانا) منع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ النساء میں فرمایا۔ ۱۷۱

''یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ''

اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے مت بڑھو اور نہ کہو اللہ کیلئے سوائے حق کے۔

الغلوا التجاوز فی الحد (قرطبی) نے لکھا ہے کہ غلو حد سے تجاوز کرنا ہے۔

گویا ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ عیسائیوں اور یہودیوں سے فرماتے ہیں کہ افراط وتفریط سے کام لینا چھوڑ دو۔ گویا قرآن سے واضح ہوتا ہے کہ افراط وتفریط عیسائیوں کے یہودیوں کے عمل میں ہے۔ انتہا پسندی ان کا شیوہ ہے۔

مسلمان کی روش اعتدال ومیانہ روی:

اہل ایمان تو اعتدال پسند ہوتے ہیں میانہ روی ان کے عمل کا خاصہ ہے۔ اسلام کی بنیادی فکر یہی ہے۔ اسلام اعتدال اور میانہ روی کو زندگی کی ایک مستقل روش قرار دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی مرحلے پر، کسی بھی حال میں اعتدال کو ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اعتدال میں بقا بھی ہے اور کامیابی بھی جبکہ افراط وتفریط میں ہلاکت ہے۔ اعتدال حضور ﷺ کی امت کا اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کا زیور اور حسن ہے۔ یہ دین اسلام کی شان امتیاز ہے۔ لہٰذا اپنے جذبات میں، اپنے قول وعمل میں گفتار و کردار میں، معاشرت و معاملات میں، دوسروں کے ساتھ برتاؤ میں، غرض زندگی کے ہر ہر پہلو میں اعتدال کو ہر حال میں ملحوظ رکھنا ہم مسلمانوں کا فرض ہے تاکہ ہم دین کو اس کی صحیح روح کے ساتھ نافذ واختیار کر سکیں۔ اللہ ہماری مدد فرمائے۔ آمین۔

شدت اور سختی کرنے والے ہلاک و برباد ہو گئے:

حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''شدت اور سختی کرنے والے (جہاں ضرورت نہ ہو) ہلاک و برباد ہو گئے۔ آپ نے ان الفاظ کو تین مرتبہ دہرایا ''هلک المتنطعون'' (مسلم)

المتنطعون کے معنی کھوج میں پڑ جانے والے اور سختی کرنے والے ہیں۔

امت محمدیہ ﷺ ____ ایک متوازن اور معتدل امت:

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ ﷺ کو ایک متوازن اور معتدل امت بنایا ہے جو ہر قسم کی فکری اور عمل انتہا پسندیوں سے پاک ہے۔ اسلام وہ دین ہے جو ہر ہر پہلو، ہر عمل اور ہر چیز میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔

عقائد میں اعتدال:

اللہ ذات واحد ہے۔ اللہ عبادت کے لائق ہے یعنی الہ ہے معبود برحق ہے۔ خالق ہے مالک ہے۔ ہر شے پر قادر ہے۔ رب العالمین ہے اور ہم مسلمان اس کے ذات واحد ہونے اور لاشریک ہونے پر اور اس کی تمام صفات پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

مسلمان نہ تو یہودیوں کی طرح اپنے پیغمبر اور رسول حضرت عزیز علیہ السلام کو جو کہ خداوند خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں نہ عیسائیوں کی طرح اپنے رسول عیسیٰ علیہ السلام بن مریم کو خدا کا بیٹا اور اس کی خدائی میں شریک سمجھتے ہیں اور نظریہ تثلیث کے قائل ہیں۔

اسی کو عقائد میں اعتدال کہتے ہیں کہ مسلمان اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کے مرتبے اور مقام میں غلو اور مبالغہ آرائی نہیں کرتے وہ نہ حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا بیٹا سمجھتے نہ اللہ کی خدائی میں شریک بلکہ اللہ کا بندہ اور رسول جانتے اور مانتے ہیں۔ مسلمان اللہ سے اور حضرت محمد ﷺ سے حد درجہ محبت رکھتے ہیں اللہ نے حضرت محمد ﷺ کو ہمارے لیے بہترین نمونہ عمل بنایا ہے ان کی اتباع اور پیروی ہمارا فرض ہے۔

مذہبی انتہا پسندی اور اس کا خاتمہ:

تعلیمات نبوی ﷺ مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ کرتی ہیں اس کا ثبوت یہ ہے کہ:

(۱) اسلام عبادات میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔
(۲) اوقات شب و روز کی تقسیم میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔
(۳) اسلام عادات و اطوار میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔
(۴) اسلام معاملات میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔
(۵) اسلام تعلقات میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔
(۶) اسلام تاثرات میں اعتدال کا حکم دیتا ہے
(۷) اسلام جذبات میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔
(۸) اسلام سیاست میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔
(۹) اسلام معیشت میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔
(۱۰) اسلام معاشرت میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔
(۱۱) اسلام خرچ و اخراجات میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔
(۱۲) اسلام کاروبار و تجارت میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔

(۱۳) اسلام منافع کمانے میں اعتدال کا حکم دیتا ہے۔

عبادات میں اعتدال:

عبادات میں اعتدال یا میانہ روی سے متعلق حضور نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث نشاندہی کرتی ہے۔

''میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ لیکن کبھی نفل روزے رکھتا ہوں اور کبھی ترک بھی کر دیتا ہوں۔ رات کو قیام بھی کرتا ہوں اور آرام بھی۔ میں نے عورتوں سے نکاح بھی کیے ہیں۔ یاد رکھو جس نے میری سنت سے منہ موڑا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں'' (بخاری)۔

بخاری ہی کی ایک روایت میں ہے میانہ روی اختیار کرو اور دین پر قوت کے موافق عمل کرو۔ صبح کو چلو (عبادت کے لیے) اور شام کو، اور کچھ رات کے آخری حصے میں، میانہ روی اختیار کرو۔

حضرت ابوعبداللہ جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ (اکثر اوقات) نمازیں پڑھا کرتا تھا، تو آپ کی نماز بھی درمیانہ ہوتی۔ نہ بہت زیادہ لمبی اور نہ ہی بہت زیادہ مختصر اور ایسا ہی آپ خطبہ دیتے۔ قصداً (مسلم)

قصداً کے معنی ہیں درازی اور کوتاہی کے درمیان۔

احکامات شریعت پر عمل درآمد کے تین درجات:

احکام شریعت پر عمل درآمد کے تین درجات ہیں۔ اولالعزم افراد کو احکام شریعت پر پورا پورا عمل درآمد کرنا ہے۔ بدرجہ اولا کرنا ہے۔ جسے (۱) عزیمت کہتے ہیں یہ بلند تر درجہ ہے (۲) رخصت۔ عوام الناس کے لیے یہ اوسط درجہ ہے یعنی جہاں جہاں رعایت ہے وہ اس سے فائدہ اٹھائیں (۳) اضطراری کیفیت۔ ہر حکم سے استثنا ل جاتا ہے مثلاً ڈاکٹر آپریشن کر رہا ہے آپریشن کے دوران کسی جان بچانے کی کوشش کے دوران کوئی فرض نماز وقت پر ادا نہ ہو سکے تو بعد میں قضا پڑھ لے یہ اضطراری کیفیت ہے۔ اسی طرح بھوک اور فاقہ بہ سبب ناداری ہو تو مردار بھی جائزہ ہو جاتا ہے یہ اضطراری کیفیت ہے۔ یہ دین کتنا آسانیاں دینے والا دین ہے۔ سبحان اللہ!

اوقات روز و شب کی تقسیم میں اعتدال:

حضرت محمد ﷺ حقوق اللہ، حقوق النفس اور حقوق العباد میں توازن اس طرح قائم رکھتے کہ آپ اپنے دن رات کے وقت میں سے ایک تہائی ذکر الٰہی اور عبادت و اذکار کے لیے یعنی اللہ کے لیے، ایک تہائی اپنی ذات کے کام و آرام اور نجی مصروفیات کے لیے اور ایک تہائی اللہ کے بندوں کے کاموں، تربیت و اصلاح کے لیے یعنی حقوق العباد کے لیے مخصوص فرماتے۔

نبی کریم ﷺ کے تربیت یافتہ، حضرت سلمان فارسیؓ نے چنانچہ اسی لیے فرمایا تھا۔ ''تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے اہل و عیال کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہیں ہر حقدار کو اس کا حق دینا چاہیے'' یہ انتہا پسندی اور

رہبانیت سے بچتے ہوئے توازن واعتدال کی نصیحت نہیں تو اور کیا تھی۔

عادات واطوار میں اعتدال:

رفتار میں اعتدال:

چال میں بھی اعتدال برتنے کا حکم دیا گیا ہے: سورۂ لقمان کی آیت ۱۹ میں ارشاد ہوتا ہے حضرت لقمانؑ کی یہ وصیتیں ہیں اور چونکہ یہ سب حکمتوں سے پر ہیں لہٰذا قرآن انہیں بیان فرمار ہا ہے۔

''اپنی چال میں اعتدال پیدا کرو''

یعنی میانہ روی کی چال چلنے کی تاکید ہے نہ بہت آہستہ یعنی خراماں خراماں اور نہ بہت تیز یعنی لمبے لمبے ڈگ بھر بھر کے۔ یعنی رفتار کے آداب سکھائے کہ چلو تو وقار ومتانت کے ساتھ۔

گفتار میں اعتدال:

گفتگو کرتے ہوئے آواز دھیمی رکھنے کا حکم: سورہ لقمان آیت نمبر ۱۹ میں مزید ارشاد ہوتا ہے اور گفتار کے آداب سکھائے گئے ہیں۔ ترجمہ ''اور دھیمی کر اپنی آواز''

یعنی بات کرو تو بلا ضرورت آواز کو بلند نہ کرو کہ سننے والوں کو گراں گزرے۔

کلام میں اعتدال ......طویل کلام سے احتراز کی تاکید:

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''خوشخبری ہو اس شخص کو جو زبان کو روکے زائد بات سے'' عمر بن دینار کہتے ہیں ایک شخص نے آپ ﷺ کی مجلس میں طویل کلام کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا

''تیری زبان کے اس طرف کتنے دروازے ہیں اس نے کہا کہ میرے دانت اور میرے ہونٹ فرمایا تو کیا ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو تجھے طویل کلام سے روکتا''۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں زیادہ گفتگو زبان کی آفات میں سے ایک ہے اس میں بے فائدہ کلام بھی شامل ہے اور ضروری کلام پر ضرورت سے زیادہ اضافہ بھی شامل ہے۔

جذبات میں اعتدال:

جذبات میں عدم اعتدال غصے کی حالت میں پیدا ہوتا ہے اور غصہ اسلام میں پسندیدہ نہیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو اپنے غصے پر قابو پالے''

بہادر شاہ ظفر کا شعر ہے

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا ہو وہ کیسا ہی صاحب فہم ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

تحمل و بردباری جذبات میں اعتدال قائم رکھنے کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے اور سرکار دو عالم ﷺ سے زیادہ تحمل وبردباری کا عملی مظاہرہ بھلا کون انسان کرسکتا ہے؟

تاثرات میں اعتدال:

انسان کسی کا بہت اچھا تاثر قائم کر لیتا ہے اور بعض اوقات کسی کا بہت برا تاثر قائم کر لیتا ہے۔ تاثرات میں عدم اعتدال سے عموماً بدگمانی پیدا ہوتی ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے سورہ الحجرات آیت ۱۲ ''اے اہل ایمان کثرت گمان سے بچو بلاشبہ بعض گمان گناہ ہیں'' یعنی کثرت گمان کریں گے تو بدگمانیاں بھی کریں گے اور بدگمانی کرنا گناہ ہے۔ اس لیے گمان میں بھی کثرت اور انتہا پسندی سے منع کیا گیا ہے۔

ہنسنے میں اعتدال:

ہنسی کی افراط اور مداومت منع ہے۔ مداومت سے تو دل ہمیشہ کھیل اور ہزلیات میں مصروف ہو جاتا ہے اور کھیل اگرچہ کہ مباح ہی ہو مگر ہمیشہ اس کا مرتکب ہونا ممنوع ہے اور افراط ہنسی سے قہقہہ بلند ہوتا ہے جس سے دل مردہ ہو جاتا ہے اور دل میں بغض پیدا ہوتا ہے اور ہیبت و وقار اٹھ جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جو بہت ہنستا ہے اس کی ہیبت کم ہو جاتی ہے اور جو چہل کرتا ہے نظروں میں سبک ہو جاتا ہے اور جو ایک چیز کو زیادہ کرتا ہے وہ اسی کے نام سے مشہور ہو جاتا ہے اور جو زیادہ بولتا ہے وہ زیادہ غلطی کرتا ہے اور جو زیادہ غلطی کرتا ہے اس میں حیا کم ہوتی ہے اور جو حیا کم رکھتا ہے اس میں ورع بھی کم ہوتا ہے اور جو پرہیز کم کرتا ہے اس کا دل مر جاتا ہے۔

اور ایک وجہ یہ ہے کہ زائد ہنسی کے باعث آخرت سے غفلت پیدا ہو جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

''لو تعلمون اعلم ابیکم کثیرا و الضحکم قلیلا

کھانے پینے میں اعتدال:

زیادہ کھانا، زیادہ سونا، زیادہ بولنا بھی اسلام میں پسندیدہ نہیں بسیار خوری، بسیار نومی اور بسیار گوئی کی اسلام مذمت کرتا ہے۔

امام احمد و ترمذی وغیرہ رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ارشاد فرمایا۔

''کسی آدمی نے اپنے پیٹ سے بدتر کسی برتن کو نہیں بھرا۔ ابن آدم کے لیے وہ چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا کر دیں۔ لیکن اگر تم اور زیادہ کھانا چاہتے ہو تو ایک حصے کو کھانے کے لیے کرو ایک حصے کو پانی کے لیے اور ایک حصے کو سانس لینے کے لیے''۔

انفاق میں اعتدال:

اسلام وہ واحد نظام معیشت ہے جو خرچ و اخراجات یعنی صرف دولت سے متعلق اصول و رہنمائی فراہم کرتا ہے انفاق

یعنی صرف دولت میں بھی اعتدال کا حکم ہے۔ سورہ فرقان۔ آیت ۶۷ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ: جو خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل، بلکہ ان کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے''۔

گویا اہل ایمان کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ خرچ کرنے میں نہ تو اسراف سے کام لیتے ہیں اور نہ تبذیر سے اور نہ ہی بخل سے۔ نیز حدیث مبارکہ ہے'' آدھی معیشت میانہ روی میں ہے''۔

صدقہ وخیرات میں بھی اعتدال:

سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۹ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

'' نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھے رکھو (کسی کے لیے کچھ دو ہی نہیں) اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو (کہ سبھی کچھ دے ڈالو) اور ملامت زدہ اور عاجزہ ہو کر رہ جاؤ''۔

فرمایا نبی کریم ﷺ خیر امور اوسطہا'' تمام معاملات میں بہتری میانہ روی میں ہے۔

دین اسلام عمل میں افراط وتفریط کو پسند نہیں کرتا اعتدال اور میانہ روی کو پسند کرتا ہے امور کا کوئی بھی پہلو ہو اس میں انتہا پسندی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

دین ودنیا کے درمیان اعتدال:

دین ودنیا کے درمیان بہترین توازن واعتدال اسلام میں پسندیدہ ہے'' اسلام اہل ایمان کے لیے نہ تو ترک دنیا اور رہبانیت کو پسند کرتا ہے اور نہ یہ چاہتا ہے کہ صنم کدہ کائنات میں کھو جائیں۔ صرف طلب دنیا، دنیا کی زندگی کی لذتوں اور راحتوں میں پڑ کر اپنے اللہ اور رسول ﷺ اور ان کی تعلیمات اور حیات بعد الموت کو بھول جائیں اور نہ یہ چاہتا ہے کہ دنیا کی زندگی کے تقاضوں کو بھول کر رہبانیت اختیار کرلیں۔ بلکہ اسلام دین ودنیا کی زندگی کا بہترین امتزاج چاہتا ہے''۔

قرآن حکیم میں یہ دعا سکھائی گئی ہے'' اے میرے رب مجھے دنیا کی زندگی کی بہتری اور آخرت کی بہتری عطا فرما''۔

اسلام نے ایسی تجارت کی ترغیب دی جو ایک مسلمان کو ذکر الٰہی اور دین کے ستونوں سے غافل نہیں کرتی:

مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا۔ سورہ نور آیت نمبر ۳۷ ترجمہ'' یہ وہ لوگ ہیں جنہیں تجارت اور خرید وفروخت، اللہ کی یاد سے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی۔ یعنی حلال روزی کمانے سے مفر نہیں۔ حلال روزی کمانے والا اللہ کا حبیب قرار پایا۔ تجارت اور ربیع کو اللہ نے حلال کیا اور سود کو حرام۔ لیکن روزی کمانے میں تجارت اور خرید وفروخت میں اس درجہ محو مصروف ہونا کہ اللہ کی یاد سے غافل ہو جائیں یا نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل ہو

جائیں اور اہل ایمان کی شان نہیں ہے۔

زائد از معیار منافع Abnormal Profit کمانا ناپسندیدہ ہے:

اسلام کی تعلیمات کے اعتدال پسند ہونے کا اس سے بڑھ کر اور ثبوت کیا ہوسکتا ہے کہ اسلامی معاشی نظام سود کو حرام قرار دینے کے ساتھ ساتھ ایک حد سے زیادہ منافع کمانے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ یعنی تجارت کیجیے منافع کمایئے مگر ایک معیاری حد تک، ایک حد سے زیادہ یعنی Abnormal Profit کمانے اور دوسرے کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانے اور دوسروں کا استحصال کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

دشمنی میں بھی اعتدال کی راہ پر رہنے کی تاکید:

سورہ مائدہ آیت نمبر ۸ میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے ترجمہ:

''خبردار کسی قوم کی دشمنی تمہیں عدل سے دور نہ کر دے'' یعنی خبردار کسی قیمت پر بھی عدل و انصاف کا دامن تمہارے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ عدل و انصاف کو اپنا شعار بنائے رکھنا۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں جب کفار کے ساتھ عدل کرنے کا یہ تاکیدی حکم ہے تو مسلمانوں کے ساتھ عدل کرنے کی اہمیت محتاج بیان نہیں ہے۔ صحیحین میں حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم حضرت محمد ﷺ نے فرمایا دیکھو کسی کی عداوت اور ضد میں آ کر عدل سے نہ ہٹ جانا۔ دوست ہو یا دشمن ہو تمہیں عدل و انصاف کا ساتھ دینا چاہیے۔ تقویٰ سے زیادہ قریب یہی ہے۔

تعلقات میں اعتدال رکھو:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابن کواء سے فرمایا جانتے ہو حضور ﷺ نے کیا فرمایا ''دوست سے اعتدال کے ساتھ دوستی رکھو شاید وہ کسی دن تمہارا دشمن ہو جائے اور اپنے دشمن سے بغض میں نرمی کرو شاید کسی دن وہ تمہارا دوست ہو جائے''۔

جہاد بالسیف میں بھی زیادتی نہ کرنے کی تاکید:

تفسیر ابن جریر کی رو سے قتال کے متعلق نازل ہونے والی پہلی آیت سورہ بقرہ کی ۱۹۰ آیت ہے۔ ترجمہ

''اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے لڑو مگر زیادتی نہ کرنا بے شک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا زیادتی کرنے والوں کو''

یعنی حکم جہاد تین چیزوں سے مشروط ہے۔

(۱) جہاد دفاعی ہو یا اللہ کی راہ میں ہو یعنی فی سبیل اللہ کے الفاظ ہیں۔

(۲) صرف ان لوگوں کے ساتھ ''الذین تقاتلونکم'' جو تمہارے ساتھ جنگ کر رہے ہیں یا آمادہ یلغار ہیں۔

(۳) اس میں زیادتی نہ ہو ''لاتعتدوا'' کہ جب جذبات پر قابو نہیں رہتا۔ آتش انتقام بھڑک رہی ہوتی ہے خبردار اس

وقت بھی کسی پر زیادتی مت کرو۔یعنی جہاد میں بھی تجاوز کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔

بدلہ لینے میں بھی انتہا پسندی سے منع کیا گیا:

ارشاد ربانی ہے۔ترجمہ ''تم پر جو زیادتی کرے تم بھی اس پر اس جیسی زیادتی کرلو''

ایک اور جگہ ہے۔ترجمہ یعنی ''برائی کا بدلہ اس جیسی برائی ہے'' ایک اور جگہ فرمان ہے ''یعنی اگر تم سزا اور عذاب کرو تو اسی مثل سزا کرو جو تم کیے گیے ہو۔''

آج کی مہذب اور متمدن دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس کے جنگی قانون میں عدل و انصاف کا یوں لحاظ رکھا گیا ہے۔سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی کے اس دور میں میزائل اور بم شہری آبادیوں کو خاکستر کر دیتے ہیں۔

بدلہ لینے میں اعتدال کا حکم:

حضرت محمد ﷺ کے سگے چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ جو حضور اکرم ﷺ سے چار سال بڑے تھے ان کو غزوہ احد میں کس طرح شہید کیا گیا۔شہید کرنے کے بعد ان کا کلیجہ تک نکال کر چبالیا گیا۔ان کا مثلہ کر دیا گیا۔مثلہ کرنا چہرے کو مسخ کر دینے کو کہتے ہیں۔اس دلخراش منظر کو دیکھ کر اللہ کے حبیب حضرت محمد ﷺ کا بے اختیار دل بھر آیا۔آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے رقت و جلال کے عالم میں فرمایا۔''کل کے دن جب اللہ مجھے غلبہ عطا فرمائے گا تو ان کے بدلے میں ۷۰ کافروں کا مثلہ کروں گا''۔

آپ ﷺ ابھی اس جگہ سے ہٹنے نہ پائے تھے کہ وحی کا نزول ہوا اور سورہ نحل کی آیات ۱۲۷۔۱۲۶ نازل ہوئیں

ترجمہ: اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا کہ تم کو تکلیف پہنچائی گئی تھی اور اگر صبر کرو تو البتہ وہ بہتر ہے۔

دیکھئے سرور عالم ﷺ نے اس آیت مبارکہ کے نازل ہوتے ہی قسم توڑ دی اور اس کا کفارہ ادا فرمایا اور فرمایا کہ یا اللہ میں صبر کو اختیار کرتا ہوں۔

اسلام کا قانون قصاص:

اسلام کا قانون قصاص آنکھ کے بدلے آنکھ، کان کے بدلے کان، ناک کے بدلے ناک، جان کے بدلے جان کی اجازت دیتا ہے گویا اس میں بھی عدل کرنا واجب ہے اور معاف کر دینا بہتر ہے اور صبر اختیار کرنا افضل ہے۔

مذہبی انتہا پسندی سے بچنے کی ترغیب:

خطبہ حجتہ الوداع میں سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ''لوگو! مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو کیونکہ تم سے پہلی بہت سی قومیں مذہب میں غلو کے سبب برباد ہوگئیں۔

سیرت النبی جلد دوم از شبلی نعمانی اور سید سلمان ندوی صحیح بخاری کے حوالے سے سرکار دو عالم حضرت محمد ﷺ کی حدیث پیش کرتے ہیں فرمایا ''میری شان میں مبالغہ نہ کر جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے پیغمبروں کی شان میں کیا''۔

نماز اور اعتدال:

''اور نماز نہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ آہستہ بلکہ اس کے بیچ کا طریقہ اختیار کرو'' سورہ بنی اسرائیل۔ آیت ۱۱۰۔

تکبر اور وہن ناپسندیدہ اور تواضع اختیار کرنا میانہ روی ہے:

اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں بہت جگہ کبر کی مذمت کی ہے۔ اللہ مغرور و متکبر لوگوں کو دوست نہیں رکھتا۔

حضرت ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ فرمایا نبی اکرم ﷺ نے کہ

''نہیں داخل ہوگا جنت میں وہ شخص کہ ہوگا اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر کبر''

اور اس کے برخلاف وہن کہتے ہیں ہمت ہارنے کو (سورہ ال عمران آیت ۱۳۹) کمزوری دکھانے کو (سورہ النساء۔ آیت ۱۰۴)

عمل اور رائے میں کمزوری کو (سورہ محمد۔ آیت ۳۵) غرض کہ قرآن میں متعدد جگہ وہن کے مشتق وغیرہ استعمال کر کے اس سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے۔

غرضیکہ عجب و کبر۔ افراط ہے اور وہن۔ تفریط اور کبر و وہن کے درمیان میانہ روی اور اعتدال ''تواضع'' میں ہے یعنی مسلمان مسکنت کی حالت میں نہ ہو مگر فروتنی اور انکساری کرتا ہو۔

عملاً سچائی کا تجزیہ کیجیے تو ہم مسلمان تواضع سے عموماً خالی ملیں گے۔ یا عجب و تکبر میں مبتلا ہیں یا من حیث الامہ وہن کا شکار ہوئے جا رہے ہیں۔

مذہبی انتہا پسندی کے چند پہلو ہیں:

(۱) نفاذ دین میں اعتدال: اہل ایمان خود اپنے اوپر دین کی تعلیم کو نافذ کرنے میں شدت پسندی اور انتہا پسندی سے کام نہ لیں بلکہ پہلے دین کی تعلیم کو فرض عین کے طور پر عام کریں۔ عوام الناس دین کی معلومات اور مبادیات سے واقف ہوں گے تو دین کا شعور ان میں پیدا ہوگا اور وہ بخوشی دین کو اختیار کریں گے۔ مسلمان معاشروں کا اصل مسئلہ کم علمی، جہالت اور ناخواندگی ہے۔ نفاذ دین کا عمل نرمی سے اور بتدریج ہونا چاہیے۔ سختی اور تشدد سے نہیں۔

(۲) مذہبی رواداری: اہل ایمان دیگر الہامی مذاہب کے ماننے والوں اور مشرکوں سے مذہبی رواداری کا سلوک کریں۔

لكم دينكم ولى الدين

سرکار دو عالم ﷺ نے بنو ثقیف کے قبیلے کے کچھ لوگوں کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا۔

حضرت عمر فاروقؓ نے غیر مسلم محتاج ذمیوں کو مسلمانوں کے بیت المال سے وظیفے دیئے یعنی مذہبی رواداری کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔

(۳) ایک دوسرے کی تکفیر نہ کریں: اہل ایمان میں چھوٹے موٹے اختلافات، ضمنی اختلافات (جبکہ ان اختلافات کو ہوا دینا، یہود و نصاریٰ کی کوشش ہے) کے باعث جو فرقہ بندی ہوگئی ہے یعنی مذہبی فرقہ واریت۔ اس میں شدت پسند نہ ہو جائیں۔ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے صادر نہ کریں۔ ایک دوسرے پر ظلم و تعدی نہ کریں۔ ایک دوسرے کے جان و مال کو گزند نہ پہنچائیں۔

(۴) مخلوق اللہ کا کنبہ: حدیث کے مطابقہ مسلمانوں کے لیے اللہ کی تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے خواہ وہ وحدہ لاشریک اللہ کو جانتے ہوں، مانتے ہوں۔ خواہ وہ دیوی دیوتاؤں کے ماننے والے ہوں۔ مشرک ہوں۔ تحریف شدہ الہامی مذاہب کے پیروکار ہوں۔ لامذہب ہوں۔ مسلمانوں کے ایمان کے مطابق تمام انسان اللہ کے بندے ہیں اور اللہ رب العالمین ہے اور حضرت محمد ﷺ رحمت اللعالمین۔

مسلمان جانتے ہیں کہ

''اللہ فقط رب المسلمین نہیں ہے اور سرکار دو عالم حضرت محمد ﷺ رحمت للمسلمین بنا کر نہیں بھیجے گئے لہٰذا ہمیں اپنے آپ کو ''وانتم الاعلون'' ثابت کرنا ہوگا۔

مذہبی انتہا پسندی اور فرقہ بندی:

حضرت حسن بصریؒ کا ارشاد ہے

-''قسم اللہ کی، جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تمہارا راستہ غالی (حد سے تجاوز کرنے والا) اور جافی (حد واجب تک پہنچنے میں کوتاہی کرنے والے) دونوں کے درمیان ہونا چاہیے'' یعنی حق کا مرکز افراط و تفریط کے درمیان میں ہے۔

''اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ'' از حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ مترجم مولانا صدر الدین اصلاحی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اختلافی مسائل اور ان کا نقطہ عدل کے باب میں فرماتے ہیں

''اسلام وحدت کا پیام لے کر آیا تھا مگر اس وقت جہل اور تعصب کے ہاتھوں میں پڑ کر وہ اختلاف و نزاع کی خدمت سرانجام دے رہا ہے۔ مذہب کے چند جزئی مسائل نے باہمی ہنگامہ آرائیوں کا جو طوفان عظیم برپا کر رکھا ہے ان کی حقیقت پر جب میں نے پوری طرح غور کیا تو یہ پایا کہ ہر گروہ حق و اعتدال کے مرکز سے کچھ نہ کچھ ہٹا ہوا ہے اور بے جا تعصب اور غلو سے کام لے رہا ہے''۔

شاہ ولی اللہؒ دہلوی رقمطراز ہیں

''یہ بحث اگرچہ اس تفصیل و اطناب کے ساتھ عنوان کتاب سے خارج تھی، لیکن اس کے باوجود مذہبی فرقہ آرائیوں کی موجودہ خلفشار اور حقیقت حال سے عام بے خبری کو دیکھ کر میں نے ضروری سمجھا کہ عدل و توسط کا نقطہ جو ان ہنگاموں میں گم ہوگیا ہے اس کو افراط و تفریط اور تعصب کی الجھنوں سے نکال کر ارباب نظر کے سامنے پیش کر دوں۔

مذہبی انتہا پسندی کے موضوع پر لکھتے ہوئے میرے مطالعہ میں سیموئیل پی ہنٹنگٹن S.P.Huntington کی کتاب ''تہذیبوں کے تصادم'' ترجمہ وتلخیص از عبدالمجید طاہر بھی آئی۔ وہ لکھتے ہیں

''اسلام کا احیاء انتہا پسندانہ نہیں بلکہ معتدل ہے علیحدگی پسندانہ نہیں ہے بلکہ حاوی ہو جانے والا ہے'' صفحہ ۸۶

اسلام اور مغرب:

''تہذیبوں کے تصادم'' میں سیموئیل پی ہنٹنگٹن لکھتے ہیں

''بل کلنٹن سمیت کچھ مغرب والے کہتے ہیں کہ مغرب کو اسلام سے کوئی پریشانی نہیں ہے۔ البتہ صرف متشدد اسلام پسند گروہ خطرے کا باعث ہیں''

لیکن تاریخ کے شواہد اس سے مختلف ہیں۔

جان ایسپوزیٹو کے بقول

''تاریخ نے اکثر و بیشتر دونوں مذاہب کو مقابلے ہی میں پایا اور اکثر اوقات اقتدار، زمین اور افراد کے لیے خونریز جنگیں ہوتی رہیں''۔

ہنٹنگٹن کی کتاب ''تہذیبوں کے تصادم'' کے چند نکات کا میں اپنے اس مقالہ میں حوالہ دوں گی اور ان کا جواب بھی۔

بیسویں صدی کے آخر میں اسلام اور عیسائیت کے درمیان تازعہ مندرجہ ذیل وجوہات سے بڑھ گیا ہے۔

اول: مسلمان آبادی میں اضافے سے کثیر تعداد میں بے روزگار اور مایوس نوجوان پیدا ہوئے جو مسلمانوں کی افرادی قوت بن گئے۔ ان میں سے اکثر نوجوان ترک وطن کر کے مغربی ملکوں میں چلے گئے''

جواباً میں عرض کروں گی۔

مغربی ممالک مسلمانوں کی افرادی قوت سے خوفزدہ ہیں اور مسلمانوں کی کثرت آبادی کا سد باب انہوں نے گزشتہ 40 سال سے مسلمان ممالک میں خاندانی منصوبہ بندی کے نفوذ سے کرنا چاہا ہے۔

دوم: ''اسلامی احیاء کی وجہ سے مسلمانوں میں مغرب کے مقابلے میں الگ تشخص کا احساس ابھرا ہے اور مسلمانوں کو اپنی تہذیب اور اقدار کی قدر و قیمت کا ادراک ہوا ہے''۔ ہنٹنگٹن

مغربی دنیا نے اس دوسرے سبب کا سد باب ایک تو یوں کرنا چاہا کہ

جدت پسندی modernization اور مغرب پرستی westernization کو خلط ملط کر کے ہم معنی سمجھنے پر زور دیا تاہم مسلمان دانشوران کے مابین فرق و امتیاز کرنے لگے اور انہوں نے مغرب کی اندھی تقلید سے مسلمانوں کو باز رہنے اور جدتوں کو اختیار کرنے کا شعور دیا۔

؎ مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفان مغرب نے

اہل مغرب نے انفارمیشن ٹیکنولوجی کا سہارا لے کر دنیا کو ''گلوبل ولیج'' قرار دیا اور عالمگیریت کا ڈھول پیٹ رہے ہیں تا کہ مسلمانوں کے اپنے جداگانہ تشخص کو ملیامیٹ کیا جاسکے۔

سوم: ''مغرب اپنی اقدار اور اداروں کو فوقیت دلوانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے اپنی عسکری اور اقتصادی بالادستی کو برقرار رکھنے کے اقدامات کیئے ہیں اور اسلامی دنیا کے تنازعوں میں مداخلت کی ہے اس وجہ سے مغرب کے خلاف مسلمانوں میں نفرت پیدا ہوگئی ہے'' ہنٹنگٹن

۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعے کے بعد مسلمانوں کے خلاف امریکہ کے انتہا پسندانہ رویے اور ریاستی دہشت گردی یعنی افغانستان اور عراق کو تباہ و برباد کرنے کے غیر انسانی رویے سے ساری دنیا کے مسلمان غیر مسلموں کے انتہا پسندانہ اور غیر منصفانہ اور افراط و تفریط کے رویوں سے بہت دل گرفتہ ہیں اور مسلمان کیونکہ اعتدال پسند ہیں اور اسلام کی تعلیمات یہی ہیں کہ ''خبردار کسی قوم کی دشمنی تمہیں اعتدال کی راہ سے نہ ہٹادے'' تو مسلمان غیر اسلامی قوتوں کے ''عدم اعتدال'' کو بہت افسوسناک سمجھتے ہیں اور کبھی مذہبی انتہا پسندی کے حامی نہیں ہوسکتے۔

چہارم: ''کمیونزم کے ختم ہونے سے مغرب اور اسلام کا مشترکہ دشمن فنا ہوگیا ہے اس کے نتیجے میں دونوں مذاہب ایک دوسرے کے لیے بڑا خطرہ بن گئے ہیں'' ہنٹنگٹن

اس کے جواب میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ کمیونزم کے خاتمے کے لیے مغرب نے اسلام اور مسلمانوں کا سہارا لیا۔ ان کے مجاہدین کے جذبہ جہاد کے ذریعے کمیونزم کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا گیا۔ بعدازاں یہ سارے مجاہدین مغرب کی نظر میں ''دہشت گرد'' قرار پائے۔ اور مغرب کے ارباب اختیار نے مہذب دنیا میں جنگل کا قانون نافذ کرنا چاہا ہے۔ وہ واحد سپر پاور بننے کے خام خیال میں مبتلا ہے۔ دنیا میں امن وامان، اعتدال اور میانہ روی سے قائم ہوسکتا ہے جو کہ اسلام کی تعلیمات کی روح رواں ہے ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کے اصول سے دنیا کا امن خطرے میں ہے اور خداوندان مغرب نے دنیا کو تباہی کے کنارے پہنچا دیا ہے اور ستم ظریفی یہ ہے کہ مسلمانوں پر مذہبی انتہا پسندی اور دہشت گردی کا الزام ہے۔ اسی کو کہتے ہیں

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ہنٹنگٹن مزید رقمطراز ہیں

''اسلام اور مغرب میں نئے تصادم کی بنیاد طاقت اور ثقافت کے مسائل پر ہے جب تک اسلام، اسلام رہے گا اور مغرب، مغرب رہے گا ان دونوں عظیم تہذیبوں کے درمیان تنازعہ موجود رہے گا''

اہل مغرب کی حکمت عملی یہ ہے کہ اول تو کوشش کی جائے کہ مسلمانوں کو مسلمان نہ رہنے دیا جائے یعنی اسلام، اسلام نہ رہے۔ نام کے مسلمان ہوں۔ مسلمانوں کو بنیاد پرست، انتہا پسند، دہشت گرد قرار دیتے ہیں حالانکہ اسلام کا ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ افراط و تفریط اسلام کے مزاج میں نہیں ہے۔ سیاسی اسلام، انقلابی اسلام، معتدل اسلام، موڈرن اسلام یہ تمام

اصطلاحات مغرب کی وضع کردہ ہیں۔

اعتدال اسلامی تعلیمات کی روح رواں ہے۔ اسلام کی شان امتیاز ہے۔ اپنے دین پر قائم رہنا استقامت ہے انتہا پسندی نہیں۔

برطانیہ کے مشہور جریدے ''دی اکنامسٹ'' نے اپنی ۱۱ ستمبر ۲۰۰۳ء کی اشاعت میں دو سال قبل امریکہ میں ''ورلڈ ٹریڈ سینٹر'' پر دہشت گردوں کے حملے کے بعد پیدا ہونے والی صورت حال امریکہ، مغربی ممالک اور مسلم امہ کے درمیان پیدا ہونے والی کش مکش کے حوالے سے نیز عالمی سیاست، معیشت، تعلیم سائنس، جدید علوم اور سماجی شعبے کے مطالعے کے حوالے سے آٹھ اہم رپورٹیں (اسلام کے نام پر) شائع کی تھیں۔

ان رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغرب مسلمانوں کو دہشت گرد سمجھتا ہے۔ امریکہ میں عام تاثر یہ ہے کہ مسلمان ''نفتہ دہشت گرد'' ہیں۔

دنیا کے ہر خطے میں دہشت گردی ہو رہی ہے اور مختلف مذاہب کے لوگ دہشت گردی میں ملوث ہیں۔ دہشت گردی انفرادی سطح پر بھی ہو رہی ہے گروہی سطح پر بھی اور قومی سطح پر بھی۔ بلکہ کئی ممالک میں ریاستی دہشت گردی کی مثالیں دنیا کے سامنے ہیں۔ مگر امریکہ کے ''تھنک ٹینکس'' Think Tanks کو اور ارباب اختیار کو ان کی ''دہشت گردی'' نظر نہیں آتی۔

نہیں جاتی کہاں تک فکر انسانی نہیں جاتی
مگر اپنی حقیقت آپ پہچانی نہیں جاتی

''دی اکنامسٹ'' کی رپورٹ کے حوالے سے یہ طے ہونا ضروری ہے کہ تحقیقی رپورٹس مرتب کرنے والے خود اسلام کے بارے میں کس قدر علم وفہم رکھتے ہیں اور یہ کہ کیا وہ ''غیر جانبدار'' محقق ہیں یا اسلام کے بارے میں کسی قسم کے تعصب کا شکار ہیں کیونکہ غیر جانبدار تحقیق کے لیے ضروری ہے کہ تحقیق کرنے والا وسیع النظر اور ہر قسم کے تعصبات سے بالاتر ہو۔ بلکہ میں تو سمجھتی ہوں کہ اہل مغرب نے جس قدر تحقیق اسلام کے متعلق کی ہے اگر وہ عیسائیت اور یہودیت کے بارے میں اتنی تحقیق کا اہتمام کر لیتے تو ان کو اپنے اپنے مذہب کی لفظی ومعنوی تحریفات کا علم ہو جاتا ہے اور وہ اس کے تفرقے اور افراط وتفریط اور غلو سے بچ سکتے۔

ممتاز مغربی اسکالر برنارڈ لیوس نے 1990ء میں ''مسلمان نفرت کی جڑیں'' کے زیر عنوان تجزیہ کیا ان کے بقول

''اب یہ امر واضح ہو جانا چاہیے کہ ہم ایک ایسی تحریک کے مقابل ہیں جو ان کا سامنا کرنے والی حکومتوں اور پالیسیوں سے ماورا ہے۔ یہ تہذیبوں کے تصادم سے کم نہیں۔ ہوسکتا ہے یہ غیر منطقی ہو لیکن یہ ہمارے یہودی عیسائی ورثے، ہمارے سیکولر حال اور ہر دو کی آفاقی توسیع سے ''پرانے دشمن'' کا یقینی طور پر تاریخی ردعمل ہے۔ اہم ترین چیز یہ ہے کہ ہمیں اس دشمن کے خلاف مشتعل نہیں ہونا چاہیے۔''

سب سے پہلے تو عنوان چونکا دیتا ہے ''مسلمان نفرت کی جڑیں'' مغربی اسکالر کی باطنی کیفیت عیاں ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں سے متعلق کیا سوچتے ہیں۔ کتنے وسیع القلب اور روادار ہیں۔ دوسرے اس اقتباس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ

یہودی عیسائی ورثے کو مشترک قرار دیتے ہیں یعنی یہودی عیسائی کے مابین کوئی مذہبی تعصب نہیں ہے لیکن مسلمانوں سے انتہا درجے کا مذہبی تعصب رکھتے ہیں اور مذہبی انتہا پسندی کا الزام دیتے ہیں مسلمانوں کو۔

ھنٹنگٹن لکھتے ہیں

''مغرب کا حقیقی مسئلہ اسلامی بنیاد پرستی نہیں بلکہ خود اسلام ہے''

آخر کار ھنٹنگٹن کے قلم سے یہ سچائی صفحہ قرطاس پر آہی گئی کہ مغرب کا حقیقی مسئلہ اسلامی بنیاد پرستی نہیں بلکہ خود اسلام ہے۔

گویا اہل مغرب کے اہم اسکالرز اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ مغرب کا حقیقی مسئلہ اسلامی بنیاد پرستی یا مسلمانوں کی مذہبی انتہا پسندی نہیں بلکہ خود اسلام میں ہے۔ ورنہ بنیاد پرستی عیسائیت اور یہودیت کی اصطلاح ہے۔ اسلام پر اس کا اطلاق ایک بے معنے اور بھونڈا الزام ہے۔ اور انتہا پسندی اسلام میں سرے سے پائی ہی نہیں جاتی۔ بلکہ اعتدال اور میانہ روی اسلام کی شان ہے اور ارشادات ربانی اور تعلیمات نبوی ﷺ کے حوالے سے مقالے کے حصہ اول میں یہ پہلے ہی واضح کیا جاچکا ہے۔

آیئے دنیا کی تاریخ کا دہشت گردی کے حوالے سے ایک جائزہ لیں۔

تاریخ کے جھروکوں سے:

روس، چین اور مغرب دس کروڑ انسانوں کو قتل کر چکے ہیں انگلستان، فرانس کی ۱۱۵ سالہ جنگ میں لاکھوں آدمی مارے گئے۔ جرمنی، فرانس، آسٹریلیا، سویڈن کی ۳۰ برس کی جنگ ۱۶۱۸ سے ۱۶۴۸ تک ہوئی اس میں صرف جرمنی کے ایک کروڑ بیس لاکھ آدمی مارے گئے یورپ کی دو تہائی آبادی ہلاک ہوگئی جو باقی بچی اس کی حالت نہایت ابتر تھی۔ امریکی خانہ جنگی ۱۸۶۰ تا ۱۹۶۵ تک جاری رہی۔ اس میں تین لاکھ آدمی شمالی ریاستوں کے اور پانچ لاکھ جنوبی ریاستوں کے مارے گئے۔ ستر لاکھ ریڈ انڈین قتل کیے گئے۔

۱۷۰۰ سے ۱۸۷۲ تک یورپ میں ۱۳۰ جنگیں لڑی گئیں۔ ان جنگوں میں ۱۹ لاکھ افراد کو سزائے موت دی۔ ۲۹ لاکھ افراد کو مختلف سزائیں دی گئیں۔ پچاس لاکھ افراد کو جلاوطن کیا گیا۔

تازہ ترین اعداد و شمار:

تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق روس کے سرخ انقلاب سے لے کر ۱۹۸۰ تک کل ۶۸ لاکھ افراد قتل کیے گئے۔ کوریا کی جنگ میں صرف دو سال کے اندر ۵۰ لاکھ مرد عورتیں اور بچے ہلاک ہوئے نیز کوریا میں مزید ۵۰ لاکھ لوگ صرف قحط اور بھوک سے ہلاک ہو چکے ہیں۔ کوریا کی جنگ میں ایک کروڑ افراد زخمی ہوئے چین میں کمیونزم کے نفاذ کے لیے ڈیڑھ کروڑ زمینداروں کو پھانسی دیدی گئی اور لاکھوں افراد ہلاک کیے گئے۔

امریکہ کی جانب سے پابندی کے باعث پانچ لاکھ عراقی باشندے موت کے منہ میں چلے گئے۔ ویت نام کی جنگ میں ۷۰ لاکھ آدمی مارے گئے۔ افغانستان کی جنگ میں ۶۰ لاکھ آدمی مارے گئے یہ جنگ امریکہ و روس نے مسلط کی تھی۔ فلسطین کی جنگ میں ۲۰ لاکھ افراد مارے گئے۔ برطانیہ و امریکہ کی مسلط کردہ ایران عراق جنگ میں ۲ لاکھ افراد مارے گئے۔ الجزائر میں

فرانس نے ۷۰ لاکھ افراد قتل کیے تاکہ آزادی کو روکا جاسکے۔اس وقت بھی اسلامک فرنٹ کے دو لاکھ آدمی قتل کر دیئے گئے ہیں۔
یوگوسلاویہ کو توڑنے کے لیے آئی ایم ایف اور امریکہ نے ۴۰ لاکھ انسانوں کو بے گھر اور بیس لاکھ انسانوں کو قتل کر ڈالا۔

اب آیئے اسلامی تاریخ کا تقابلی جائزہ لیں۔

عہد رسالت ﷺ میں تیس لاکھ مربع کلومیٹر علاقہ فتح ہوا لیکن شہدا کی کل تعداد ڈیڑھ سو تھی۔

حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت معاویہؓ سے لے کر خلافت عثمانیہ تک اسلامی سلطنت کی حدود پوری دنیا تک پھیل گئی تھی مگر سات صدیوں کے دوران صرف پانچ ہزار افراد شہید اور قتل ہوئے۔

جنگ جمل اور جنگ صفین جنگیں نہیں بلوے تھے اور حضرت حسن بصریؒ کی شہادت کے مطابق اس میں صرف سات صحابی شہید ہوئے مگر اسے تاریخ کی ہولناک جنگ بنا کر اسلامی تاریخ کو مجروح کیا گیا۔

یہ تقابلی جائزہ واضح کر دیتا ہے کہ انتہا پسند کون ہے اور دہشت گردی کس کا ماضی ہے اور کس کا حال ہے۔اللہ مستقبل کو ان قوموں کی دہشت گردی سے محفوظ رکھے۔آمین

آج مغربی پراپیگنڈا مسلمانوں کے خلاف یہ سوچ پیدا کر رہا ہے کہ مسلمان انتہا پسند اور دہشت گرد ہیں۔ستمبر ۱۱ کے بعد سے امریکہ میں مسلمانوں کو ''خفتہ دہشت گرد'' Sleeping terrorists کہا جاتا ہے۔

مسٹر کے۔ون اسمتھ کے خیالات اس کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں۔وہ قرآنی آیات کو اپنے دعوے کی بنیاد کے طور پر پیش کرتے ہیں۔لیکن سیاق وسباق کے حوالے کے بغیر۔وہ کہتے ہیں۔

نعوذ باللہ ''خود قرآن کی رو سے اسلام امن اور رواداری کا مذہب نہیں ہے۔دہشت گرد اس مقدس کتاب کی خلاف ورزی نہیں کر رہے وہ تو عین اس کے الفاظ پر عمل کر رہے ہیں''۔

اسلام کے خلاف جاری مستقل پروپیگنڈے کے نتیجے میں اس سوچ کا جنم لینا بالکل فطری ہے۔تاہم اس کا حل اعتراض کرنے والوں کو برا بھلا کہنا نہیں بلکہ اسلام کی تعلیمات کو ان کے صحیح تناظر میں دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے۔

اس پروپیگنڈے کا مثبت پہلو یہ ہے کہ اسلام کے خلاف غلط فہمیوں کا جواب دینے کا موقع ہمیں فراہم ہو گیا ہے اور ایک حد تک یہ کام ہو بھی رہا ہے۔

بھارت کے شہر بنگلور سے شائع ہونے والے اسلامک وائس نامی انگریزی ماہنامے کے ایک شمارے میں مسٹر سمتھ کی تحریر کو نقل کرنے کے بعد اسلام کی تعلیمات کی وضاحت بڑی خوبی سے کی گئی ہے۔

جریدہ لکھتا ہے کہ قرآن صرف دو طرح کے حالات میں ہتھیار اٹھانے کی اجازت دیتا ہے۔پہلی صورت تو یہ ہے کہ مسلمانوں کی کسی ریاست پر کوئی اسلام دشمن طاقت حملہ کر دے۔اس صورت میں قرآن کہتا ہے۔

''اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا

رب اللہ ہے"(۲۲:۳۹۔۴۰)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کا کوئی گروہ کسی ملک میں ظلم کا شکار ہو اور مدد کے لیے پکار رہا ہو۔ اس حالت میں مسلمانوں کو دفاع کا نہیں بلکہ ظلم کی طاقت پر حملہ کر کے اسے ظلم سے روکنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن کہتا ہے۔

"آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے"(۴:۷۵)

پہلی آیت میں ہم نے دیکھا کہ مسلمانوں کو جارحیت کا نشانہ بننے کی صورت میں دفاع کی اجازت دی گئی ہے، لیکن اس صورت میں بھی تاکید ہے کہ ظلم اور زیادتی سے باز رہا جائے اور حملہ آور جیسے ہی لڑائی بند کریں، مسلمان بھی جنگ روک دیں یہ حکم قرآن میں یوں ملتا ہے

"اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر ظلم و زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ان سے لڑو جہاں بھی تم انہیں پاؤ اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے، اس لیے کہ قتل اگرچہ برا ہے مگر فتنہ اس سے بھی زیادہ برا ہے۔ اور مسجد احرام کے قریب جب تک وہ تم سے نہ لڑیں تم بھی نہ لڑو، مگر جب وہ وہاں لڑنے سے نہ چوکیں تو تم بھی بے تکلف انہیں مارو کہ ایسے کافروں کی یہی سزا ہے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو جان لو کہ اللہ معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔ تم ان سے لڑتے رہو، یہاں تک فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے، پھر اگر وہ باز آجائیں تو جان لو کہ ظالموں کے سوا کسی اور پر ہاتھ اٹھانا جائز نہیں ہے۔(۲:۱۹۱۔۱۹۳)

مسٹر اسمتھ نے جن آیات کو اپنے اعتراض کی بنیاد بنایا ہے، اس عبارت میں ان میں سے ایک آیت بھی شامل ہے لیکن اپنے سیاق و سباق میں اس کا اصل مفہوم پوری طرح واضح ہے۔ یہ ہدایات عام زندگی کے لیے نہیں بلکہ حالت جنگ کے لیے ہیں، اور مسٹر اسمتھ بآسانی دیکھ سکتے ہیں کہ حقوق انسانی کی محافظت کے خود ساختہ دعویداروں کے حالت جنگ کے خالص ظلم اور ناانصافی پر مبنی طرز عمل اور اس مقدس کتاب کی متوازن تعلیمات میں، جس سے وہ اس قدر برگشتہ ہیں، کیسا نمایاں فرق ہے۔ اس کے مذکورہ بالا ہر جملے میں مسلمانوں کو عدل و انصاف کی حدود میں رکھنے کے لیے چیک کیے جانے کا اہتمام اس طرح کی ہدایات سے کیا گیا ہے کہ۔

"زیادتی نہ کرو۔۔۔ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔۔۔ ان سے مسجد احرام کے قریب نہ لڑو جب تک وہ خود تم سے نہ لڑیں۔۔۔ اگر وہ لڑائی سے باز آجائیں تو جان لو کہ اللہ معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔۔۔ اگر وہ جنگ سے رک جائیں تو خبردار ہو کہ ظالموں کے سوا کسی پر ہاتھ اٹھانا جائز نہیں"

قرآنی آیات کے سیاق و سباق کی اس تفصیل سے واضح ہے کہ مسٹر اسمتھ نے قرآن کو ظلم کا علمبردار ثابت کرنے کے

لیے آیات کے درمیان سے عبارتیں منتخب کی ہیں جبکہ اصل صورتحال بالکل مختلف ہے۔ یہی معاملہ ان دوسری آیات کا بھی ہے جن کا حوالہ انہوں نے دیا ہے۔ یہ بات خصوصی طور پر لائق توجہ ہے کہ یہ ہدایات زمانہ امن کے لیے نہیں ہیں۔ یہ تعلیمات اس صورت حال کے لیے ہیں جب مسلمانوں پر غیر مسلموں کی طرف سے جارحانہ جنگ مسلط کر دی گئی ہو۔ قرآن یہ ہدایت بھی کرتا ہے کہ مسلمانوں کی لڑائی برسر جنگ غیر مسلم گروہ کے ہر فرد سے نہیں ہونی چاہیے۔ حتیٰ کہ عین جنگ کے دوران بھی یہ حکم ہے کہ غیر مسلموں میں سے جنہوں نے مسلمانوں سے صلح کا معاہدہ کر رکھا ہو، جنگ کا دائرہ ان تک وسیع نہیں ہونا چاہیے۔ معاہدوں کی پاسداری حالت جنگ میں بھی کی جانی چاہیے۔ حتیٰ کہ جن غیر مسلموں نے مسلمانوں پر جنگ مسلط کی ہے ہدایت کی گئی ہے کہ سال کے چار مقدس مہینوں میں ان کے خلاف بھی جنگی کارروائیاں بند رکھی جائیں۔

ایسا لگتا ہے کہ برادر کے ون اسمتھ نے کہیں سیاق وسباق سے الگ کی ہوئی قرآنی آیات کا ترجمہ پڑھ کر اسلام کے بارے میں تشدد کا مذہب ہونے کی رائے قائم کر لی ہے۔ ان کی یہ معلومات قطعی غلط ہیں کہ قرآن میں امن وسلامتی اور بقائے باہمی سے متعلق آیات، جنگ کی تلقین کے مقابلے میں برائے نام ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جنگ سے متعلق آیات میں بھی ہر جگہ عدل وانصاف اور تحمل ورواداری کے تقاضے پورے کرنے اور ہر قسم کے ظلم وزیادتی سے باز رہنے کی پرزور تلقین موجود ہے۔ پھر یہ سب محض کتاب میں لکھی باتیں نہیں ہیں بلکہ ان کی پوری روح کے ساتھ ان پر عمل کیا گیا ہے۔ مخالفین اسلام کے ساتھ خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کا طرز عمل قرآن کی ان تعلیمات پر حرف بحرف عمل درآمد کی تاریخی شہادت ہے۔ زمانۂ جنگ کے لیے رسول اکرم ﷺ نے جو ضابطہ اخلاق مقرر فرمایا تھا اس کی رو سے دشمن کی عورتوں، بچوں اور ان مزدوروں تک کو قتل کرنا ممنوع تھا جو خواہ میدان جنگ میں دشمن کی کارروائیوں میں بالواسطہ مدد فراہم کر رہے ہوں لیکن براہ راست جنگ میں شریک نہ ہوں۔ نبی اکرم ﷺ اس ضابطہ اخلاق پر عمر بھر پوری طرح کاربند رہے۔ اس کا سب سے بڑا مظاہرہ فتح مکہ کے موقع پر ہوا۔

ہجرت کے آٹھویں سال رسول اکرم ﷺ نے مکہ پر فوج کشی کی۔ مسلمان اس وقت تک اتنے طاقتور ہو چکے تھے کہ اہل مکہ مقابلے کی ہمت نہ کر سکے اور مسلمان آٹھ سال بعد کسی مزاحمت کے بغیر اس شہر میں داخل ہو گئے جہاں کے رہنے والوں نے ان پر ہر طرح کا ظلم وتشدد روا رکھا تھا اور خاندانی رشتوں تک کا کوئی لحاظ نہ کیا تھا۔ اس شہر میں رسول اللہ ﷺ اس حال میں داخل ہوئے کہ آپ کا سر اللہ کے شکر کے جذبے سے جھکا ہوا تھا۔ ایک سینئر کمانڈر نے کہا۔ ”آج کا دن انتقام اور بدلے کا دن ہے“ تو اللہ کے رسول ﷺ کا چہرہ ناگواری کے احساس سے سرخ ہو گیا۔ اس کمانڈر سے پرچم واپس لینے کا حکم دیا اور فرمایا نہیں آج کا دن رحم اور معافی کا دن ہے۔ آپ نے اپنے خون کے پیاسے دشمنوں کے لیے عام معافی کا اعلان کیا۔ جو گھر اور سامان چھوڑ کر آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے مکے سے ہجرت کی تھی، انہیں بھی واپس نہ لینے کا فیصلہ فرمایا۔ اسلام کا مطالعہ اس کے اصل ماخذوں سے پورے سیاق وسباق کے ساتھ کیا جائے تو ہر غیر جانبدار قاری اس نتیجے پر پہنچے گا کہ یہ تشدد اور نفرت کا نہیں، تحمل، رواداری اور محبت کا دین ہے۔

برادر اسمتھ اور ان کے توسط سے اہل مغرب پر میں یہ واضح کر دینا چاہتی ہوں کہ .

جذبہ جہاد سے فقط اہل ایمان ہی سرشار ہو سکتے ہیں اور خوف خدا مسلمانوں کی اصل شان ہے۔ان کا طرہ امتیاز ہے تو جہاد کے دوران بھی مسلمانوں کا دل خوف الٰہی سے لبریز رہتا ہے۔ یادالٰہی میں مشغول رہتا ہے۔ بلکہ جس وقت جہاد کر رہے ہوتے ہیں وہ اس وقت ذکر بالجوارح، یعنی اعضائے جسمانی کے ذریعے یادالٰہی میں ذکرالٰہی میں مصروف ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ہی لو لگائے اور قوت و طاقت کے حقیقی سرچشمے یعنی ذات باری تعالیٰ سے مدد کے طالب ہوتے ہیں اور اسی کے بھروسے پر جہاد کر رہے ہوتے ہیں اور اسی احکم الحاکمین سے مدد و نصرت کے طالب ہوتے ہیں دوران جہاد بھی ان کا انتہا پسندی سے، تشدد و دہشت گردی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اور یہی پیغامبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی حیات طیبہ اور مغازی کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔

اختتامیہ:

دنیا بھر میں انتہا پسندی اور دہشت گردی کی جڑ میں پائے جانے والی ناانصافیوں، استحصالوں اور بالادستی کی پالیسیوں کو ختم کرنے کے لیے جس فہم و فراست تدبر اور منصوبہ بندی کی ضرورت ہے ہم مسلمان اس کے لیے تحریک چلائیں۔ بنی نوع انسان کے ان مسائل کا حل فقط رحمت اللعالمین ﷺ کی تعلیمات اور ان کو عطا ہونے والی کتاب ہدایت قرآن کی تعلیمات کے عملی نفاذ کے ذریعے ممکن ہے۔ پہلے ہم خود صحیح معنوں میں اہل ایمان کا کردار و عمل اپنے اندر پیدا کریں اور پھر اقوام عالم کو صحیح رستہ دکھائیں اور بنی نوع انسان کے مسائل کے حل میں اپنی ذمہ داریاں پوری کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ عالم اسلام میں اجتماعی سطح پر پائی جانے والی معاشرتی بے راہ روی، معاشی استحصال اور سیاسی جبر اور ــــ انفرادی واجتماعی سطح پر ہماری اپنے دین سے دوری کے باعث آج غیر مسلموں کو ہمارے خلاف انگشت نمائی کی نہ صرف جرات ہے بلکہ وہ ہمارے دین پر بھی بے بنیاد خیال آرائیاں کر رہے ہیں اور الٹے سیدھے الزامات لگا رہے ہیں۔

پیر کرم علی شاہ صاحب ضیاء القرآن میں سورہ البقرہ کی آیت ۱۴۳ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''جب مسلمانوں کو اپنے اس عظیم نصب (امت وسط) کا پاس تھا اس وقت ان کا ہر قول اور ہر فعل آئینہ تھا۔ اس ارشاد ربانی کا لیکن آج تو ہم یوں بگڑ چکے ہیں کہ قرآن میں جس امت کے محاسن بیان کیے گئے ہیں ہم پہچان ہی نہیں سکتے کہ وہ ہم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال زار پر رحم فرمادے۔ آمین''۔

امت مسلمہ کے ارباب علم و دانش علماء و مشائخ اور ارباب اختیار کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں میں ان کے اس عظیم منصب (امت وسط) ہونے کا احساس بیدار کریں اور امت وسط کا کردار و عمل ان میں پیدا کریں۔ دین کا صحیح فہم ان کے اندر پیدا ہو اور اس کے لیے سب سے پہلے تو یہ دعا ہے کہ اے اللہ ہمارے ساتھ رحمت کا ارادہ فرما اور ہمارے سینے کو علم دین کے لیے کھول دے۔ آمین ہمیں کتاب وسنت پر مضبوطی سے عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔ نیز ہمارے کردار و عمل میں افراط و تفریط کا جو عنصر پایا جاتا ہے وہ دور ہو جائے۔ ہمیں دین پر استقامت عطا فرما۔ ثم آمین۔ اگر انتہا پسندی ہمارے کردار و عمل کے کسی پہلو میں پائی جاتی ہے تو اس کو دور فرمادے۔ اور عالم اسلام میں عموماً اور پاکستان میں خصوصاً اسلام کا نظام عدل اجتماعی نافذ فرمادے، قائم فرما

دے آمین۔ اور انفرادی طور پر بھی ہمیں انتہا پسندی سے بچا اور اجتماعی طور پر بھی۔ ثم آمین۔

کتابیات

۱۔ ضیاء القرآن از پیر کرم علی شاہ
۲۔ تفسیر ابن کثیر
۳۔ تفہیم القرآن، از مولانا مودودی
۴۔ صحیح بخاری، جلد اول، دوم، سوم
۵۔ مشکوٰۃ شریف
۶۔ ریاض الصالحین از امام محی الدین ابی ذکریا بن شرف النووی
۷۔ معارف الحدیث از نعمانی
۸۔ احیاء العلوم از حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ
۹۔ کیمیائے سعادت ترجمہ از مولانا محمد احسن صدیق نانوتوی
۱۰۔ مذہب اور فرقہ بندی از رسائل امام غزالیؒ
۱۱۔ سیرۃ نمبر۔ نقوش (جلد اول) مدیر محمد طفیل۔ لاہور
۱۲۔ سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ جلد ہفتم از پروفیسر محمد طاہر القادری
۱۳۔ سیرت احمد مجتبےٰ از شاہ مصباح الحق
۱۴۔ ماہنامہ ترجمان القرآن مدیر پروفیسر خورشید احمد۔ متعدد
۱۵۔ ماہنامہ الابرار۔ مدیر حکیم محمد اختر صاحب۔ رمضان المبارک ۱۴۲۴
۱۶۔ ماہنامہ ساحل۔ مدیر محمد طارق۔ کراچی مئی ۲۰۰۱ء اور بہت سے
۱۷۔ اسلام اور تربیت اولاد از احمد علوان
۱۸۔ اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ از حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی
۱۹۔ تزکیہ نفس، مرتبین خلیل الرحمٰن چشتی اور محمد خان منہاس۔ الفوز اکیڈمی
۲۰۔ الصدیق (ماہنامہ) جولائی ۲۰۰۳ء
۲۱۔ اسلام اور دہشت گردی از سید معروف شاہ شیرازی
۲۲۔ تہذیبوں کا تصادم از سیموئیل۔ پی ہنٹنگٹن تلخیص و ترجمہ عبدالمجید طاہر
۲۳۔ مسلمانوں کا سیاسی عروج و زوال از کیرن آرمسٹرانگ

''دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اُس کا خاتمہ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں''

تسنیم جہاں، لاہور

انتہا کے معنی ہیں، اخیر، خاتمہ اور حد وغیرہ۔ پسند سے مراد ہے جو دل کو اچھا لگے، مرغوب اور خواہش کے مطابق مذہبی انتہا پسندی سے مراد ہر وہ عمل ہے جو نہ تو مذہب اجازت دیتا ہے اور نہ ہی وہ اخلاقیات کے دائرے میں آتا ہے۔ قتل، علماء کی تکفیر، دہشت گردی، خودکش حملے اور ہر وہ انتہا پسند قدم جو معصوم انسانوں کے قتل کا باعث بنتا ہے، قابل مذمت ہے۔ فرقہ واریت اور جاہلانہ تعصب بھی مذہبی انتہا پسندی کی مختلف صورتیں ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

سباب المسلم فسوق، وقتاله کفر (رواہ الشیخان عن ابن مسعود)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

قتل المومن اعظم عندالله من زوال الدنیا (رواہ النسائی)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده والمومن من امنه الناس علی دمائهم، واموالهم، والمهاجر مَن هجر مانهی الله عنه (رواہ احمد عن ابی ھریرہ)

مذہبی انتہا پسندی سے کیا مراد ہے:

مذہبی انتہا پسندی اور ''مذہبی تعصب'' انسانی فہم اور معاشرتی روشوں کی نشوونما اور انسانی تہذیب وتمدن کی ترقی کی راہ میں ہمیشہ حائل رہا ہے۔ بڑی حد تک اس تعصب کی بنا پر معاشرتی ترقی، جمہوریت کے فروغ اور سیاسی عمل کو صحت مند اور بارآور خطوط پر آگے نہیں بڑھایا جاسکا۔ مذہبی تعصب کا معاملہ نہ صرف مسلم معاشروں بلکہ کرسچین، یہودی اور ہندو معاشروں کے لیے بھی پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے۔

اسلام مذہبی انتہا پسندی سے روکتا ہے، محبت کا جذبہ انسان کے اندر رواداری کا رویہ بھی پیدا کرتا ہے اور اس میں ان مضرت رساں نسلی، لسانی، گروہی، مذہبی اور فرقہ وارانہ تعصبات فروغ پانے سے روکتا ہے جو انسان کو اس کے اندر موجود تخلیق نو کی قوت کے اظہار سے باز رکھتے ہیں۔ ان تعصبات کی وجہ سے تخلیق کے سوتے خشک ہو جاتے اور انسان تعمیر معاشرہ کے لیے کوئی کردار ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ وہ خود اپنے پیدا کردہ تعصب، نفرت اور دشمنی کے احساسات کے تحت معاشرے کو محبت بھری نگاہوں سے نہیں دیکھ پاتا اور اسی وجہ سے وہ ملک کا ایک مفید شہری نہیں بن سکتا۔ وہ کوئی تخلیق نہیں کرسکتا۔ وہ صرف منفی کردار ادا

کرسکتا ہے۔

مذہبی تعصب کے بعد نسلی، لسانی اور قومی تعصب کی باری آتی ہے لیکن یہ تمام تعصبات اگر دور ہو سکتے ہیں تو وہ بھی مذہبی رواداری اپنا کر ہی دور ہو سکتے ہیں۔ ان تعصبات کو کسی دوسرے طریقے سے ختم نہیں کیا جاسکتا۔

اسلام مذہبی روایات پر مبنی عبادات و رسوم کا مجموعہ نہیں اور نہ ہی یہ موروثی طور پر حاصل ہونے والی پہچان کا نام ہے۔ بلکہ یہ کائنات کی خالق اور پروردگار ہستی کی طرف سے انسان کو دنیا میں زندگی گزارنے کے لیے دی گئی ہدایات ہیں جن پر عمل پیرا ہونے سے ایک مخصوص طرز زندگی تشکیل پاتی ہے جس سے انسانی معاشرہ میں انسانی مساوات، معاشی ترقی، امن، محبت اور بلاتفریق نسل، رنگ، قوم و مذہب ایک دوسرے کی بھلائی کے لیے سرگرم عمل ہونے کی راہیں کھلتی ہیں۔

انتشار کالا متناعی سلسلہ:

- مذہبی فرقہ بندی سے انتشار کالا متناہی سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔

''مسلمان مالکی، حنفی، حنبلی، شافعی، ظاہری، جعفری، اہلحدیث اور خارجی گروہوں میں بٹ چکے ہیں۔ اس طرح تصوف میں، قادری، چشتی، سہروردی سلسلے معرض وجود میں آچکے ہیں آگے پاکستان میں حنفی، اہلحدیث اور شیعہ تین گروہ تھے ان میں بدقسمتی سے حنفی دیوبندی اور بریلوی مسلکوں میں بٹ گئے ہیں دیوبندیوں میں جمعیت علماء اسلام میں فضل الرحمان، سمیع الحق اور اجمل قادری، سپاہ صحابہ، اشاعت التوحید والسنۃ، عالمی تحریک ختم نبوت، جیش محمدی، تحریک مجاہدین اور تبلیغی جماعت جیسے بڑے گروہ معرض وجود میں آچکے ہیں اس طرح بریلوی مسلک میں جمعیت علماء پاکستان کے فضل کریم، نیازی، نورانی، نفاذ شریعت طاہر القادری گروپ، جماعت اہلسنت، جمعیت المشائخ، دعوت اسلامی جیسے بڑے گروہ موجود ہیں اہلحدیث مسلک میں لشکر طیبہ، مرکزی جمعیت اہلحدیث ساجد میر گروپ، زبیر ظہیر گروپ، عبدالقدیر خاموش گروپ، یزدانی گروپ، متحد جمعیت اہلحدیث، روپڑی گروپ اور غرباء اہلحدیث موجود ہیں۔

اس طرح شیعہ مسلک میں تحریک جعفریہ، موسوی گروپ، ساجد نقوی گروپ، سپاہ محمد جیسے گروپ موجود ہیں اس طرح تصوف میں بے شمار سلاسل روحانیت موجود ہیں۔ اس طرح مسلمانوں کے انتشار کا یہ سلسلہ کہیں رکتا نظر نہیں آتا۔''

مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کی دور جدید میں مختلف صورتیں:

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی عروج پر ہے:

دور جدید میں مذہبی انتہا پسندی کی کئی صورتیں ہیں مثلاً:

(۱) تخریب کاری۔

(۲) دہشت گردی۔

(۳) خودکش حملے (جس میں بے گناہ شہری بھی مارے جاتے ہیں)۔

(۴) فرقہ واریت وغیرہ۔

مذہبی رواداری قرآن حکیم کی روشنی میں:

قرآن حکیم مذہبی رواداری کا حکم دیتا ہے۔ سورت آل عمران کی آیت نمبر ۶۴ میں ارشاد ہے:

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝

''آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں، نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں۔ پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں''۔

اس آیت میں اہل کتاب (یہود و عیسائیوں) کو مخاطب کیا ہے۔ کہ ایسی بات پر ہم جمع ہو جائیں جو سب مذاہب میں مشترک ہے وہ توحید الٰہی ہے۔ جب قرآن کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سب انبیاء علیہم السلام نے توحید کی تعلیم دی ہے اور ایک خدا کی طرف بلایا ہے۔ اگر دنیا کی ساری قوموں کے معتقدات اور ساری مذہبی کتابوں کو دیکھا جائے تو ذات باری تعالیٰ کے عقیدہ میں جو امر مشترک ان میں پایا جاتا ہے وہ ایک خدا کی ہستی ہے حتیٰ کہ کتب مقدسہ کے پیروؤں کو چھوڑ کر بت پرستوں کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ کہ ان کے بتوں سے اوپر ایک خدائے واحد ہے اور بت بھی ان کے دربار تک پہنچانے والے ہیں۔

اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے مذہبی لسانی، تفرقہ بازی کا مخالف ہے اور تمام بنی نوع انسانوں کو اخوت کی لڑی میں منسلک کرتا ہے اور تمام انسانوں کو ایک اصل اور جڑ کی شاخیں قرار دیتا ہے۔

توحید ہی ایک ایسا مسئلہ ہے جو تمام ادیان کا مشترکہ امر ہے۔ اگر آج بھی تمام دنیا کے ادیان توحید پر اکٹھے ہو جائیں تو مذہبی تفرقے ختم ہو جائیں گے۔ دنیا میں صلح و امن کی فضا قائم ہو سکتی ہے۔

سورت الانعام کی آیت نمبر ۱۰۸ میں ارشاد ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

''اور گالی مت دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ براہ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے۔ ہم نے اسی طرح ہر طریقہ والوں کو ان کا عمل مرغوب بنا رکھا ہے۔ پھر اپنے رب ہی کے پاس ان کو جانا ہے سو وہ ان کو بتلا دے گا جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے۔''

رواداری، دوسروں کے معبودوں کو گالی نہ دینے کی تعلیم دی گئی ہے۔ مخالفین کی باتیں نہایت درجہ دکھ دینے والی تھیں

اسلام اور رسول کریم ﷺ کو برا کہتے تھے۔ ہنسی اڑاتے تھے گالیاں دیتے تھے۔ اس لیے مسلمانوں کو اب ایک اصول بتایا۔ کہ ایسا نہ ہو۔ تم بھی ان کے معبودان باطل کو اسی طرح سب وشتم (گالیاں دینا) کرنے لگو اور چونکہ یہاں شرک کی برائیوں کا ذکر تھا۔ اس لیے ساتھ ہی یہ بتانے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ دوسرے کے عقائد میں جو برائی ہو۔ اس کی اصلاح کے لیے اس کا بیان کر دینا تو ضروری ہے۔ مگر حد سے تجاوز نہ ہو، گالی تک نوبت نہ پہنچے۔ کسی کی دل آزاری کرنا درست نہیں یوں قرآن مجید اخلاقی تعلیم بھی دیتا چلا جاتا ہے۔

رسول کریم ﷺ کی ساری زندگی عملی رواداری کا بہترین نمونہ تھی۔ صلح حدیبیہ رواداری کی بہترین مثال ہے۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مذہبی رواداری اور وسعت قلبی کی تعلیم دی ہے۔ رواداری ہی ایسا عمل ہے جس سے معاشرہ بہترین شکل اختیار کر سکتا ہے اور معاشرتی زندگی عمدہ ہو سکتی ہے۔

قرآن مجید نے تمام مسلمانوں کو اتحاد کی پر زور نصیحت کی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید نے تمام مسلمانوں کو تفرقہ وانتشار پھیلانے سے منع بھی کیا ہے قرآن مجید کی سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۰۵ میں ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

"تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آجانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا، انہیں لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے"۔

قرآن مجید تمام مسلمانوں کو اس طرح کے تفرقہ وانتشار سے بچنے کی نصیحت فرماتا ہے۔

جس قوم میں گروہ بندی، تفرقہ وانتشار زور پکڑے وہ قوم بہت جلد تباہ و برباد ہو جاتی ہے اور معاشرے میں کمزور ہو کر رسوائی کا باعث بن جاتی ہے اور یوں پوری دنیا میں ذلیل وخوار ہو جاتی ہے۔ اس لیے دنیا کے تمام مسلمانوں کو آپس میں اتحاد محبت اور ایک دوسرے کے ساتھ دنگا وفساد برپا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

سورۃ الانفال آیت نمبر ۴۶ میں ارشاد ربانی ہے:

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

"اور اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے رہو، آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر وسہار رکھو، یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

تم آپس میں تنازعہ یعنی جھگڑا نہ کرو، ورنہ تم کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

"تم میں سے جو شخص اپنی جماعت سے ایک بالشت بھر بھی الگ ہو گیا اور پھر وہ ایسی حالت میں مر گیا گویا وہ جاہلیت کی سی موت مر گیا۔ (صحیح بخاری ومسلم)

رحمتہ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ حسنہ

اعتدال کی راہ اور مذہبی امور میں عدم انتہا پسندی:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ مذہبی رواداری کا ثبوت دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذہبی انتہا پسندی سے روکا۔ عیسائیوں کا وفد نجران سے آیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مسجد نبویؐ میں ٹھہرایا اور خود ان کی ضیافت فرمائی اور انہیں مسجد نبوی میں عبادت کی اجازت بھی دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے ثابت ہے کہ آپؐ نے ہمیشہ اتحاد بین المسلمین کا درس دیا، اخوت کی تعلیم دی اور اسلام کے دشمنوں سے بھی حسن سلوک کا درس دیا۔ درج ذیل دو احادیث مبارکہ سے بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذہبی رواداری کی مثالیں ملتی ہیں:

حدثنا عیسی بن حماد اخبرنا اللیث عن سعید المقبری عن بشیر بن المحرر عن سعید بن المسیب انه قال بینما رسول الله ﷺ جالس ومعه اصحابه وقع رجل بابی بکر فآذاه فصمت عنه ابو بکر ثم آذاه الثانیة فصمت عنه ابو بکر ثم آذاه الثالثة فانتصر منه ابوبکر فقام رسول الله حین انتصر ابو بکر فقال ابوبکر اوجدت علی یا رسول الله فقال رسول الله ﷺ نزل ملک من السماء یکذبه بما قال لک فلما انتصرت وقع الشیطان فلم اکن لاجلس اذ وقع الشیطان.

"عیسیٰ بن حماد، لیث، سعید، بشیر، حضرت سعد بن میبّب سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے اور آپؐ کے قریب صحابہ کرامؓ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی نے حضرت ابوبکرؓ کو برا بھلا کہا اور ان کو تکلیف پہنچائی اور حضرت ابوبکر خاموش رہے۔ اس نے دوسری بار تکلیف پہنچائی تو بھی حضرت ابوبکرؓ خاموش رہے۔ اس نے تیسری بار چھیڑ خانی کی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا۔ ان کے جواب دیتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپؐ مجھ پر ناراض ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا اور وہ تمہیں برا کہنے والے شخص کی تکذیب کرتا رہا جب تم نے جواب دیا تو شیطان (درمیان میں) آ گیا۔ پھر جب شیطان آ گیا تو میں بیٹھ نہیں سکتا"۔ (سنن ابوداؤد، جلد سوم، صفحہ ۶۰۲۔۶۰۱)

ایک اور حدیث ملاحظہ ہو:

حدثنا قتیبة بن سعید حدثنا اللیث عن عقیل عن الزهری عن سالم عن ابیه عن النبی ﷺ قال المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولا یسلمه من کان فی حاجة اخیه کان الله فی حاجته ومن فرج عن مسلم کربة فرج الله عنه بها کربة من کرب یوم القیامة ومن ستر مسلما ستره الله یوم القیامة.

''قتیبہ بن سعید، لیث، عقیلؒ، زہری، حضرت سالم اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر کسی قسم کا ظلم کرتا ہے نہ اس کو آفت میں چھوڑتا ہے اور جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے کام میں لگا ہوا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کے کام کو پورا کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف کو دور کریگا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکلیف کو رفع فرمائے گا اور جو شخص کسی مسلمان کے عیب کو چھپائے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کے عیب کو چھپائے گا''۔ (ابوداؤد، جلد سوم، صفحہ ۶۰۱)

رحمتہ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں ہر لحہ اعتدال کی راہ نظر آتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذہبی رواداری کی جو مثالیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قائم فرمائیں وہ رہتی دنیا تک انسانیت کے لیے باعث تقلید ہیں۔ کفار مکہ نے قدم قدم پر مذہبی انتہا پسندی کا مظاہرہ کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے لیکن رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ صبر سے کام لیا۔ اب وہ روشن مثالیں بیان کی جاتی ہیں جن میں انسانیت کے لیے بے شمار اسباق پوشیدہ ہیں اور دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کے رجحان کے خاتمے کے لیے ان کا مطالعہ انتہائی ضروری ہے۔

رسولؐ خدا پر راستہ چلتے خاک ڈالی جاتی، تمسخر کیا جاتا، ہنسی مذاق اڑایا جاتا، کوئی پھبتیاں کستا، کوئی پتھر مارتا، کوئی تلوار لے کر چڑھتا، کئی دفعہ ایسا بھی کیا کہ رسولؐ خدا کے دروازے پر گوبر اور پتھر پھینک دیتے تھے، جب آپؐ نکلتے تھے تو پتھروں سے ٹھوکر کھا کر گر پڑتے تھے۔ گوبر میں لتھڑ جاتے تھے۔ غرضیکہ جس سے جو بنتا وہ کرتا کوئی غیر شریفانہ حرکت ایسی نہ تھی، جو رسولؐ خدا کے ساتھ نہ کی جاتی ہو۔ عورتیں اس قدر جلتی تھیں کہ گھر کا کوڑا کرکٹ آپؐ پر پھینک دیتی تھیں۔ ابولہب کی بیوی تو حضورؐ کے راستے میں کانٹے بچھا دیا کرتی تھی جس سے آپؐ کے پاؤں زخمی ہو جاتے تھے، سورۃ لہب میں اس کا ذکر ہے:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّo مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ o سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍo وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِo فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍo

''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ (خود) ہلاک ہوگیا۔ نہ تو اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔ وہ عنقریب بھڑکنے والی آگ میں جائے گا اور اس کی بیوی بھی (جائے گی) جو لکڑیاں ڈھونے والی ہے۔ اس کی گردن میں پوست کھجور کی بٹی ہوئی رسی ہوگی''۔

ایک دفعہ آپؐ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن ابی معیط نے آپؐ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپؐ گھٹنوں کے بل گر پڑے اور گلہ گھٹنے لگا۔

ایک دن آپ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور سربسجود تھے کہ کسی ظالم نے اونٹ کی بڑی بھاری اوجھڑی رسولؐ خدا کی پیٹھ پر رکھ دی، جس کے بوجھ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا سر مبارک اٹھانا مشکل ہوگیا۔

کئی دفعہ آنحضورؐ کو زہر دینے کی کوشش کی گئی، مگر دشمنوں کو ناکامی ہوئی ایسی سختیوں کے باوجود رسولؐ خدا کا جوش رشد و

ہدایت بڑھتا گیا اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کی تعداد بھی بڑھنے لگی۔

راہ حق پر قائم رہنے کی سزا صحابہ کرامؓ کو بھی دی جاتی۔ کبھی دوپہر کی جلتی ریت پر منہ کے بل ان کو لٹایا جاتا، کبھی ننگے بدن پر اس قدر کوڑے لگائے جاتے تھے کہ ان کی کھال ادھڑ جاتی تھی، کبھی پانی میں غوطے دے کر ہلکان کیا جاتا تھا۔ کبھی لوہے کو آگ میں گرم کر کے بدن پر داغا جاتا تھا۔ کبھی اونٹ کی ٹانگ سے باندھ دیئے جاتے تھے۔ کبھی چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں مرچوں کی دھونی دی جاتی، تاکہ دم گھٹ کر مر جائیں، کبھی برچھیاں مار مار کر ادھ موا کر دیا جاتا، کبھی دو اونٹوں کو ساتھ ساتھ کھڑا کر کے غریب مسلمانوں کو ان پر سوار کرا کر ان کی ایک ٹانگ ایک اونٹ اور دوسرے ٹانگ دوسرے اونٹ کے ساتھ باندھ دی جاتی تھی۔ پھر دونوں اونٹوں کو علیحدہ علیحدہ دوڑایا جاتا تھا۔

حضرت سمیعہ کو ابو جہل نے مسلمان ہونے کے جرم میں برچھی مار دی جس سے یہ ہلاک ہوگئیں، حضرت یاسرؓ بھی کافروں کے ہاتھوں سے اذیتیں اٹھاتے اٹھاتے موت کے منہ میں پہنچ گئے۔

کفار کی مذہبی انتہا پسندی کی چند اور مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

حضرت زبیرہؓ کو حضرت عمرؓ نے اسلام لانے سے پہلے ان کو کافی ستایا اور ابو جہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔

حضرت خباب تمیمؓ قبیلہ کے تھے، زمانہ جاہلیت میں غلام بنائے گئے۔ یہ اس وقت اسلام لائے جب چھ سات اشخاص مسلمان ہوئے تھے۔ ان کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں ایک دن ان کے ساتھ یہ حرکت کی گئی کہ کوئلے جلائے اور زمین پر بچھا دیئے گئے اور ان پر چت لٹایا۔ ایک شخص نے چھاتی پر پاؤں رکھے تاکہ یہ کروٹ بدلنے نہ پائیں یہاں تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے پڑے ٹھنڈے ہوگئے۔

حضرت ابوفکیہہؓ صفوان بن امیہ کے غلام تھے اور حضرت بلالؓ کے ساتھ ایمان لائے تھے۔ امیہ کو جب یہ معلوم ہوا تو ان کے پاؤں میں رسی باندھی اور آدمیوں سے کہا کہ گھسیٹتے ہوئے لے جائیں اور تپتی ہوئی زمین پر لٹائیں، اسی طرح جناب بلال حبشیؓ پر بھی طرح طرح کے ظلم ڈھائے گئے ان کا مرتبہ اس درجہ تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو عالم معلیٰ میں اپنے آگے بہشت میں دیکھا، اور ان کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت حضرت بلالؓ کی مشتاق ہے۔

حضرت بلالؓ خاموشی کے ساتھ مسلمان ہوگئے تھے، آخر امیہ کو بھی کسی صورت سے اس بات کا علم ہوگیا تو اس نے ان کو خزانہ اور بت خانہ کی حفاظت سے علیحدہ کر دیا۔

ان مصیبتوں میں حضرت بلالؓ جتنے دنوں گرفتار رہے ہر لحہ آپؓ کی زبان پر احد احد تھا۔ یعنی میرا معبود ایک ہے۔

حضرت عثمانؓ جب مسلمان ہوئے تو ان کے چچا نے ان کو رسی سے باندھ کر مارا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ جو ساتویں مسلمان تھے۔ جب مسلمان ہوئے اور انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کعبہ میں کیا تو قریش نے ان کو اتنا مارا کہ وہ بیہوش

ہو گئے۔

جب عبداللہ بن مسعودؓ مسلمان ہوئے تو وہ باوجود منع کرنے کے حرم میں گئے اور انہوں نے مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہو کر سورہ الرحمٰن پڑھنی شروع کی کفار ہر طرف سے آپ پر ٹوٹ پڑے اور ان کے منہ پر طمانچے مارنے شروع کیے لیکن وہ پڑھتے رہے اور جہاں تک ان کو پڑھنا تھا وہ پڑھ لیا۔

ظلم و تعدی کی وجہ سے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ مسلمانوں کو ہجرت حبشہ بھی کفار کی مذہبی انتہا پسندی کی بدولت کرنا پڑی۔

کفار کی مذہبی انتہا پسندی کی مثال شعب ابی طالب میں خاندان بنو ہاشم کا تین سال تک حصار بھی ہے۔

حضرت ابو طالب مجبور ہو کر تمام خاندان بنو ہاشم کے ساتھ شعب ابو طالب میں پناہ گزین ہوئے۔ تین سال بنو ہاشم نے اس حصار میں گزارے یہ زمانہ ایسا سخت تھا کہ طلحہ کے پتے کھا کر گزارا۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک رات کو سوکھا ہوا چمڑہ ہاتھ آ گیا۔ میں نے اس کو پانی سے دھویا پھر آگ پر بھونا اور پانی میں ڈبو کر کھایا۔ مسلسل تین برس تک تمام آل ہاشم نے یہ مصیبتیں جھیلیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پتھروں سے زخمی کرنے والے طائف کے لوگوں کے لیے دعائے خیر کی یہ تھا آپؐ کا جذبہ عفو و درگزر!

شہر کے اوباش آپؐ پر ہر طرح سے ٹوٹ پڑے اور انہوں نے آپؐ پر پتھر برسانے شروع کیے۔ جب آپؐ چلتے تو دونوں طرف سے آپؐ پر پتھر پھینکتے۔ جب آپؐ پتھر کھا کر زخمی ہو جاتے اور بیٹھ جاتے تو بازو تھام کر کھڑا کر دیتے تھے۔ جب آپؐ چلنے لگتے تو پتھر برسانے کے ساتھ ساتھ گالیاں دیتے اور تالیاں بجاتے۔ جب آپ کا لباس خون سے تر بتر ہو گیا اور جسم زخمی ہو گیا تو آپؐ پر کتوں کو لشکایا جاتا۔ وہ مالکوں کے اشارے سے آپ کی طرف دوڑتے مگر جب قریب آتے اور رسولؐ خدا کا چہرہ منور مطہر دیکھتے تو فوراً واپس چلے جاتے تھے۔

حضرت جبرائیلؑ کو بھیجا ہے آپؐ جو چاہیں اسے حکم دیں، پہاڑوں کا فرشتہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، اگر آپؐ فرمائیں تو میں ان پر پہاڑ پھینک دوں یا پہاڑوں کو ملا کر ان میں انہیں پیس دوں۔ لیکن رسولؐ خدا دو جہان کے لیے رحمت بن کر آئے تھے، آپؐ نے بجائے بددعا کے ان کے حق میں فرمایا:

''یا اللہ ان لوگوں کو ہدایت دے اور تو میری مدد فرما۔ بغیر تیری مدد کے میرا کامیاب ہونا دشوار ہے میں ان کی ہلاکت نہیں چاہتا۔ مجھے امید ہے کہ شاید ان کی نسل سے کوئی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والا پیدا ہو جائے۔''

جب غزوہ احد میں کافروں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے، شہید کیا اور ان کے کلیجہ کو نکال کر چبا کر پھینک دیا اور دوسرے ستر جلیل القدر صحابیوں کو شہید کر دیا اور ان کو مثلہ کر ڈالا یعنی ان کے کان اور ناک کاٹ ڈالے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک کو زخمی کر دیا اور دندان مبارک شہید کر دیئے یہاں تک کہ لہو

مبارک آپؐ کے سر اور منہ سے جاری تھا، اس حالت کو دیکھ کر صحابی بہت مضطرب ہوئے اور آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ ان کافروں کا ظلم و ستم اور بے ادبی حد سے گزر گئی ہے۔ آپؐ ان کے لیے بددعا فرمایئے:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ کو بددعا کرنے کے لیے نہیں بھیجا ہے بلکہ رحمت و ہدایت کے لیے بھیجا ہے اور یہ دعا فرمائی:

''یا اللہ بخش دے میری قوم کو اور ہدایت کر میری قوم کو بیشک یہ نہیں جانتے اور نادانی سے یہ باتیں کرتے ہیں''

رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر چاہتے تو اپنے دشمنوں کو قتل کروا دیتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اس دنیا میں امن و آشتی کا پیغام لے کر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذہبی رواداری اور عدم انتہا پسندی کی ایک مثال رسولؐ خدا کی ابوسفیان کو معافی ہے۔

فتح مکہ کے بعد ابوسفیان جب گرفتار کر لیے گئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ان کو لے کر حاضر ہوئے۔ آپ ان کے ساتھ محبت سے پیش آئے۔ حضرت عمرؓ ان کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن آپ نے منع فرمایا۔ بلکہ اعلان فرمایا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا یا ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا۔ اس کو امن دیا جائے گا کیا کسی بڑے سے بڑے فاتح نے اپنے دشمن کو چند لمحوں میں معاف کیا ہے؟ یہی نہیں بلکہ عین دشمنی کے شباب کے زمانہ میں جب کہ مکہ میں اس قدر قحط پڑا کہ لوگ ہڈی اور مردار کھانے لگے تو ابوسفیان نے رسولؐ خدا سے عرض کی، تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے خدا سے دعا کرو کہ یہ مصیبت دور ہو جائے، آپؐ نے بلا عذر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے اور خدا نے اس مصیبت سے ان کو نجات دی۔

رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ ذات الرقاع کے سفر سے واپس آ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سایہ دار درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے ایک مشرک جس کا نام غوث تھا۔ تلوار لے کر آپؐ کے قریب آیا۔ غوث نے آپؐ سے کہا: اس وقت آپؐ کو کون بچائے گا۔ رسولؐ خدا نے ہنس کر فرمایا جو ہمیشہ بچاتا ہے، وہی اللہ آج بھی تیرے ہاتھ سے بچائے گا۔ اسی وقت جبرئیلؑ آئے اور ایک جھٹکا غوث کے ہاتھ پر مارا۔ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ رسولؐ خدا اٹھے اور تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا۔ اب بتا تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا۔ رسولؐ خدا نے اس وقت اس کا قصور معاف کیا اور تلوار غوث کو دے دی۔ جب غوث اپنی قوم میں پہنچا تو رسولؐ خدا کے اخلاق کا ذکر کیا کہ میں نے آج تک ایسا باحیا، بامروت اور بااخلاق شخص نہیں دیکھا جو اپنے جانی دشمن کو ایک لمحہ میں معاف کر دیتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذہبی رواداری اور بے پایاں شفقت، عفو اور عدم انتہا پسندی کی ایک اور مثال بھی تاریخ اسلام کی کتب میں محفوظ ہے۔

شاہ یمن شاہ فارس کے حکم کے مطابق دو قومی اور مشہور پہلوان ایک کا نام بانوید اور دوسرے کا نام خرخسرہ تھا۔ مدینہ منورہ کی طرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گرفتار کرنے یا شہید کرنے کے لیے روانہ کیے۔ جب یہ دونوں پہلوان مکہ معظمہ کے راستے سے مدینہ منورہ پہنچے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اطلاع ہوگئی کہ دو پہلوان فارس سے آپؐ کو شہید کرنے

کے ارادے سے آئے ہیں۔ آپؐ نے نہایت اخلاق سے فرمایا کہ میرے مہمانوں کو اچھا عمدہ اور نفیس مکان میں ٹھہراؤ اور مہمان نوازی میں کسی قسم کی کمی نہ کرنا تاکہ سفر کی جو تکان ہو دور ہو جائے۔

سات دن تک انصار نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاتلوں کی مہمان نوازی فرمائی۔ آٹھویں دن آپؐ نے حکم دیا کہ آج ہمارے مہمانوں سے ہماری ملاقات ہونی چاہیے۔ جب یہ دونوں پہلوان آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول خدا کے رعب سے لرزنے کانپنے لگے۔ پیروں میں جنبش اور ہاتھوں میں رعشہ، زبان میں لکنت پیدا ہوگئی۔ آپؐ نے ان کو بیٹھنے کی اجازت دی اور پوچھا کہ تمہیں کس نے بھیجا ہے۔ انہوں نے بتایا شاہ فارس نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم آپ کو قتل کر دیں۔ رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تمہارا بادشاہ آج رات کو قتل ہوگیا ہے اور اس کے بیٹے نے اس کو قتل کیا ہے اور اب تم کس بادشاہ کے حکم سے میرے پاس آئے ہو''۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں پہلوانوں کی مونچھیں اور داڑھی منڈی ہوئی دیکھ کر فرمایا کہ ایسی مکروہ صورت تم نے کیوں بنائی ہے۔ عرض کیا ہمارے بادشاہ نے یوں ہی حکم دیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا میرے بادشاہ نے حکم دیا ہے کہ ڈاڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کترواؤ، شاہ فارس کے قتل کی خبر سن کر یہ دونوں پہلوان آپؐ کے پاس سے اٹھ کر چلے آئے، آپس میں کہتے جاتے تھے کہ ہم نے ایسا بارعب کبھی کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو بھی نہیں پایا جیسے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اگر ہم ان کے پاس ٹھہر جاتے تو مر جاتے، جب یہ پہلوان یمن پہنچے تو ان کو تصدیق ہوئی کہ شاہ فارس کو اس کے بیٹے نے قتل کر دیا ہے۔

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر کی لڑائی میں تشریف لے گئے اور خیبر فتح ہوگیا تو ایک یہودی عورت نے گوشت میں زہر ملایا اور اس کو پکا کر آپ کو کھلایا۔ ایک ہی نوالہ کھایا تھا کہ اس گوشت سے آواز آئی اے رسول خدا! میرے اندر زہر ملا ہوا ہے آپؐ مجھے نہ کھائیں۔ آپؐ نے ہاتھ کھینچ لیا اور اس عورت سے فرمایا، تو نے اس گوشت میں زہر ملایا ہے۔ عورت نے پوچھا آپ کو کس طرح معلوم ہوا اس میں زہر ہے۔

فرمایا مجھ کو جو تو نے گوشت دیا ہے اس نے تیری شرارت کو آشکارا کیا عورت نے آپ سے معافی مانگی۔ آپؐ نے معاف کر دیا۔

ایک قرض خواہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک غیر شائستہ حرکت کی۔ اٹھ کے آپ کا پیرہن اور چادر پکڑ کے اپنی طرف کھینچا اور غصہ بھری نظروں سے آپ کو دیکھ کر کہا اٹھو میرا قرض ادا کرو چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت عمرؓ اس وقت وہاں موجود تھے انہوں نے جب یہ کیفیت دیکھی تو تلوار لے کر قرض خواہ کے سر پر آپہنچے اور فرمانے لگے اے دشمن خدا تو باز نہیں آتا۔ ابھی تیرا سر اڑا دیتا ہوں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسکرا کر حضرت عمرؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا مجھ کو تم سے یہ توقع نہ تھی کہ تم ان کو ڈانٹ رہے ہو تم کو چاہیے تھا کہ تم مجھ کو سمجھاتے کہ میں ان کا قرض ادا کروں اور ان کو سمجھاتے کہ آہستگی سے قرض کا تقاضا کرو۔

حضرت عمرؓ بہت شرمندہ ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ اس سے زیادہ مجھ میں ضبط کا مادہ نہیں۔ اگر آپ فرمائیں تو ان کا قرض ادا کروں۔ آپ نے فرمایا، جاؤ ان کا جتنا قرض ہے وہ دو اور بیس صاع اس رقم سے زیادہ دو تاکہ تمہاری سخت کلامی اور بدسلوکی کا بدلہ ہو جائے، میں نے جب رسول خداؐ کا یہ سلوک دیکھا تو فوراً ایمان لے آیا اور آپ کی پیغمبری کا قائل ہو گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رواداری کا ایک اور واقعہ ملاحظہ ہو:

آپؐ کو حضرت حمزہؓ کی شہادت کا بہت صدمہ تھا مگر وحشی سفراء کے ساتھ اور پھر مسلمان ہو کر آئے تھے، اس لیے آپ نے کوئی برا سلوک نہیں کیا۔ وحشی سے آپ نے دریافت کیا حضرت حمزہ کو تم ہی نے شہید کیا تھا۔ عرض کیا جو آپؐ نے سنا وہ سچ ہے، رسولؐ خدا نے فرمایا اگر ہو سکے تو تم اپنا چہرہ مجھے نہ دکھایا کرو۔

ہندہ کی گستاخانہ باتیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تحمل:

ہندہ ابوسفیان کی بیوی جس نے حضرت حمزہؓ کا سینہ چاک کر کے دل و کلیجہ کے ٹکڑے کیے تھے اور ان کو چبا گئی تھی۔ فتح مکہ کے دن نقاب پوش بیعت ہونے کے لیے آئی۔ بیعت کے وقت اس نے نہایت گستاخانہ باتیں کیں جو یہ تھیں:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

ہندہ: یہ اقرار آپؐ نے مردوں سے تو نہیں لیا لیکن بہر حال مجھ کو منظور ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: چوری نہ کرنا۔

ہندہ: میں اپنے شوہر (ابوسفیان) کے مال سے دو چار آنے کبھی لے لیا کرتی ہوں۔ معلوم نہیں یہ بھی جائز ہے یا نہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اولاد کو قتل نہ کرنا۔

ہندہ: ہم نے اپنے بچوں کو پالا تھا، بڑے ہوئے تھے تو جنگ بدر میں آپ نے ان کو مار ڈالا۔ اب آپؐ اور ہم باہم سمجھ لیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہندہ کو پہچان لیا تھا۔۔۔۔ لیکن واقعہ کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ ہندہ اس اعجازی کرشمہ سے متاثر ہوئی اور بے اختیار بول اٹھی یا رسول اللہ آج آپؐ کے خیمہ سے کوئی زیادہ محبوب خیمہ میری نگاہ میں دوسرا نہیں۔

اگر کسی قبیلہ نے آخر دم تک سرکشی کی ہے تو وہ بنو حنفیہ کا قبیلہ تھا، جس میں مسلیمہ نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا ثمامہ بن آثال اس قبیلہ کے رئیسوں مین سے تھا۔ اتفاقاً وہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں آ گیا وہ اس کو گرفتار کر کے مدینہ لے آئے رسول خدا نے حکم دیا کہ مسجد کے ستون سے اسے باندھ دیا جائے، اس کے بعد آپؐ مسجد میں تشریف لائے اور معلوم کیا کہ کیا کہتے ہو، اس نے کہا اگر تم مجھ کو (اے محمدؐ) قتل کرو گے تو ایک خونی کو قتل کرو گے۔ اگر احسان کرو گے تو ایک شکر گزار پر تمہارا احسان ہوگا اگر زر فدیہ مطلوب ہے تو میں دوں گا۔ یہ جواب سن کر آپ خاموش ہو گئے۔ دوسری مرتبہ بھی یہی گفتگو ہوئی۔ تیسرے روز جب اس نے یہی

جواب دیا تو رسولؐ خدا نے حکم دیا کہ ثمامہ کو کھول دو۔ ثمامہ پر اس خلاف توقع عفو کرم کا بہت اثر ہوا ثمامہ نے جا کر درخت کی آڑ میں غسل کیا اور مسجد میں واپس آ کر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

رسولؐ خدا نے اپنے زخمی کرنے والوں کے لیے غزوہ احد میں دعا کی تھی۔ عبداللہ بن قمیہ جو قریش کا مشہور بہادر تھا وہ صفوں کو چیرتا پھاڑتا رسولؐ خدا کے نزدیک پہنچ گیا اور چہرہ مطہر پر تلوار ماری جس کی وجہ سے مغفر کی دو کڑیاں چہرے میں چبھ گئیں۔ عتبہ بن ابی وقاص نے تیر مار کر آپ کا دانت شہید کر دیا۔ ہونٹ زخمی ہوا۔ ایک مشرک نے آپؐ کے داہنے ہاتھ پر تلوار ماری، چاروں طرف سے تیر اور تلواریں برس رہی تھیں۔ حضرت طلحہؓ نے تلواروں کو اپنے ہاتھ پر روکا ایک ہاتھ کٹ کر بھی گر پڑا ظلم وستم کا یہ عالم تھا۔ آپؐ سے صحابہ نے عرض کیا کہ حضرت نوحؑ نے زخمی ہو کر قوم وسرکش ء بے دین کے لیے بددعا کی تھی کہ الٰہی ایک بھی بے دین کو زندہ نہ چھوڑ'' اگر آپؐ بھی ان ظالموں کے لیے دعا فرمائیں تو مناسب ہوگا۔ رسولؐ خدا نے جواب دیا میں بددعا کرنے والا نبی نہیں ہوں اور نہ ہی قوم پر لعنت اور عذاب طلب کرنے والا ہوں۔ میں نبی رحمت للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہوں میں تو یہی کہہ سکتا ہوں: اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے۔ یہ ناواقف ہیں۔

مسلم شریف میں ہے کہ آپؐ نے یہ دعا فرمائی:

رب اغفر قومی فانهم لایعلمون۔ ''اے خدا میری قوم کو بخش دے وہ جانتے نہیں''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا وہ مذہبی رواداری اور مذہبی عدم انتہا پسندی کا ایک فقید المثال نمونہ ہے:

☆ ان کے گرجے، عبادت خانے، خانقاہیں اور مسافر خانے خواہ وہ پہاڑوں میں ہوں یا کھلے میدانوں میں یا تیرہ وتار غاروں کے اندر ہوں یا آبادیوں میں گھرے ہوئے ہوں یا وادیوں کے دامن اور ریگستان میں ہوں، سب کی حفاظت میرے ذمے ہے۔

☆ ان معاہدین اور ان کے ہم مشرب گروہ کے عقائد و رسوم مذہب کا تحفظ میری ذمہ داری ہے۔

☆ ان کے پادری، راہب اور سیاح جن مناصب پر ہیں انہیں معزول نہ کروں گا۔

☆ ان کی عبادت گاہوں میں بھی مداخلت نہ کروں گا۔

☆ نہ انہیں مساجد میں تبدیل کروں گا۔

☆ نہ انہیں مہمان سرائے کے طور پر استعمال کروں گا۔

☆ نصرانی کو مسلمان ہونے پر مجبور نہ کیا جائے۔

☆ عدل وانصاف اور سماجی معاملات میں ان کے حقوق مسلمانوں کے حقوق کے برابر ہیں۔

☆ جس مسلمان کے گھر میں نصرانی عورت ہو اسے اپنے مذہبی شعائر ادا کرنے کی اجازت ہونا چاہیے۔ وہ عورت جب چاہے اپنے علماء سے مسئلہ دریافت کر سکتی ہے۔ جو شخص اپنی نصرانی بیوی کو اس کے مذہبی شعائر ادا کرنے سے منع کرے وہ خدا اور

رسول کی طرف سے ان کو دیے گئے میثاق کا مخالف اور عند اللہ کاذب ہے۔

☆ اگر وہ اپنی عبادت گاہوں اور خانقاہوں یا قومی عمارتوں کی مرمت کرنا چاہیں اور مسلمانوں سے مالی اور اخلاقی امداد کے طلب گار ہوں تو ان کی اعانت کرنا چاہیے۔

دور جدید میں مذہبی انتہا پسندی کی مثالیں:

دور جدید میں مذہبی انتہا پسندی کی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ ماضی قریب میں ہندوستان میں بابری مسجد کی شہادت ہندو انتہا پسندی کی ایک قبیح مثال ہے۔

''واجپائی کا ہندو انتہا پسندی کو بڑھانے کا عزم، وزیاعظم واجپائی کا یہ اعلان کہ اقتدار میں دوبارہ آکر رام مندر ہر قیمت پر بنائیں گے۔ اس ہندو انتہا پسند ذہنیت کا کھلا مظہر ہے جس سے بھارتی مسلمان اقلیت برسوں سے خوف و دہشت میں مبتلا ہے اور اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتی ہے اور عدم تحفظ کے تجربات سے گزرتی چلی آرہی ہے۔''

(بحوالہ: روزنامہ جنگ لاہور، 9 فروری 2004ء)

دور جدید میں کئی مسلم انتہا پسند تنظیمیں ہیں جو جہاد میں مصروف ہیں۔ اہل مغرب نے انہیں غلط طور پر تنقید کا نشانہ بنایا ہوا ہے مثلاً۔

(۱) القاعدہ (بین الاقوامی تنظیم)

(۲) لشکر طیبہ (کشمیر)

(۳) حرکتہ الطاہر (وسطی ایشیائی ریاستیں)

اس کے برعکس کئی غیر مسلم تنظیمیں مذہبی انتہا پسندی کا مظاہرہ کر رہی ہیں مثلاً:

(۱) شیو سینا (انڈیا)

(۲) نیپال (ماؤاسٹ گروپ) وغیرہ۔

مذہبی انتہا پسندی کے نقصانات:

(۱) جہالت اور غربت میں اضافہ:

مذہبی رواداری پر عمل کے لیے ضروری ہے کہ انسان کا ذہن کشادہ ہو، انسان میں صبر، برداشت اور رواداری کا مادہ ہو، وہ علم اور شعور کے زیور سے آراستہ ہو۔ غربت اور تعلیم سے محرومی انسان کو بے حوصلہ اور تنگ نظر بنا دیتی ہے۔

(۲) مقدمات کی بھرمار:

عدالتوں میں بھی مذہبی عدم رواداری کی بنیاد پر مقدمات کی بھرمار ہوگی اور عدلیہ کے ارکان تک متاثر ہوں گے اور وہ مذہبی عدم رواداری کا شکار ہو کر انصاف کے تقاضے پورے نہیں کر پائیں گے۔

(۳) فرقہ واریت، توہم پرستی اور فرسودہ روایات کی تقلید میں اضافہ:

فرقے زیادہ تر عبادات اور نجی زندگی کے مسائل کے بارے میں اختلافی نقطہ نظر کی بنیاد پر بنتے ہیں زندگی کے معاش، سیاست اور معاشرت کے اہم مسائل کے بارے میں انہیں کوئی سروکار نہیں۔ مذہبی عدم رواداری دراصل زندگی کے حقائق کی بجائے وہم وخیال کو اہمیت دینے اور تعصبات کو جنم دینے سے پیدا ہوتی ہے۔ مذہبی رواداری کو فروغ دینے کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کو توہمات اور تعصبات کو فروغ دینے والی منفی سوچ سے رہائی دلائی جائے۔

(۴) جاگیردارانہ نظام:

اپنی ضرورت کے تحت مختلف تعصبات اور فرسودہ روایات کو قائم رکھتے اور فروغ دیتے ہیں۔ جب تک کسی ملک میں جاگیرداریاں قائم ہوں گی مذہبی عدم رواداری کا رویہ قائم رہے گا اور وہ سیاسی، معاشی اور معاشرتی حالات کو خراب کرنے میں اپنا کردار ادا کرتی رہیں گی۔

(۵) معاشی و معاشرتی عدم مساوات:

جس ملک میں معاشی عدم توازن اور معاشرتی عدم مساوات ہوگا اس میں مذہبی عدم رواداری ہونا لازمی امر ہے۔

(۶) معاشرے میں تفریق:

اگر مختلف تعصبات کی بنیاد پر معاشرے میں تفریق اور تقسیم رک جائے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں عوام کی قوت میں کس قدر اضافہ ہوسکتا ہے۔ مذہبی عدم رواداری کے خلاف نظریاتی، علمی اور سیاسی سطح پر بھرپور مہم چلائی جائے۔

(۷) اقوام کے درمیان منافرت:

انسانوں اور قوموں میں آپس کا اتحاد اور قربت اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ اپنے معاملات اور تعلقات مختلف مذہبی اکائیوں کی حیثیت سے نہیں بلکہ انسانی بنیادوں پر کریں۔

(۸) تشدد اور قتل کی واردات:

عدم برداشت سے بات آگے بڑھ کر انسانی زندگی میں تشدد اور قتل و غارتگری کے داخل ہوجانے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ چنانچہ آج کل تشدد اور کشت وخون کے جو واقعات ہم دیکھ رہے ہیں اور شدید درجے کے لا اینڈ آرڈر کے جو مسائل ملک کو درپیش ہیں، وہ بنیادی طور پر مذہبی عدم رواداری اور مذہبی انتہاپسندی ہی کا نتیجہ ہیں۔

فرقہ بازی کے نقصانات:

اسلام میں فرقہ بازی گناہ کبیرہ ہے۔ اس کے بے شمار نقصانات ہیں مثلاً:

(۱) بے وقاری:

مذہبی فرقہ بازی مذہبی انتہاپسندی کا باعث بنتی ہے۔

فرقہ بندی سے مسلمانوں کا وقار دنیا سے جاتا رہتا ہے۔ آج کشمیر، فلسطین اور فلپائن میں بے شمار مسلمان شہید ہو رہے ہیں۔ یہ سب فرقہ بندی کا نتیجہ ہے۔

(۲) کفار کی حکمرانی:

فرقہ بازی مسلمانوں کے لیے خدائی عذاب ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت سے ہم اجتماعی عذاب سے محفوظ ہیں۔ اس لیے ارشاد نبوی ہے :الجماعة رحمة و الفرقة عذاب: ''اللہ کی رحمت جماعت پر ہے اور فرقہ بندی عذاب ہے''۔

(۳) کفار کی حکمرانی:

آپس کی پھوٹ نے کفار کو دنیا پر غالب کر دیا ہے۔ فرقہ بندی کی وجہ سے مسلمان متحد نہیں ہو پاتے فرقہ پرست عناصر مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کے بجائے کفر کا ساتھ دینا پسند کرتے ہیں۔ اس طرح کفار کی مسلمانوں پر فوجیں چڑھانے کے بجائے مسلمان ایجنٹوں کے ذریعے فتح کرنا آسان ہو گیا ہے اور مسلمان ہر لحاظ سے محکوم نظر آتے ہیں۔ فرمان نبوی ہے۔ ید اللہ علی الجماعة: ''اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے''۔

(۴) فرقہ بندی حرام ہے:

قرآن میں تفرقہ بازی سے منع کیا گیا ہے۔ یہ گناہ کبیرہ کے ضمن میں ہے۔ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کا وقار اور دبدبہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے زیادہ خطرناک مرض مسلمانوں کے زوال کے لیے کوئی نہیں۔

مذہبی رواداری اور عدم انتہا پسندی کے فوائد:

(۱) بھائی چارے کی فضا:

مذہبی رواداری اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے انسانی بھائی چارہ سے امن، ترقی اور خوشحالی کے دروازے کھلتے ہیں، سیاسی عمل درست اور نتیجہ خیز ہوتا ہے، ملکی معاشیات درستگی اختیار کرتے ہیں، قومی اور عوامی قیادت غیر متعصب لوگوں کے ہاتھوں سے آجاتی ہے۔

(۲) تعاون کی فضا:

مذہبی رواداری برتنے میں معاشرے میں جارحانہ رویوں میں کمی واقع ہوتی ہے اور باہمی تعاون واشتراک میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس سے اجتماعی سطح پر معاشی ترقی میں اضافہ اور سماجی رشتوں میں بہتری آجاتی ہے۔

(۳) اختلافات کا خاتمہ:

مذہبی اختلافات کو حل کرنے اور انہیں کم سے کم ضرر رساں بنانے کے لیے ہمیں مذہبی رواداری کو ایک مستقل اصول اور

طریق کار کے طور پر اپنانا ہوگا۔ اگر ہم مستقل مزاجی سے مذہبی رواداری کے اصول کو اختیار کر لیں تو اس سے ہماری شخصی اور اجتماعی زندگی میں تناؤ ختم ہو جائے گا۔

(۴) قومی ثقافت کا فروغ:

مذہبی رواداری قوم کو مضبوط بنانے میں مدد دیتی ہے اور مضبوط قوم ایک اچھی ثقافت کو جنم دیتی ہے۔

(۵) علم اور سائنس و ٹیکنالوجی کا فروغ:

علم اور سائنس و ٹیکنالوجی کا فروغ پر امن حالات میں ہی ہوسکتا ہے، ایسے حالات میں جہاں غیر ضروری اختلافات مثبت کاموں کے آگے بڑھنے میں رکاوٹ نہ بن سکیں اور لوگ پرسکون حالات میں باہمی تعاون سے علمی اور فنی ترقی کے لیے کام کر سکیں، مذہبی رواداری خوشگوار حالات پیدا کرنے میں یقیناً مددگار ثابت ہوسکتی ہے۔

(۶) اتحاد انسانیت:

مذہبی رواداری اور مذہبی عدم انتہا پسندی سے اتحاد انسانیت جنم لیتا ہے اور مخلوق کی بطرز احسن دیکھ بھال ہوتی ہے۔

تہذیبوں کا تصادم:

سیموئل ہنٹنگٹن نے کہا تھا کہ دور حاضر میں تہذیبوں کے تصادم کا خطرہ ہے۔ وہ رقمطراز ہے:

مثال کے طور پر ۱۹۹۳ء کی ابتداء میں دنیا میں اڑتالیس نسلی جھگڑوں میں سے نصف مختلف تہذیبوں سے تعلق رکھنے والے گروپوں کے مابین ہوئے تھے۔

۱۹۹۰ء کی دہائی کے دوران میں دنیا کے معاملات میں ''بہت زیادہ انتشار'' واقع ہوا یعنی لا اینڈ آرڈر میں عالمی ٹوٹ پھوٹ، ناکام ریاستیں اور دنیا کے بہت سے حصوں میں انارکی، جرائم کی عالمی لہر، بین الاقوامی مافیا اور منشیات کے کارٹیل (بہت منظم اور بڑے گروہ) بہت سے معاشروں میں منشیات کا روز افزوں استعمال، خاندان کی عام ہوتی ہوئی کمزوری، بہت سے ملکوں میں اعتماد اور سماجی ہم آہنگی کا زوال، نسلی، مذہبی اور تہذیبی تشدد اور بندوق کے ذریعے حکمرانی ساری دنیا میں پھیل گئی ہے۔

عالمگیر سطح پر تہذیب بہت سے حوالوں سے بربریت کو پیدا کر رہی ہے۔ ایک بالکل نئے اور عجیب مظہر کے تصور کو پروان چڑھا رہی ہے۔ ایک عالمی (گلوبل) سیاہ دور، انسانیت کا ممکنہ زوال وجود پذیر ہو رہا ہے۔

ظہور میں آتے ہوئے دور میں تہذیبوں کے تصادم دنیا کے امن کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہیں۔ بین الاقوامی (آرڈر) عالمی جنگ کے خلاف سب سے زیادہ یقینی حفاظتی اقدام ہے۔

(Huntington: Clash of Civilizations: ہننگٹن، تہذیبوں کا تصادم، صفحات ۳۷۹، ۵۲۵۶)

مذہبی انتہا پسندی کے رجحان کا خاتمہ کیونکر ہو؟:

تجاویز

پاکستان میں مذہبی تعصبات اور مذہبی انتہا پسندی کو روکنے کے لیے حسب ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں:

(۱) ہر مذہبی پلیٹ فارم سے تمام انبیاء کے مشترکہ دین (دین انبیاء) کی اصولی تعلیمات بیان کی جانی چاہئیں جو بلاتفریق نسل و مذہب تمام انسانوں میں اتحاد فکر و عمل پیدا کرتے ہیں۔ یہ تعلیمات ''خدا پر ایمان اور انسانیت کی خدمت'' کی بنیادی تعلیم پر مبنی ہیں جن میں انسانوں کے ہاتھوں انسان کے استحصال کے خاتمہ، معاشی و سماجی عدل اور بلا لحاظ نسل و مذہب باہمی تعاون کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

(۲) کسی بھی مذہب کے قائدین اور پیروکاروں کو قانون اپنے ہاتھوں میں لینے کی قانونی طور پر ممانعت ہو جو شخص بھی کسی کو ناحق طور پر قتل کرے اس کے خلاف ملک کے عام قانون کے تحت مقدمہ چلا کر سزا دی جائے۔

(۳) پاکستان کے مسلم عوام اور کرسچین عوام باہم مل کر معاشی، سیاسی و مذہبی اجارہ داروں اور جاگیرداری نظام سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتیں اور قوتیں صرف کریں۔

(۴) تمام سکولوں اور کالجوں میں ایک جیسا نظام تعلیم رائج کیا جائے جس کا مقصد اچھے انسان تیار کرنا ہو۔ انگلش میڈیم اور اردو میڈیم کا علیحدہ علیحدہ نظام ختم کیا جائے۔ نیز مسلم مذہبی درسگاہوں کے نصاب میں قرآن کی باترجمہ تعلیم کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ، فزکس، کیمسٹری، فلسفہ وغیرہ کے مضامین بھی شامل کیے جائیں۔

(۵) لوگوں کے مذہبی امور (یعنی عبادات وغیرہ) کی انجام دہی میں ریاست کا عمل دخل نہیں ہونا چاہیے۔ ریاست کی اولین ذمہ داری ملک میں رہنے والے تمام لوگوں کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی امور انجام دینے اور مسائل حل کرنے کی ہے۔

(۶) فرقہ وارانہ تنظیموں کو خلاف قانون قرار دیا جائے اور مذہبی منافرت پھیلانا قانونی جرم۔ صرف ایسی سیاسی جماعتوں اور سماجی تنظیموں کو کام کرنے کی اجازت ہو جو غیر فرقہ وارانہ بنیاد پر قائم کی جائیں۔ سیاست دانوں کو انتخابی مہموں کے دوران مذہب اور مذہبی نعروں کو استعمال کرنے کی قطعی ممانعت ہو۔

(۷) ملک میں بسنے والی تمام عورتوں کو بلا لحاظ مذہب، نسل وغیرہ مردوں کے برابر حقوق دیئے جائیں اور زندگی کے تمام شعبوں میں بلا روک ٹوک شرکت کے مواقع فراہم کیے جائیں۔

(۸) مذہبی، نسلی، لسانی اور دیگر عوامل کی بجائے صرف قابلیت (Merit) کو تمام سرکاری ملازمتوں کے لیے واحد معیار قرار دیا جائے۔

(۹) مذہبی رواداری کو فروغ دینے کے لیے جو مثبت باتیں اور دلائل جہاں جہاں سے سامنے آئیں اخبارات انہیں اہتمام کے

ساتھ رپورٹ کریں اور ملک میں امن و آشتی اور جمہوریت کے فروغ اور ملک وقوم کی تعمیر و ترقی اور خوشحالی کے لیے جو حقیقی کوششیں ہو رہی ہوں انہیں شائع کریں۔

(۱۰) انسانی بنیاد پر تعصبات سے خالی تحریکیں چلائی جائیں اور ان کے ذریعے مذہبی تفریق اور مذہبی اجارہ داریوں کا مقابلہ کیا جائے۔

حاصل کلام:

انتہا پسندی، تشدد پسندی اور عدم رواداری کے رجحان نے اسلام کی طرف بڑھتے ہوئے قدم روک لیے ہیں۔ مومن کی امن پسندی اور مسلمان کی سلامت روی کا تابندہ چہرہ دھندلا ہو رہا ہے۔ ارباب تحقیق اور سیرت نگاروں پر واجب ہے کہ اسلام کے حوالے سے بہبود انسانیت کا رویہ سامنے لائیں اور امن عالم کی کفالت کا حق ادا کریں، عالمی افق پر محبت و یگانگت کے فانوس روشن کریں۔ صاحب علم و دانش پر لازم ہے کہ وہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جامع اور ہمہ گیر اسوہ حسنہ کو اقوام عالم کے سامنے لائیں۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ فلاح ونجات اور اصلاح وتعمیر کی ہر صورت گری رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت سے منور ہے۔

آقا وغلام، حاکم ورعایا، امیر وغریب اور ظالم ومظلوم کی تفریق نے وہ ستم ڈھائے ہیں کہ دور جدید میں مظلوم کی آہیں، بے بسوں کی چیخیں اور ستم رسیدہ انسانوں کے نوحے ہر سو سنائی دے رہے ہیں۔ آج اس دور ہمایوں کی تلاش ہے جس میں کوئی کسی کا حق سلب نہ کرے، انسان انسان کے ہاتھوں ذلیل وخوار نہ ہو، ہر سو حقوق کی پاسداری ہو اور نہ کسی ظالم کا ہاتھ دراز ہو اور نہ زبان۔ عصر حاضر کا قافلہ انسانیت انتشار و اضطراب کا شکار ہے۔ ان حالات میں صرف ایک سہارا باقی ہے اور وہ ہے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور اسوہ حسنہ کا مطالعہ اور اس پر عمل۔ تاکہ دور جدید میں امن و آشتی قائم ہو۔ سورت الاحزاب کی آیت نمبر ۲۱ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝

''یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہے''۔

فہرست کتب

(اس مقالے کی تیاری میں حسب ذیل کتب اور مضامین سے استفادہ کیا گیا):

(۱) ابن القیم، زاد المعاد (اردو ترجمہ) ڈاکٹر مقتدی حسن الازہری، ادبیات، لاہور، تاریخ اشاعت نامعلوم۔

(۲) ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر (اردو ترجمہ) طبع اول، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور ۱۹۸۴ء۔

_____ البدایہ والنہایہ، مطبعہ السعادہ، مصر، تاریخ اشاعت نامعلوم۔

(۳) ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۹۳۶ء۔

-----سیرت ابن ہشام، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۵ء

(۴) احمد بن حنبل، المسند، دار المعارف، مصر، ۱۹۳۶ء۔

(۵) البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ۱۳۴۵ھ۔

(۶) بلگرامی، حامد حسن، ڈاکٹر، نور مبین ﷺ کے انوار ابتدائے آفرینش سے مقام محمود تک، تیسرا ایڈیشن، حسن اختر ایسوسی ایٹس، کراچی، ۱۹۹۳ء۔

(۷) التبریزی، ولی الدین الخطیب، مشکوٰۃ المصابیح، سعید کمپنی، کراچی، تاریخ اشاعت نامعلوم۔

(۸) ترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع الصحیح، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۹۵۴ء۔

(۹) خالد علوی، ڈاکٹر، انسان کامل، الفیصل ناشران، لاہور ۱۹۰۷ء۔

(۱۰) الخطیب العمری، امام ولی الدین محمد بن عبداللہ، مشکوٰۃ شریف (اردو ترجمہ) مکتبہ رحمانیہ، لاہور، تاریخ اشاعت نامعلوم۔

(۱۱) دانش گاہ پنجاب، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۹ (حضرت محمد ﷺ) یونیورسٹی آف دی پنجاب، لاہور ۱۹۸۶ء۔

(۱۲) سلیمان ندوی، سید و شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، الفیصل ناشران، لاہور ۱۹۹۱ء۔

(۱۳) سلیمانی، محمد احسان الحق، رسول مبینؐ مقبول اکیڈمی، لاہور ۱۹۹۳ء

(۱۴) سیارہ ڈائجسٹ، رسولؐ نمبر، لاہور، اکتوبر، ۱۹۸۵ء

(۱۵) سید سلیمان ندوی، خطبات مدارس، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۸۳ء۔

(۱۶) شبلی نعمانی، الفاروق، مکتبہ صدیقیہ، لاہور، ۱۹۶۸ء۔

(۱۷) شاہ ولی اللہ الدہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، (اردو ترجمہ) طبع غلام علی اینڈ سنز، لاہور، تاریخ اشاعت نامعلوم۔

(۱۸) صفی الدین مبارک پوری، الرحیق المختوم، المکتبۃ السلفیہ، لاہور، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۷ء۔

(۱۹) القشیری، ابوالحسین مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح طبع محمد بن علی صبیح واولادہ، مصر، ۱۳۳۴ھ۔

-----الجامع الصحیح، دار المعارف، بیروت، تاریخ اشاعت نامعلوم۔

(۲۰) قطب شہید، سید محمد، فی ظلال القرآن، (اردو ترجمہ از سید حامد علی) البدر پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۹ء۔

-----عدالۃ الاجتماعیہ فی الاسلام (اردو ترجمہ) اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۶۹ء۔

(۲۱) کاندھلوی محمد ادریس، مولانا، سیرت المصطفیٰ ﷺ مکتبہ عثمانیہ، لاہور، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء۔

(۲۲) محبوب عالم، مولوی، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، الفیصل ناشران، لاہور، ۱۹۹۲ء

(۲۳) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، ۱۴۰۱ھ۔

-----عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی (نظر ثانی و اضافہ شدہ) اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۱ء

(۲۴) محمد کرم شاہ، پیر، ضیاء القرآن، (جلد اول تا پنجم) ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۰۰ھ۔

-----ضیاء النبیؐ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۱۸ھ۔

(۲۵) مسلم، مسلم بن الحجاج القشیری، الجامع الصحیح طبع محمد بن علی صبیح واولادہ، مصر، ۱۳۳۴ھ۔

(۲۶) منصور پوری، محمد سلیمان، قاضی، رحمۃ للعالمین، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۴۶ء۔

(۲۷) مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، اچھرہ لاہور، ۱۹۷۹ء۔

۔۔۔۔اسلامی ریاست، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۶۷ء۔

۔۔۔۔سیرت سرور عالم ﷺ، تیسرا ایڈیشن، (جلد۲۔۱)، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۸۰ء۔

(۲۸) ناصر نصیر احمد، ڈاکٹر، پیغمبر اعظمؐ و آخر، اشاعت اول، فیروز سنز، لاہور، تاریخ اشاعت نامعلوم۔

(۲۹) نسائی احمد بن شعیب، السنن، المطبعہ المصریہ، ۱۹۳۰ء

(۳۰) نعیم صدیقی، محسن انسانیتؐ، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۲ء۔

۔۔۔۔تعمیر سیرت کے لوازم، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۸۸ء۔

(۳۱) ہنٹنگٹن، سیموئل پی، تہذیبوں کا تصادم (اردو ترجمہ/محمد احسن بٹ) مثال پبلیشنگ، لاہور، ۲۰۰۲ء۔

(۳۲) ہیکل، محمد حسین، حیات محمد ﷺ، طبع ششم، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۳ء

۳۳ Brackett, D.W., Holy Terror: Armageddon in Tokyo, Weatherhill, NewYork, 1996.

۳۴ Celmer, Marc A., Terrorism, U.S. Strategy, and Reagan Policies, Monsell Publishing, London, 1987.

۳۵ Clutterbuck, Richard, Terrorism and Guerrila Warfare: Forecasts and Remedies, Routledge, London, 1990.

۳۶ Clutterbuck, Richard, The Future of Political Violence, Macmillan, London, 1986.

۳۷ Cooley, John K., Unholy War: Afghanistan, America and International Terrorism, Pluto Press, London, 1999.

۳۸ Fazlul Karim, Alhaj Maulana, Al-Hadis (Book-1): An English translation & commentary of Mishkat-ul-Masabih, Islamic Book Service, Darya Gang, Delhi, 1998.

۳۹ Finn, John. E., Constitutions in Crisis: Political Violence and the Rule of Law, Oxford University Press, New York, 1991.

۴۰ Greenberg, Martin Harry, Studies in Nuclear Terrorism, G.K. Hall, Boston, 1979

۴۱ Grosscup, Beau, The Explosion of Terrorism, New Horizon Press, New Jersey, 1987.

۴۲ Jalalzai, Musa Khan, Terrorism and International Law for Advance Studies, A One Publishers, Lahore, 1992.

۴۳ Kegley, Charles W., (Tr.Ed.), International Terrorism: Characteristics, Causes, Controls, St. Martin's Press, New York, 1990.

۴۴ Kurz, Anat, Contemporary Trends in World Terrorism, Mansell Publishing, New York, 1987.

۴۵ Raja Anwar, The Terrorist Princ: the life and death of Murtaza Bhutto, Vanguard Books, Lahore, 1998.

۴۶ Stohl, Michael, The Politics of Terrorism, Marcel Dekker, New York, 1998.

۴۷ Taylor, Maxwell, The Terrorist, Brassy's Defence, London, 1998.

''دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اُس کا خاتمہ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں''

نادیہ شبیر راؤ، لاہور

رب کائنات کی بنائی ہوئی اس لامحدود دنیا میں تا حد نگاہ ہر عنصر راہ اعتدال پر گامزن نظر آتا ہے۔ کروڑ ہا سال سے یہ نظام کائنات اسی طرح اپنے محور کے گرد گھوم رہا ہے اور کسی شے کی مجال نہیں کہ وہ افراط تفریط سے کام لے۔ سوائے جب اللہ رب العزت چاہے سورج چاند بھی اپنے مقرر کردہ اوقات پر ہی طلوع و غروب ہوتے ہیں۔ اور اس سے سرمو انحراف نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار مظاہر کائنات کو دیکھ کر یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے۔ مظاہر کائنات سے نگاہ ہٹا کر خالق کائنات کی صفات کا نظارہ کریں تو اس میں بھی اعتدال نظر آتا ہے۔ اگر ایک جانب رحمان و رحیم نظر آتا ہے تو دوسری سمت قہار دکھائی دیتا ہے۔ اسی طرح انسان کامل کے شب و روز بھی افراط و تفریط کی بجائے اعتدال پر مبنی تھے۔

رسول ؐ اللہ نے اپنی زندگی رہبانیت کی نفی اور سماجی کشاکش کے درمیان احکام الٰہی کی پیروی میں اس انداز سے بسر کی کہ آپ ؐ کی زندگی کا کوئی پہلو تشنہ کام نہ رہا۔ حتیٰ کہ اصحاب رسول ؐ کی زندگیاں بھی عمومی طور پر اس نہج پر بسر ہوئیں۔ گویا اعتدال و میانہ روی دین اسلام کا اصل الاصول قرار پایا۔ لیکن نسل انسانی کبھی انفرادی، کبھی اجتماعی معاملات میں راہ اعتدال سے انحراف کر کے افراط و تفریط کا شکار ہوتی رہی ہے۔ نوع انسانی کو سب سے زیادہ تباہی کا سامنا مذہبی افراط تفریط کے ہاتھوں ہوا کیونکہ تمام سماجی تعلقات مذہب ہی کے گرد گھومتے ہیں۔ تفریط کی نسبت افراط زیادہ نقصان دہ ثابت ہوا ہے۔ مذہبی افراط نے گروہ انسانی کو کئی ٹکڑیوں میں بانٹ دیا۔ حیرت ہے کہ انسانی تاریخ کا کوئی دور بھی اس مذہبی افراط سے پاک نظر نہیں آتا اور نہ ہی یہ کسی ایک مذہب کا خاصہ رہا ہے۔

گزشتہ چند برسوں میں اس مذہبی انتہا پسندی کو صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص کر کے ایک پروپیگنڈہ مہم جاری ہے۔ جس کے ذریعے اسلام کے اعتدال پسندانہ رویہ کو بری طرح مجروح کیا جا رہا ہے۔ اس کاوش میں چند مذاہب تو اس طرح پیش پیش ہیں کہ کوئی بھی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اسلام کے خلاف ان مذاہب کا یہ طرز عمل کوئی نئی چیز نہیں ہے یہ سلسلہ اس وقت سے ساتھ ساتھ ہے جب دنیا کے اکثر حصے پر مسلمانوں کی حکومت تھی انہیں اس بات کا احساس ہوا کہ مسلمانوں کو جنگ کے میدان میں شکست دینا ممکن نہیں اپنے مقاصد کے حصول کے لیے انہوں نے علمی اور تہذیبی سطح پر مسلمانوں میں مایوسی پیدا کی تاکہ مسلمان اپنی بنیاد کے بارے میں شکوک میں مبتلا ہو جائیں اس ایک تحریک کی کئی جہات ہیں گویا ایک ہی مضمون کو نئے عنوانات کے ساتھ پیش کیا گیا تحریک استشراق سے شروع ہونے والا یہ سفر بنیاد پرستی، دہشت گردی، آزادی نسواں اور اب انتہا پسندی تک پہنچا ہے۔ یہ سلسلہ رکنے والا نہیں اگلے چند سالوں میں، اس کا ایک اور پہلو سامنے آئے گا۔ اس کام کے لیے اب

انہوں نے مسلمانوں میں سے ہی افراد کو تیار کرنا شروع کر دیا ہے۔ جو کہ اسلام کو Moderate اور Fundamentalism کے خانوں میں بانٹ رہے ہیں۔

اسلام نے چودہ سو سال پہلے ہی ہر قسم کی مذہبی انتہا پسندی کو ''غلو فی الدین'' جیسے جامع لفظ سے موسوم کیا، اسکی مذمت کی، اسے تباہ و بربادی اور ہلاکت انسانی کا پیشہ خیمہ قرار دیا۔ قرآن مجید میں ہے

لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ [1]

اسی حوالے سے حدیث میں آیا ہے کہ

ایا کم و الغلوفی الدین، فانما ھلک من قبلکم الغلو فی الدین[2]

غلو فی الدین کا معنی و مفہوم

لغوی معنی:

واصل الفلاء، الارتفاع و مجاوزۃ القدر فی کل شی و غلافی الدین و الامر یغلو غلوا : جاوز حدہ و فی التنزیل: لا تغلوا فی دینکم[3]

غلو:

زیادتی، شدت، بے حد انہماک، سخت مشغولیت، ایسا مبالغہ جو عقلاً اور عادتاً محال ہو، اپنے اختیار سے بڑھ کر کام کرنا، انحراف، حکم عدولی، خلاف ورزی[4]

اصطلاحی معنی:

الغلو کے معنی کسی چیز کے حد سے تجاوز کرنے کے ہیں۔ یہ اشیاء کے نرخ میں ہوتو اسے غلاء و گرانی کہا جاتا ہے اور قدر و منزلت میں ہوتو اسے غلو کہا جاتا ہے۔ اور اگر تیر اپنی حد سے تجاوز کر لے تو غلو مگر ان اشیاء کے لیے فعل غلا یغلو الہی مستعمل ہے۔ تشبیہ کے طور پر لڑائی کے بھڑک کے اٹھنے کو غلیان کہتے ہیں غلو کے معنی خودسری میں حد سے تجاوز کرنے کے ہیں۔[5]

غلا یغلوا

Exceed the proper or common limit, was excessive, immoderate or beyond measure. It is said of anything as meaning it exceeded or was excessive.

غلو فی الدین

He acted, or behaved, with forced hardness or strickness, or rigour in religion.[6]

''گویا دین میں غلو یہ ہے کہ دین میں کسی چیز کا جو درجہ ہو اس کے واقعی درجہ پر نہ رکھا جائے۔ بلکہ اس کو بڑھا کر زیادہ بڑا درجہ دینے کی کوشش کی جائے۔ اللہ اپنے ایک بندے کو بغیر باپ کے پیدا کرے تو کہہ دیا جائے کہ یہ تو کوئی مافوق شخصیت ہے اور بڑی غلطیوں سے پاک ہے۔ دنیا کی چمک دمک سے بچنے کی تاکید کی جائے تو اسکو بڑھا چڑھا کر ترک دنیا تک پہنچا دیا جائے۔ زندگی کے کسی پہلو کے بارے میں احکام دیئے جائیں تو اس میں مبالغہ کر کے اسی کی بنیاد پر ایک پورا دینی فلسفہ بنا دیا جائے اسی قسم کی تمام صورتیں جن میں کسی دینی چیز کو اس کے واقعی مقام سے بڑھا کر مبالغہ آمیز درجہ دیا جائے۔ وہ غلو کی فہرست میں شامل ہوگا۔''[۷]

امین احسن اصلاحی اس ضمن میں رقمطراز ہیں کہ

''دین میں چیز کا جو درجہ مرتبہ یا جو وزن و مقام ہے اس کو بڑھا کر کچھ سے کچھ کر دیا جائے جو چیز پاؤ سیر ہے وہ من بھر کر دی جائے۔ جو حکم صرف استحباب واستحسان کا درجہ رکھتا ہے اس کو فرض اور واجب کا درجہ دیا جائے۔ جو شخص فقیر یا مجتہد یا صحابی ہے اس کو امام معصوم بنا دیا جائے جس کو اللہ نے نبی یا رسول بنایا اس کو شریک خدا یا خدا بنا ڈالا جائے۔ جس کی صرف تعظیم مطلوب ہے اس کی عبادت شروع کر دی جائے۔ یہ اور اس قبیل کی ساری باتیں غلو میں داخل ہیں جس طرح مذہبی معاملات میں تفریط بہت بڑا جرم ہے اسی طرح یہ افراط بھی بہت بڑا فتنہ ہے۔ اس سے مذہب کا وہ مزاج بھی جو سر تا پا اعتدال ہے بالکل درہم برہم ہو جاتا ہے اور اس کی وہ خدائی ترکیب و تالیف جو اس کے اجزاء کو حسن و جمال کا ایک دلاویز پیکر بناتی ہے بالکل مسخ ہو جاتی ہے۔ یوں تو اس غلو میں تمام مذاہب مبتلا ہوئے ہیں یہاں تک کہ ہم مسلمان بھی جنہیں عدل و قسط پر قائم رہنے کی تاکید ہوئی ہے اسی فتنے میں مبتلا ہو گئے۔''[۸]

☆ مذہبی انتہا پسندی ایک وسیع المعنی لفظ ہے اور اس کا اطلاق ایک جانب بین الادیان انتہا پسندی پر اور دوسری جانب مذہبی فرقہ واریت پر ہوتا ہے۔ یہ دونوں انتہائیں اکثر نوع انسانی کی نسل کشی اور عالمی امن کو سبوتاژ کرنے کے باعث بنیں۔

بین الادیان انتہا پسندی کا رجحان:

یہودیت کا انتہا پسندانہ رویہ:

یہودیوں نے انتہا پسندانہ طرز عمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے انبیاء کو قتل کیا جیسا کہ قرآن میں ہے۔

كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَ فَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ [۹]

اسی انتہا پسندانہ رویہ کو سامنے رکھ کر دیگر مذاہب سے معاندانہ تعلق قائم کیا جاتا اسرائیل یہودیوں کی نظریاتی ریاست ہے اس کے وزیر اعظم آریل شارون نے اپنے فسطائیانہ طرز عمل کو آشکار کرتے ہوئے کہا۔

''میں نے اس خطے میں پیدا ہونے والے ہر فلسطینی بچے کو جلا کر راکھ کر دینے کا عہد کیا ہے۔ یہ بچے اور عورتیں ہمارے لیے زیادہ خطرناک ہیں کیونکہ ان کے باقی رہنے کا مطلب آئندہ فلسطینی نسلوں کا تسلسل ہے۔''[۱۰]

کسی مذہب کا عالمی امن اور دیگر مذاہب کے بارے میں رویہ ان کے مقاصد جنگ سے واضح ہو جاتا ہے۔ سید مودودی یہودی مقاصد جنگ کی وضاحت تورات کی روشنی میں لکھتے ہیں۔

''تورات میں نہایت کثرت سے لڑائیوں کا ذکر آیا ہے اور جگہ جگہ جنگ کا حکم دیا گیا ہے۔ مگر اس جنگ کا مقصد ملک گیری ہے ایک ملک کے باشندوں کو تلوار کے زور سے مغلوب کرنا اور قوت کے حق کی بنا پر ان کے اموال و املاک اور خود ان کی جانوں کو اپنے قبضے میں لے لینا اس کی نگاہ میں جائز ہے۔''[۱۱]

گویا ان کے نزدیک مذہبی رواداری کوئی اہمیت نہیں رکھتی اسی بنا پر وہ آج بھی اپنی اس انتہا پسندی پر قائم ہیں۔ ان کی پارلیمنٹ کی پیشانی پر لکھا ہوا فقرہ ''اے اسرائیل تیری سرحدیں نیل سے فرات تک'' ان کی مذہبی انتہا پسندی کا کھلا ثبوت ہے۔

عیسائیت کا انتہا پسندانہ رویہ:

عیسائیت کا طرز عمل بھی افراط و تفریط کے درمیان رہا ہے۔ جیسا کہ بائبل میں آیا ہے۔

''جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر۔''[۱۲]

اسی وجہ سے ''مسیحوں اور غیر مسیحوں کے درمیان اور خود مسیحوں میں باہم جس قدر لڑائیاں ہوئی ہیں ان میں اخلاق انسانیت کے مبادی و اصول کو بالائے طاق رکھ کر جنگ کے ایسے ایسے وحشیانہ طریقے اختیار کئے گئے جن کے ہولناک ذکر سے تاریخ کے اوراق سیاہ ہیں۔ غیر مسیحی عقائد کو مٹانے کے لیے قوت کے استعمال کے جن طریقوں کو مسیحیت کے پیروؤں نے جائز کر رکھا تھا ان کا ایک نمونہ وہ مذہبی عدالتیں ہیں جو انکویزیشن (Inquisition) کے نام سے خود پاپایان روم کے ماتحت قائم تھیں ان میں کفر و الحاد یہودیت، اسلام اور تعداد ازدواج جیسے ''جرائم'' کی سزا دینے کے لیے جو قانون تعزیرات رائج تھا اس میں منجملہ بہت سزاؤں کے انسانوں کو زندہ جلا دینا، زبان کاٹ ڈالنا اور مرے ہوئے شخص کی قبر کھود کر ہڈیاں نکال پھنکنا بھی شامل تھا''۔[۱۳]

ہندوؤں کا انتہا پسندانہ رویہ:

سوامی دیانند یجر وید کی تعلیمات کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے

''دھرم کے مخالفوں کو زندہ آگ میں جلا دو''[۱۴]

ہندوستان ہندومت کا نمائندہ ملک ہونے کی حیثیت سے مذہبی تعصب کی بدترین مثال پیش کر رہا ہے۔ کسی غیر ہندو کے لیے حقوق کے ساتھ وہاں زندہ رہنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ بھارت کی مذہبی انتہا پسند تنظیموں کو سرکاری سرپرستی حاصل ہے۔ اور ہر سال ہونے والے فسادات میں سینکڑوں غیر مذاہب کے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ جن میں اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ مسلمانوں کے قتل عام کے جو سرکاری اعداد و شمار جاری کیے گئے ان میں صرف دو سال کے اعداد و شمار ملاحظہ ہوں۔

''۱۹۸۹ کے مسلم کش فسادات میں ۶۰۰ سے زائد افراد ہلاک ہوئے صرف بھاگل پور میں ۴۱۳ افراد مارے گئے ۱۹۹۰ء

کے فسادات میں لگ بھگ ۷۰۰ افراد ہلاک ہوئے۔ حیدر آباد میں فسادیوں کے ہاتھوں مرنے والوں کی تعداد ۱۳۰ اور علیگڑھ میں ۱۱۲ تھی''۔[۱۵]

گجرات میں ہونے والے فسادات میں ہزاروں مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا گیا اس انتہا پسندانہ سوچ کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ متنازعہ جگہ ایودیہ یوپی میں ہے لیکن فسادات گجرات میں ہوئے جہاں مسلمان نسبتاً خوشحال تھے۔

بین الادیان انتہا پسندی کے اسباب:

مذاہب عالم کے اس انتہا پسندانہ اور تشدد پسندانہ طرز عمل میں ان کی تنگ نظری تعصب، سیاسی برتری، مذاہب ساوی کی حقیقی تعلیمات سے انحراف، برتری کے زعم اور معاشی مفادات کے تحفظ نے اہم کردار ادا کیا۔ لیکن اس رویے کے نقصانات ایک مخصوص طبقہ کے سوا پوری نسل انسانی کو برداشت کرنے پڑے۔

اسلامی تعلیمات رواداری یا انتہا پسندی:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا[۱۶]

اس نص قرآنی کے تحت امت مسلمہ کو ''امتہ وسط'' کے لقب سے پکار کر گویا ان کے لیے افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کی ایک حد فاصل کھینچ دی۔ اسلام کی تعلیمات میں سے کوئی ایک تعلیم بھی انتہا پسندی پر مبنی نہیں بلکہ یہ عالمگیر بھائی چارے اور رواداری کو فروغ دینے کی خواہاں ہے تاکہ دنیا میں حقیقی امن کا قیام ممکن ہو سکے۔ اسلام دیگر مذاہب کی طرح نہ تو نسلی ہے اور نہ ہی یہ زبردستی کسی پر مسلط کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ تو وہ روشنی ہے جو کہ دلوں میں خود گھر کرتی ہے۔

اسلام رواداری کا دین ہے اسے ثابت کرنے کے لیے صرف قرآن کی آیت کا ایک چھوٹا سا حصہ ہی کافی ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ[۱۷]

قرآن کی اس آیت کی وسعت تک دوسرے مذاہب کی تمام تعلیمات نہیں پہنچ سکتیں۔

اسلام نے پوری انسانیت کو ایک جان کے ساتھ مشروط کر کے تکریم جان کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْفَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا[۱۸]

اسلام نے ہمیشہ انتہا پسندی کی بیخ کنی کی طرف توجہ دی ہے اور ہر وہ بات جو اس میں اضافہ کا باعث ہو اسکی مذمت کی ہے۔

سیرت طیبہؐ۔۔۔ اسلامی رواداری کا عملی ثبوت:

اسلام نے اپنی روادارانہ تعلیمات کو صرف کتاب تک محدود نہیں رکھا بلکہ اپنے رسولؐ کے ذریعے اسے عملاً ثابت کر کے دکھایا یوں تو رسول اللہ کی زندگی رواداری کی بے شمار مثالوں سے پر ہے لیکن ان میں سے چند خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ مثلاً بعث نبویؐ سے پہلے رسولؐ اللہ کا حجر الاسود کی تنصیب کے موقع پر حکم بننا اور پھر کسی بھی انتہا پسندانہ اقدام پر جانے کے

بجائے تمام سرداروں کو ساتھ شامل کرنا ان کی رواداری کا ایک نمونہ ہے۔ رسالت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد اس رواداری کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔

ہجرت مدینہ کے بعد یہود سے رسولؐ اللہ کا معاہدہ تاریخ انسانی سے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اس معاہدے کی تفصیلات کو بیان کرتے ہوئے "Martin Lings لکھتے ہیں۔

"The prophet now made a covenant of mutual obligation between his followers and the Jews of the oasis, forming them into a single community of believers but allowing for the differences between the two religions. Muslims and Jews were to have equal status. If a Jew was wronged then he must be helped to his rights by both Muslims and Jews and so also if a Muslim were wronged. In case of war against the polytheists they must fight as one people, and neither Jews nor Muslims were to make a separate peace, but peace was to be indivisible." [۱۹]

"یہ معاہدہ مذہبی رواداری اور فراخ دلی کی ایک ایسی مثال ہے۔ جس پر دنیا فخر کر سکتی ہے۔ موجودہ دور کی اقوام متحدہ بھی فریقین میں اس سے بہتر اور رواداری پر مبنی معاہدہ نہیں کرا سکتی"۔[۲۰]

اسی طرح صلح حدیبیہ کی "کچھ شرائط تھیں جو بظاہر مسلمانوں کے لیے توہین آمیز اور ان کی کمزوری دکھانے والی تھیں۔ اس کے باوجود رسولؐ اللہ نے انہیں قبول"[۲۱] کر کے رواداری کا ایک اور ثبوت پیش کیا اور ان سب سے بڑھ کر زبان کی ایک جنبش سے فتح مکہ کے موقع پر اپنے جانی دشمنوں کو معاف کر دینا ہے۔ جو کہ بڑے سے بڑا مذہبی اور سیاسی لیڈر نہیں کر سکتا۔

ان تمام واقعات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسولؐ اللہ کا رحمتہ اللعالمین ہونے کا منصب عین ان کے شایان شان ہے۔

تاریخ اسلامی رواداری کی بے مثال داستان ____ غیر مسلموں کا نقطہ نظر

غیر مسلم مصنفین کے نزدیک اسلامی تاریخ مذہبی رواداری کی بے مثال داستان ہے۔ اس حوالے سے ایڈورڈ گبن Edward Gibbon لکھتا ہے

"اسلام نے کسی مذہب کے مسائل میں دست اندازی نہیں کی کسی کو ایذاء نہیں پہنچائی کوئی مذہبی عدالت غیر مذہب مخالفین کی سزا کے لیے قائم نہیں کی اور اسلام نے لوگوں کو مذہب بہ جبر تبدیل کرنے کا قصد بھی نہیں کیا اسلام قبول کرنے سے لوگوں کو فاتحین کے مساوی حقوق حاصل ہو جاتے تھے۔ اور مفتوحہ سلطنتیں ان شرائط و قیود سے بھی آزاد ہو جاتی تھیں جو ہر فاتح مند ابتدائے دنیا سے حضرت محمدؐ کے زمانہ تک ہمیشہ کیا کرتا تھا۔ اسلامی تاریخ کے ہر ورق میں اور ہر ملک میں جہاں اس کو وسعت حاصل ہوئی وہاں دوسرے مذاہب سے عدم مزاحمت پائی جاتی ہے"۔[۲۲]

ایچ۔ جی۔ ویلس اس نا قابل تردید حقیقت کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے

''اسلام پھیلتا گیا۔۔۔۔۔ اسلام میں وسیع النظری تھی اس کی تعلیمات میں تازگی تھی پاکیزگی تھی اس کے سیاسی نظریات میں جدت تھی۔''[۲۳]

عیسائیت اور اسلام کا موازنہ کرتے ہوئے ای بلائیڈن لکھتا ہے ''عیسائیت جہاں بھی گئی وہاں انسانوں کو غلام بنایا طاقت اور جارحیت کے ذریعے ان پر حکومت کی گئی۔ محمدؐ کا دین جہاں پہنچا وہاں حقیقی جمہوری حکومتوں کا قیام معرض وجود میں آیا''[۲۴]

اسلام مخالف پروپیگنڈہ کا راز فاش کرتے ہوئے ''Bertrand Russel'' لکھتا ہے۔

''عیسائیت اور اس کے علمبرداروں نے ہمیشہ اسلام اور حضرت محمدؐ کے خلاف پروپیگنڈہ جاری رکھا ہے جبکہ تاریخ ہمیشہ یہ بتاتی ہے کہ محمدؐ ایک عظیم شان اور فقید المثال مذہبی رہنما تھے وہ ایک ایسے دین کے بانی تھے جو بردباری مساوات اور انصاف کی بنیادوں پر کھڑا ہے۔[۲۵]

اسی بارے میں ''karen Armstrong'' رقمطراز ہے۔

"Muhammad........founded a religion and a tradition that was not based cultural on the sword despite the Western myth, and above whose name Islam signifies peace and reconciliation" [۲۶]

بھلدت کے معروف سیاسی رہنما ایم۔ این رائے ایک موقع پر بے ساختہ کہہ اٹھے

''حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تاریخ مذہبی رواداری اور مصالحت پسندی کی تاریخ ہے۔''[۲۷]

ان تمام شواہد کے باوجود یہ کہنا کہ ''اسلام ایک معاندانہ کلچر'' ہے اور مسلمان ''مذہبی انتہا پسند'' جمہوریت مخالف، متشدد اور نا قابل اعتماد ہیں''۔[۲۸] متعصبانہ سوچ کے سوا کچھ نہیں دراصل یہ مذہبی انتہا پسندی، دہشت گردی کے بین الاقوامی عمل کو اس کے اصل سرچشمے مغربی ناانصافیوں سے کاٹنے کی ایک نمائشی اور پرخطر کوشش ہے۔ استعماری طاقتوں کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ وہ اپنے اقتدار کو طول دیں ان کا سب سے پہلا نشانہ مذہب بنا اس کے لیے ہر قسم کے ناجائز ہتھکنڈے جائز گردانے گئے اور عالمی امن اور اخلاقیات کے ہر معیار کو قربان کر دیا گیا۔ امریکی حکومت عیسائیوں اور یہودیوں کا مجموعہ ہے اس کا معاملہ بھی تمام استعماری طاقتوں کی طرح ہے اسے اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لیے ہر وقت کسی بیرونی خطرے کا سہارا درکار ہے تاکہ اس کی عوام قومیت سے آگے کچھ اور سوچ ہی نہ سکے پچھلی دو دہائیوں میں مسلم امۃ کے باہمی افتراق اور کمیونزم کے زوال کے بعد اسلام کو ایک خطرہ کے طور پر پیش کیا جانے لگا۔

نیویارک ٹائمز نے ۲۱ جنوری ۱۹۹۶ کو سرخی جمائی

''سرخ خطرہ ٹل گیا لیکن اسلام کا خطرہ منڈلا رہا ہے''[۲۹]

فوکویاما کچھ اس قسم کے خیالات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"The Islam fascist sea within which the terrorists swim constitutes on ideological challange that is in some ways more basic than the one posed by communism" [۳۳]

بدقسمتی سے اس وقت دنیا میں جتنی بھی تحریکات آزادی چل رہی ہیں ان میں مسلمان مغلوب ہیں اور ان تحریکوں کو غلط انداز سے پیش کیا جارہا ہے۔

اسلامی سربراہان کا رویہ:

''مغرب نواز مسلم حکومتوں نے بھی امریکہ کے اسلام مخالف نقطہ نظر کو تقویت پہنچانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ مصر، الجزائر، ترکی، اردن، سعودی عرب اور پاکستان کے سربراہان امریکی قیادت اور مغرب کو درپیش ''بنیاد پرست اسلام کے خطرے'' سے آگاہ کرنے کے لیے بڑے بے چین رہتے ہیں ساتھ ہی اخطر ے کو دبانے اور محدود رکھنے میں اپنے کردار کی اہمیت بھی بتاتے رہتے ہیں''۔ [۳۴]

مغربی دنیا خاص طور پر امریکہ میں جس جزو اسلامی کو سب سے زیادہ تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہے وہ جہاد ہے۔

جہاد انتہا پسندی یا فلاح انسانیت:

جہاد کی مخالفت دراصل دوہرے معیارات کا نتیجہ ہے اسلام پر جو بہتان تراشے گئے ہیں ان میں سب سے بڑا بہتان یہ ہے کہ اسلام ایک خونخوار مذہب ہے۔ اور اپنے پیرووں کو خونریزی کی تعلیم دیتا ہے۔ اس بہتان کی اگر کچھ حقیقت ہوتی تو قدرتی طور پر اسے اس وقت پیش ہونا چاہیے تھا جب پیروان اسلام کی شمشیر خارا شگاف نے کرہ زمین میں ایک تہلکہ برپا کررکھا تھا اور فی الواقع دنیا کو یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ شاید ان کے یہ فاتحانہ اقدامات کسی خونریز تعلیم کا نتیجہ ہوں۔ مگر عجیب بات ہے کہ اس بہتان کی پیدائش آفتاب عروج اسلام کے غروب ہونے کے بہت عرصہ بعد عمل میں آئی اس کے خیالی پتلے میں اس وقت روح پھونکی گئی جب اسلام کی تلوار تو زنگ کھا چکی تھی مگر خود اس بہتان کے مصنف یورپ کی تلوار بے گناہوں کے خون سے سرخ ہو رہی تھی۔ اگر دنیا میں عقل ہوتی تو وہ سوال کرتی کہ جو لوگ خود امن و امان کے سب سے بڑے دشمن ہوں جنہوں نے خود خون بہا بہا کر زمین کے چہرے کو رنگین کردیا ہو۔ جو خود دوسری قوموں پر ڈاکے ڈال رہے ہوں آخر انہیں کیا حق ہے کہ اسلام پر وہ الزام عائد کریں جس کی فرد جرم خود ان پر لگنی چاہیے؟ کہیں اس تمام مورخانہ تحقیق و تفتیش اور عالمانہ بحث و اکتشاف سے انکا یہ منشا تو نہیں کہ دنیا کی اس نفرت و ناراضی کے سیلاب کا رخ اسلام کی طرف پھیر دیں جس کے خود ان کی اپنی خونریزیوں کے خلاف امنڈ کر آنے کا اندیشہ ہے۔؟ لیکن انسان کی یہ کچھ فطری کمزوری ہے کہ وہ جب میدان میں مغلوب ہوتا ہے تو مدرسہ میں بھی مغلوب ہو جاتا ہے جس کی تلوار سے شکست کھاتا ہے اس کے قلم کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اور اسی لیے ہر عہد میں دنیا پر انہی افکار آراء کا غلبہ رہتا

ہے۔ جو تلوار بند ہاتھوں کے قلم سے پیش کئے جاتے ہیں چنانچہ اس مسئلہ میں بھی دنیا کی آنکھوں پر پردہ ڈالنے میں یورپ کو پوری کامیابی ہوئی اور غلامانہ ذہنیت رکھنے والی قوموں نے اسلامی جہاد کے متعلق اس کے پیش کردہ نظریہ کو بلا ادنیٰ تحقیق وتفحص اور بلا ادنیٰ غور وخوض اس طرح قبول کرلیا کہ کسی آسمانی وحی کو بھی اس طرح قبول نہ کیا ہوگا۔[۴۲]

فلسفہ جہاد:

امن عالم کے قیام کے لیے آخری اور تکمیلی مرحلہ جہاد کا ہے اسلام کا یہ جہاد جہاں گیری کیلئے نہیں۔ نہ ہی نسل، دینی، قومی یا علاقائی عصبیت کی خاطر ہے بلکہ اس جہاد کا مقصد دنیا بھر سے بدامنی، فتنہ وفساد اور ظلم کا استیصال ہے جیسا کہ قرآن میں ہے۔

وَقٰتِلُوْ هُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ[۴۳]

یعنی ''اللہ یہ نہیں چاہتا کہ اس کی زمین پر فتنہ پھیلایا جائے۔ اسے یہ گوارا نہیں ہے کہ اس کے بندوں کو بے قصور ستایا اور تباہ و برباد کیا جائے۔ اسے یہ پسند نہیں ہے کہ طاقتور کمزور کو کھا جائیں ان کے امن وچین پر ڈاکے ڈالیں اور ان کی اخلاقی روحانی اور مادی زندگی کو ہلاکت میں مبتلا کریں اسے یہ منظور نہیں ہے کہ دنیا میں سیہ کاری، بداعمالی ظلم و بے انصافی، اور قتل و غارتگری قائم رہے وہ پسند نہیں کرتا کہ جو خاص اس کے بندے ہیں ان کو مخلوق کا بندہ بنا کر ان کی انسانی شرافت پر ذلت کا داغ لگایا جائے''[۴۴]

اپنی مدافعت کے علاوہ جہاد کا بنیادی مقصد مظلوموں کی اعانت بھی قرار پایا اس میں مسلم اور غیر مسلم کی تخصیص نہیں ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا[۴۵]

جہاد کو فی سبیل اللہ کے الفاظ کے ساتھ مخصوص کر کے اسے انسانیت کے لیے سراپا رحمت بنا دیا گیا۔ اور اس میں حد سے تجاوز کرنے کی مخالفت کی گئی ہے۔

وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ○[۴۶]

جہاد کی اجازت دینے کے ساتھ ساتھ جنگ کے قوانین کی وضاحت بھی کر دی گئی جس سے انسانیت پر رحمت نازل ہوئی قتال کا حکم صرف مقاتلین کے ساتھ مخصوص کیا گیا بعض لوگ فلسفہ جہاد پر معترض ہوتے ہوئے تنقید کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا لہٰذا امن کے تصور کا اس عمل سے رد ہو جاتا ہے۔'' اس کا جواب با آسانی یہ دیا جاسکتا ہے آنحضرت نے بحیثیت داعی امن واخوت ایک بہترین سرجن کی طرح معاشرے کے ناسور کا آپریشن کیا تا کہ پورا معاشرہ مضر اثرات سے محفوظ رہ سکے''[۴۷]

اس کے ساتھ ہی ''اسلام بے شک امن وسلامتی کا حامی اور موید ہے مگر اس کی نگاہ میں امن وسلامتی وہی ہے جو حدود اللہ کی اقامت سے حاصل ہوتی ہے۔ جس نے امن اور سلامتی کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ شیطانی نظامات کے زیر سایہ اطمینان کے ساتھ سارے کاروبار چلتے رہیں اور مسلمان کی نکسیر تک نہ پھوٹے اس نے اسلام کا نقطہ نظر بالکل نہیں سمجھا اسے اچھی طرح معلوم

ہو جانا چاہیے کہ اسلام ایسے امن اور ایسی سلامتی کا ہرگز حامی و مؤید نہیں ہے اسے دوسروں کا قائم کردہ امن نہیں بلکہ اپنا قائم کردہ امن مطلوب ہے اور اسی میں انسان کی سلامتی دیکھتا ہے"[۲۸]

گویا جہاد ہی واحد راستہ ہے جس کے ذریعے عالم میں موجود انتہا پسندانہ طرز عمل کو متوازن صورت میں لاکر تعمیری کاموں میں استعمال کیا جائے۔

"اگر ظلم، تشدد، حقوق انسانی کی پامالی کرنے والے سفاک افراد کو ان کے حال پر یہ کہہ کر چھوڑ دیا جائے کہ ہم تو امن کے پرستار ہیں ہم تو تلوار کو ہاتھ لگا کر گناہ کا ارتکاب نہیں کرنا چاہتے تو کیا یہ رویہ اخلاق کے کسی بھی پیمانے پر پورا اترے گا؟ اسلام اور قرآن کو کوئی معذرت پیش کرنے کی ضرورت نہیں وہ اگر جہاد کی بات کرتا ہے تو دوٹوک سیدھے اور غیر مبہم انداز میں یہ بات کہتا ہے کہ ہر ظالم جابر سفاک کے خلاف جنگ کرنا انسانی فریضہ ہے اسلام کا مقصد قیام امن و عدل ہے اور اس میں گفت و شنید، اخلاقی دباؤ، ترغیب، مکالمہ ہر چیز ناکام ہو جائے اور عورتیں بچے اور بوڑھے مسلسل ظلم کا شکار ہو رہے ہوں تو پھر قطع نظر کہ وہ مظلوم مسلمان اس یا غیر مسلم، ان کی نصرت امداد مسلمان پر فرض ہو جاتی ہے"[۲۹]

غیر مسلموں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر کچھ افراد جانے بغیر اسلامی تعلیمات کو توڑ مروڑ کر معذرت خواہانہ انداز میں پیش کرتے ہیں جس کی وجہ سے اسلامی تعلیمات کی حیثیت متاثر ہوتی ہے۔ بلاشبہ "یہ ساری میانہ روی، اعتدال اور رواداری شریعت کے نظام کا حصہ ہے اور منصوص اور مطلوب ہے لیکن میانہ روی کے نام پر اسلام میں قطع و برید، اعتدال کے نام پر فرائض اور واجبات سے رخصت، دوستی کی خاطر جہاد سے فارغ خطی، رواداری کے نام پر کفر اور ظلم سے سمجھوتہ۔۔۔ یہ اسلام نہیں اسلام کی ضد اور اس سے فرار کی راہیں ہیں۔ دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے احکام اور حدود کے بارے میں کوئی مداہنت اللہ کی ناراضی کو مول لینے کا راستہ ہے اور اس کے عذاب کو دعوت دینے کا موجب ہو سکتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسولؐ نے جسے محمود اور مطلوب قرار دیا ہے وہی ہمارا محمود و مطلوب ہے اور جسے انہوں نے ناپسند کیا ہے اس سے براءت ہی ہماری میانہ روی اور رواداری ہے۔ اس لیے کہ اسلام نام ہی طاغوت سے بغاوت اور اللہ سے رشتے کو جوڑنے کا ہے"۔[۳۰]

مدینہ کی ابتدائی ریاست کی دس سالہ جنگی کارروائیوں کی نوعیت جانی نقصان کے اعداد و شمار سے واضح ہو جاتی ہے "حضورؐ نے کم سے کم خونریزی کا اصول سامنے رکھا۔۔۔ مسلم شہدا اور مقتولین کی کل تعداد جو تکمیل انقلاب کے لیے کام آئی وہ علی الترتیب ۲۵۵ اور ۷۵۹ ہے"۔[۳۱]

"کئی لاکھ عربوں کی فلاح کا راستہ کھولنے کے لیے صرف چند جنگجو مزاحمین کا خاتمہ کرنا پڑا۔۔۔ یہ جنگیں اگر مذہبی تبلیغ کے لیے ہوتیں تو نہ صرف یہ کہ عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح ان میں بدترین جفا کاریوں سے کام لیا گیا ہوتا بلکہ اس سے کہیں زیادہ تعداد تو ایک ایک جنگ کے موت کے گھاٹ اتار دی گئی ہوتی اگر فاتحانہ امنگوں کے ساتھ حضورؐ اٹھے ہوتے تو جس طرح بڑے بڑے جنگجوؤں نے دل کھول کے خونریزیاں کی ہیں اور تاریخ کے دامن کو لالہ زار کیا ہے اس طرح آپؐ نے بھی ریگستان عرب کے ذرے ذرے کو انسانی خون پلا دیا ہوتا یہ اگر دو مختلف سلطنتوں کی آویزش ہوتی تو بھی جانی نقصان بہت زیادہ ہوتا

چاہیے تھا"۔[۴۲]

اگراس کے باوجود جہاد انتہا پسندی ہے تو پھر مہذب دنیا کشمیر، فلسطین، بوسنیا، چیچنیا کوسوو میں جو کچھ ہو رہا ہے اسے کیا نام دے گی؟

آج ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے دائمی امن واخوت ورواداری کے عطا کردہ اس عظیم الشان عملی نظام کو پس پشت ڈال دیا ہے اور اپنے اذہان کے نام اصول وقوانین کی پیروی میں لگے ہوئے ہیں اسی وجہ سے آج کی دنیا میں امن قائم کرنا اور انتہا پسندی کو ختم کرنا ناممکن ہوتا جا رہا ہے۔

ہم نے جس تیزی سے مادی ترقی کی ہے اخلاقی طور پر اس کا ساتھ نہ دے سکے افسوس اسی وجہ سے ہر بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کے درپے ہے کہ کب اسے نگلے احترام انسانیت کو بہت پیچھے چھوڑا جا چکا ہے موجودہ حالات کو اقبال کی نگاہ بینا نے بہت عرصہ پہلے دیکھ لیا تھا اس کی مثال ان کا یہ شعر ہے۔

تہذیب کا کمال شرافت کا ہے زوال
غارت گری جہاں میں ہے اقوام کی معاش
ہر برگ کو ہے برہ معصوم کی تلاش[۴۳]

مذہبی فرقہ وارانہ انتہا پسندی:

بین الادیان انتہا پسندی نے انہی مذاہب کے افراد میں تناؤ کی صورت پیدا کی جو کہ دیگر عوامل کے شامل ہونے سے مذہبی فرقہ واریت پر منتج ہوئی اس انتہا پسندانہ رویہ نے ایک ہی مذہب کے پیروؤں کو مختلف دائروں میں بانٹ دیا اور یہ تقسیم در تقسیم کا عمل مسلسل جاری رہا یہاں تک کہ ہر شخص نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنالی اور اس مذہب کا شیرازہ بکھر گیا۔ کسی ایک گروہ نے اپنے دینی مسلک کو درست اور دوسرے مسالک کو غلط ثابت کرنے کے لیے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کیے۔

اس مذہبی فرقہ واریت سے کسی ایک مذہب کو مبرا اور اسے کسی ایک مذہب کا خاصہ قرار دینا دراصل حقائق کی نفی تھی اور دوغلی پالیسی ہوگی لیکن پچھلے چند سالوں میں میڈیا خاص طور پر مغربی میڈیا نے مسلمانوں میں موجود فرقہ واریت کو جس طرح ابھارا ہے اس سے غیر تو غیر اپنے بھی اسلامی تعلیمات کے بارے میں شکوک میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ لیکن اگر دیگر مذاہب میں فرقہ واریت کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کیا جائے تو وہ مسلمانوں سے بہت آگے کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس دوہرے معیار پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر انیس احمد لکھتے ہیں۔

"مغرب کی جانب سے اسلام اور مسلمانوں کو دہشت گرد، تشدد، خوں ریزی اور قتل وغارت کے ساتھ وابستہ کرنا بظاہر کوئی نیا مشغلہ نہیں ہے۔ مغرب صدیوں سے اسلام اور مسلمانوں کو غیر امن پسند اور فسادی ہی قرار دیتا رہا ہے اس نوعیت کا تجزیہ کرتے وقت عام طور سے مغربی محقق صہیونی ظلم وستم، بوسینا ہرزے گووینا میں انسانیت سوز حرکات، چیچنیا میں مسلمانوں پر بدترین

مظالم اور خود مسلکی اختلافات کی بنا پر شمالی آئرش ریاست میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کی شرمناک خوں ریزیوں کو تجاہل عارفانہ سے نظر انداز کر جاتے ہیں۔ اور اگر کہیں بوئے خوں محسوس کرتے ہیں تو وہ انہیں مسلمانوں کے بارے میں وضع کردہ فسانوں ہی میں ملتی ہے۔''[۴۴]

مسلمانوں میں فرقہ ورانہ انتہا پسندی کا پس منظر:

دور نبویؐ میں اصحاب رسولؐ میں اختلاف رائے موجود تھا لیکن اس کی نوعیت صرف اور صرف اجتہادی تھی۔ خلفائے راشدین کے دور میں اختلافات کی نوعیت میں تبدیلی رونما ہوئی لیکن پھر بھی تمام مسلمان باہم ایک لڑی کی مانند تھے جس کی ہر کڑی دوسری کڑی سے جڑی تھی سیاسی مسائل میں مشاجرات صحابہ کا فتنہ تکوینی حکمتوں کے ماتحت پیش آیا آپس میں تلواریں چل گئیں مگر عین فتنہ کی ابتداء میں جب امام مظلوم حضرت عثمانؓ باغیوں کے نرغے میں محصور تھے اور یہی باغی نمازوں میں امامت کراتے تھے۔ تو امام مظلوم نے مسلمانوں کو ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ اور اسی فتنے کے آخر میں جبکہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان جنگ گرم تھی تو روم کی عیسائی سلطنت کی طرف سے موقع پا کر حضرت معاویہؓ کو اپنے ساتھ ملانے اور ان کی مدد کا پیغام ملا تو حضرت معاویہ کا یہ جواب تھا کہ ''ہمارے اختلافات سے دھوکہ نہ کھاؤ''۔ اگر تم نے مسلمانوں کی طرف رخ کیا تو علیؓ کے لشکر کا پہلا سپاہی جو تمہارے مقابلے کے لیے نکلے گا وہ معاویہؓ ہوگا'' دور نبویؐ کے بعد ابن سبا کی تحریک کی وجہ سے مسلمانوں نے باہم حسن ظن سے کام لینا چھوڑ دیا۔ اور خوارجی فتنہ سے امت مسلمہ میں باقاعدہ افتراق کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد تو گویا ہر شخص کے ہاتھ میں امت کے انتشار و افتراق کا پرمٹ آ گیا۔ دور بنو امیہ اور بنو عباس میں سیاسی اختلافات کو جب دینی رنگ دیا گیا تو اس سے انتشار میں مزید اضافہ ہوا لیکن تعبیر کتاب و سنت کے تحت صحابہ و تابعین اور آئمہ مجتہدین کے مابین جو اختلاف رائے پیش آیا اس پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ جس نے جنگ و جدال کی صورت اختیار کی ہو باہمی اختلافی مسائل کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا اور تمام برادرانہ تعلقات قائم رکھنا پوری تاریخ کا اعلیٰ شاہکار ہے۔

آئمہ مجتہدین کے بعد علماء نے اجتہاد کا دروازہ اپنے اوپر بند کر کے آئمہ کی اندھی تقلید شروع کر دی۔ اور انہیں معصوم عن الخطاء کے درجہ پر فائز کیا زمانے کے ساتھ ساتھ اس تقلید میں اضافہ ہوتا گیا اور بالآخر اس نے مذہبی معاملات میں تشدد اور انتہا پسندی کو فروغ دیا۔

مذہبی فرقہ واریت کی اقسام:

مذہبی فرقہ واریت کو تین بنیادی اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱ اعتقادی انتہا پسندی

۲ عباداتی انتہا پسندی

۳ معاملاتی انتہا پسندی

اعتقادی انتہا پسندی:

جزوی اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے کی تکفیر وتفسیق کی جائے۔

عباداتی انتہا پسندی:

فروعی مسالک کی بنیاد پر الگ الگ مسجدیں بنائی جائیں اور اسکو امت میں تفریق کی حد تک پہنچا دیا جائے۔

معاملاتی انتہا پسندی:

رخصت کو کمتر سمجھ کر ہر معاملہ کو عزیمیت کا سوال بنا دیا جائے۔

فرقہ واریت کے اسباب:

فرقہ واریت ایک ناسور کی مانند ہے جس میں ہر لحہ بڑھوتی ہو رہی ہے اس کی اس بڑھوتی میں لاتعداد قوتیں کارفرما ہیں جس کا شمار ناممکن ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن وسنت کو بطور ماخذ کے چھوڑ کر مسالک کو حکم بنانا اور اسی کے مطابق معاملات کو چلانا۔ آئمہ مجتہدین کی تقلید کو تقلید محض اور شخصیت پرستی میں تبدیل کرنا اور انہیں معصوم عن الخطاء کے رتبہ پر فائز کرنا۔ حق پرستی کا زعم اور اسے ذاتی اور معاشی مفادات کے ساتھ مشروط کرنا۔ ایجنسیوں کا کردار، عدم برداشت، عصبیت اور مناظرانہ بحثوں وغیرہ کا فروغ۔ اسوہ حسنہ پر عمل سے زیادہ فضیلت پر زور۔ جہالت اور اختلاف برائے اختلاف۔ مسلکی اختلاف کو سیاسی وابستگی کی روشنی میں دیکھنا۔

قرآنی تعلیمات اور عصر حاضر میں افراد کا طرز عمل:

• اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ[۴۵]

کہہ کر گویا رب تعالیٰ نے امت کے ہر شخص کو دوسروں کے ساتھ منسلک کر دیا اس برادرانہ تعلق میں رنگ، نسل، علاقہ کو بنیاد بنانے کے بجائے مومن ہونا شرط واحد قرار پایا اس تعلق کی بنا پر ایک مسلمان کے دوسرے مسلمانوں پر کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں۔ جن کی ادائیگی پر ہی اسلامی معاشرہ میں امن قائم ہوسکتا ہے اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اس حکم الٰہی پر قائم رہیں اور آپس میں انتشار پیدا نہ ہونے دیں

اَنْ اَقِیْمُو الدِّیْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ اسی طرح فرمایا[۴۶]

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا[۴۷]

مسلمانوں کے باہمی تعلق کی نوعیت واضح کرتے ہوئے فرمایا،

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ[۴۸]

لیکن آج مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ وہ غیر مسلموں سے تو رواداری اور محبت کا برتاؤ کرتے ہیں لیکن کسی دوسرے مسلک کے مسلمان بھائی سے رواداری اور محبت تو کجا ہاتھ ملانا بھی پسند نہیں کرتے۔ الٹ انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے میں بھی عار محسوس نہیں کرتے آج کسی مسلمان کے خلاف تکفیر وتفسیق کا فتویٰ دینا عام سی بات ہے ہر مسلک کے افراد اسلام پر صرف اپنی اجارہ داری سمجھتے ہیں اور جوان سے سر موانحراف کرے اسے دین محمدی کا پیرو ہی تسلیم نہیں کرتے ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے اقبال نے کہا۔

تو مری نظر میں کافر میں تری نظر میں کافر
ترا دیں نفس شماری، میرا دیں نفس گدازی [۴۹]

کفر کا فتویٰ لگانے کی شدت کے بارے میں شرح فقہ اکبر امام ابوحنیفہ میں ہے "جو بات کفر سے متعلق ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ قائل کی مراد پوری طرح معلوم کی جائے اگر اس میں ننانوے احتمالات کفر کے ہوں اور ایک احتمال یہ ہو کہ اس کا مقصد کفر نہیں ہے تو مفتی اور قاضی کے لیے اولیٰ یہی ہے کہ وہ اس احتمال پر فتویٰ دے کیونکہ ایک ہزار کافروں کو اسلام میں رکھ لینا آسان ہے لیکن ایک مسلمان کو اسلام سے خارج کرنے کی غلطی بہت اشد ہے"[۵۰] "اب مسلمانوں کے لیے کلمہ گو ہونا کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ اس کی کسی مخصوص فرقہ سے وابستگی بھی ضروری ہے چند برس پہلے تک فرقہ پرستی کا اظہار محض جوش خطابت سے ہوتا تھا مگر اب اسلحہ کی فراوانی مسلح تصادموں میں تبدیل ہو چکی ہے اور بے قصور نمازیوں کے قتل کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے"[۵۱]

حالانکہ قرآن میں ہے

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ [۵۲]

یہ نص قرآنی کی کھلی خلاف ورزی ہے سوال یہ ہے کہ کیا یہ تمام اختلافات محض فقہی اختلاف کی وجہ سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اور ان فروعی اختلافات کی دین میں حیثیت کیا ہے؟

مسجد جو کہ اسلامی معاشرت کا اک اہم عنصر ہے اب اپنی حقیقت کھو چکی ہے مخالف فرقوں کی مساجد میں داخلہ ممنوع ہے۔ مشہور محدث امام بغوی فرماتے ہیں۔

"علما کے درمیان فروعی اختلاف، اختلافات رحمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں پر دین میں کوئی تنگی باقی نہ رہے۔ اس قسم کا اختلاف ایک دوسرے سے الگ ہونے اور قطع تعلق کرنے کا باعث نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ فروعی اختلاف تو صحابہ کرام کے درمیان بھی موجود تھا۔ حالانکہ وہ آپس میں بھائی بھائی تھے اور ان کے دل ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے"۔[۵۳]

پانچویں خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا

"مجھے تو یہ بات پسند نہیں ہے کہ صحابہ کرام اختلافات نہ کرتے اس لیے کہ اگر ایک ہی رائے ہوتی تو لوگ تنگی میں ہوتے"۔[۵۴]

صحابہ مسلمانوں کے پیشوا ہیں جن کی اقتدا کی جاتی ہے۔ پس اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کی رائے پر عمل کرے تو اس کے لیے آسانی اور فراخی ہوگی۔''

اسی ضمن میں قاضی ابن العربی رقمطراز ہیں

''اختلاف ممنوع سے مراد وہ اختلاف ہے جو فتنے، تعصب اور مسلمانوں کی جماعت میں انتظار کا موجب ہو۔ جو اختلافات فروعی مسائل میں ہو وہ شریعت کی خوبیوں میں شامل ہے''۔ [55]

لہٰذا جو شخص تعبیر و اجتہاد کے اختلاف کو امت کے انتشار کا ذریعہ بناتا ہے اور مخالف رائے رکھنے والوں کو گمراہ قرار دیتا ہے۔ وہ یہودیوں کے طریقے پر چلتا ہے اور قابل مذمت ہے۔ علماء اسلام نے فرائض سے کوتاہی برتی اور اپنے رویے میں افراط و تفریط کا شکار ہوئے۔ جس کا نتیجہ عوام میں موجودہ تشدد کی صورت میں برآمد ہوا۔ ''علمائے دین ملت کے دینی قائدین ہیں جب قائدین میں افتراق و انتشار ہو اور وہ فرقوں اور گروہوں میں بٹ چکے ہوں اور انہوں نے ایک دوسرے کو گرانے اور ہرانے کے لیے فرقہ بندی، گروہ بندی اور صف بندی کر لی ہو اور اپنی علمی قوت اور تحریر و تقریر کی صلاحیتیں اتحاد امت کے بجائے افتراق امت کے لیے اور غلبہ اسلام کے بجائے اپنے اپنے فرقوں اور گروہوں کو غلبہ اور برتری دلانے کے لیے استعمال کرتے ہیں تو قائدین کا یہ افتراق و انتشار ان کے متبعین میں اور اماموں کا یہ تفرق و تحزب ان کے مقتدیوں میں بھی پھیلے گا اور ملی اتحاد کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ جیسا کہ آج بکھرا پڑا ہے''۔ [56]

یہ علماء کرام تقلید محض کی پیروی میں قرآن و سنت کو فراموش کر دیتے ہیں اور اگر کوئی بھی نص ان کے امام کے قول کے خلاف ہو تو یا اس نص پر عمل موقوف ہوتا ہے یا پھر اس واضح نص کی کئی تاویلیں کی جاتی ہیں جو کہ دین کا حاصل مقصود نہیں ان کے اسی طرز عمل کو بیان کرتے ہوئے علامہ اقبال نے فرمایا۔

قرآن کو بازیچہ تاویل بنا کر
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد [57]

گویا کہ خواہشات نفس کی پیروی اور تعصب کی بنا پر امت کے افتراق میں اضافہ ہوا تفرقہ بازوں کے بارے میں قرآن میں واضح حکم دیا گیا ہے کہ

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ [58]

اسوہ حسنہ اور فرقہ وارانہ انتہا پسندی:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [59]

اس واضح نص کی موجودگی میں اس بات کا جائزہ لیا جاتا ہے کہ رسول اللہ نے مسلمانوں کے باہمی تعلقات کے بارے

میں کس قسم کے احکامات دیئے اور کیا موجودہ دور میں جب رسول کا دعویٰ کرنے والے اپنی محبت میں سچے ہیں یا صرف ان کی بات دعووں تک ہی محدود ہے رسولؐ اللہ نے مسلم امہ کی باہمی محبت کو مثال کے ذریعے بیان کرتے ہوئے فرمایا

تری المومنین فی تراحمھم، وتوادھم و تعاطفھم کمثل الجسد اذا اشتکی عضوا تداعی له سائر جسده باسھر والحمی[۱]

اسی طرح ایک دوسری جگہ فرمایا

المومن للمومن کالبنیان ، یشدد بعضه بعضاثم شبک بین اصابعه[۲]

مسلمانوں کو باہمی حسد غضب اور تدابر کی ضمانت کرتے ہوئے فرمایا

لاتباغضوا، ولا تحاسدوا، ولا تدابروا، وکونوا عباداللّٰه اخوانا[۳]

دور نبوی میں ایک مہاجر اور انصار کی باہمی چپقلش پر جب انہوں نے پکارا یا اھل انصار، یا اھل المہاجر تو رسول اللہ نے سن کر فرمایا **مابال دعویٰ اھل الجاھلیة؟**[۴]

گویا کہ رسول اللہ کے مطابق گروہ بندی کھلی جہلیت ہے جس کا اسلام لانے کے بعد تصور محال ہونا چاہیے۔ عصر حاضر میں علماء کا وطیرہ ہے کہ وہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ مخالف فرقہ کے عالم کی کوئی کمزوری ہاتھ آئے اور وہ اسے پیش کروائیں اور اس کی عزت کی دھجیاں اڑادیں حالانکہ اس بارے میں رسول اللہ کا عمل اور حکم اس کے بالکل برعکس ہے۔

ومن ستر مسلماستره اللّٰه یوم القیامة[۵]

نبی رحمہ نے کسی بھی کلمہ گو مسلم پر لعنت کرنے کی شدت بیان کرتے ہوئے فرمایا

ومن لعن مومنا فھو کقتله، ومن قذف مومنا بکفر فھو کقتله[۶]

کیا اس قول مبارک کے مطابق عمل آج دیکھنے کو ملتا ہے؟

اسی طرح کسی مسلمان کی تکفیر وتفسیق کرنا گویا اپنا ایمان خطرے میں ڈالنے کے مترادف قرار پاتا ہے۔ فرمایا

لایرمی رجل رجلا بالفسوق، ولا یرمیه بالکفر الاارتدت علیه، ان لم یکن صاحبه کذلک[۷]

آج ہر دوسرے مسلمان کا خون مباح قرار دے دیا جاتا ہے صرف اس بنا پر کہ اس کا عمل آپ کے مسلک کے مطابق نہیں حالانکہ ”جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی منافقت کا پردہ چاک ہوا تو سیدنا عمرؓ نے کہا کہ یا رسولؐ کیا میں اس ناپاک (شخص) کا سر نہ اڑادوں؟ نبیؐ نے فرمایا کہ نہیں لوگ کہیں گے محمدؐ اپنے اصحاب کو قتل کرتے ہیں“[۸]

جب ایک منافق کی منافقت واضح ہونے کے بعد بھی رسول اللہ نے اس کے خون کو مباح قرار نہیں دیا تو آج دوسروں کے

ایمان کو پرکھنے ان پر کفر کا فتویٰ لگا کر قتل کا حکم صادر کرنے والے لوگوں کی کیا حیثیت ہے؟ اس کا واضح طور پر اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

علماء کی اکثریت عبادات و معاملات میں شدت پسند ہے حالانکہ حدیث میں ہے

لاتشددوا علی النفسکم فیشدد علیکم فان قوما شدد و اعلی انفسھم فشدد اللہ علیھم [۶۸]

حالانکہ رسول اللہ کی پوری زندگی راہ اعتدال پر گامزن تھی اور جہاں سختی یا نرمی میں سے انتخاب کرنا ہوتا تو نبی ہمیشہ نرمی کو ترجیح دیتے کیونکہ مطلوب خداوندی بھی یہی ہے، عائشہؓ روایت کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ رسولؐ اللہ نے کہا

ان اللہ یحب الرفق فی الامر کلہ [۶۹]

علماء کے اس شدت پسندانہ طرز عمل کی وجہ سے لوگ اسلام سے برگشتہ ہوتے جارہے ہیں انہوں نے اسلام کو ضابطہ حیات کے دائرے سے نکال کر محض عبادات تک محدود کرنے کی کوشش کی ہے جس کی وجہ سے اسلام کی روح بطور ضابطہ حیات مجروح ہوئی ہے۔ اگر کسی عالم سے کسی معاملہ میں غلطی ہو جاتی ہے چاہے وہ اجتہادی ہو یا فعلی دوسرے علماء اسے معاف کرنے کی تلقین کی ہے، فرمایا

اقیلو اذوی الھیات عثراتھم الاالحدود [۷۰]

حضرت محمدؐ نے گروہ بندی کی طرف دعوت دینے والے کو وعید سناتے ہوئے فرمایا

لیس منی من او ید عوالی عصبیة [۷۱]

ان تمام نصوص قرآنی اور تعلیمات رسولؐ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہے کہ اسلام امن و سلامتی اور آسانی کا دین ہے علماء اور دیگر افراد کا معاملات زندگی میں انتہا پسندانہ ردعمل اسلامی تعلیمات کی نہ صرف قطعاً بر ید ہے بلکہ کھلی خلاف ورزی ہے حالانکہ مسلم کا معنی ہی ''سر تسلیم خم کردینے'' کا ہے۔ یعنی حکم خداوندی اور تعلیمات نبویؐ کو بلاچون و چرا تسلیم کرنا اور خواہشات نفس کو حاوی نہ ہونے دینا کسی کے ایمان پر حرف گیری کرنے سے پہلے اپنے ایمان کا جائزہ لیا جائے کہیں کسی پر فتویٰ لگاتے لگاتے اپنا ایمان ہی نہ گنوا بیٹھیں کیونکہ کسی کے اعمال کا بدلہ دوسرے کو نہیں دیا جائے گا ہر شخص اپنے اعمال کا خود مکلف ہے۔

دوسری طرف اگر کوئی مسلم محکم نصوص کی خلاف ورزی کرے اور نئی سے نئی تاویلات نکالے تو اسے پیار و محبت سے سمجھایا جانا چاہیے نہ کہ آغاز میں ہی نفرت کا بیج بو دیا جائے دیگر مسالک کے ساتھ معاندانہ طرز عمل کو ترک کر دیا جائے اور فروعی مسائل کو چھوڑ کر اصل پر اکٹھا ہوا جائے۔ کیونکہ اسلام کے بنیادی امور پر کسی کا اختلاف نہیں۔ اسلام صرف اور صرف تفرقہ بازی اور گروہ بندی کی مخالفت کرتا اور اسے مذموم قرار دیتا ہے آراء کا اختلاف اس کے نزدیک مستحسن ہے کیونکہ اس کی بدولت دین میں آسانی کا پہلو غالب ہے۔

امت مسلمہ کے اسی انتہا پسندانہ طرز عمل نے جس کا نتیجہ فرقہ بندی نکلتا ہے اسلام کو ترقی کے راستے سے ہٹا کر تنزلی کی راہ پر ڈال دیا اور امت میں کوئی بھی ایسا مرد آہن موجود نہیں جو انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کرے دنیا میں اس وقت مسلم ممالک تقریباً ۶۰ کے قریب ہیں لیکن اس مذہبی منافرت نے انہیں تیسری دنیا کے ممالک میں شامل کر رکھا ہے امت کے بجائے قومیت اور مسالک کے بتوں کو پروان چڑھایا جا رہا ہے جس کی وجہ سے مسلمان آج تر نوالہ ثابت ہو رہے ہیں۔ کیونکہ ایک مسلک دوسرے مسلک کو مسلم سمجھ کر اس کی مدد پر تیار ہی نہیں۔ اس پس منظر میں ہر مشورہ ہر تحقیق اور ہر تعبیر لازمی طور پر اجتماع کی شکل اختیار نہیں کرے گی'' کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ پورے خلوص نیت، علمی عبور اور جائزے و تجزیے کے بعد ایک سے زائد آراء و مسالک یکساں طور پر دین کے دائرے میں ہوں''۔[۴۲]

یہ ''علما کرام ہیں جن کی متقی قیادت شیطانی گروہوں کے حصار کو توڑ سکتی تھی مگر بدقسمتی یہ ہے کہ مذہبی فرقہ واریت نے ہماری ملت کی قوت کو اتنا مضمحل کر دیا ہے کہ عامۃ الناس اب لادین سیاسی قیادت پر قناعت کرنے پر آمادہ دکھائی دیتے ہیں جو کسی ایسے سے کم نہیں''[۴۳]

عصر حاضر میں مسلمانوں کے حال کا صحیح تجزیہ کرتے ہوئے شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے

اس ساری بحث سے یہ نتیجہ حاصل ہوا کہ انتہا پسندی ایک قبیح فعل ہے خواہ زندگی کے کسی بھی دائرے میں ہو۔ اس سے نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ '' کونوا عباداللہ اخونا'' پر عمل کیا جائے اور دوسرے تمام معبودان باطل کی پیروی چھوڑ دی جائے جو کہ خواہشات نفس کی وجہ سے ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں داخل ہو چکے ہیں۔ اللہ کے بندوں کا رویہ افراد معاشرہ کے ساتھ ہمدردی، محبت، خلوص، نیک نیتی اور رواداری پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہمیں ثابت کرنا ہے کہ ہمارا وجود دنیا کے لیے رحمت ہے کیونکہ ہم رحمۃ اللعالمین کے پیرو ہیں۔

تجاویز:

مذہبی انتہا پسندی کی شاخیں انسانی معاشرے میں بہت گہرائی تک گئی ہوئیں ہیں اس کے خاتمہ کے لیے تدریج کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے چند تجاویز درج ذیل ہیں۔

(۱) ہر نوعیت کی انتہا پسندی کی قانونی حوصلہ شکنی کے ساتھ ساتھ وفاقی سطح پر ایک علماء کونسل کا قیام جو تمام مسالک کے اکابر اور ذی اثر علماء پر مشتمل ہو اور ایسی ہی کونسلیں بالترتیب صوبائی، ڈویژنل اور ضلع کی سطح پر ہوں۔ ان کے لیے ایک متفقہ ضابطہ اخلاق وضع ہو جس کی پابندی سب پر لازم ہو، جب بھی کوئی مسئلہ کسی ضلع میں درپیش ہو تو وہ ضلعی کونسل اپنی سفارشات کے ساتھ اس مسئلہ کو اوپر کی کونسل کو روانہ کرے لیکن کسی بھی مسئلے کا حتمی فیصلہ کا اختیار صرف وفاقی کونسل کو حاصل ہو یہ کونسل فتوے جاری کرے

اس کونسل کے کسی عالم کا کردار سیاسی نہ رہا ہو یہی حکومت کو بھی تبلیغ کرے اور قرآن و سنت تک لائے۔

(۲) اسی کونسل کے ماتحت کتابوں کو سنسر کیا جائے اور اس بات کو ممکن بنایا جائے کہ کوئی کتاب سنسر ہوئے بغیر عوام تک نہ پہنچے اس کی خلاف ورزی کرنے والے افراد کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے۔

(۳) ایک ہی ادارے میں دینی اور جدید تعلیم دینے کا انتظام کیا جائے تاکہ نئی نسل ایک متوازن شخصیت کی مالک ہو اور مدرسوں سے پرتشدد مسلکی تدریس کو ختم کیا جائے۔

(۴) ہر جگہ ایک ہی خطبہ ہو جو کہ علماء کونسل ترتیب دے وہ فرقہ واریت اور انتہا پسندی سے پاک ہو۔نوجوانوں کی کردار سازی کرے اور انہیں ترقی اور تعلیم کی طرف راغب کرے۔

(۵) مسلم ممالک کا ایک نمائندہ ادارہ بنایا جائے جو کہ اسلام پر لگائے گئے الزامات کا موثر انداز میں جواب دے اور اسلام کا دفاع کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف تدابیر سے دیگر مذاہب کے ساتھ مفاہمانہ تعلق استوار کرے۔

(۶) سائنسی ترقی کی بنا پر جو انقلاب میڈیا میں آیا ہے اسے تعمیری کاموں کے لیے استعمال کیا جائے۔

(۷) اقوام متحدہ کے ذریعے مذہبی بنیادوں پر ناانصافی کا خاتمہ کیا جائے۔

مراجع و مصادر

۱ النسآء ۱۷۱

۲ ابن ماجہ کتاب المناسک باب قدر حصی الرمی، الکتب الستۃ ص ۲۶۶۰ ح ۳۰۲۸

۳ لسان العرب ۱۰۱۱/۲ مکتبہ ادارہ لسان العرب البیروت س۔ن

۴ جامع اللغات

۵ مفردات القرآن ص ۴۷۴ مکتبہ قاسمیہ لاہور طبع ۱۹۶۴

۶ "Mudd-ul- Qamus" Arabic English Le icon, Book I Islamic Book Center Lahore

۷ غلو فی الدین کی جدید صورتیں مکالہ نگار ہما اکرم سیشن ۲۰۰۱۔۲۰۰۲ شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب

۸ تدبر القرآن از امین احسن اصلاحی ج ۲ ص ۲۰۶ دار الاشاعۃ اسلامیہ لاہور طبع ۱۹۷۱

۹ المائدہ ۷۰

۱۰ فلسطین صیہونی درندگی کی انتہا، از عبدالغفار عزیز بحوالہ ماہنامہ ترجمان القرآن ص ۶۲ مئی ۲۰۰۲

۱۱ الجہاد فی الاسلام از سید ابوالاعلیٰ مودودی ص ۳۸۱۔۳۸۳ ادارہ ترجمان القرآن طبع ۱۹۸۸

۱۲ رواداری سیرت طیبہؐ کی روشنی میں از حافظ طاہر محمود اشرفی ص ۱۱۴ عمر پبلی کیشنز طبع ۲۰۰۲ء

۱۳ الجہاد فی الاسلام از سید ابوالاعلیٰ مودودی ص ۴۵۲ ادارہ ترجمان القرآن طبع ۱۹۸۸

۱۴ رواداری سیرت طیبہؐ کی روشنی میں از حافظ طاہر محمود اشرفی ص ۱۱۳ عمر پبلی کیشنز طبع ۲۰۰۲ء

۱۵ مسلم دنیا ۱۹۹۲ء ص ۴۴۷

۱۶ البقرہ ۱۴۳

۱۷ البقرہ ۲۵۶

۱۸ المائدہ ۳۲

۱۹ "Muhammad by" Martin Lings" P 125 Sohail Academy Lahore"

۲۰ رواداری سیرت طیبہؐ کی روشنی میں از حافظ طاہر محمود اشرفی ص ۴۳ عمر پبلی کیشنز طبع ۲۰۰۲ء

۲۱ اسلامی ریاست، عہد رسالت کے طرز عمل سے استشہاد از ڈاکٹر حمید اللہ ص ۱۰۱ الفیصل ناشران لاہور طبع ۱۹۹۲

۲۲ زوال رومتہ الکبریٰ ص ۱۵۸

۲۳ رواداری سیرت طیبہؐ کی روشنی میں از طاہر محمود اشرفی ص ۱۳۴ عمر پبلی کیشنز طبع ۲۰۰۲ء

۲۴ "Christianity Islam and the negro race" بحوالہ رواداری سیرت طیبہؐ کی روشنی میں از طاہر محمود اشرفی

۲۵ "Why I am not a Christian" بحوالہ ایضاً

۲۶ "Muhammad i western Attempt to Understanding Islam P ۲۶۶"

۲۷ دعوت دہلی ۱۹۸۳

۲۸ امریکہ اور اسلامی تحریکیں از ڈاکٹر طاہر امین بحوالہ ماہنامہ ترجمان القرآن مارچ ۲۰۰۱ء

۲۹ مغربی میڈیا اور مسلم دنیا از محمد ایوب منیر بحوالہ ماہنامہ ترجمان القرآن ص ۶۲ دسمبر ۲۰۰۱ء

۳۰ "Weekly News Week" p 58 ماہنامہ ترجمان القرآن

۳۱ ماہنامہ امپیکٹ انٹرنیشنل لندن جنوری ۲۰۰۱ بحوالہ ماہنامہ ترجمان القرآن ص ۶۳ مارچ ۲۰۰۱ء

۳۲ الجہاد فی الاسلام از سید ابو الاعلیٰ مودودی ص ۱۵ ادارہ ترجمان القرآن طبع ۱۹۸۸

۳۳ البقرہ ۱۹۳

۳۴ الجہاد فی الاسلام از سید ابو الاعلیٰ مودودی ص ۴۵ ادارہ ترجمان القرآن طبع ۱۹۸۸ء

۳۵ النساء ۷۵

۳۶ البقرہ ۱۹۰

۳۷ رواداری سیرت طیبہ کی روشنی میں از طاہر محمود اشرفی ص ۲۵ عمر پبلی کیشنز طبع ۲۰۰۲ء

۳۸ اسلام۔ سلامتی کا دین از سید ابو الاعلیٰ مودودی بحوالہ ماہنامہ ترجمان القرآن ص ۱۵ جولائی ۲۰۰۲ء

۳۹ قرآن اور تشدد۔ مستشرقین کے نقطہ نظر کا جائزہ از ڈاکٹر انیس احمد ماہنامہ ترجمان القرآن مارچ ۲۰۰۳ء

۴۰ اشارات۔ امریکی عزائم مقابلے کی حکمت عملی از پروفیسر خورشید احمد ماہنامہ ترجمان القرآن ص ۹ فروری ۲۰۰۳ء

۴۱ رحمتہ اللعالمین از قاضی سلمان منصور پوری ج ۲ ص ۲۱۳ شیخ غلام علی اینڈ سنز

۴۲ محسن انسانیت از نعیم صدیقی ص ۳۴۷۔ ۳۴۸ الفیصل ناشران طبع ۲۰۰۳ء

۴۳ ضرب کلیم ۱۵۷

۴۴ مغرب اور اسلام میں مکالمہ از ڈاکٹر انیس احمد بحوالہ ماہنامہ ترجمان القرآن جون طبع ۲۰۰۲ء

۴۵ الحجرات ۱۰

۴۶ الشوریٰ ۱۳

۴۷ ال عمران ۱۰۳

۴۸ الفتح ۲۹

۴۹ ضرب کلیم ۸۷

۵۰ بنیاد پرستی از پروفیسر ڈاکٹر سلیم اختر ص ۱۷۸ سنگ میل پبلی کیشنز طبع ۱۹۹۲

۵۱ ایضاً

۵۲ النسآء ۹۳

۵۳ شرح السنۃ ج ا ص ۲۲۹ طبع بیروت ۱۹۷۱ء

۵۴ جامع البیان العلم از ابن البرج ۲ ص ۸۰

۵۵ احکام القرآن لا ابن العربی ج ا ص ۳۸۲

۵۶ ماہنامہ ترجمان القرآن، پروفیسر خورشید احمد ص ۳۸ اپریل طبع ۲۰۰۲

۵۷ ضرب کلیم ۷۵

۵۸ الانعام ۱۵۹

۵۹ الاحزاب

۶۰ صحیح بخاری کتاب الادب باب ۱۰ ارحمته الناس و المهائم حديث ۲۰۱۸

۶۱ صحیح بخاری کتاب الادب باب ۱۶ تعاون المومنين بعضهم بعضاً ح ۲۰۲۶

۶۲ صحیح بخاری کتاب الادب باب ۲۲ ماینهی عن التحاسد و التدابر ح ۲۰۳۴

۶۳ صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب ۲۴ ماینهی عن دعوی الجاهلية ح ۱۴۶۷

۶۴ صحیح بخاری کتاب المظالم باب ۳ لايظلم المسلم المسلم ولا يسلمه ح ۱۱۱۵

۶۵ صحیح بخاری کتاب الادب باب ۱۹ ماینحی من السباب و اللعن ح ۲۰۳۱

۶۶ صحیح بخاری کتاب الادب باب ۱۹ ماینحی من السباب و اللعن ح ۲۰۳۰

۶۷ صحیح بخاری کتاب الانبیاباب ۲۴ ماینحی عن دعوی الجاهلية ح ۱۴۶۷

۶۸ سنن ابوداؤد کتاب الادب باب فی الحسد الکتب الستۃ ص ۱۵۸۳ ح ۴۰۰۹

۶۹ صحیح بخاری کتاب الادب باب ۱۵ الرفق فی الامر کلہ ۲۰۲۵

۷۰ مسند احمد بن حنبل ۶، ۱۸۱ بحوالہ راہ عمل از مولانا جلیل حسن ندوی ص ۱۹۰۔۱۹۱ اسلامک پبلی کیشنز طبع ۱۹۹۹

۷۱ صحیح مسلم کتاب الامارہ ۵۴

۷۲ مسلکی منافرت اور تشدد از ڈاکٹر انیس احمد بحوالہ ماہنامہ ترجمان القرآن ص ۵۰ فروری ۲۰۰۲

۷۳ وحدت ملی از صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی ص ۱۴۵

''دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اُس کا خاتمہ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں''

پروفیسر ڈاکٹر عصمت ناز، ملتان

لاکھوں درود وسلام اس محسن انسانیت پر جس نے کفر وضلالت کا پردہ چاک کیا اور حق وصداقت کی شمع روشن کی، جس نے جبر و استبداد و انتہا پسندی کی تمام فصیلوں کو منہدم کیا اور محبت و رحمت کے ساتھ اعتدال کا چشمہ جاری وساری کیا، جس نے رنگ ونسل کے بتوں کو پاش پاش کر کے اخوت ومساوات کا علم بلند کیا اور مذہب کو دنیا بھر کے مظلوم ومحکوم لوگوں کیلئے جائے پناہ بنادیا۔

چشم فلک نے ابتدائے آفرینش سے ہی انقلابات کا اتار و چڑھاؤ دیکھا اسکے اثرات دیکھے مگر جو انقلاب عظیم پیغمبر آخرالزمانؐ لائے اس کی تاریخ انسان میں نظیر نہیں ملتی کیونکہ اس نے فکر وعمل پر جو گہرے اور دائمی اثرات مرتب کئے دوسروں کو اس سے قبل یا اس کے بعد ان اثرات کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں ہوا......آج بھی دنیا میں نت نئے انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور ان خود ساختہ انقلابوں کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کیلئے ''مذہب'' کو بطور ہتھیار اور سہارے کے استعمال کیا جاتا ہے لیکن جبر واکراہ کے خمیر سے اٹھنے والے طوفانوں کو انقلاب کی سند نہیں دی جاسکتی جبکہ آنحضرتؐ کی تعلیمات آپ کا لایا ہوا انقلاب حیاتِ انسانی کو ہر جہت سے فطرت اور سچائی سے قریب تر کر دیتا ہے۔

اور اس یقین اور اعتماد کی بدولت اسی سچائی اور فطرت کے مطابق انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبے میں مثبت انقلابی رویے ابھرتے ہیں چنانچہ تہذیبی معاشرتی اور سیاسی اعتبار سے انسان بے ہنگم اور بے مہار آزادی غلط روی، انحراف وانتہا پسندی کی راہوں پر بھٹکنے کی بجائے اطاعت، تزکیہ نفس اور تکمیل ذات اور تکمیل معاشرہ سے تکمیل انسانیت کی جانب رواں دواں ہو جاتا ہے۔

آنحضرتؐ کی تعلیمات، آپ کا پیغام، آپ کی سیرت ہر دور کیلئے راہ نما ہیں اس پیغام جاودانی کیلئے تو صدیاں درکار ہیں کہ ان کی تشریح کی جائے تو تب بھی تشنگی باقی رہتی ہے لہٰذا وقت کے تقاضے کے پیش نظر دور حاضر کے تناظر میں نبی پاکؐ کی تعلیمات کے صرف مذکورہ پہلوؤں کی ہی خوشہ چینی کی جسارت کرنی ہوگی تا کہ آپؐ کی تعلیمات دور جدید کے انسانوں کیلئے عمل کا پیغام بن کر ابھریں اور ہم یہ ثابت کرسکیں کہ ہمارے نبیؐ کے بتائے ہوئے اصول وضوابط آج بھی سسکتی ہوئی انسانیت کے مصائب وآلام کا آخری مداوا ہیں اور دور جدید کا انسان نظریاتی یلغاروں اور فکری طوفانوں، مادی تصورات کے کھوٹے سکوں، نام نہاد ازموں سے اسی صورت میں نجات پاسکتا ہے اگر وہ آنحضرتؐ کی سیرت کامل سے راہنمائی حاصل کرے کیونکہ آپؐ کی سیرت ایک فرد کی سیرت نہیں بلکہ ایک اجتماعی تحریک کی روح رواں ہے زیر نظر صفحات میں ''مذہبی انتہا پسندی'' کے حوالے سے کچھ گفتگو ہوگی۔

ہر دور میں ہی مذہب کی آڑ میں خواہ وہ الہامی ہو یا خود ساختہ مذہب بعض گروہوں نے اس کو اپنے مذموم مقاصد کیلئے استعمال کیا ہے۔مگر گزشتہ چند سالوں سے بالعموم اور عصر حاضر میں بالخصوص مذہبی انتہا پسندی کا رجحان بہت شدت کے ساتھ سامنے آیا ہے۔ اس رجحان نے امن وسکون کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے اور مختلف طبقات، نسلوں، فرقوں اور معاشروں کو اس طرح سے نشانہ بنایا ہوا ہے کہ بدگمانیاں عام ہو رہی ہیں ایک دوسرے کے خون کی پیاس بجھتی ہے مگر مذہبی جنونی محض اپنی دکانداری چمکانے کی خاطر ذاتی مفادات کیلئے اس طرح کی مذموم کوششوں میں مصروف ہیں۔

قرآن، توراۃ، انجیل، رگ وید، ژند اوستار (پارسی) دھولی (مہاتما بدھ) کنفیوشس (چین) یونانی فلاسفر سب کے ہاں انسانیت کا احترام ہے انسانی خون کا احترام ہے۔مگر ان باقی مذاہب سے کہیں زیادہ مذہب اسلام، قرآن اور آنحضرت کی ذات کے حوالے سے جو چیز سامنے آتی ہے اس میں عملی مثالیں ہیں۔ آنحضرتؐ کا فرمان ہے اور قرآن میں بھی واضح الفاظ میں آتا ہے کہ:

"لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْتَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ"

دین میں جبر نہیں راہ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکا ہے [1]

"اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ عِنْدَاللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عَيَالِهٖ"

ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور اس کے نزدیک سب سے پسندیدہ مخلوق وہ ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ نیکی کرے [2]

اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کی زبان میں انسانیت امن سلامتی وغیرہ اتنے اہم ہیں کہ قرآن میں آتا ہے کہ "جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر کے تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور آپؐ کا فرمان کریم ہےؐ کہ "دنیا کے فنا ہونے سے بھی بے گناہ مومن کا قتل اللہ کے نزدیک شدید ترین ہے" صرف اسی پر ہی بس نہیں بلکہ غیر مسلموں کے جان و مال کے احترام کی شاندار مثالیں آپؐ نے بذات خود قائم کی تھیں اور مسلمانوں کو اس کی ہدایت کی تھی اور امن کی حالت اور جنگ کے دنوں میں بھی کسی قسم کی انتہا پسندی کو پسند نہیں کیا گیا۔ مال غنیمت، جنگی قیدی، پانی کنویں، درخت وغیرہ ہر ایک کے احترام اور ہر پہلو سے عدل اور توازن برقرار رکھنے کیلئے کہا گیا ہے لیکن یہ بات باعث حیرت ہے کہ مذہبی لبادہ اوڑھنے والے شرپسند عناصر قرآن و حدیث کے اس واضح احکامات کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور اتحاد و یکجہتی کے جذبے کو برداشت اور رواداری کو فروغ دینے کی بجائے نفرتوں اور عداوتوں کی فصلیں کاشت کرتے ہیں اور دلوں میں ناپید ہونے والی دشمنی ڈال دیتے ہیں۔

سید المرسلینؐ کی سیرت طیبہ کا سب سے اول اور مستند ماخذ قرآن کریم ہے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آپکو چلتا پھرتا قرآن قرار دیا تھا تو جہاں قرآن میں ارشاد ربانی ہے کہ:

"تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور فرقے فرقے مت ہو جاؤ"

تو آنحضرتؐ نے بھی مسلمانوں کی باہم فرقہ بندی کو انتہائی ناپسند کیا ہے۔ آپؐ کے اقوال ہر دور اور ہر زمانے کیلئے ہیں مگر آج کے دور میں ان کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے کیونکہ آج ایمان والوں نے عمل کے زاویوں کو بالائے طاق رکھ دیا ہے جو

سنت مطہرہؐ کا اہم تقاضا ہیں جس کی وجہ سے بھائی بھائی کے خلاف برسرپیکار ہے غیر ملکی اور اجنبی نظریات کی یلغار ہے اور ہم مادی اور معاشی ذرائع پر مشتمل بے شمار قوتوں کے مالک ہوتے ہوئے ہم کمزور ہیں اور نبی کریمؐ کے فرمان کے مطابق کثرت کے باوجود ہماری مثال ''سیلاب کے پانی پر اٹھنے والی جھاگ کی سی ہے جس کو پانی کا ریلا جس طرف چاہے بہا کر لے جاتا ہے۔

سیرت طیبہ کے پیغام میں مسلمانان عالم بلکہ تمام انسانوں کیلئے یہ پیغام ہے کہ غور وفکر سے کام لو اور اپنی حالت پر کڑھنے کی بجائے اس کے اسباب تلاش کرو اور اس کے لیے لائحہ عمل مرتب کرو۔ جیسا کہ قرآن میں آتا ہے کہ ''رسول اللہ کے اسوہ حسنہ میں ہمارے لیے بے مثال نمونہ ہے'' اس بناء پر سیرت طیبہ کے حوالے سے کردار سازی کی ضرورت ہے۔

لیکن یہ بات اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک اعمال میں اخلاق میں احوال میں اطوار میں ہم تقویٰ اختیار نہ کریں اور ہر قدم پھونک پھونک کر قدم نہ اٹھائیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تقویٰ ہی انسانیت کی روح ہے اور اسی سے زندگی میں نکھار پیدا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی المنکر کا سادہ سا اصول اپنانا ہوگا جس سے حقوق اللہ اور حقوق العباد کے سارے زاویے اپنی تکمیل کو پہنچتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ رواداری اور تحمل کی اور برداشت کی کمی نے ہمیں لاتعداد مسائل سے دوچار کر دیا ہے ہم انتہا پسندی کی طرف کیوں مائل ہوتے ہیں صرف اس لیے کہ ہم دوسروں کو غلط جانتے ہیں، معاشرے کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں اور فوری انقلاب کے خواہشمند ہوتے ہیں اور شاید کسی جگہ نمایاں ہونے کی خواہش یا کسی دبی ہوئی خواہش کے حصول کیلئے اس طرح کا مظاہرہ کر بیٹھتے ہیں کہ اس سے نہ صرف اپنی ذات کا اہل خانہ کا، سوسائٹی اور ملکی املاک قومی اتحاد اور عالمی رائے کا بھی ضیاع ہوتا ہے ہم کسی دوسرے نظریات وخیالات سننے کیلئے تیار ہی نہیں ہیں۔

حالانکہ نبیؐ کی زندگی ہمارے لیے مثال ہے کہ آپؐ نے نبوت سے قبل عرب معاشرے کی تمام تر برائیوں کو دیکھا مگر اس سے الگ تھلگ ہو کر صادق وامین کا لقب حاصل کیا اور اسلام آنے کے بعد مکی زندگی میں تیرہ سال تک اسلامی رواداری کا جو شاندار مظاہرہ کیا تھا، تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی ہے آپؐ نے ثابت کیا کہ کھلم کھلا اختلاف رائے بھی آپ کی رحمت و شفقت کے راستے میں حائل نہیں ہے۔ وہ مخالفت کرنے والے کو جھوٹ کے معاندانہ مسلک پر قائم دیکھ کر بھی ''خلق عظیم'' کے مرتبے سے نہیں ہٹے اور غیروں کو بھی گلے لگانے سے گریز نہیں کیا اور باغی گروہوں اور جانی دشمنوں کو بھی اخلاق کی قوت سے زیر کر کے انہیں حلقہ بگوش اسلام کیا ورنہ آپؐ اگر چاہتے تو اپنے جانباروں کے ساتھ حتیٰ کہ آپکا اشارہ فرشتوں کی فوج در فوج بلا سکتا تھا مگر آپ نے نہ فرشتوں کے ساتھ نہ جانثاروں کے ساتھ کسی انتہا پسندی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ برداشت تحمل عفو و درگزر کی ایسی مثال قائم کی ہیں کہ ہر کوئی یہ ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ واقعی آپؐ رحمت اللعالمین ہیں۔ آپکا فرمان ہے:

''مسلمان وہ ہے جو خود تکلیف برداشت کرے کہ دوسرے لوگ آرام سے رہیں''[۲۳]

اور آپ تو دشمنوں کی پریشانی اور مصیبت پر بھی خوش نہیں ہوتے تھے بلکہ حتی الوسع ان کی مدد فرماتے تھے جب مکہ میں قحط کے آثار کی خبریں مدینہ پہنچیں تو آپؐ نے ۵۰۰ دینار ابوسفیان کو بھیجے اور کچھ غلہ بھی بھجوایا تا کہ مکہ کے غریبوں کی مدد کی جائے[۲۴]

واضح ہو کہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے شعب ابی طالب میں اڑھائی سال تک مسلمانوں کو معاشرتی مقاطعے کے ساتھ بند رکھا تھا اور لوگ بھوک سے بلک بلک کر بے چین ہوتے تھے اور اہل مکہ بچوں کو رونے کی آواز سن کر خوش ہوتے تھے یعنی انتہا پسندی اور مخالفت وجنون کی انتہا اہل مکہ نے کر دی مگر رحمت مجسم نے اس وقت جبکہ ابھی اہل مدینہ بھی بہت خوشحال نہیں تھے اہل مکہ کو امداد دیکر ثابت کیا کہ آپؐ حالات سے کیسے نپٹتے تھے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام عدل کا دین ہے اور حضورؐ نے اس کو عملی لحاظ سے ثابت کر دکھایا تھا ہجرت مدینہ کے بعد جب معرکوں اور غزوات کا سلسلہ چلا تو بھی آپؐ نے جنگی قیدیوں کے ساتھ بہت ہی نرم سلوک کیا اور صحابہ کرام کو بھی اس کی ہدایت فرمائی۔ ان قیدیوں کو کسی جیل خانے یا عقوبت خانے میں نہیں رکھا گیا بلکہ گھروں میں رکھا گیا خود بھوکے رہ کر انہیں کھانا دیا گیا اور ان کو ہر طرح کا آرام وسکون فراہم کیا گیا۔[۵]

آپؐ کی تعلیمات میں دیگر مذاہب مثلاً عیسائیت اور یہودیت کو بھی قابل احترام جانا گیا ہے۔ آپ اپنے ان مذاہب کے پڑوسیوں کا بھی خیال کرتے تھے آپؐ نے عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ تمہارے ہاں بکری ذبح کی گئی ہے کیا پڑوسی جو کہ یہودی ہے اس کو گوشت بھجوایا گیا ہے یعنی آپ محسن سلوک کا ایسا مظاہرہ فرماتے تھے کہ غیر مسلم انگشت بدنداں رہ جاتے تھے آپؐ نے جنگیں بھی مجبوری کے عالم میں لڑی تھیں کیونکہ آپؐ نے قسم کھا کر فرمایا تھا کہ:

''تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں''[۶]

بہت مرتبہ ایسا ہوا کہ لوگوں نے آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی مگر آپؐ نے انہیں معاف فرما دیا۔ فتح خیبر کے موقع پر کھانے میں زہر ملانے والی عورت کو بھی معاف کر دیا۔ فتح مکہ کے موقع پر تمام دشمنوں کو آپؐ نے جس طرح معاف کیا اور فرمایا کہ ''جاؤ آج تم سے کوئی تعرض نہیں ہے جاؤ تم سب آزاد ہو''[۷]

آپؐ کی ان تعلیمات پر قرون اولیٰ کے مسلمانوں اور بالخصوص صحابہ کرامؓ نے بھرپور عمل کیا۔ حضرت امام حسنؓ کو زہر دیا گیا آپؓ نام جانتے تھے مگر ظاہر نہیں کیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو ایک غلام نے ایک ہزار دینار لیکر زہر دینے کی کوشش کی آپ نے اس سے رقم لیکر بیت المال میں جمع کروائی اور اسے معاف کر کے بھگا دیا کہ گرفتار نہ ہو جائے۔

علامہ شبلی نعمانی نے خطبات میں لکھا ہے کہ فتح مصر کے دوران اتفاق سے کسی سپاہی کا تیر حضرت عیسیٰ کی تصویر میں جالگا عیسائیوں کا مطالبہ تھا کہ اپنے نبیؐ کی تصویر لاؤ ہم قصاص چاہتے ہیں حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا کہ ہمارے ہاں تصویر نہیں ہوتی اور نہ ہم اس کی عزت کرتے ہیں ہاں قصاص میں یہ خنجر لو اور میں حاضر ہوں۔ عیسائیوں نے یہ کہہ کر خنجر رکھ دیا کہ ایسے منصف مزاج لوگوں سے ہم کیسے بدلہ لیں[۸] اس بات کو بعض انصاف پسند مورخین مانتے بھی ہیں جیسا کہ معروف ومشہور بین الاقوامی ہندو کمیونسٹ لیڈر ایم این رائے لکھتا ہے:

''مسلمانوں کو اس بات کا شاید ہی اندازہ ہو کہ ان کے مذہب نے تاریخ کے سٹیج پر کیسے کیسے شاندار کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا استحکام ان کی بہادری نہیں تھا بلکہ اس کی وجہ اسلامی عقائد اور اسلامی قوانین کا

ترقی یافتہ ہونا تھا اسلام کا اس قدر تیزی کے ساتھ پھیلنا عظیم ترین معجزہ ہے جدید مورخین کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اس حیران کن معجزے پر بھرپور توجہ دیکر بیان کرے۔ اسلام کی تلوار خلق خدا کی خدمت کیلئے اٹھائی گئی تھی اس کے نتیجے میں ایک نئی سوشل طاقت اور ایک نئی علمی طاقت اور عقلی زندگی پھلی پھولی جس نے تمام مذاہب اور نظریات کی قبر کھود کر رکھ دی''۔[۹]

مگر افسوس کہ اسلام کو ان معنوں میں کم لوگوں نے سمجھا بلکہ خود اسلام کے پیروکار بھی اس رمز کو نہیں جان پائے کہ شدت پسندی مسائل کا حل نہیں ہے اپنی رائے اور مسلک سے اختلاف رکھنے والوں کو بھی انسان سمجھنا ضروری ہے ان پر خواہ مخواہ کی یلغار ہمارا راستہ نہیں ہے کیونکہ ہمارے نبیؐ نے ہمیشہ اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ آپؐ نے زخم کھا کر پھول برسائے ہیں طائف کا واقعہ اس بات کا گواہ ہے کہ آپؐ سے زخمی حالت میں جب فرشتے نے آکر کہا تھا کہ اے نبیؐ اگر حکم دیں تو طائف کی آبادی کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس کر رکھ دوں مگر آپؐ کا فقید المثال جواب یہ تھا کہ ''نہیں میں بددعا نہیں کروں گا ہوسکتا ہے کہ ان کی نسلوں میں سے لوگ اسلام کی خدمت کریں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے نزدیک انسانی جانوں کا کس قدر احترام تھا آپؐ اختلاف رائے کو مخالفت کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے۔ بے گناہ کے خون بہانے کو پوری انسانیت کا خون بہانے کے مترادف قرار دیا گیا۔ اس لیے ہمیں بھی چھوٹے چھوٹے مسائل اور اختلافات میں الجھ کر ایک دوسرے کی جان کے درپے نہیں ہونا چاہیے اور اسلام کے احکامات کے مطابق صلح امن صبر اور برداشت کا رویہ اپنانا چاہیے آپس کے نظریاتی اور اجتہادی مسائل میں نہیں الجھنا چاہیے بلکہ ایک دوسرے کو ساتھ لیکر چلنا چاہیے۔

ہمیں آنحضرتؐ کی تعلیمات جو امن اور حرمت نفس سے متعلق ہیں وہ پیش نظر رکھنی چاہیے اور کیونکہ کاروبار دنیا کا انحصار ہی انسان پر ہے انسان ہی اصل مدعا ہے قرآن کا موضوع آنحضرتؐ کا مخاطب ہے لہٰذا جذبات میں آکر انسان کو نقصان پہنچانا انسانیت کی تذلیل ہے اگر اس سلسلے کو بند کرنے کی کوششیں نہ ہوئیں تو دنیا میں بدامنی بڑھ جائے گی اور مسلمانوں کا یہ بھی فرض ہے کہ عصر حاضر میں جب سنجیدہ سوچ رکھنے والے غیر مسلموں نے بھی آنحضرتؐ کے پیغام امن کو سمجھنے کی کوشش شروع کر دی ہے تو ہم بھی آپؐ کی تعلیمات میں خود کو ڈھالیں۔ ڈاکٹر مائیکل ہارٹ کی کتاب ''The Hundred'' جو گزشتہ صدی کے آخری ربع حصے میں منظر عام پر آئی تھی اس نے اس میں آنحضرتؐ کو تاریخ کا دھارا بدلنے والی شخصیات میں پہلے نمبر پر رکھا ہے مائیکل ابھی تک حیات ہے عیسائی مذہب کا پیروکار ہے مگر اپنے حضرت عیسیٰؑ کو دوسرے نمبر پر رکھا ہے اس کی وجہ وہ یہ بتاتا ہے کہ:

"This is because he is the only person supremely successful in both the Religious and secular fields" [۱۰]

آگے چل کر وہ سیکولر فیلڈز کو اجتماعیت سے زیادہ افراد کے حقوق سے منسلک کرتا ہے جس میں انسان کو مذہبی آزادی معاشی معاشرتی اور سیاسی نظریات کی آزادی سماجی برائیوں کو غلط جاننے کی آزادی اور احترام جان و مال ہے کیونکہ وہ خوب جانتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ہوں یا گوتم بدھ وہ مذہبی میدان میں تو کامیاب ہوں مگر ریاست اور سیاست میں ملکی معاملات میں انکا کوئی

مقام اور جگہ نہیں ہے اسی طرح ایٹلا، سکندر اعظم سیکولر میدان میں تو شاید عظیم ہوں مگر مذہب سے انکا اتنا تعلق نہیں بنتا ہے۔

ایچ جی ویلز کافی متعصب ہے اور اس نے آنحضرتؐ کے متعلق بعض اوقات نامناسب الفاظ کے استعمال سے بھی گریز نہیں کیا مگر جب وہ خطبہ حجتہ الوداع کا ذکر کرتا ہے تو خود ہی چاروں شانے چت ہو جاتا ہے اور برملا اعتراف کرتا ہے کہ:

''اگرچہ انسانی حریت عظمت، اخوت و مساوات کے وعظ پہلے بھی بہت تھے مگر آنحضرتؐ بلا مبالغہ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے ان باتوں کی صرف نصیحت ہی نہیں کی بلکہ بالفعل ایک باضابطہ معاشرہ ان ہی اصولوں پر قائم کر کے دکھایا''[۱۱]

یہاں غیر مسلم مورخین کا حوالہ اس لیے دیا گیا ہے کہ بعض لوگ یہ کہتے ہوئے پائے جاتے ہیں کہ مسلمان تو عقیدت کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں اور انہوں نے تو اپنے مذہب کو اپنے نبیؐ کو اچھا کہنا ہی ہے لہٰذا یہ بتانا مقصود تھا کہ اصل اعتراف اور فضیلت تو وہ ہے جس کا اظہار دشمن بھی کریں اور الحمد اللہ آنحضرتؐ کی شخصیت اور آپؐ کی تعلیمات ان تمام معیاروں پر بلکہ اس سے کہیں زیادہ بلندی پر ہیں۔

کیونکہ جس قدر رواداری ہمیں آپؐ کی شخصیت اور آپ کی تعلیمات میں نظر آتی ہے وہ آپؐ کی بڑی خوبی ہے آپؐ نے دین کی تبلیغ کے سلسلے میں بھی کبھی سختی نہیں دکھائی البتہ آپؐ کی خواہش ضرور تھی کہ اسلام تمام دنیا پر چھا جائے۔ مگر آپؐ نے اس بات کو واضح کر دیا کہ میں جبراً اپنا وجود منوا سکتا تھا میرے لیے یہ کوئی مشکل نہیں تھا لیکن میں یہ جبراً نہیں کروانا چاہتا تھا میں نے دلیل حجت کو سامنے رکھ کر گمراہی و ہدایت کا فرق واضح کر دیا اور انسان کو آزادی دی کہ وہ خواہ گمراہی کی راہ اختیار کرے یا رشد و ہدایت کی جیسا کہ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اگر تیرا مالک چاہتا تو زمین میں جتنے لوگ ہیں سب ایمان لے آتے کیا تو لوگوں کو زبردستی مومن بنائے گا''[۱۲]

آج مذہب کے نام پر جو کام کیا جا رہا ہے اس میں بیشتر لوگ دوسروں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنے سے شاید وہ اسلام کی خدمت کر رہے ہیں بظاہر تو یہ بات بڑی ہی خوش آئند اور خوش کن لگتی ہے کہ ہم زمین کا گوشہ گوشہ نور حق سے مزین کریں اور ہر طرف سے لاالہ الا اللہ کی صدائیں سنائی دیں لیکن اللہ کی مصلحتیں کچھ اور ہیں۔ عبادات و ریاضت میں تو ملائکہ بہت تھے۔ اللہ نے کائنات کی تکمیل کیلئے انسان کو بنایا اور اسے تو عصلا حیتوں سے نواز کر آزاد چھوڑ دیا کہ یہ نیکی اور بدی میں تمیز کر سکیں اور راہ حق اختیار کرنے پر کسی کو مجبور نہ کیا جائے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ خود ایسا بندوبست کر سکتا تھا کہ لوگ شرک نہ کریں اسی لیے نبی اکرمؐ کو بھی کہا گیا کہ وہ آپکا کام تو صرف حق پہنچا دینا ہے۔

صلح حدیبیہ تاریخ اسلام میں بہت اہمیت کا حامل معاہدہ ہے بلکہ تاریخ عالم میں بھی اس کی اہمیت محسوس کی جاتی ہے اس میں بھی آپؐ نے رواداری، برداشت اور امن قائم رکھنے کیلئے بظاہر دب کر صلح کی تھی مگر اس کے جو نتائج اور دور رس اثرات تاریخ پر مرتب ہوئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کی نگاہ آنے والے دور پر تھی اور یہ معاملہ آپ کی فہم و فراست حکمت و دانشمندی کی بہترین مثال ہے۔ آپ کے پاس طاقت تھی، افراد تھے، لوگوں کا جذبہ ایمانی تھا ہتھیار تھے مگر آپؐ نے چڑھائی کرنا یا لڑائی

کرنا پسند نہ کیا بلکہ شرائط طے کرلیں۔ حتیٰ کہ معاہدے کے تحریر کرتے وقت بھی بسم اللہ کے الفاظ اور محمد رسول اللہ کے الفاظ کو آپؐ نے کفار کی خاطر مٹانا پسند کیا تھا۔ ورنہ اتنی اتنی سی باتوں پر تلواروں کا نکل آنا عام سی بات تھی۔

بلکہ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ آج بھی اس قسم کے حالات میں قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو جانا عام سی بات بن گیا ہے اور اس وقت دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ بن کر ابھرا ہے۔ سکون ایک بڑی دولت و نعمت ہے انسانی تہذیب و تمدن کا نقطہ عروج بھی ہے اور نعمت عظمیٰ بھی ہے لیکن اب یہ دولت ناپید ہو رہی ہے اور اس کے نتیجے میں پوری نوع انسانی کرب و اضطراب اور انتشار و عذاب سے دوچار ہے آج جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا ہے کہ پوری دنیا میں عموماً اور پسماندہ ممالک میں خصوصاً دہشت گردی کی ایک ایسی لہر اٹھی ہے کہ جس نے آرام و سکون کو غارت کر کے رکھ دیا ہے اور دلوں سے چین اور ذہنوں سے اطمینان کو عنقا کر دیا ہے۔ انتہا پسندی ایک پہلو سے نہیں بلکہ ہمہ جہت پہلوؤں سے انسانیت کے درپے ہے اور یہ سب کچھ مذہب کے نام پر کیا جا رہا ہے، کہیں دولت کے حصول کی خاطر، کہیں ذاتی تنازعات اور انتقام کو، کہیں سیاسی اختلافات کو، کہیں لوگوں کو غلام بنانے کی خاطر، کہیں اپنے مذموم مقاصد کی خاطر، اسلحہ بیچنے کی خاطر، اپنی منڈیاں تلاش کرنے کی خاطر اس قدر انتہا پسندی کے رویے سامنے آتے ہیں کہ آج گھر سے باہر جانے والا شخص، کسی بلڈنگ میں، کسی جہاز یا کسی ٹرین میں، کسی مسجد یا بارگاہ میں حتیٰ کہ خود اپنے گھر میں اپنی گاڑی میں بھی خود کو محفوظ تصور نہیں کرتا ہے۔ کوئی پتہ نہیں ہے کہ اگلے لمحے کیا ہونے والا ہے۔ ممکن ہے مسافر یرغمال بنا لیے جائیں یا حملہ کر کے لوگوں کو ختم کر دیا جائے گھروں کے اندر سونے والے صبح خون میں نہائے ہوئے ہوں اس قسم کے واقعات سے معاشرے میں مایوسی اور گھٹن بڑھتی جا رہی ہے۔

انتہا پسند تنظیمیں اور افراد ہنگامے کرواتے ہیں تا کہ ملک میں انتشار پیدا ہو اور انہیں خوب پراپیگنڈہ کرنے کا موقع مل سکے اور کبھی کبھار حکومتیں خود ایسا کرواتی ہیں تا کہ اپنے مخالفین کو ختم کیا جا سکے اور عامتہ الناس میں خوف و ہراس کی فضا قائم کی جائے اور لوگوں پر یاسیت طاری ہو۔ بعض اوقات کوئی گروہ یا تنظیم اس انتہا پسندی کی ذمہ داری قبول کر لیتی ہے مگر ایسا ہر دفعہ ممکن نہیں ہے حالانکہ قرآن پاک میں آتا ہے کہ:

اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ

یعنی فتنہ قتل سے بھی زیادہ بری چیز ہے کیونکہ انسان جب کمزور پر ظلم کرتا ہے، جائز حقوق سلب کرتا ہے کسی کو تکلیف پہنچاتا ہے جبر و استبداد کے ساتھ حق کو دباتا ہے اور قبول حق سے روکتا ہے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اعتدال کی راہ اختیار نہیں کرتا ہے تو وہ یقیناً مذہبی انتہا پسندی کی غلط راہ پر چل نکلتا ہے جبکہ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آنحضرتؐ کے تمام دور میں محض ۷۵۹ کفار قتل ہوئے اور محض ۶۵۶۴ قیدی بنے ان میں سے ۶۰۰۰ کو فوراً رہا کر دیا گیا تھا جبکہ آج کی مہذب دنیا میں محض جنگ عظیم اول میں تقریباً ۷۵ لاکھ افراد لقمہ اجل ہوئے۔ زخمی، مفلوج اور مجبور لوگ اس کے علاوہ ہیں۔

تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ قوموں کی تقدیر بنانے میں ہمیشہ ان افراد نے اہم کردار ادا کیا جو لوگ مشکل اور مخالف حالات میں اختلافات کو ہر رخ سے دیکھتے ہیں اور ان کا حل تلاش کرتے ہیں وسعت قلبی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور دوسروں کیلئے

ذہنی وفکری اذیت کا باعث نہیں بنتے ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے کہ" جو لوگ خدا کے علاوہ اپنے خود ساختہ معبودوں اور خداؤں کو پکارتے ہیں تو انہیں گالی مت دو کیونکہ جواباً وہ بھی جہالت کی وجہ سے اللہ کو گالیاں دینگے" اسی لیے سید الکونین ؐ کو بتایا جاتا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ "تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین" کس قدر خوبصورت طریقے سے برداشت تحمل رواداری کی تعلیم دی جارہی ہے اور اس پر کس قدر پیارے طریقے سے پھر آپ ؐ نے عمل کیا تھا۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا ہرگز مشکل نہیں ہے کہ مذہبی انتہا پسندی کو آنحضرت ؐ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدگی کا درجہ حاصل نہیں ہے اور عام طور پر لوگ انتہا پسندی پر اترتے ہیں تو وہ دوسروں کو حسد کی نظر سے دیکھتے ہیں یا ان کے متعلق بغض دلوں میں رکھتے ہیں کہ دوسرے لوگ غلط ہیں لہٰذا انہیں مصیبت میں ڈال دیا جائے یا ان کے پاس اگر کوئی منصب ہے تو اسے اس سے محروم کر دیا جائے یا دوسروں کو مطیع وفرمانبردار بنانے کے لیے، جاہ پرستی وریاست طلبی کے لیے یا خباثت اور بدنیتی کی وجہ سے وہ لوگ مذہب کو استعمال کرتے ہیں کبھی کبھار غصے اور غیض وغضب کے عالم میں آگ بگولا ہو کر یا غرور وتکبر کا شکار ہو کر ایسا کرتے ہے حالانکہ ارشاد نبوی ؐ ہے کہ:

"دین آسان ہے جو شدت کا رویہ اپنائے گا وہ مغلوب ہو جائے گا۔ اس لیے سیدھی اور میانہ روی کی راہ اپناؤ اور بشارت حاصل کرو۔" [۳۱]

اسی طرح آپ ؐ نے جب حضرت معاذ بن جبل ؓ اور حضرت ابو موسیٰ ؓ کو یمن کی جانب روانہ فرمایا تو انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "نرمی کرنا، سختی نہ کرنا، خوشخبری سنانا، متنفرنہ کرنا مل جل کر رہنا، باہمی اختلافات سے بچنا، یعنی آپ ؐ کسی بھی صورت میں اس چیز کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ لوگوں پر دین کے معاملے میں سختی کی جائے یا ان سے اس طرح بات کی جائے جس سے کوئی زبردستی کی بات ہو اور لوگ متنفر ہوں۔ اقبال کہتے ہیں کہ:

> "ہمیں اپنی زندگی میں مذہبی لحاظ سے اس حیثیت کی قدر آشنائی کی ضرورت ہے جو ہماری معاشرتی زندگی کو بنیادی اصولوں کی روشنی میں ترتیب دیتے ہیں اور ہمیں حقیقت سے قریب تر کر دیتے ہیں"۔ [۳۲]

اللہ اور اس کے رسول ؐ نے مسلمانوں کو باہم اتحاد سے رہنے کی تلقین کی اور فرمادیا ہے کہ تفرقے میں مت پڑو اور "اللہ اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت کرو اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی"۔

آج مسلمان جگہ جگہ تفرقے بازی کا شکار ہیں۔ مساجد تک محفوظ نہیں ہیں لوگ حفاظتی اقدامات کے سائے تلے خوف وہراس کی فضا میں نماز ادا کرتے ہیں۔ اختلافات پہلے بھی لوگوں میں موجود تھے مگر پہلے کبھی یہ اختلافات اس طرح سے مذہبی انتہا پسندی کا راستہ اختیار نہیں کرتے تھے مناظرے بھی ہوتے تھے مذاکرے بھی ہوتے تھے مگر ایسی صورت حال نہیں پیش آتی تھی کہ ایک دوسرے کی جان کے درپے ہوا جائے۔ مگر اب تو مذہب کو سیاسی یا ذاتی اغراض کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔ نبی اکرم ؐ کی تعلیمات تو ایک مقدس پیغام حیات ہیں یہ قتل وغارت گری، توڑ پھوڑ اضطراب اور بے یقینی وغیرہ کی فضا کی تو اس میں گنجائش نہیں ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس انتہا پسندی سے آج تک کونسا مسئلہ حل ہوسکا ہے۔ یہ مذہبی جنون خواہ مسلمانوں کے اندر ہو یا غیر مذاہب والوں کے اندر پایا جائے۔ پوری تاریخ انسانی بتاتی ہے کہ اس طرح کی جنونی کارروائیاں حالات کو اور خراب کرتی ہیں۔ اندلس کی سرزمین میں عیسائیوں کی جنونی تحریک چلائی گئی اور مسلمانوں کے دور حکومت میں ہزار لوگ اس کا شکار ہوئے لوگ خودکشیاں کرتے اور عیسائیت کی تبلیغ کرتے نتیجہ کیا نکلا کہ خود ان کے اپنے ان کے مخالف بن گئے۔ اسی طرح مختلف ادوار میں بھی مسلمانوں کی طرف سے اور کبھی غیر مسلموں کی جانب سے ایک دوسرے کو تنقید و تشدید کا نشانہ بنایا جانے لگا اور کبھی آپس میں ہی ہم مذہبوں نے ایک دوسرے کے خلاف فروعی اختلافات کو شدت کے ساتھ اپنایا جس کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں کہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد مسئلہ خلافت میں یا قصاص عثمانؓ میں مسلمانوں کی تلواریں آپس میں بے نیام ہوگئیں حضرت علیؑ کو بھی مسلسل جنگیں لڑنا پڑیں اور امیر معاویہ نے انتہا پسندی کرتے ہوئے پہلے آدھی سلطنت پر اور پھر باقی سلطنت پر قبضہ کرلیا۔ ان کے بیٹے یزید نے اور یزید کے ساتھیوں نے اسلام کے روشن نام پر حادثہ کربلا کی صورت میں ایک سیاہ دھبہ لگایا جو ادھر ہی ختم نہیں ہوا بلکہ اس نے مسلمانوں کو فرقوں میں تقسیم کردیا اور یہ فرقے اپنی اپنی انتہا پسندی پر قائم ہیں اور پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں ہیں۔

اسی طرح سے امیہ اور عباسیہ خاندان کا خاتمہ بھی مذہبی جنونیت میں یا انتہا پسندی کے زمرے میں آجاتا ہے جب مردوں کی ہڈیاں تک نکلوا کر اور لاشیں تک نکلوا کر پھانسی پر لٹکوا دی گئیں، خاندان لبرامکہ کی تباہی، اسماعیلیہ، قراطہ، معتزلہ، خلق قرآن وغیرہ کے سلسلے میں ہمیشہ تحریکیں جنم لیتی رہیں مگر ان کے انجام بخیر نہ ہوئے۔ دوسری طرف سکندر اعظم، ہلاکو خاں، چنگیز خاں، ہٹلر، سولینی، انقلاب فرانس، انگلینڈ، اندلس، عیسائیت اور یہودیت کی کشمکش، شیعہ وسنی کی کشمکش وغیرہ اسی کا شاخسانہ ہیں، بریلوی، دیوبندی، ہزاروی، جھنگوی، لشکری وغیرہ اسی طرح کی شاخیں ہیں جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے غلط نہیں تھیں مگر انتہا پسندوں نے انہیں اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرتے ہوئے انہیں بھیانک اور خطرناک بنا دیا ہے۔

ہندوستان میں ہندوؤں کی انتہا پسندی نے بھی مذہبی جنون کی شکل اختیار کرتے ہوئے مسلمانوں کا جینا حرام کیے رکھا کبھی گاؤ ماتا کا جھگڑا، کبھی مساجد کی بے حرمتی، کبھی بابری مسجد، کبھی مندر، کبھی دیگر بہانوں سے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکوں نے کبھی بندے ماترم کے ترانے کی شکل میں اور کبھی خواہ مخواہ ہی مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے بہانے سے کشمیر میں ظلم و ستم کا بازار گرم کیا ہوا ہے۔

یہ ہی مذہبی انتہا پسندی کبھی مشرقی پنجاب میں سکھوں کو تحریک پر ابھارتی ہے اور کبھی ماسٹر تارا سنگھ تلوار لہراتا ہے اور کبھی بھارتی وزیراعظم کے سکھ محافظ اسے قتل کردیتے ہیں۔ کبھی یہ تحریک تحریک خلافت کی شکل میں مسلمانوں میں آتی ہے تو مسلمان تن من دھن کی قربانی حتیٰ کہ ہندوستان سے افغانستان ہجرت کرتے ہیں تو افغانستان انہیں سرحدوں سے باہر ہی لوٹا دیتا ہے اور ترکی جس کے لیے اتنی قربانیاں دی گئیں وہ خلافت کے ہی خاتمے کا اعلان کردیتا ہے تو مسلمانوں کے حصے میں سوائے نقصان کے کچھ نہیں آتا ہے۔ یہ ہی تحریک انتہا پسندی کبھی آج کے دور میں افغانستان میں طالبان کی شکل میں ابھری کبھی القاعدہ کی صورت میں وجود میں آئی، کبھی ایران میں امام خمینی کی شکل میں ظاہر ہوئی اور کبھی اس نے کوئی روپ دھارا کبھی کوئی رنگ اختیار کیا ۔ لیکن یہ

بات سب مانتے ہیں کہ مذکورہ بالا تمام کی تمام تحریکیں کسی بھی طرح سے کامیاب تحریکیں نہیں کہلائی جاسکتی ہیں اور نہ ہی انہوں نے دیرپا اثرات مرتب کیے جبکہ آنحضرتؐ کا لایا ہوا انقلاب آپؐ کی تحریک آپؐ کا پیغام اپنے اندر ابدیت رکھتا ہے اور ہر دور میں قوت ایمانی کا باعث ہے۔

اس کی وجہ کیا تھی کہ آپ نے اخلاق کو پیش نظر رکھا جائز و ناجائز میں خط امتیاز رکھا اور کسی توپ اور تلوار کے بغیر کروڑوں لوگوں کو فتح کیا اور یہ ہی نظریہ جب کوئی قوم اپناتی ہے تو وہ فتنہ وفساد سے بھی دور ہوتی ہے اور ان کے ہاں وحشت اور بربریت بھی کم دکھائی دیتی ہے انکا اصول یہ ہی ہوتا ہے کہ ''اپنے عقائد کو چھوڑو مت اور دوسرے کے عقائد کو چھیڑو مت'' اور یہ اصول عین ہمارا ہونا چاہیے کیونکہ جب تک ظلم، منافقت اور دوسروں پر تفوق و برتری حاصل کرنے کے غیر اخلاقی جذبے کو ختم نہیں کیا جاتا امن وآشتی خواب وخیال رہے گی۔

اور مذہبی انتہا پسندی کو جب خاص پاکستان کے حالات کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے تو یہ بات نظر آتی ہے کہ بدقسمتی سے ہمارے علماء کا ایک بڑا طبقہ لکیر کا فقیر ہے جو کچھ انہوں نے مدارس سے پڑھا وہ اس سے آگے جانے کا سوچنے پر تیار نہیں ہیں اور ستم بالائے ستم یہ کہ اکثر و بیشتر دینی مدارس میں اپنے اپنے فقہی مسلک کی جزئیات کی برتری اور فضیلت ثابت کرنے پر ہی زور دیا جاتا ہے حالانکہ عصر حاضر میں یہ انتہائی ضروری ہے کہ ان مدارس میں قدیم وجدید علوم پڑھائے جائیں اور انہیں ہر طرح کے حالات کیلئے تیار کیا جائے۔

مگر افسوس کہ ہمارے ہاں اس شدت کے ساتھ دوسرے کے مسلک اور فرقے بلکہ دوسرے مذاہب اور الہامی مذاہب کے متعلق بھی ایسا رویہ رکھا جاتا ہے کہ ان سے حسن سلوک بھی نہیں رکھا جاتا اور ان سے حقارت آمیز سلوک روا رکھا جاتا ہے غیر مسلموں کو مساجد میں داخل ہونے اور قرآن کو ہاتھ لگانے سے روک دیا جاتا ہے حالانکہ آنحضرتؐ کے دور میں مختلف ممالک کے وفود کو مسجد نبویؐ میں قیام کروایا جاتا تھا اور بخران کے عیسائی وفد کو مسجد نبوی میں اپنی مخصوص عبادت کی ادائیگی کی اجازت آپؐ نے مرحمت فرمائی تھی جبکہ آج ہم غیر مسلموں کو کجا اپنے ہی ہم مذہبوں کو محض مسلک کے فرق ہونے کے باعث اپنی مسجد میں داخل نہیں ہونے دیتے...... کیا آپؐ نے اس قسم کی انتہا پسندی کی اجازت دی تھی۔

قرآن پاک سے فہم وادراک حاصل کرنا مسلمانوں کا فرض ہے اور ہمیشہ بعض لوگوں کا ایک گروہ خاموشی سے کام کرتا ہے بغیر نمود ونمائش کے بغیر ستائش وصلے کے آگے بڑھتا ہے۔ اسی گروہ کے ہاتھوں ہلاکو خاں کے خاندان کے افراد نے اسلام قبول کیا تھا۔ ایک روز ہلاکو خان کے بیٹے تگودار خان نے ایک مسلمان بزرگ کو کہا کہ ''میاں تمہاری داڑھی کے بال اچھے ہیں یا میرے کتے کی دم''، ان بزرگ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید سیخ پا ہوتا اور جان دے دیتا شہید ہو جاتا نعرے لگتے اور ماحول بدل جاتا۔ بزرگ نے جواب کہ ''اگر میں اپنی جانثاری اور وفاداری میں اپنے مالک (اللہ تعالیٰ) کی خوشنودی حاصل کرلوں تو میری داڑھی اچھی ہے ورنہ آپ کے کتے کی دم اچھی ہے جو اپنے مالک یعنی تمہاری خدمت کرتا ہے اور وفادار ہے۔'' ہلاکو خان کا بیٹا بہت متاثر ہوا اور اس بزرگ کو پاس رکھا اور اسلام قبول کرلیا پھر ہلاکو خاں کے ایک بھائی برکہ نے بھی ایک بزرگ جناب شمس

الدین باخوری کے دست حق پر اسلام قبول کیا اور یوں تاتاریوں کی اکثریت دائرہ اسلام میں داخل ہوگئی۔ ہمیں اب بھی سوچنا ہوگا کہ اب غوریوں اور پرتھویوں کا زمانہ نہیں اب کوئی سکندر کوئی تیمور کوئی چنگیز نہیں آئے گا۔ یہ سیزروں، اٹیلوں اور دھنی بالوں کا زمانہ نہیں بلکہ کائنات پر غور وفکر اور اسے مسخر کرنے کا دور ہے جس میں ہم بہت پیچھے رہے گئے ہیں۔ مسلمان اپنی بے حسی، جہالت، پسماندگی اور انتشار وافتراق کے باعث بہت پیچھے بلکہ اقوام عالم اور مسلم ممالک کی صفوں میں ہمارا شمار پچھلی صفوں میں ہوتا ہے۔

بھارت، کشمیر، فلسطین، بوسنیا، کوسوو، چیچنیا میں مسلم خون کی ارزانی ہے ان کی تو قبروں کا بھی شمار نہیں ہے مگر بھارتی صوبے گجرات، راولپنڈی میں پیرودھائی کی مسجد میں، کراچی کی امام بارگاہ میں، بھکر، جھنگ، لیہ، ملتان کی مساجد میں نمازیوں کے قتل کا حساب کون دے گا۔ ہر دوسرے روز ٹارگٹ بنا کر کسی عالم کو قتل کرنا پھر اس کے بدلے میں دوسرے فریق اور بے گناہ شہریوں کا قتل یہ کون کر رہا ہے۔ اب بیچارے دشمنوں کے پنجہ استبداد میں گرفتار مسلمان ہم سے کیا امید رکھیں کہ ہم تو خود اپنے ہی بھائیوں کے خلاف ہیں۔

حقائق بہت ہی تلخ ہیں یہ محض اللہ کا فضل اور محمد مصطفیؐ کا خاص کرم ہے کہ ہمیں بار بار مہلت ملتی ہے مسلمانوں کے خلاف مذاہب اور اقوام تو ہمیں برداشت نہیں کرتے...... مگر کیا اسی قسم کی انتہا پسندی جسکا ذکر اوپر آیا ہے ہمارے اپنے اندر نہیں پائی جاتی۔ ادھر بھارت میں بھی بعض مسلم مذہبی اجارہ داروں نے لاکھوں مسلمانوں کی زندگیوں کو داؤ پر لگایا ہوا ہے۔ حالانکہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ ''کعبہ کی حرمت بھی ایک انسانی جان سے زیادہ قیمتی نہیں ہے'' لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم کعبے کی حرمت کا نعرہ لگا کر اسے استعمال کر کے بیانات کے ذریعے لوگوں کو اشتعال دلاتے ہیں۔ ہمیں تو آپؐ کی تعلیمات پر فخر کرنا چاہیے آنحضرتؐ کا بیان ہے کہ:

''کسی مومن کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے''

ایک اور جگہ آتا ہے کہ کسی نے پوچھا کہ ایسا کیونکر ہوسکتا ہے فرمایا:

''کوئی شخص کس طرح خود کو ذلیل کرے گا۔۔۔ اس طرح کہ وہ ایسے فتنے کا سامنا کرے جس سے نمٹنے کی طاقت اسکے اندر نہ ہو''

آج ہمارا کیا حال ہے کیا ہم بڑی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت اپنے اندر پیدا کر چکے ہیں ہرگز نہیں ہم تو ابھی تک جاپان وچین کی طرح خاموشی سے ترقی کرنے کے فارمولے پر بھی عمل درآمد نہیں کر سکے ہیں۔ ہم نعرے بازی، پتلے جلانے فلاں ٹھاں ٹھا۔ فلاں مردہ باد کہہ کر شاید ذہنی تسکین حاصل کرتے ہیں۔ حالانکہ دور جدید بے پناہ مادی ترقی کے باوجود کئی ایسے بحرانوں کا شکار ہے جو اپنی خون آشامی کی بدولت نوع انسانی کو کسی خوفناک انجام کی طرف لے جاسکتے ہیں۔ آپؐ کی انقلاب آفریں تعلیمات ان مسائل کا قابل عمل حل پیش کرتی ہیں اس لیے موجودہ دور میں ان تعلیمات کے اثر ونفوذ کی ضرورت ماضی سے کہیں زیادہ ہے۔

دور جدید کے ایک دانشور ''فوکو یاما'' نے چند سال پہلے کہا تھا کہ ''ہم تاریخ کی انتہا پر پہنچ گئے ہیں اب جنگ کا تصور

شاید عجائب گھروں تک محدود رکھے گا مگر ۱۱ ستمبر کے واقعے اور اس کے فوراً بعد امریکی صدر کا اسے کروسیڈ کہنا اس بات کی علامت تھی کہ یہ محض خام خیالی ہے اسی طرح پہلی جنگ عظیم سے قبل ایچ جی ویلز نے بھی ایسا تصور قائم کیا تھا مگر پہلی جنگ عظیم بھی ہوئی اور دوسری بھی ہوئی۔ پھر قیام عالمی امن کی کوشش میں کامیابی ہوئی مگر ۱۹۴۵ سے لیکر اب تک دنیا میں ۱۳۰ خوفناک جنگیں ہو چکی ہیں دو کروڑ سے زائد افراد مارے جا چکے ہیں اور ان پر ڈیڑھ کھرب ڈالرز کا سرمایہ صرف ہو چکا ہے اور ابھی ۶۸ ملکوں میں جنگ کسی نہ کسی طور جاری ہے، لوگوں پر خوف و دہشت کے سائے رقصاں ہیں۔

ایسے میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذہب جیسی سچائی کو اقتدار پرستی کی ہوس میں مبتلا لوگوں نے سیدھے سادھے لوگوں کو مصیبت اور مشکل کو ''Divine will'' کہہ کر انہیں چپ کروا دیا۔ اسی ''Theocracy'' نے ہی مغرب میں اہل کلیسا سے انسانیت دشمن بادشاہوں کی معاونت کروائی اور اسی کے ذریعے مشرق میں علمائے سو نے عیش پرست سلاطین کے سامنے کلمہ حق کہنے والوں کیلئے موت کے فتوے جاری کروائے اور تہذیب جدید کے پیروکاروں کے ساتھ یہ ہوا کہ وہ قدیم تھیوکریسی کو رد کرنے کے بعد ماڈرن ازم، لبرل ازم، سیکولرازم، کمرشل ازم، گلوبلائزیشن، فری اکانومی وغیرہ کے دھندوں میں الجھ گیا ہے اور یوں لگتا ہے کہ ایک فکری خلاء ہے۔

مگر یقین کیجیے اس خلاء کے باوجود امید کی ایک کرن آنحضرتؐ کی ذات مبارکہ اور ان کی تعلیمات ہیں۔ آج بہت تعصب کے باوجود گزشتہ برس مائکروسوفٹ نیٹ ورک براڈ کاسٹنگ کی طرف سے ''ہزار سال ساز شخصیت'' کے عنوان سے بین الاقوامی سروے میں ہمارے نبیؐ کا نام سرفہرست تھا اس سے محسوس ہوتا ہے کہ مشرق و مغرب میں آپ کو ''Reformer'' تسلیم کر لیا ہے تو انشاء اللہ آپ کی تعلیمات پر بھی لبیک کہا جائے گا مگر اس کے لیے ضرورت ہے کہ پہلے ہم خود آغاز کریں کہ آپؐ کا پیغام بقا کی ضمانت ہے آپؐ کی تعلیمات ''Introversion'' ہیں وہ انسان کے باطن میں تبدیلی لاتی ہیں جبکہ آپؐ کے بعد کے لوگوں کے نظریات اور ان کی تمام تر تعلیمات خواہ وہ امن و آشتی کیلئے ہی تھیں وہ ''Extroversion Based'' پر مشتمل تھیں کیونکہ ان کے پیچھے وحی الٰہی نہ تھی۔ آپؐ انسانی فطرت کی ہر ہر جزئیات سے واقف تھے اس لیے آج کے بحرانوں کا واحد حل یہ بھی ہے کہ دنیا انسان کاملؐ کی تعلیمات پر عمل کرے اس کے علاوہ تمام راستے آخر کار نا انصافی تباہی و بربادی کی طرف جاتے ہیں۔

کیونکہ آپ کے اندر جو بردباری تھی اس پر عمل کرنے کی وجہ سے بعض لوگوں نے کامیابی حاصل کر کے دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ کوالالمپور میں منعقدہ کانفرنس میں ملائشیا کے وزیر اعظم نے ۱۶ ستمبر ۲۰۰۳ء کو اپنے خطاب میں کہا کہ:

> ''مسلم دنیا میں پیدا ہونے والی مایوسی کی کیفیت نے نوجوانوں کی خودکش بم دھماکوں جیسے شدید ردعمل پر ڈال دیا ہے جس سے اسلام کو کوئی فائدہ نہیں ملتا۔ ہمیں مغربی ممالک کے لوگوں کا مقابلہ اگر کرنا ہے تو ترقی کے ساتھ کریں گے تو ان کی بالادستی ختم ہوگی اور ان کے پاس کوئی جادوئی طاقت نہیں بلکہ صرف محنت ہے''[۱۵]

ایک نو قلم سفید فام امریکی ڈاکٹر عصام العریان کی کتاب ''اسلام کا مستقبل'' میں اس شخص نے مسلمانوں کی حالت کا جو نقشہ کھینچا ہے۔ مذکورہ ڈاکٹر نے آنحضرتؐ کے متعلق پڑھ کر اسلام قبول کیا تھا وہ کہتا ہے کہ جو بات مجھے افسوسناک لگی وہ یہ تھی کہ:

''بہت سے مسلمانوں نے اپنے اپنے علاقے کی رسومات کو مذہب کا نام دے رکھا ہے اور اس پر وہ بڑی شدت سے عمل پیرا ہیں۔ مثلاً خواتین کے متعلق رویہ مساجد، تعلیم، غیر مسلموں سے نفرت وغیرہ جیسی باتیں ہیں جو ان کے نزدیک بہت اہم ہیں۔ حالانکہ اگر سنت رسولؐ کے اہم اخلاقی اور روحانی پہلو اپنائے جاتے تو مغربی اقوام پر مسلمانوں کا وہ تاثر نہ ہوتا جو آجکل قائم ہو چکا ہے۔''[۱۶]

ایک اور جگہ ڈاکٹر عصام لکھتے ہیں کہ ادھر بسنے والے بعض مسلمانوں کا خیال ہے کہ مغربی ممالک سے جنگ و جدل کے ذریعے اقتدار پر قبضہ کیا جائے اور بالخصوص نومسلموں کو نشانہ بنایا جاتا ہے اسے اچکنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس طرح رسہ کشی کا آغاز ہو جاتا ہے ہر کوئی نومسلم کو اپنے گروہ، مسلک فرقے میں شامل کرنے کیلئے غیبت، وسوسہ اندازی اور دوسروں پر کیچڑ اچھالنا، کفر کا فتویٰ لگانا، گستاخ رسول اور بدعتی قرار دینا مسجد کے مقدس ماحول میں لڑائی جھگڑا کرنا شروع کر دی مذہبی انتہا پسندی کی انتہا کر دیتا ہے ایسے میں بعض لوگ متنفر ہو جاتے ہیں اور اسلام چھوڑ کر ملحد ہو جاتے ہیں یا بدھ مت کی طرف چلے جاتے ہیں۔

کیا آج یہ ضروری نہیں ہے کہ مبلغین موعظین، لوگوں کے دلوں میں امید کے دیئے روشن کریں اور دوسری طرف انہیں مغربی لوگوں کے دلوں سے اسلام کے حوالے سے منفی تاثر ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور یہ پیغام محبت سے دیا جا سکتا ہے عمل واخلاق سے دیا جا سکتا ہے جیسا کہ آنحضرتؐ نے ڈیڑھ ہزار سال قبل دیا تھا۔ آپؐ کی تعلیمات کی روشنی میں دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کے رجحانات کو روکنے اور جڑ سے اکھاڑنے کیلئے کچھ عاجزانہ سفارشات وتجاویز پیش ہیں۔

سفارشات وتجاویز:

☆ روشن خیالی اپنائی جائے علوم وفنون کی اشاعت وترویج پر عمل پیرا ہوا جائے تاکہ مسلمان محض ہجوم نہ ہوں بلکہ ایک مثبت سوچ رکھیں۔

☆ مسلمانوں میں تنقید برداشت کرنے کا مادہ بالکل نہیں رہا ہم صرف اسی فخر میں زندہ نہ رہیں کہ کبھی ہم دنیا پر چھائے ہوئے تھے بلکہ لوگوں کی باتیں سنیں اپنے گریبان میں جھانکیں اختلاف برداشت کریں کہ آپؐ کی تعلیم بھی یہ ہی ہے اور مہذب معاشرے کی پہچان بھی یہ ہے۔

☆ ہم مذہبی انتہا پسندی کی وجہ سے بغداد، غرناطہ، دہلی، قسطنطنیہ، ڈھاکہ، کابل اور آجکل پھر بغداد میں زوال کی صورت بار بار دیکھ چکے ہیں مگر فکری انتشار ابھی بھی ہے۔ معمولی معمولی باتوں پر ہنگامہ فتنہ پردازیاں، عدم برداشت، کفر و زندیق کے فتوؤں کی روز افزوں فراوانی، ہر ایک کی پگڑی الگ عبادتیں علیحدہ علیحدہ، رفع یدین، آمین بالجہر، درود پڑھنے یا نہ پڑھنے کی توجیہات، جائے نماز خانہ کعبہ کی تصویر والا جائز یا ناجائز، تسبیح کا پھندنا حلال یا حرام، مساجد کے دروازے پر واضح حروف میں فرقے اور مسلک کا نام کہ کوئی دوسرا داخل نہ ہو سکے، داڑھی کتنی بڑی ہونی چاہیے، شلوار کتنی اونچی ہونی چاہیے، روزے کی حالت میں ٹوتھ پیسٹ کا استعمال جائز ہے یا نہیں، ٹائی پہننا کفر ہے، پینٹ شرٹ غیر شرعی ہے، یہ غیر اہم اور فروعی مسائل ہیں ان سے ہمیں چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا ایسی تربیت ایسا ماحول بنانا ہوگا

جس سے لوگ ان چنگلوں سے نکل کر اسلام کی اصل حقیقت سے آگاہ ہوں۔

☆ خواہ مخواہ کی بحث کہ حضرت آدم کی پیدائش کیسے ہوئی، مچھر کا خون لگ جائے تو نماز ہو سکتی ہے یا نہیں، کنویں میں بیٹ کرنے سے سارا پانی نکالنا ہوگا یا تھوڑا، دقیانوسیت کی اس راہ کو چھوڑنا ہوگا اور کھلے ذہن اور دل کے ساتھ آگے بڑھنا ہوگا۔

☆ مدارس اور مساجد کی تعلیم کی صحیح آماجگاہ بنانا ہوگا۔ ان کے تعلیمی نصاب میں قیاس و منطق کے طلسم ہوشربا جیسے فلسفے کی جو بہت بعد میں درباری علماء نے اسلام میں شامل کیے اور اجتہاد و ارتقاء کا راستہ بند کر دیا۔ آج ہمیں مذہب کو جامد نہیں بنانا ہے بلکہ ایک تحریک بنانا ہے۔

☆ یہ لازمی نہیں ہے کہ ہم دنیا بھر میں انقلاب پیدا کریں قتل و غارت کریں دہشت گردی اپنائیں اور اقتدار حاصل کر کے ہی اسلامی تعلیمات کو عام کریں بلکہ اس کے لیے ہمیں ''حقوق العباد'' پر غور کرنا ہوگا اور ہر کسی کی خیر خواہی چاہنی ہوگی کہ آپؐ کا فرمان ہے کہ ''دین خیر خواہی کا نام ہے''۔

☆ بعثت نبویؐ کے حقیقی مقاصد کا شعور حاصل کرنا ہوگا۔ محض ظاہری ترجیہات، لباس وضع، قطع مباح و ممنوع و مکروہ کا نام اسلام نہیں ہے۔ محض کتابوں کو جو کہ اسلام سے متعلق ہیں جمع کر کے ہم دین کی اصلیت سے واقف نہیں ہو سکتے ہیں ہمیں دین کو آسان بنانا ہوگا کیونکہ آنحضرتؐ نے آسان شکل میں ہی ہمیں دیا تھا۔

☆ مذہبی جنونیت اور انتہا پسندی کے اصل اسباب جن کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں آیا ہے ان کا سد باب کرنا ہوگا خواہ اس سلسلے میں کچھ سختی سے ہی کام کیوں نہ لینا پڑے کیونکہ جب ناسور زندگی کیلئے خطرہ بن جائے تو نشتر زنی درست ہوتی ہے۔

☆ تزکیہ نفس کے ادارے قائم ہونے چاہیے جب تک افراد کا ذہن تیار نہیں ہوگا ایک آرڈیننس کے ذریعے نظام کو بدلنے کی خواہش، ہڑتالیں، آئین میں تبدیلی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ پہلے زمین تیار کریں پھر بیج ڈالیں اور پھر نتائج حاصل کرنا ہوں گے۔ افغانستان میں بھی نادانستگی میں جبراً ایک تجربہ کرنے کی کوشش ہوئی مگر اس نے اسلام کی صحیح شکل تو کیا لوگوں کو دکھائی تھی لوگوں کو اور خوفزدہ کر کے رکھ دیا۔ تعلیم، خواتین، بے گناہ لوگوں کی موت، عالمی افق پر وحشت ناکی اور بربریت کا تصور عام ہوا۔

☆ آج مسلم قیادت کی ناکامی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کو تعمیر کی بجائے تخریب پر احتجاج کے راستے پر ڈال دیا ہے۔ اس رجحان کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ دنیا میں آگے بڑھنے اور باعزت مقام حاصل کرنے کیلئے بلا اشتعال کام کرنا ہوگا اور ساری دنیا کو اپنا دشمن نہیں جاننا چاہیے۔

☆ ہمارے مذہبی راہنما دوسرے کے جذبات و احساسات کی تحقیر کرتے ہیں دین کو مشکل بنا کر پیش کرتے ہیں۔ ہمیں آپؐ کی تعلیمات کے مطابق لوگوں کا احترام کرنا سیکھنا ہوگا۔ میانہ روی اختیار کرنا ہوگی۔

☆ آپؐ کا یہ بھی فرمان ہے، مسلمانو! ''جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو تو ایسی باتیں بیان کرو جن سے وہ لوگ خوفزدہ ہو جائیں۔ مسلمانوں کو ایسے کاموں پر مجبور نہ کرو جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے میں بھی کبھی روزہ رکھتا ہوں اور کبھی نہیں رکھتا'' خدا

اس بات کی باز پرس بھی کریگا کہ دین ابراہیم جو کہ سب سے آسان ہے جس میں سخت گیری بالکل نہیں ہے۔تو مسلمانوں اپنے نفس کے ساتھ بھی سختی نہ کرو'۔ لہٰذا ہمیں اس بات کو ہر شعبے میں پیش نظر رکھنا ہوگا۔

☆ اسلام کی آفاقی تعلیمات کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے اور اس کے پھیلاؤ میں ہم ویسا رویہ نہ اپنائیں جیسا کہ ۱۰۱۵ء میں روسی شہنشاہ نے تمام مذاہب کا اجلاس طلب کیا وہ اپنے آپکو اور اپنی قوم کو بت پرستی سے نکالنا چاہتا تھا اسلام کی طرف خاصی رغبت رکھتا تھا مگر ایک عالم نے خنزیر کے گوشت کے حرام ہونے کا مسئلہ شہنشاہ روس ''Valadimir'' پر اس طرح سے مسلط کیا کہ اس نے موصوف کو اجلاس سے نکال دیا اور ۶ کروڑ افراد کے ساتھ بت پرستی چھوڑ کر عیسائیت میں داخل کیا۔ اس عالم نے بنیادی عقائد کی بجائے دوسرے مسئلے کو بیان کر کے کیا حاصل کیا۔ کچھ بھی نہیں آج ہی ہم اس قسم کی حماقتیں کرتے ہیں اس سے گریز ضروری ہے۔

☆ جنگی جنون کو ختم کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے جنگ مسائل کا حل نہیں بلکہ اس میں اضافہ ہے آنحضرتؐ نے ۱۴ سال تک خاموشی صبر حوصلے، استقامت رواداری، درگزر سے کام لیا اور انتہائی ناگزیر حالات میں دفاعی جنگیں لڑیں اور جب آپؐ کے پاس طاقت بھی تھی موقع بھی مل سکتا تھا آپؐ نے صلح کو ترجیح دی۔

☆ اگر مغربی طاقتیں یا بالخصوص امریکی قیادت یا یہودی اور ہندو و مذہبی انتہا پسندی میں مبتلا ہیں جیسا کہ ان کے رویوں سے ظاہر ہے کہ کبھی عربوں کیخلاف سو سالہ جنگ کا نعرہ شیر دن لگا تا ہے کبھی مسلمانوں کو کلیسا کا دشمن کہا جاتا ہے تو ایسی صورت کا مقابلہ ویسے ہی جواب سے نہیں نہ ہی نعروں سے دینا ہوگا بلکہ کوئی ایسی کوشش کرنی ہوگی کہ ہم بھی ورلڈ آرڈر ایشو کر سکیں اور ترقی کی اس منزل پر پہنچیں جس میں ہم آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مقابلہ کر سکیں۔ اگر ان کی امداد پر چلنا ہے تو پھر......انجام سامنے ہے۔

☆ سائنسی ترقی کے باوجود اعلیٰ انسانی اقدار روبہ زوال ہیں اور یہ عالمی منظر نامہ چند برسوں میں تیار نہیں ہوا۔ تشدد کی ایسی آندھی یہ سرد جنگ کی کیفیت جو کہ اب باقاعدہ تحریک کی شکل میں کامیاب ہو کر انتہا پسندی کی جانب گامزن ہے اسکو روکنے کیلئے آپؐ کی قائم کردہ تعلیمات جو کہ زمان و مکان کی قیود و حدود کی پابند نہیں ہیں جو صدیوں اور قرنوں کے پردوں کو چاک کر کے ہمیشہ نئی راہ دکھاتی ہیں اور آپؐ کی تعلیمات محض مذہبی عبادات نہیں ایک مکمل ضابطہ حیات ہیں جنہیں اپنانے کی اشد ضرورت ہے۔

☆ غربت اور امارت کے درمیان واضح فرق ختم کرنا ہوگا عدل و انصاف پر مبنی ایسا ماحول بنانا ہوگا تا کہ کوئی بھی مفاد پرست کوئی غربت کا، کسی کمزور کا، کسی بے بس کا، کسی بے روزگار کا مذہب کی آڑ میں اسے انتہا پسندانہ نظریات کے پرچار کیلئے استعمال نہ کر سکے۔

☆ ہماری نوجوان نسل کا بڑا طبقہ تہذیبوں کے تصادم یا ادغام کی وجہ سے سخت تذبذب میں مبتلا ہے۔ ان کے مسائل کوئی سنتا نہیں ہے۔ ارباب اختیار تو ایک طرف علماء اور داعیان مذہب جوامت کی تقدیر بدلنے کے دعوے کرتے ہیں وہ عالیشان مساجد، مدارس، کو دبیز قالینوں، ایئر کنڈیشنوں، عظیم فانوسوں سے تو سجانے کی کوشش میں ہیں۔ مگر نہ ہمسائے

کی بھوک کی خبر ہے نہ خستہ حال لوگوں کو اوپر لانے کی ضرورت ہے تو ایسے میں خود سوچیں کہ بھوک سے مجبور ہو کر کوئی بے چارہ اپنے خاندان کا مستقبل محفوظ کرنے کیلئے مذہبی اجارہ داروں کے ہاتھوں میں آلہ کار بن جاتا ہے یا پھر کوئی خاندان اپنے کم سن ناپختہ ذہن والے بچوں کو بلا سوچے سمجھے جہاد کے نام پر تخریب کاری کرنے والوں کو دے دیتے ہیں کہ شاید اسی میں ہی اُس کی نجات کا راستہ ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ وہ لوگ اپنے مذموم مقاصد کیلئے انہیں استعمال کرتے ہیں۔ ایسے ماحول پر کڑی نگرانی کی ضرورت ہے۔

☆ بعض نام نہاد تنظیموں پر پابندی عائد کرنا بہت ضرورت ہے اور یہ بھی خیال کرنا ہوگا کہ یہ کوئی اور نام بدل کر کسی اور روپ میں عامتہ الناس کو دھوکا نہ دیں۔

☆ یاد رکھنا ہوگا کہ انتہا پسندی پر فوراً قوانین و تعزیروں کے نفاذ سے نتائج نہیں ملیں گے کیونکہ ہمارے ادارے اتنے سمجھ دار اور ماہر نہیں ہیں کہ دہشت گردی، تشدد، تبلیغ، کرنے والوں اور عام طالب علموں کے درمیان امتیاز قائم کر سکیں دوسری طرف وہ لوگ انتہائی منظم اور تربیت یافتہ اور عوام کے جذبات سے کھیلنا خوب جانتے ہیں۔ آہستہ آہستہ انکے نیٹ ورک کو توڑنا ہوگا۔

☆ علماء و مشائخ کو اعتماد میں لینا ہوگا اور انتہا پسندی کے خلاف کام ان کی مدد سے کریں تا کہ کامیابی کا تناسب زیادہ سے زیادہ ہو اور رائے عامہ بھی ہموار ہو۔

☆ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ انتہا پسندی محض قتل و غارت، جلاؤ گھیراؤ کا نام نہیں ہے بلکہ تقاریر، لٹریچر کی تقسیم، ایک دوسرے کے خلاف حقارت آمیز رویے، بھی اسی ضمن میں آتے ہیں۔

☆ اس بات کی مکمل رازداری کے ساتھ چھان بین کرنا ہوگی کہ آخر مذہبی انتہا پسندوں کا دن بدن سٹیٹس کیسے بلند ہو رہا ہے انہیں کون معاشی طور پر خوشحال سے خوشحال بنا رہا ہے کہیں انہیں بیرونی طاقتیں سرمایہ تو فراہم نہیں کر رہی ہیں۔

☆ علماء کے واعظ اور خطبے اپنے اندر فرقہ وارانہ شدت پسندی نہ لیے ہوئے ہوں، مذہبی، مسلکی اور فقہی شدت پسندی سے اجتناب کی ضرورت ہے۔

☆ مساجد اور مدارس میں اب جو آٹھ لاکھ سے زائد طالب علم ہیں انہیں آگے چل کر آئمہ اور خطیب بننا ہوگا اس کے لیے لازم ہے کہ ان کو صحیح تربیت فراہم کی جائے دین کا اصل فہم انہیں بتایا جائے اور ان کے لیے جدید نصاب ترتیب دیا جائے۔

☆ ایک تدریجی عمل کے ذریعے آئمہ و خطباء کے ریفریشر کورسز کروائے جائیں۔

☆ عامتہ الناس کو بھی خبردار کیا جائے کہ وہ اندرونی و بیرونی عناصر سے ہوشیار رہیں اور جو انہیں اپنے مقاصد کیلئے اعتدال کی راہ سے ہٹائیں ان سے دور رہیں۔

☆ نوجوانوں کی تربیت و تعلیم کے ساتھ انہیں تفریح کے بھی مناسب مواقع فراہم کیے جائیں تا کہ ان کے جذبات کنٹرول میں رہیں اور مثبت انداز میں وہ آگے بڑھیں۔

☆ علامہ اقبال کے مطابق ہمارے ہاں اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ زندگی چند روزہ ہے لہٰذا عبادات پر توجہ مرکوز کیے رہو گے تو جنت کا حصول آسان ہوگا حالانکہ انسان کو دنیا میں محض عبادات کے لیے نہیں بلکہ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کے لیے بھیجا گیا ہے یعنی مذہب کی درست تشریحات کرنی چاہیے۔

☆ مسلم معاشرے میں احیائے علوم کی تحریکوں کو فروغ دینا ہوگا کیونکہ ہم لوگ مادی وسائل رکھنے کے باوجود بعض اوقات علمی وفکری تحریکوں میں دلچسپی نہیں لیتے ہیں بلکہ روایتی مذہب کے فروغ تک ہی خود کو محدود کر لیتے ہیں اور ایسے میں پیش نظر زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کرنا ہوتا ہے۔

☆ اس وقت سب سے زیادہ ناانصافی یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کا رشتہ تشدد اور دہشت گردی سے جوڑا جا رہا ہے یہ اغیار کی اسلام کے اصولوں آنحضرتؐ کی تعلیمات سے ناواقفیت کا مظہر ہے۔ ہمارا یہ مقدس فریضہ ہے کہ ہم عملی طور پر اسلام کی برداشت، رواداری، جدیدیت، مدلل اور منطقی طرز گفتگو کا آئینہ دار ثابت کریں۔

☆ مذہبی انتہا پسندی سے مسلسل جدوجہد ختم ہو جاتی ہے۔ جان و مال کا عزتوں کا تحفظ نہیں رہتا۔ اس سے نہ کچھ بدلا جا سکتا ہے نہ آزادی ملتی ہے بلکہ معاشرے میں افراتفری پھیل کر بے سکونی ہو جاتی ہے اس سے غربت وافلاس و ہلاکت جنم لیتی ہے یہ ایک طرح سے بلیک میلنگ ہے۔ یہ ہر طرف جذبہ انتقام کو جنم دیتی ہے لہٰذا امن وامان کی اہمیت اس کے ثمرات وفوائد کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔

☆ ذرائع ابلاغ سے مناسب انداز میں معاشرے کی اصلاح کا کام لینا چاہیے اور معاشرے کے مختلف طبقات گروہوں اور فرقوں میں پائے جانے والے خلیج کو کم کرنا ہوگا تا کہ تخریب کاری کو منفی جذبات ابھارنے کا موقع نہ مل سکے اور مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ ممکن ہو سکے۔

آخر میں صرف یہ کہنا ہے کہ دنیا کو جب امان ملی تو آپؐ کے دامن سے ملی۔ آپؐ کی تعلیمات گرفتاران بلا کے لیے نسخہ شفا ہیں۔ آج کائنات پھر گھٹن کا شکار ہے خوف و ہراس میں مبتلا ہے۔ کونسا نظام ہے جو آزمایا نہیں گیا کونسا طرز حیات ہے جو رائج کر کے نہیں دیکھا گیا مگر انسانیت کی بے قدری، بے گانگی، برہمی، دہشت، انتہا پسندی رکنے کا نام ہی نہیں لیتی ہے۔۔۔ اگر ہم واقعی خلوص دل سے مسائل اور بالخصوص مذکورہ بالا انتہا پسندی سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آپؐ کے دامن میں پناہ حاصل کرنا ہوگی کیونکہ ایک بار جو آپؐ کی تعلیمات کی درسگاہ تک آتا ہے تو اسے پھر کسی اور کے در پر جانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے تاریخ انسانی کے پاس صرف آپؐ اور آپکی پیش کردہ تعلیمات ہی وہ روشن چراغ ہیں جس سے ہم ایوان حیات کو تیرہ شبی سے نکال سکتے ہیں (انشاء اللہ) اللہ کے حضور سراپا عجز بن کر عرض ہے کہ ؎

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعت صحرا دے

حوالہ جات

(۱) القرآن۔ سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۵۶

(۲) طبرانی و بیہقی

(۳) کنز الاعمال۔ ۱: ۷۵۲

(۴) امام محمدؒ ''السیر الکبیر، ج ۱ تاریخ اسلام کی تقریباً تمام کتب میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

(۵) مجمع الزوائد ۶: ۸۶ طبقات ابن سعد وغیرہ

(۶) ابوداؤد: حدیث نمبر ۱۵۰۸

(۷) تاریخ اسلام، شبلی نعمانی، ص ۲۲۸

(۸) خطبات شبلی، ص ۱۱۶

(۹) ایم۔ این رائے ہسٹاریکل رول آف اسلام، ص۔ ۱۰۴: ۱۰۳

(۱۰) ڈاکٹر مائیکل ہارٹ ''The Hundred'' ص: ۱۵

(۱۱) ایچ جی ویلز، "Concise History of the World": ص ۳۶۳:

☆ واضح رہے کہ نئے ایڈیشنوں میں انتہا پسند عیسائیوں نے یہ الفاظ حذف کر دیئے ہیں۔ مگر ابھی بھی پرانے نسخہ جات میں ان الفاظ کو اور دیگر تفاصیل کو دیکھا جا سکتا ہے۔

(۱۲) سورہ یونس، آیت نمبر ۹۹:

(۱۳) صحیح بخاری و مسلم وغیرہ

(۱۴) خطبات اقبال، ص ۲۱۰

(۱۵) خطاب مہاتیر محمد، کانفرنس منعقدہ ۱۶ ستمبر ۲۰۰۳ء

(۱۶) ڈاکٹر عصام عریان ''اسلام کا مستقبل امریکہ میں'' مترجم ڈاکٹر زین نجاتی (عزل) قاہرہ

بعض مشہور احادیث و اقوال کا حوالہ دانستہ نہیں دیا گیا ہے کہ وہ بہت زیادہ مقبول ہیں علاوہ ازیں اور جن کتب و جرائد سے استفادہ کیا گیا وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) محسن انسانیت از نعیم صدیقی

(۲) اسلامی فکر کی نئی تشکیل از علامہ اقبال

(۳) اسلام کا نظریہ اخلاق از مظہر الدین صدیقی

(۴) مجلہ فکر و نظر

(۵) اسلامی نظریہ حیات، از خورشید احمد

(۶) تہذیب کی کہانی از ول ڈیورانٹ

(۷) The Making of Humanity by Robret Briffault

(۸) اسلام ایک نظر میں از مولانا صدر الدین اصلاحی

(۹) سیرت النبی از سلیمان ندوی

(۱۰) جادہ و منزل۔ سید قطب شہید

''دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اُس کا خاتمہ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں''

نورین ناز، لاہور

اسلام ایک مکمل اور معتدل دین ہے جو ہر خوبی سے متصف اور نقص و برائی سے پاک ہے۔ یہی وہ دین ہے جس کو اپنانے کا حکم ہر انسان کو دیا گیا۔ اسلام کے معنی اپنے آپکو کسی کے سپرد کرنا،[۱] تابعدار بن جانا[۲] اور سلامتی و عافیت چاہنا[۳] کے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے کہ

وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ[۴]

گویا جو شخص اللہ کے دین کو اس کی روح کے ساتھ اپنا لیتا ہے اس میں یہ وصف شامل ہوتا ہے کہ وہ گمراہی و ضلالت سے دور ہو کر، افراط و تفریط میں لگے لپٹے بغیر ہی صراط مستقیم پر چل پڑتا ہے۔ آج امت مسلمہ پر انتہا کا الزام لگایا جا رہا ہے تو ضرورت اس امر کی ہے کہ حق وصداقت اور انصاف کے تناظر میں اس کی پرکھ کی جائے۔ جہاں انتہا پسندی نہیں اس کو قرآن و سنت سے ثابت کر کے نافذ کیا جائے اور جہاں انتہا ہے وہاں قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا دَرپیش کیا جائے تا کہ لوگ اس کے نقصانات سے آگاہ ہوں نیز ایسی قابل عمل تجاویز پیش کی جائیں جو انتہا پسندی کا خاتمہ کرنے میں مفید ہو۔ اس ضمن میں انتہا پسندی کے معنی ومفہوم سے آغاز کرتی ہوں۔

انتہا کا معنی ومفہوم

انتھی انتھاءً نہایت کو پہنچنا[۵]

انجام، اخیر حد، سرا، خاتمہ، انتہا پسند سے مراد کسی کام یا چیز کی انتہا چاہنے والا، اعتدال پسندی کی ضد ہے۔[۶] محض کسی ایک رائے کو مان کر اس سے چپکے رہنا اور دوسروں کی آراء کو تسلیم نہ کرنا بھی انتہا پسندی ہے۔

مترادفات:

انتہا پسندی کے لیے مختلف مترادفات مستعمل ہیں جو یوں ہیں۔

غلو:

قرآن میں انتہا کے لیے غلو کا لفظ استعمال ہوا۔ غلا، یغلو، غلواً بمعنی مبالغہ کرنا اور حد سے بڑھنا کے ہیں۔[۷] جبکہ دین میں غلو سے مراد جس چیز کا جو درجہ مرتبہ یا وزن و مقام ہے اس کو بڑھا کر کچھ کا کچھ کر دینا۔ جو چیز استحباب واستحسان کا درجہ رکھتی

ہے اس کو فرض کر دیا جائے۔ جس کی تعظیم مطلوب ہے اس کی عبادت شروع کر دی جائے یہ اور اس قبیل کی ساری باتیں غلو ہیں۔[8]

بدعۃ:

ہرنئی بات، نیا عقیدہ یا معمول یا دین میں نیا داخل کیا گیا ہو جس کی سند قرآن وسنت سے نہ مل سکتی ہو۔[9] یعنی **البدعة الحدث ما ابتدع من الدين بعد الاكمال**۔[10]

تطرف:

باب تفعل، کنارہ پر آنا، اعتدال سے گزر جانا،[11] درمیان سے دور ہٹ کر کنارے کھڑے ہونے کو کہتے ہیں۔ اصلاً اس کا استعمال شروع میں محسوس اور مرئی چیزوں کیلئے ہوتا تھا مثلاً کنارے بیٹھنا، کنارے پر چلنا، لیکن بعد میں اس کا استعمال معنوی چیزوں کیلئے بھی ہونے لگا مثلاً دینی انتہا پسندی، فکری ونظریاتی انتہا پسندی، سلوک اور رویہ میں انتہا پسندی۔[12]

افراط وتفریط:

کمی بیشی، غیر معتدل حالت۔[13]

تشدید:

سختی کرنا، استوار کرنا، تشدد، سختی اور جبر وزیادتی۔[14]

Extreme:

انگریزی میں انتہا کے لیے بولے جانے والا لفظ Extreme ہے جسکے معنی کچھ یوں ہے Adj & n, [15]

Outer-most, farthest very severe, far from modest, [16]most remote , [17]highest or farthest possible

انتہا پسندی۔ بنیاد پرستی کے تناظر میں:

آج مسلمانوں میں انتہا پسندی کو بالخصوص بنیاد پرستی کے معنوں میں لیا جا رہا ہے۔ بنیاد پرستی سے مراد بنیاد کی حفاظت ہے۔ ہم بنیاد پرستی سے مراد یہ لیتے ہیں کہ اسلام کے بنیادی اصولوں پر قرآن پاک اور حدیث کے متن کے ساتھ ایمان لانا اور اس پر سختی سے عمل کرنا۔ کیونکہ قرآنی تعلیمات ہر دور کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔[18] لیکن اہل مغرب کے نزدیک بنیاد پرستی یا قدامت پسندی کسی موجودہ خطرے کو ماضی کے ایک موہوم خیال میں چھپے ہوئے احساس سے کم کرنے کا نام ہے۔ یہ سلامتی کو لاحق خطرے کی نشاندہی کرتی ہے اور یہی بنیاد پرستی ہے۔[19] درحقیقت یہ اسلامی تحریکوں کو کچلنے کی شیطانی چال کے علاوہ کچھ نہیں۔

وہ دراصل مسلمانوں کو بدنامی کا چغہ پہنانا چاہتے ہیں تاکہ بدنام کو آسانی سے سولی پر لٹکایا جاسکے۔[۲۰]

اسلام کا مسخ شدہ تصور:

اسلام دین فطرت ہے وہ لوگ جو اس کی تعلیمات کو تسلیم نہیں کرتے وہ اس کے خلاف فتنہ پردازی کرتے ہیں اور اسلام کو اس طرح مسخ کر کے پیش کرتے ہیں کہ جس سے عام آدمی کے دل میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً اسلام کے متعلق یہ تاثر دیتے ہیں کہ یہ ایک رجعی اور متاخر مذہب ہے کیونکہ اس کے ماننے والے رجعی اور پسماندہ ہیں۔[۲۱]

یہ تاثر دیا گیا کہ اسلام محض ایک نظریاتی دین ہے جس کے پیروکار تشدد پسند ہوتے ہیں۔ بھوک و پیاس کاٹنا، دنیاوی نعمتوں سے فائدہ نہ اٹھانا، دوسری قوموں سے جنگیں کرنا انکا عقیدہ ہے۔ اسلام کے نظام زکوۃ اور اسلامی حدود کو ہدف تنقید بناتے ہیں۔ نیز یہ کہ اسلام عورت کو پردہ و چار دیواری میں مقید رکھتا ہے اور مرد کو اس پر مسلط کر کے عورت کے حقوق پامال کرتا ہے اسلام کے متعلق ایک عالمگیر تصور پایا جاتا ہے کہ

(۱) اسلام دنیا کو نہ بدلنے پر یقین رکھتا ہے (۲) اسلام کو حتمی اور برتر دین سمجھا جاتا ہے (۳) حضرت محمدؐ کو کامل نمونہ اور بہترین اسوہ قرار دے کر ان کی پیروی کی جاتی ہے۔ (۴) اور اسلام کے پیروکار موجودہ معاشرے کو ختم کر کے چودہ سو سال قبل کا روایتی معاشرہ قائم کرنے کے لیے کام کر رہے ہیں۔[۲۲]

امت مسلمہ میں انتہا پسندی......حقیقت یا مغربی پروپیگنڈہ؟

اولاً تو یہ بات سرے سے قابل قبول نہیں کہ ایک ''مسلمان'' انتہا پسند ہوسکتا ہے یہ محض الزام ہے آج کے مسلمان کو اگر انتہا پسندیت کی طرف مائل کہا جاتا ہے تو اس انتہا کی کچھ وجوہات بھی ہیں جن کو neglect کرنا کسی بھی طرح مناسب نہیں۔ مثلاً ''مغربی استعمار جہاں جہاں گیا وہاں لوگوں کو نہ صرف سیاسی غلامی کی بیڑیوں میں جکڑا بلکہ ان کے دل و دماغ کو ایسے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی کہ وہ غلامی کی بیڑیاں پہنانے والوں کو اپنا محسن سمجھیں مگر دینی تعلیم کی اشاعت نے مسلم نوجوانوں کے اندر اسلامی بیداری کی لہر پیدا کر دی تو نہ صرف استعماری نشریات نے بلکہ خود مسلم ملکوں میں بھی ارباب حل وعقد نے ان نوجوان پر رجعت پسندی، انتہا پسندی اور دہشت پسندی کی تہمتیں لگا کر اس بیداری کا گلا گھونٹنا چاہا۔ نماز پڑھنا، داڑھی رکھنا یا لڑکیوں کا پردہ کرنا انتہا پسندی کی علامت بن گیا۔''[۲۳]

یورپی ماہر نفسیات فرائیڈ نے احیائے دین کی کوششوں کا مذاق یوں اڑایا کہ انسانی زندگی تین واضح ادوار میں سے گزرتی ہے (۱) دور وحشت (۲) دور مذہب (۳) دور سائنس۔ اب سائنس کا دور ہے لہٰذا مذہب کی باتوں میں اب کوئی معنویت نہیں وہ فرسودہ ہو چکا ہے اور اپنی قدر و قیمت کھو چکا ہے۔

جہاد کے متعلق کہا گیا کہ مسلمان اس کو مقدس جنگ کہتے ہیں جو یہ کافروں کے خلاف لڑتے ہیں۔ ۱۹۴۸ء، ۱۹۴۷ء میں برطانوی راج کے خاتمے کے لیے مذہبی جنونیوں نے نوجوانوں کو کئی بار اس مقدس جنگ کے لیے بلایا۔ مسلمان محسوس کرتے ہیں

کہ ہندوؤں کی اکثریت کیخلاف مقدس جنگ اب عملی طور پر ناممکن ہے اور جہاد ساقط ہوگیا ہے لیکن اب بھی دیہاتوں میں ایسے مسلمان ہیں جن کے قریب دینی ذمہ داریاں اہم ہیں اور انہیں چھوڑنا وہ کفر سمجھتے ہیں۔[۲۴]

مستشرقین کے مطابق مسلمان ہر وقت جہاد کے لیے کمربستہ رہتے ہیں اور دنیا بھر کے لوگوں کے امن وسکون کو تہ و بالا کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں الغرض انہوں نے ہر ممکن طریقہ سے اسلام کی تعلیمات کا مذاق اڑایا اور اس کی تعلیمات کو مسخ کرنے کی بھرپور سعی کی۔

تشدد در جواب تشدد:

مندرجہ بالا حالات پیدا کر کے مسلمانوں کے دائرہ کار کو محدود کر دیا۔ انہیں تعلیم و روزگار اور اسلام کی ترویج سے روکا گیا۔ گویا دینی طرز حیات کو انتہا پسندی سے یوں تعبیر کیا کہ دھوپ کو چھاؤں اور دن کو رات کے مترادف قرار دے دیا۔

امریکیوں اور مغربی قوموں کیلئے فلسطین کے لیے جدوجہد کرنے والے ہاتھ، آزادی کے لیے کام کرنے والے انسان دہشت گرد ہیں لیکن ان پر گولیوں کی بارش کرنے والے انسان دوست ہیں۔ خلیجی جنگ میں بغداد اور دیگر شہروں پر بمباری تاریخ انسانی کے تاریک ابواب میں کئی ایک اضافے کر چکی ہے لیکن بمباری کرنے والوں کی نسبت بمباری کا شکار ہونے والے عراقی ماحولیاتی دہشت گرد ہیں اس لیے کہ انہوں نے اپنے دفاع کے لیے سمندر کے تیل کو آلودہ کر دیا۔ امریکہ سے دوستی سے قبل شام دہشت گرد تھا۔ لیکن حق دوستی نبھانے اور عراق پر بمباری میں شرکت کے انعام کے طور پر دہشت گرد نہ رہا۔ ایرانی انقلاب آیا تو وہ دہشت گرد اور بنیاد پرست تھا۔ الجزائر میں مسلمانوں نے جمہوری طریقے سے اسلامی تحریک کو عنان حکومت سونپنے کا فیصلہ کیا اور ووٹ کے ذریعے اسلامی سالویشن فرنٹ کو کامیاب کرایا تو وہ بھی بنیاد پرستی اور انتہا پرستی تھی اس لیے کہ جمہوریت کو جمہوریت نے قتل کر دیا تھا گویا چور پکارے چور چور۔ یعنی خود انتہا اپنائے ہیں لیکن دوسروں پر یہ الزام لگاتے پھرتے ہیں۔

چنانچہ جب مسلمانوں کو اسلام کی ترویج سے روکنے کے لیے روح فرساں مظالم ڈھائے گئے تو مسلمانوں میں انتہا پسندی نے جنم لیا۔ تشدد سے تشدد کو بڑھاوا ملتا ہے چنانچہ نیم پختہ ذہن اس ردعمل کا شکار ہوگئے یوں وہ اپنا حق مانگنے کی بجائے چھین لینے کو ترجیح دینے لگے۔

اسلامی تعلیمات:

دین کی روح انتہا پسند کو پسند نہیں کرتی۔ اگر کچھ نوجوان ردعمل کے طور پر انتہا پسندی کا شکار ہوگئے ہیں تو انہیں تشدد کے ذریعے نہیں بلکہ سمجھا بجھا کر راہ اعتدال پر لایا جاسکتا ہے۔ یہ کام انہی کے ہاتھوں انجام پاسکتا ہے جن کی زندگیاں تضاد سے پاک ہوں اور نوجوانوں کو ان کے عمل اور دینداری پر اعتماد ہو گویا ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچایا جائے کہ اسلام کی راہ اعتدال کی راہ ہے ہر چیز میں اعتدال، تصور اور عقائد میں، عبادت اور زہد میں، اخلاق اور رویہ میں، معاملات اور قانون سازی میں، اسی راہ کا نام اللہ نے ''صراط مستقیم'' رکھا ہے۔ میانہ روی اور اعتدال پسندی ایک اہم ترین خصوصیت ہے۔

جسے اللہ نے دوسری ملتوں کے مقابلہ میں امت مسلمہ کا وصف قرار دیا ہے۔ [۲۵] ارشاد الٰہی ہے:

وکذلک جعلنکم امة وسطا لتکونو اشهداء علی الناس [۲۶]

پس امت مسلمہ وہ انصاف اور اعتدال پسند امت ہے جسے صراط مستقیم سے دائیں بائیں ہٹی ہوئی گمراہی اور ضلالت کے خلاف دنیا و آخرت میں گواہ بنا کر کھڑا کیا گیا ہے اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے تفہیم القرآن (مقدمہ) میں انسان کے حوالے سے یوں بحث کی کہ

خداوند عالم نے جو ساری کائنات کا خالق اور فرمانروا ہے، اپنی بے پایاں مملکت کے اس حصے میں، جسے زمین کہتے ہیں، انسان کو پیدا کیا اسے جاننے اور سمجھنے کی قوتیں دیں۔ تصرف کے اختیارات بخشے اور فی الجملہ ایک طرح کی خود اختیاری دے کر اسے زمین میں اپنا خلیفہ بنایا۔

اس خلیفہ کا کام اللہ کی بتلائی ہوئی تعلیمات کا نفاذ ہے جہاد وہ واحد طریق ہے جو اسلام کے دفاع کا ضامن ہے'' جہاد کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد دنیا سے ظلم و تشدد جارحیت، خون ریزی، غارت گری، دہشت گردی اور بدامنی کا مکمل طور پر استحصال اور خاتمہ کرنا ہے۔ [۲۷] گویا اسلام اپنے اندر دنیا و عقبیٰ کی تمام ترنعمتیں سموئے ہوئے ہے اسی لیے قرآن نے محض دین یا دنیا کی طرف جھک جانے سے روکا نیز دنیا و عقبیٰ کی کامیابی کے لیے جامع دعا سکھلائی۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَاعَذَابَ النَّارِ [۲۸]

نبی مکرمؐ نے فرمایا

ایاکم و الغلوفی الدین

اسلام تلوار کے زور پر نہیں پھیلا جیسا کہ قرآن میں ہے کہ

لَآاِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّکْفُرْبِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِاسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ [۲۹]

یعنی اللہ نے حقیقت ظاہر کر دی اب جو چاہے اپنے آپکو اللہ کے سپرد کر دے جو چاہے اللہ سے بغاوت کرے۔ مگر اسلام قبول کرنے پر کوئی زور زبردستی ہرگز نہیں ہے۔

Islam preached the basic humanistic virtues through its articals of faith and practised them through "Ibadat" and thus evolved a new system, a new international society founded on principles of natural justice[۳۰]

موجودہ دور میں انتہا پسندی کی وجوہات:

عصر حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کی اہم وجہ یہ ہے کہ دین دنیا سے الگ ہو کر رہ گیا ہے۔ دین والے دنیا کے علوم کے بارے میں زیادہ معلومات، زیادہ تردد اور زیادہ جدوجہد کرتے نظر نہیں آتے۔ جو اصحاب کام کرتے ہیں انہیں حلقوں میں تقسیم کر

کے ان کے کام کو محدود کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ اصحاب کبھی بھی کسی ایک مکتبہ فکر کی ملکیت نہیں ہو سکتے یہ پوری امت کے متاع ہوتے ہیں۔ فرقے طبقے، حلقے اور رویے کے بندھن اور حدودان کے لیے ایسے ہی ہیں جیسے کھیت کو پانی کی ضرورت ہو تو اس کے گرد موجود پانی کو بندھ باندھ کر کھیتی سیراب ہونے سے روک دیا جائے۔

''دین سے دوری کے باعث مختلف اختلافات نے جنم لیا ان کی تین اقسام ہیں''

۱۔ فقہی اختلافات، جن کی وجہ سے مختلف فقہی مسالک وجود میں آئے۔

۲۔ تاریخی واقعات اور ان کے نتائج میں اختلافات جن کا دین اسلام سے بہت کم واسطہ ہے۔

۳۔ رسم ورواج میں اختلافات جن کا دین اسلام سے بہت کم واسطہ ہے۔ [۳۱]

انتہا اور اختلاف فی الدین کے اسباب یوں ہیں:

(i) قرآنی تعلیمات کے مفہوم میں گنجائش کم ہے۔ قرآن کی قریباً پانچ سو آیات الاحکام میں سے ان آیات کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے جن کا صرف ایک ہی مفہوم ہو سکتا ہے۔

(ii) علم میں کمی بیشی (iii) انسانی فہم (iv) وقت کی تبدیلی (v) حالات میں تبدیلی (vi) مقام کی تبدیلی (vii) انسانی مزاج اور ذوق میں تنوع، غیر منطقی اسباب میں جہالت، رابطے کا فقدان، تقلید محض، دوسروں کو نہ سننے کا رجحان، ترجیحات کا واضح نہ ہونا، غیر اسلامی افکار ونظریات شامل ہیں۔

''اسلام نہ مغرب کے لیے آیا تھا نہ مشرق کے لیے۔ وہ طرفین کا دین نہیں تھا اور نہ ہے لیکن ہم نے اسے مشرق کا دین بنا دیا اور مغرب کو دشمن قرار دے دیا۔ ہم داعی تھے داعی نہ رہے۔ ہم اقامت دین کے سپاہی تھے لیکن دنیا کی ایک تہائی اکثریت کو ہم نے اسلام سے محروم کر دیا اور اپنے خول میں بند ہوتے چلے گئے دوسروں نے اس پر پہرے بٹھا دیے۔ ہم نے نکلنا چاہا تو نہ نکل سکے جو نکلا وہ حوادث زمانہ کا شکار ہو گیا۔ [۳۲]

یہی وجوہات ہیں جن کے باعث چند لوگ اہم مسائل سے غافل ہوئے اور فروعی مسائل میں دلچسپی لینے لگے۔ تحریم کے سلسلے میں اسراف کا رویہ اختیار کیا۔ متشابہات کی پیروی کی اور محکمات سے اعراض کیا۔ سب سے بڑی وجہ یہ کہ مسلمانوں نے اپنوں سے دھوکہ کھایا۔ دین پسند مسلمانوں کو اسلامی ریاستوں کی جیلوں میں ایسی ایسی سزائیں دی گئیں کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر خود ہی دین اسلام کو برا کہنا، رب کے ساتھ گستاخی، مقدس چیزوں کی بے حرمتی، عبادتوں اور نمازوں کے ساتھ تمسخر کرنے والے خود کو مسلمان کہلاتے ہیں جو اسلام سے رتی برابر بھی واقفیت نہیں رکھتے۔

پاکستان میں انتہا پسندی کا رجحان:

پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔ اللہ کی مہربانی سے قائداعظم اور دیگر اکابرین کی مشقت اور بے شمار قربانیاں دے کر اس وطن کو اس لیے حاصل کیا تاکہ آزادی حاصل ہو سکے اور اسلام واحد دین ہے جو آزادی کا حامی ہے۔

پاکستان میں اسلام سے دوری کے باعث جو حالات پیدا ہوئے وہ بہت خطرناک ہے۔ ہم نے اللہ کے اس فرمان کو پس پشت ڈال دیا کہ

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا [۳۴]

پاکستان سے یورپ جانے والی مذہبی جماعتوں نے فرقہ بندیوں کو وہاں جا کر جس وسیع پیانے پر ہوا دی وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ اسلام کو بدنام بھی تو ہم ہی لوگوں نے کیا ہے۔ ہم نے غلط اطلاعات اور غلط تجزیوں پر زیست کرنا سیکھ لی ہے۔ اس روش کو بدلنا ہوگا۔

فرقہ بندی نے اس حد تک شدت اختیار کر لی ہے کہ لوگ اپنے مسلک کے دفاع کے لیے دین کو بدلنے سے قطعی گریز نہیں کرتے۔ دنیا بھر میں جتنی فرقہ پرستی ہے اس کا ایک بڑا حصہ پاکستان میں پایا جاتا ہے۔ کوئی شافعی ہے تو کوئی حنبلی، کوئی حنفی ہے تو کوئی مالکی۔ کوئی دیو بند ہے، کوئی بریلوی، کوئی اہل حدیث ہے تو کوئی اہل سنت، کوئی شیعہ ہے تو کوئی سلفی غرض مسلمان ہونے پر نہ کسی کو فخر ہے اور نہ ہی مسلمان ہونے کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ پھر ایک فرقہ دوسرے کو کافر کہتا ہے ایک عالم دوسرے عالم کی بھرے بازار میں داڑھی کھینچ رہا ہے۔ ان کے آپس کے اس اختلاف نے دین اسلام کا یہ حال کیا ہے کہ

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے
اس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے
جس دین نے غیروں کے تھے دل آکے ملائے
اس دین میں خود تفرقہ اب آکے پڑا ہے

(مولانا حالی)

جس ملک میں علماء کرام کا یہ عالم ہو تو وہاں عام عوام کی صورتحال کس قدر ابتر ہوسکتی ہے اس کا تصور ہی روح فرسا ہے، آج ہمارے ہاں تو ہم پرستی نے اپنی جڑیں مضبوط کر رکھی ہیں۔ دین کی تعلیمات سے بے بہرہ علماء اور حکمرانوں کے باعث برائیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ صبر و برداشت، شرم و حیا، عدل و انصاف، رحم و شفقت، خدا ترسی و خدا خوفی اور احساس و مروت نام کی کوئی چیز ہم میں باقی نہیں رہی۔ محض دنیا کے پیچھے دوڑنا ہمارا مقصد حیات ہے۔ سود، چور بازاری، رشوت ستانی، زنا، قمار بازی، سمگلنگ، جھوٹ، دھوکہ، مکاری، لالچ اور ظلم و ستم عام ہوگیا ہے۔ لوگ اس کو برا بھی نہیں جانتے اور حکومت پاکستان ان کے انسداد کی بجائے نہیں promote کر رہی ہے۔ ہماری کم علمی کا یہ عالم ہے کہ ہم اللہ سے مدد مانگنے کی بجائے قبروں اور مزاروں پر منتیں اور دعائیں مانگنے جاتے ہیں۔ قرآن پڑھنے کی بجائے تعویذ گنڈے اور جادو ٹونے کراتے پھرتے ہیں۔ فرائض سے کوتاہ نظر بے بنیاد اور جھوٹی باتوں کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ جینا ہو یا مرنا، خوشی ہو یا غم، بے جا اسراف نہ صرف پیسہ کا کرتے ہیں بلکہ وقت کا بھی کرتے ہیں۔ ہمارا ہر کام دکھاوے کا ہے۔ ہمیں عیش پرستی میں خدا یاد نہیں رہتا۔ ہمیں محض اپنا آرام اور فائدہ عزیز ہے۔

پاکستان میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو دین اسلام کو مکمل طور پر اپنائے ہوئے ہیں مگر ان کی تعداد ایک تو کم ہے دوسرا

یہ اپنے دین اور اچھائی کو چھپائے پھرتے ہیں گویا کوئی گناہگار ہیں۔شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ

ظفر اس آدمی کو آدمی نہ جانیے گا نہ ہو جس میں فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

نقصانات:

پاکستان میں مذہبی انتہا پسندی کے نقصانات کا جائزہ لینا ضروری ہے تاکہ ان کا تدارک کر کے پاکستان کو اسلام کا مضبوط قلعہ بنایا جا سکے چند ایک نقصانات اور مسائل کا ذکر یہاں کرونگی۔

وحدت کا خاتمہ ہو رہا ہے جس سے اسلام کی ساکھ کو شدید دھچکا لگا ہے۔فکر و عمل کی غیر موجودگی کے باعث بے حسی اور بے چارگی رواج پا رہی ہے۔

کوئی پرسکون نہیں۔ جان، مال، عزت و آبرو کی حفاظت کی کوئی ضمانت نہیں رہی۔ معاشرت اور معیشت دونوں برباد ہو کر رہ گئی ہیں۔شہری آزادیاں حاصل نہیں ہیں۔لوگ معاشی طور پر بے حال ہیں۔اسلامی دنیا سے علیحدگی اور بے اعتباری بھی اسی انتہا پسندی کا نتیجہ ہے۔ پہلے لوگ اسلام کے قریب آتے تھے اب اسلام سے دوری اختیار کر رہے ہیں۔ہم نے اپنے آپکو پست سے پست کر لیا ہے۔اپنی ضروریات اتنی بڑھالی ہیں اور محنت سے کنی کترانے کے باعث عالمی منڈی میں ہماری کوئی ساکھ نہیں رہی۔سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم کمزور ہو گئے ہیں اپنی پالیسیوں کے لیے اہل مغرب کو جواب دہ ہیں۔ عالمی اداروں میں ہماری کوئی شنوائی نہیں۔اپنے اسی وطیرہ کے باعث آج پاکستانی مسلمان دہشت گردی کے الزام میں پکڑا جاتا اور شرمناک طریقہ پر ہلاک کیا جاتا ہے۔

یہ لمحہ فکریہ ہے اگر اب بھی ہم نے آپس کے اختلافات دور کر کے خلوص دل کے ساتھ اسلام کی مکمل پیروی نہ کی تو ممکن ہے کہ پاکستان دنیا کے نقشے پر اسلامی مملکت کی حیثیت کھو دے یا شاید اپنا وجود ہی کھو دے۔ہمیں مل کر اپنے پیارے اسلامی وطن کی بنیادیں مضبوط کرنا ہیں اور دنیا پر یہ واضح کرنا ہے کہ اسلام سب سے بڑی قوت ہے۔

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں انتہا پسندی کا تدارک:

ہمارے ہاں انتہا پسندی کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ ہم نے محض قرآن کو اپنے لیے کافی سمجھ لیا ہے جبکہ یہ درست نہیں۔
قرآن میں جہاں کہیں اللہ کی اطاعت کا ذکر ہے رسول اکرمؐ کی اطاعت کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔قرآن میں ہے کہ

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُكُمْ [۳۴]

نبی پاکؐ کا وصف قرآن میں یوں بیان ہوا کہ

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ [۳۵]

قرآن کی تشریح کے لیے سنت رسولؐ کا ہونا بہت ضروری ہے۔ نبی پاکؐ کی سنت کی اہمیت اور اس کے واجب

الاطاعت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اپنی زندگیوں کو قرآن کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے نبی کریمؐ ہی کو بہترین نمونہ قرار دیا گیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[۳۶]

مسلم کی ایک روایت میں نبیؐ نے فرمایا کہ

ذاق طعم الایمان من رضی باللّٰہ ربا وبالا سلام دنیا و بمحمد رسولا۔

نبی پاکؐ نے دین کو ہمارے لیے آسان کیا۔ آپؐ کی تعلیمات انتہا پسندی سے پاک ہیں۔ ابوھریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی پاکؐ نے فرمایا دین بہت آسان ہے اور جو شخص دین میں سختی کریگا وہ اس پر غالب آجائے گا پس تم لوگ میانہ روی کرو اور اعتدال کے قریب رہو اور خوش ہو جاؤ (کہ تمہیں ایسا آسان دین ملا) اور صبح اور دوپہر کے بعد اور کچھ رات میں عبادت کرنے سے دینی قوت حاصل کرو۔

نبی پاکؐ کی ایک اور حدیث امام حاکم نے مستدرک اور امام احمد نے اپنی مسند میں یوں نقل کی کہ آپؐ نے فرمایا

ایاکم والغلو فی الدین فانما ھلک من قبلکم بالغلو فی الدین

سابقہ اقوام نے اپنے دین میں مرضی کے مطابق ردو بدل کی۔ کسی نے مذہب میں سختی اختیار کر لی تو کسی نے دین سے دوری۔ اسی لیے اللہ نے ان کو برباد کر دیا اور انہیں دوسری قوموں کے لیے نشان عبرت بنا دیا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد امت مسلمہ فرقوں میں بٹ گئی۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے دور میں مذہبی انتہا پسندی کی جڑیں مضبوط کی گئیں۔ لوگوں نے عبادات، معاملات وغیرہ میں افراط و تفریط سے کام لینا شروع کر دیا۔

نبی پاکؐ کا فرمان ہے کہ

لاتشدد واعلی انفسکم، فیشدد علیکم فان قوما شددواعلی انفسھم، فشدد علیھم، فتلک بقایا ھم فی الصوامع والدیارات[۳۷]

بعض لوگ محض ثواب کی خاطر دین میں انتہا کا پہلو اختیار کر لیتے ہیں مثلاً نماز میں لمبی لمبی سورتوں کا پڑھنا، متواتر روزے یا آٹھ پہرے روزے رکھنا، نفسانی خواہشات سے گریز (شادی) قرآن کو جلد از جلد ختم کرنا، حج کے دوران منیٰ میں شیطان کو کنکریاں مارنے میں، طواف کعبہ کے وقت حجر اسود کو چومنا اور خانہ کعبہ کے غلاف کو ہاتھ لگانا، نبیؐ کو نور الٰہی کہنا، پیر فقیر کے مزار بنانا، عرس اور میلے ٹھیلے منانا، میلاد اور ختم دلانا وغیرہ، قبروں پر منتیں ماننا اور چڑھاوے چڑھانا وغیرہ۔ یہ سب باتیں ثواب کا باعث تو نہیں البتہ خدا کی ناراضگی کا سبب بن سکتی ہیں۔

نبیؐ نے فرمایا اے لوگو تم دین میں سختی کرنے (یعنی افراط وغلو) سے بچو تم سے پہلے دین میں اسی غلو کرنے کی وجہ سے تباہ ہوئے۔ آپؐ نے معاذ بن جبلؓ کو نماز پڑھتے وقت لمبی قرات کرنے پر سرزنش فرمائی کہ کیا تم لوگوں کو متنفر کرنا چاہتے ہو۔

''حضرت عبداللہ بن جابرؓ کے مطابق آپؐ کی نماز و خطبہ میانہ روی کی مثال ہوتا''[۳۸]

بخاری و مسلم کی ایک روایت کے مطابق آپؐ نے متواتر روزہ رکھنے پر ایک صحابیؓ سے ارشاد فرمایا کہ ان لبدنک علیک حق

ابوسلمؓ نے رسولؐ سے روایت کی کہ رسولؐ نے فرمایا قرآن ختم کرو ہر ماہ میں ایک بار میں نے کہا کہ مجھ میں قوت اور ہے آپؐ نے فرمایا ختم کرو سات دن میں اور اس سے زیادہ قرات نہ کرو[۳۹] اس حدیث سے محافل شبینہ کا رد ملتا ہے۔

اسلام میں دوران سفر بہت سی باتوں کی رخصت ملتی ہے مثلاً قصر نماز اور روزہ کی چھوٹ اور بعد میں قضا۔ چند لوگ اس آسانی کو accept نہیں کرتے۔ ایک دفعہ نبی پاکؐ نے ایسے شخص سے جو دوران سفر روزہ رکھ کر بے ہوش ہو گیا تھا فرمایا کہ سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی کا کام نہیں اور تمہارے لیے ضروری ہے کہ اللہ کی دی ہوئی رخصت سے فائدہ اٹھالو۔[۴۰]

مشکوۃ بحوالہ صحیح بخاری و مسلم میں ایک روایت ہے کہ

ان انا سامن اصحاب رسولؐ سائلوا ازواج النبیؐ عن عمله فی اسرفکا نهم تقالوها فقال بعضهم لااکل اللهم لاانزوج انساء وقال بعضهم لاانامه علی فراش فبلغ ذلک النبیؐ مابال اقوام یقول احد هم کذاوکذا ولکنی اصوم و افطروانام و اقوم و اکل اللهم و اتزوج انساء ضمن رغب عن سنتی فلیس منی۔

نبی پاکؐ نے بے جا اسراف سے منع فرمایا آپکا ارشاد ہے ماعال من اقتصد۔ نیز آپؐ نے ایک صحابیؓ کو برے اور معمولی لباس میں دیکھ کر پوچھا کہ تمہارے پاس اچھا لباس نہیں تو انہوں نے جواباً کہا "ہے" تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کو پہنو اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو۔

یایها الناس ان ربکم واحد و ابا کم واحدا لا لافضل لعربیٍ علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا اسود علی احمر ولا احمد علی اسود الا بالتقوی کلکم ابناء ادم و ادم من التراب

آپؐ نے فرمایا اپنے آپکو بدگمانی سے بچاؤ بے شک بدگمانی بڑی جھوٹی بات ہے۔[۴۱]

نبی پاکؐ نے جہاد کے متعلق فرمایا کہ اے لوگو! جنگ کی تمنا نہ کرو اور ہمیشہ اللہ سے عافیت کی دعا مانگتے رہو لیکن جب دشمن سے مقابلہ پیش آجائے تو صبر و استقامت سے کام لو اور یاد رکھو جنت تلواروں کی چھاؤں میں ہے۔

ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا تین چیزیں نجات دلانے والی اور تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں۔ نجات دلانے والی چیزیں کھلے اور چھپے اللہ کا ڈر رکھنا، خوشی اور ناراضی دونوں باتوں میں حق بات کہنا۔ خوشحالی و غریبی دونوں حالتوں میں اعتدال پر قائم رہنا۔ ہلاک کرنے والی چیزیں یہ ہین کہ خواہش نفس کی پیروی کی جائے، بخل کا طریقہ اور خود پسندی اور یہ آخری چیز سب سے زیادہ سخت ہے۔

الغرض آپؐ کی پوری زندگی قرآن کی عملی صورت ہے۔ انتہا خصوصاً دینی انتہا پسندی کے بارے میں آپؐ کے فرامین کا احاطہ اس جگہ ممکن نہیں۔ لیکن ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ آپؐ کی ذات کی پیروی میں ہی ہماری کامیابی ہے۔

حاصل کلام:

انتہا پسندی اور دین میں غلو یقیناً ایک مہلک مرض ہے جس کا خاتمہ فوری طور پر ہونا بہت ضروری ہے۔ وگرنہ یہ مرض اسلامی حلقوں میں جس تیزی سے پھیل رہا ہے اگر اس کی فوری روک تھام نہ کی گئی تو عین ممکن ہے کہ ہمارا حال بھی انہی اقوام کا سا ہو جنہوں نے اپنے انبیاء کی تعلیمات پر توجہ نہ دی ان میں اپنی مرضی سے ترامیم کرتی رہیں یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے ان پر عذاب نازل ہوا اور وہ نیست و نابود ہوگئیں۔ فرقہ پرستی ختم کرنے کی شدید ضرورت ہے تاکہ مسلمان ہر سطح پر متحد ہو کر باطل قوتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکیں۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ قرآن و سنت کو نہ صرف پڑھا جائے بلکہ ان پر غور و فکر کر کے دین کی اصل حقیقت کو جانا جائے۔ اس کی ترویج کی جائے۔ قرآن پاک میں ہے کہ

اَفَلا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا [۲۴]

ہمارے علماء کرام کو چاہیے کہ اپنے اندر صبر اور تحمل پیدا کریں۔ نبیؐ نے فرمایا کہ بہادر وہ نہیں ہے جو پچھاڑنے میں پہل کرے بلکہ وہ ہے جو اپنے غصہ پر قابو رکھ سکے نیز یہ کہ لوگوں کو دین کی تعلیم اس انداز سے دیں کہ وہ اس کو اپنا لیں نہ کہ متنفر ہو جائیں۔ نبیؐ نے فرمایا کہ

یسرا ولا تعسرا، بشرا ولا تنفرا

قرآن میں بتائے گئے اس اصول کو یاد رکھیں

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ط اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ [۲۵]

اللہ ہم سب کو دین اسلام کو اس کی تمام تر خوبیوں کے ساتھ اپنانے اور اس کی ترویج کی توفیق دے۔ (آمین)

مراجع و مصادر:

۱۔ لسان العرب: ۲۸۹/۱۲، معجم الوسیط ۱/ ۴۴۸

۲۔ لسان العرب: ۲۳/۱۲، النهایة ۱۹۲/۲

۳۔ ایضاً: ۲۸۹/۱۲، معجم الوسیط ۹۱۹/۲

۴۔ نساء: ۱۲۵

۵۔ المنجد: ص ۱۰۵۶، دارالاشاعت کراچی ۱۹۹۴ء

۶۔ فیروز اللغات: ص 126، فیروز سنز لاہور۔ س۔ ن

۷۔ المنجد: ص ۱۷۶، دارالاشاعت کراچی ۱۹۹۴ء

۸۔ امین احسن اصلاحی، تدبر القرآن،۲/۲۰۶ دارالاشاعۃ اسلامیہ لاہور ۱۹۷۱ء

۹۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ : ۴/۱۶۶، پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۹۶ء

۱۰۔ لسان العرب:۸/۶، مکتبہ ادارہ لسان العرب البیروت۔ س۔ن

۱۱۔ المنجد: ص205، دارالاشاعت کراچی 1994ء

۱۲۔ اسلامی بیداری انکار وانتہا پسندی کے نرغے میں: ص9، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور

۱۳۔ فیروز اللغات: ص103، فیروزسنز لاہور۔ س۔ن

۱۴۔ اظہر اللغات (جدید): ص103، فیروزسنز لاہور۔ س۔ن

۱۵۔ English to English & Urdu Dictionary ص269، فیروزسنز لاہور۔

۱۶۔ Current English Dictionary: ص308، مرزا غلام محمد بیگ، پروفیسر ممتاز احمد، چودھری غلام رسول اینڈ سنز اردو بازار لاہور۔

۱۷۔ Kitabistan's 21st Century Practical Enghlish Enghlish, Urdu, Dictionary، ص: 206، بشیر اے قریشی

۱۸۔ مرزا محمد الیاس، بنیاد پرستی اور تہذیبی کشمکش، ص: 47 حرا پبلی کیشنز لاہور۔ نومبر 1994ء

۱۹۔ Fundamentalism and Revivalism in South Asia: اے آر فرانیکسن برگ، صفحہ: 24,25

۲۰۔ بنیاد پرست کی اصطلاح: ڈاکٹر ظہور احمد اظہر سہ روزہ دعوت دہلی 10 اپریل 1990ء

۲۱۔ انسانی زندگی میں جمود وارتقاء: مترجم ساجد الرحمٰن صدیقی، ص: 317,318 اسلامک بک پبلیشرز کویت: طبع دوم 1976ء

۲۲۔ بنیاد پرستی اور تہذیبی کشمکش: مرزا محمد الیاس، ص: 17

۲۳۔ اسلامی بیداری انکار وانتہا پسندی کے نرغے میں: سلمان ندوی، ص 6,7

۲۴۔ Rural Churches In South Asia: پی وائی لیوک، جان بی کارمن لندن، 1968: ص 40-38

۲۵۔ اسلامی بیداری انکار وانتہا پسندی کے نرغے میں، ص: 10

۲۶۔ البقرۃ: 143

۲۷۔ اسلامی جنگیں، دہشت گردی یا امن کی ضمانت (محدث مارچ 2001ء) محمد اقبال کیانی

۲۸۔ البقرۃ: 201

۲۹۔ البقرۃ: 256

۳۰۔ Evolution of Social Institutions In Islam During first Century of Hijrah : Dr. Sayyid Matlub Husayn First edition Dec. 1986, Islamic Book Foundation LHR.

۳۱۔ دینی مسائل میں اختلافات، اسباب اور ان کا حل: شہزاد اقبال شام، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد، ص: 4

۳۲۔ بنیاد پرستی اور تہذیبی کشمکش، ص:45,46

۳۳۔ آل عمران:110

۳۴۔ الانفال

۳۵۔ توبہ:128

۳۶۔ الاحزاب:21

۳۷۔ سنن ابوداؤد، کتاب الاداب، باب فی الحسد، الکتب الستہ، ص:1583، ح4909

۳۸۔ دین میں غلو: عبدالغفار حسن، ص18 رباط العلوم اسلامیہ کراچی 1403ھ

۳۹۔ صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب النہی عن الصوم الدھر، الکتب الستہ، ص:864، ح:2832

۴۰۔ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب حق لمن ظلل علیہ واشتد الحر، الکتب الستہ، ص152، ح1942

۴۱۔ سنن ابوداؤد، کتاب الاداب، باب فی الظن، الکتب الستہ، ص:1584، ح:4917

۴۲۔ سورۃ محمد:24

۴۳۔ النحل:125

دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ، تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

نائلہ احمد، ملتان

مذہبی انتہا پسندی سے مراد ایسا مذہبی رویہ ہے جس کے زیر اثر ایک فرد یا گروہ دوسرے فرد یا گروہ کے مذہبی عقائد کو باطل قرار دے کر اس کے خلاف ہر قسم کے غیر اخلاقی، غیر قانونی اور متشددانہ طرز عمل کو اپناتا ہے اس کو جائز قرار دیتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے۔

انتہا پسندی کا رجحان کسی بھی شعبہ زندگی میں ہو وہ ناپسندیدہ، غیر صحت مندانہ اور ناقابل قبول ہوتا ہے۔ انتہا پسند افراد عالمی قومی اور معاشرتی وحدت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہوتے ہیں۔ انتہا پسند رویے نارمل طرز زندگی سے دور لے جاتے ہیں اور انتہا پسند کردار انسان کو انسانیت کے درجے سے گرا دیتا ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعتدال کو پسند فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

خیر الامور اوسطھا (اعتدال کی راہ ہی (زندگی میں) بہتر اور کامیابی ہے)

مذہب کائنات کی سب سے بڑی سچائی ہے۔ یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر کائنات کو تسخیر کیا جاتا ہے اور کائنات کی اس تسخیر کا مقصد انسان کی فلاح اور بھلائی ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واضح ارشاد ہے کہ

الدین النصیحۃ (دین خیر خواہی کا نام ہے)

باوجود اس کے کہ تمام انبیاء کرامؑ اللہ کے پیغام کو لے کر آئے اور ان کی تعلیمات کا مقصد ایک ہی تھا تاہم مذہبی اختلافات ہر دور میں موجود رہے اور انہی اختلافات نے مذہبی انتہا پسندی کو جنم دیا۔

دور حاضر میں عالم اسلام کو جس مذہبی انتہا پسندی کا سامنا ہے وہ دو سطحوں پر پروان چڑھ رہی ہے۔

اول: عالمی سطح پر یعنی اسلام اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان

دوئم: مذہب اسلام کے ماننے والوں کے درمیان جس کی بنیاد پر مختلف فرقے وجود میں آئے۔

مذہبی انتہا پسندی خواہ عالمی سطح پر ہو یا ملکی سطح پر اس کی نوعیت خواہ کچھ بھی ہو، قرآنی تعلیمات، اسوہ حسنہ اور تعلیمات نبویؐ میں اس کی گنجائش کہیں نہیں ملتی بلکہ احکام الٰہی کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس عالمگیر نظام کی بنیاد رکھی، اگر ان پر عمل کیا جائے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ سے ثابت ہے تو ایسے تمام عوامل اور عناصر کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے جو مذہبی انتہا پسندی کو جنم دیتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ دین فطرت کے داعی اور مبلغ ہونے کے ناطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی فطرت کو مدنظر رکھتے ہوئے جس مسلم معاشرے کی تشکیل کی اس میں اگر مذہبی انتہا پسندی جیسے رویے اور

رجحان پیدا ہونے کا خطرہ ہو یا ایسے رویے پیدا ہو جائیں جو مذہبی انتہا پسندی کی طرف لے کر جاتے ہوں تو ان رویوں کی روک تھام اور ان حالات سے نپٹنے کا طریقہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات میں احسن اور مفصل طور سے ملتا ہے۔ مذہبی انتہا پسندی کے پس پردہ عام طور پر درج ذیل عوامل اور اسباب کارفرما ہوتے ہیں:

☆ اپنے مذہب کے بارے میں مکمل، درست اور ٹھوس معلومات نہ ہونا۔

☆ دوسرے مذاہب یا گروہ (جن کے بارے میں معاندانہ طرز عمل اپنایا گیا ہے) کے متعلق درست معلومات کا فقدان۔

☆ انا کے خول میں بند ہو جانا اور دوسرے فرد/گروہ یا مذہبی عقیدہ رکھنے والے افراد کی بات نہ سننا اور نہ ہی ماننا۔

☆ ذاتی مفاد کے حصول، ذاتی نظریات کی اجارہ داری قائم رکھنے، اقتدار کے حصول کی کوشش اور اقتدار کو طول دینے کیلئے عوام الناس کو انتہا پسندی کی طرف راغب کرنا۔

☆ استحصال زدہ معاشرے مذہبی انتہا پسندی کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

دور حاضر میں عالم اسلام مذہبی انتہا پسندی سے بری طرح متاثر نظر آتا ہے۔ عالمی سطح پر صیہونی اور عیسائی طاقتوں کی انتہا پسندی جہاں وہ اپنے لئے ہر طرح کے اقدامات کو جائز اور درست قرار دیتے ہیں جبکہ مسلمانوں کیلئے ان اقدامات کی سخت ممانعت ہے۔ مثال کے طور پر جوہری توانائی کے حصول کو ہی لے لیں۔ تمام غیر مسلم ممالک جس میں امریکہ، اسرائیل اور ان کے حواری شامل ہیں، نت نئے جوہری تجربات کرتے ہیں مگر مسلمان ممالک کیلئے اسے نامناسب سمجھ کر مختلف طرح کی دھمکیاں ہی نہیں دی جاتیں بلکہ ان پر عمل بھی کیا جاتا ہے اگرچہ غیر مسلم ممالک خود کو مذہبی انتہا پسندی نہیں کہتے اور نہ ہی اپنے اقدامات کو مذہب کی بنیاد پر پروان چڑھانے کا اعلان کرتے ہیں تاہم حقیقت سب کے سامنے واضح ہے اور اس صورتحال میں بدقسمتی سے کئی مسلم حکمران بھی انہی غیر مسلموں کے نظریے کی تائید کرتے نظر آتے ہیں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ اور تعلیمات سے یہ بات عیاں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تحفظ اور دفاع کیلئے کبھی جہاد سے منہ نہ موڑا اور اس وقت کے حالات، تقاضوں اور ضرورتوں کے تحت اپنے دفاع کے لئے تمام طریقوں کو بروئے کار لائے مثلاً غزوہ بدر کے موقع پر مدینے کا دفاع مدینہ سے باہر آ کر کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ غزوہ خندق میں مدینہ کا دفاع خندق کھود کر کیا گیا۔ غزوہ حنین میں حالات سازگار تھے اس لئے بھاری لشکر ساز و سامان کے ساتھ تیار کیا گیا تاہم ایک امر پیش نظر رہا اور وہ امر ربی اور رضائے الٰہی کا حصول اور آج اسی مقصد کو عالمی سطح پر اجاگر کرنے کی اشد ضرورت ہے کہ دشمن کے مقابلہ میں اپنا دفاع ہر ایک کا حق ہے یہی نہیں بلکہ دور حاضر میں ضرورت اس امر کی بھی ہے کہ دوسرے مذاہب کے عوام کو اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمۃ اللعالمین بنا کر مبعوث فرمایا اور رشد و ہدایت کا سرچشمہ قرآن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ قرآن کے مطابق کی۔ دوسرے مذاہب کے عوام کو یہ باور کرانا ضروری ہے کہ اسلام ایسا مذہب ہے کہ جو دوسرے مذاہب کی نفی نہیں کرتا اور نہ ہی دوسرے انبیاء کی بنیادی تعلیمات کو نعوذ باللہ غلط قرار دیتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے واضح ارشاد فرمایا:

قُوْلُوْآ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَآ أُنْزِلَ إِلٰٓى إِبْرٰهٖمَ وَإِسْمٰعِيْلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَآ أُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ أُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔

(سورۃ البقرۃ......آیت ۱۳۶)

''کہو! ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس تعلیم پر جو ہماری طرف اتاری گئی ہے اور اس تعلیم پر جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر اتاری گئی تھی اور جو موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی ہم ان کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے مطیع فرمانبردار ہیں۔''

اب یہ سوال بھی پیدا ہوسکتا ہے کہ اگر تمام انبیاء کی تعلیمات ایک ہی تھیں تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی تو اس کا جواب بھی خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَآ إِلٰٓى أُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ. وَمَآ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ.

(سورۃ النحل......۶۴۔۶۳)

''بخدا! ہم نے (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم سے پہلے مختلف امتوں کی طرف ہدایت بھیجی مگر اس کے بعد شیطان نے ان کے غلط اعمال کو ان کے لئے خوش نما بنا دیا چنانچہ آج وہی ان کا سرپرست بنا ہوا ہے اور وہ دردناک عذاب کے مستحق ہو گئے ہیں اور ہم نے تم پر یہ کتاب صرف اس لئے نازل کی ہے کہ تم اس حقیقت کو ان کے سامنے واضح کر دو جس میں ان کے درمیان اختلاف ہو گیا ہے اور اس کے لئے یہ کتاب ہدایت اور رحمت ہو ان لوگوں کیلئے جو اس کی پیروی قبول کرلیں۔''

باوجود اس کے کہ قرآن مجید سابقہ کتب کی تصدیق کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سابقہ انبیاء کی تعلیمات کو اللہ کے حکم سے بیان فرمایا تاہم قرآن میں اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام انسانوں کو دین اسلام کی دعوت دی۔ صراط مستقیم کی جانب راہنمائی فرمائی، آخرت میں نجات کا ذریعہ بتایا لیکن کسی قسم کا جبر نہیں کیا کیونکہ دین کے بارے میں اللہ کا واضح ارشاد ہے کہ

لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کہ دین میں کوئی جبر نہیں (سورۃ البقرۃ......۲۵۶)

بلکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا:

قُلْ يٰٓأَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ لَآ أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَلَآ أَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ أَعْبُدُ وَلَآ أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ وَلَآ أَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ أَعْبُدُ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ۔

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دیجئے اے کافرو! نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ ہی تم میرے معبود کی پرستش کرو گے، تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔''

یعنی تبلیغ کرنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرض تھا مگر اس میں جبر اور تشدد کا راستہ اپنانے کا کہیں حکم نہیں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر دور میں انتہا پسندوں سے واسطہ پڑا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ردعمل میں عفوو درگذر اور تحمل و برداشت کا راستہ اپنایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبر واستقامت کا دامن نہ چھوڑا۔ شعب ابی طالب میں محصور رہے مگر تشدد کا راستہ اختیار نہ کیا۔ دین اسلام کی دعوت دینے کی غرض سے طائف کا سفر کیا مگر وہاں آپ کو قبیلہ ثقیف کے ان انتہا پسند سرداروں کا سامنا کرنا پڑا جنہوں نے زبانی اور عملی دونوں طریقے سے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا یعنی ایک سردار بولا!

''اوہ آپ کو ہی اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنا کر بھیجا ہے۔''

دوسرا بولا! ''نعوذ باللہ، اللہ کو تمہارے سوا کوئی اور ملتا ہی نہ تھا جس کو رسول بنا کر بھیجے۔

تیسرا بولا! ''میں تو تجھ سے بات نہیں کروں گا۔''

یہی نہیں بلکہ شہر کے لڑکوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے لگا دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذاق اڑائیں اور پتھر ماریں اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لہولہان ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں جوتے خون سے لت پت ہو گئے مگر یہاں بنوثقیف کی انتہاپسندی کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اللھم اھد قومی مالھم لا یعلمون ۔ (اے اللہ! میری قوم کو ہدایت فرما بے شک وہ نہیں جانتے)

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں فرشتہ بھیجا جس نے عرض کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمائیں تو دونوں جانب کے پہاڑوں کو ملا دوں جس سے یہ سب درمیان میں کچلے جائیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا!

''میں اللہ سے اس کی امید رکھتا ہوں کہ اگر یہ مسلمان نہیں ہوتے تو ان کی اولاد میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی پرستش کریں گے اور اس کی عبادت کریں گے۔''

کفار مکہ کے مظالم، ہٹ دھرمی اور انتہا پسندی میں کمی نہ آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے حکم سے مدینہ کی جانب ہجرت کی، اپنا گھر چھوڑا، اپنے رب کے گھر جو بلاشبہ آپ کو بے حد عزیز تھا سے نقل مکانی کی مگر ابھی تک تشدد کا راستہ نہ اپنایا۔ مدینہ تشریف لائے تو وہاں یہود کے قبائل، بنوقینقاع، بنونظیر اور بنوقریظہ اور عرب قبائل اوس وخزرج کے درمیان لڑائی جاری رہتی تھی۔ مدینہ آ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولین ترجیح امن کے قیام کو دی۔ امن کے قیام کیلئے جو معاہدہ کیا (جو میثاق مدینہ کے نام سے مشہور ہوا) اس کی بنیاد یہ نہ تھی کہ تمام قبائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی آخر الزمان مان لیں بلکہ اس کے اہم نکات میں یہ شامل تھا کہ ہر فریق کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور تمام قبائل امن وامان سے رہیں گے یہاں جو زریں اصول کسی بھی ریاست اور معاشرہ کیلئے اولین حیثیت کے حامل ہو سکتے ہیں، وضع ہوئے یعنی مذہبی آزادی اور امن جبکہ مذہبی انتہا پسندی ان اصولوں کے بالکل منافی ہے۔

مشرکین کی انتہا پسندی بڑھتی گئی تو اس کو روکنے اور اپنے دفاع کیلئے جہاد فرض ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

متعدد غزوات میں خود شرکت کی اور کئی لشکر اپنے صحابہؓ کی راہنمائی میں روانہ کئے۔ یہاں اسوۂ حسنہ کا جو درخشاں پہلو نمایاں ہو کر سامنے آیا وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کے خلاف کوئی کارروائی ذاتی انتقام کی بناء پر نہ کی بلکہ جہاد فی سبیل اللہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منشا رہی۔ غزوہ احد کے موقع پر جب آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے تو ایک صحابی نے جذبات میں آ کر عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ ان کے لئے بددعا کیوں نہیں کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ تکلیف کی حالت میں تھے مگر آپ نے فرمایا:

''میں لعنت بھیجنے کیلئے مبعوث نہیں کیا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حق کا داعی اور سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

یہاں ان لوگوں کے لئے نمونہ ہے جو خود کو حق کا علمبردار قرار دیکر مذہب کی آڑ میں دوسروں پر ہر ظلم کو جائز اور درست قرار دیتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدان جنگ کے لئے بھی زریں اصول وضع کئے جس کے نتیجہ میں جنگ کا مقصد امن کا حصول ٹھہرا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ میں بھی انتہا پسندی کا رویہ نہیں اپنایا بلکہ لشکر کو روانہ کرتے وقت نصیحت فرماتے کہ:

''اللہ کا نام لے کر اور اس کی برکت کے ساتھ سفر جہاد پر روانہ ہو جاؤ۔ کسی بوڑھے شخص کو، کسی بچے کو یا کسی عورت کو ہرگز قتل نہ کرنا اور خیانت نہ کرنا، غنائم کو اکٹھا کرنا اور حالات کو درست کرنے کی کوشش کرنا، دشمن کے ساتھ بھی احسان کرنا بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا:

''کسی بچے کو قتل نہ کریں اور نہ ہی معذوروں کو قتل کریں، سرسبز کھیتوں کو برباد نہ کریں، درخت نہ کاٹیں، عورتوں کو قتل نہ کریں اور ان مردوں کو بھی قتل نہ کریں جو جنگ کے سلسلہ میں کوئی رائے نہیں دیتے اور کسی طرح جنگ میں شرکت نہیں کرتے۔''

عرب دستور کے مطابق جنگ میں مقتولین کی لاشوں کا مثلہ کیا جاتا تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمایا۔ آپ کی حیات طیبہ کا بحیثیت سپہ سالار جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مخالف گروہ کی انتہا پسندی روکنے کے لئے جنگ کا راستہ اپنایا تاہم درج بالا اصولوں کے تحت اس عرصہ میں کسی ایسے خوفناک جنگی قیدیوں کے کیمپ کا تذکرہ نہیں ملتا جہاں جنگی قیدیوں پر انسانیت سوز مظالم کیلئے جاتے ہوں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسیران جنگ کے معاملہ میں صحابہؓ کو تاکید فرمائی کہ ان سے حسن سلوک سے پیش آئیں۔ اسیران بدر کے لئے جب حضرت عمرؓ نے انہیں قتل کرنے کا مشورہ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس انتہائی اقدام کے مقابلے میں حضرت ابوبکرؓ کے مشورے پر عمل کیا کہ فدیہ لے کر قیدیوں کو رہا کر دیا جائے اور مزید یہ کہ جو قیدی فدیہ بھی ادا نہ کر سکتے ہوں وہ دس یتیم بچوں کو تعلیم دیں۔ قیدیوں کے ساتھ اس حسن سلوک کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔

۲۳ سالہ صبر آزما دور کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت فاتح مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو اپنے صحابہ کو قتل و غارت گری سے باز رہنے کی تاکید فرمائی اور لوگوں کی جان کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے فرمایا کہ:

''جو کوئی ہتھیار پھینک دے، بیت اللہ میں پناہ لے، ابو سفیان کے گھر میں پناہ لے، حکیم بن حزام کے گھر پناہ لے اسے قتل نہ کیا جائے مزید کہ زخمی قیدیوں اور بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔''

وہ مکہ جہاں آپ کے بدترین دشمن آج آپ کے سامنے تھے وہ جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نعوذ باللہ قتل کرنے کی کوشش کی جنہوں نے طرح طرح کی اذیتیں دیں وہ ہندہ جس نے آپ کے چچا حضرت حمزہؓ کی لاش کا مثلہ کر کے ان کے کان ناک کاٹ کر گلے کا ہار بنایا اور کلیجہ چبایا گویا انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے نہ تھا بلکہ ظلم و زیادتی کی ایک تاریخ اوراق پلٹ رہی تھی اور اس داستان کا ہر کردار اپنے انجام کے متعلق سوچ کر پریشان تھا۔ ایک لرزہ طاری تھا اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم صادر نہ فرمایا کہ تمام لوگ مسلمان ہو جاؤ یا انہیں زبردستی مسلمان ہونے کے لئے مجبور کر دیا جائے بلکہ فرمایا:

''لا تثریب علیکم الیوم اذھبو فانتم الطلقاء'' ''آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں، جاؤ تم سب چھوڑ دیئے گئے۔''

یہی نہیں بلکہ بحیثیت رحمت اللعالمین اور محسن انسانیت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخاطب تمام لوگ تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یاایھا الناس سے اپنے خطبہ کا آغاز کیا گویا ابھی بھی رحمت اور ہدایت کے دروازے صرف اپنے ماننے والوں تک محدود نہ رکھے بلکہ سب کیلئے کھول دیئے کیونکہ قرآن کی ہدایت اور آپ کی رحمت عالمین کیلئے ہے تو پھر جب قرآن ایک، رسول ایک، تو مذہبی گروہ بندی کیسی؟

دوسری سطح کی مذہبی انتہا پسندی جس سے عالم اسلام بری طرح متاثر ہے بلکہ اس کے اثرات کی لپیٹ میں ہے وہ ہے اسلام کے پیروکاروں کے درمیان فروعی اختلافات جس کی بنیاد پر آج ملت اسلامیہ مختلف گروہوں میں بٹ چکی ہے یہاں تک کہ انہی اختلافات کی بناء پر مختلف گروہ آپس میں برسرپیکار رہتے ہیں بلکہ ملک عزیز پاکستان کے اندر انتشار کا الزام کئی برادر اسلامی ممالک پر عائد کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ فرقہ واریت عروج پر ہے اور ہر فرقہ خود کو درست اور دوسرے کو غلط قرار دیتا ہے یہاں تک کہ نعوذ باللہ دوسرے گروہ کو مسلمان ماننے سے بھی انکار کر دیا جاتا ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح ارشاد فرمایا کہ

''سباب المسلم فسوق و قتاله کفر'' ''مسلمان کو برا کہنا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ کی روشنی میں اگر معاشرہ کی تشکیل کی جائے تو انتہا پسندی جیسے رجحانات پیدا ہی نہیں ہوتے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احترام آدمیت، عفو و درگذر، اخوت و ساوات، محبت اور بھائی چارے کا درس دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے:

''جب تک ایمان نہیں لاؤ گے جنت میں داخل نہیں ہو گے اور اس وقت تک (کامل مومن) نہیں ہو گے

جب تک آپس میں محبت نہیں کرو گے۔"

صرف یہی نہیں بلکہ ان رویوں اور کردار کی جانب رہنمائی بھی فرمائی جو محبت کے ان جذبات کو جنم دیتے ہیں اور انہیں پروان چڑھانے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتلاؤں جس پر عمل کر کے تم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو تو ایک دوسرے کو بکثرت سلام کیا کرو۔

محبت کے ساتھ ساتھ خیر خواہی کے جذبات ہی آپس میں اخوت کے رشتے کو مضبوط کرتے ہیں۔

حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ:

"بایعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و آله وسلم اقام الصلوٰة و ایتاءِ الزکوٰة و النصح لکل مسلم".

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔

نماز اور زکوٰۃ جس کی فرضیت قرآن میں ہے اس کے ساتھ ہر مسلمان کی خیر خواہی کی بیعت سے اس رویے کی حیثیت اور اہمیت واضح ہوتی ہے۔ محبت اور خیر خواہی کے جذبات پر پہلی ضرب بدگمانی کی پڑتی ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے بچنے کی تاکید فرمائی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"ظنون المومنین خیرا" "مومنوں کے بارے میں اچھا گمان رکھنا چاہئے۔"

اخوت، محبت اور بھائی چارے کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے مسلمان واضح طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی عملی تصویر بنتا ہے کہ "المسلم اخوا لمسلم" مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور اس کے بعد اس بھائی کے رشتے اور تعلق کے معیار کو دیکھا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات وہاں بھی زریں اصول فراہم کرتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ ہی مشکل کے وقت بے یار و مددگار چھوڑتا ہے، نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ ہی اسے حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔"

درج بالا اقدامات ہی وہ درست اقدام ہیں جو مذہبی انتہا پسندی، اس کے جملہ عوامل اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے اثرات کے خاتمہ کا باعث بنتے، مثلاً ظلم ایک ایسا فعل ہے جو مذہبی انتہا پسندی کے زمرے میں "عمل بھی ہے اور ردعمل بھی" کسی بھی معاملہ میں انتہا پسندی کا شکار ہو کر ظلم کرنا "عمل" اور پھر اس ظلم کا جواب ظلم سے دینا "ردعمل" ہے۔ اس طرح مذہبی انتہا پسندی کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر موقع پر ظلم کی مذمت کی ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا:

"انصر اخاک ظالما او مظلوما" "اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔"

یہ سن کر ایک صحابیؓ نے پوچھا کہ مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آ گئی، ظالم کی مدد کیسے کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! اسے ظلم سے روک دو یہی اس کی مدد ہے۔ اسی طرح ایک اور موقع پر مومنین کی مثال بیان کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے فرمایا:

تری المومنین فی تراحمھم و توادھم و تعاطفھم کمثل الجسد اذا اشتکیٰ عضو منہ تدعی لہ سائر الجسد باالسھر والحمی۔

''تو مومنوں کو دیکھے گا کہ وہ آپس میں رحم کرنے، آپس میں محبت کرنے اور آپس میں مہربانی کرنے میں ایک جسم کی طرح ہوتے ہیں کہ جب اس میں سے کسی عضو کو بھی شکایت ہو جائے تو سارا جسم اس کی خاطر شب بیداری اور بخار کو دعوت دیتا ہے۔

مسلمان کی یہ صفت کہ وہ مشکل وقت میں اپنے بھائی کو بے یارو مددگار نہیں چھوڑتا، یہ مشکل وقت ایک مسلمان کی انفرادی زندگی میں بھی ہو سکتا ہے اور اجتماعی زندگی میں بھی اگر نوعیت انفرادی ہے تو مسلمان بھائی کی حاجت روائی کا حکم دیا گیا ہے جس کی اہمیت کا اندازہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد مبارک سے ہوتا ہے کہ:

''مجھے رمضان بھر کے روزے رکھنے اور اس مہینے مسجد احرام میں اعتکاف بیٹھنے سے زیادہ عزیز ہے کہ میں اپنے بھائی کی بوقت ضرورت مدد کروں۔''

اور جب یہ مشکل اجتماعی نوعیت کی ہو تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اول یہ کہ مومنین کے درمیان آپس میں اختلاف ہو تو ایسی صورت میں صلح کرا دینی چاہئے اور اگر کسی غیر مسلم گروہ کی طرف سے مسلم گروہ کو خطرہ ہو تو ہر طرح سے مسلم گروہ کے ساتھ مل کر اگر وہ حق پر ہو تو غیر مسلم کے خلاف لڑنا۔ دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا، رنگ ونسل کی بنیاد پر خود کو افضل سمجھنا اور دوسروں کو کمتر جاننا، یہ وہ برائی تھی جو آپ کے دور میں عرب قبائل میں عروج پر تھی اور یہی رجحان انتہا پسندی کو مضبوط بنیادیں فراہم کرتا ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجتہ الوداع کے تاریخی موقع پر واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا:

"لا فضل لعربی علیٰ عجمی ولا لعجمی علیٰ عربی ولا لا سود علیٰ احمر ولا لا حمر علیٰ اسود الا بالتقوی"

''کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ ہی کالے کو سرخ اور سرخ کو کالے پر برتری ہے سوائے تقویٰ کے۔''

اگر حالیہ تناظر میں دیکھا جائے تو اس وقت مذہبی انتہا پسندی کے ضمن میں فخر کا یہ عنصر کئی اعتبار سے نمایاں ہے۔ خود کو آل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بناء پر افضل و برتر سمجھنا یا صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا خود علمبردار سمجھنا اور اسی بناء پر اپنے ہر فعل کو درست اور دوسرے کے ہر فعل کو قابل مذمت گرداننا عام ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برتری کا معیار واضح طور پر تقویٰ کو قرار دیا۔

گروہی تفاخر کے ساتھ ساتھ انفرادی احساس برتری بھی مذہبی انتہا پسندی کو فروغ دیتا ہے۔ یہ خمیر ''میں'' سے جنم لیتا ہے جس کو غرور و تکبر کے احساسات مزید مستحکم کرتے ہیں۔ انتہا پسند فرد یا گروہ دوسروں کی رائے کو پسند نہیں کرتا اور نہ ہی تسلیم کرتا

ہے جس کی وجہ سے مفاہمت کی فضاء پیدا نہیں ہو پاتی اور تناؤ کی یہ کیفیت تشدد کو جنم دیتی ہے اور یوں پورا ماحول انتہا پسندی کی لپیٹ میں آ جاتا ہے۔ ہماری خوش بختی کہ رہبر کامل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ یہاں بھی ہمارے لئے نور ہدایت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف اہم امور پر صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا بلکہ اسے تسلیم بھی کیا سوائے اس کے کہ جہاں اللہ کا حکم موجود تھا جیسے صلح حدیبیہ کے موقع پر غزوہ بدر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی حضرت جناب بن منذرؓ کے مشورے سے بدر کے چشموں پر قبضہ کر لیا جس سے بعد میں پانی کے حصول میں آسانی رہی۔ اسیران بدر کے معاملہ پر صحابہؓ سے مشورہ فرمایا۔ غزوہ خندق سے پہلے خندق کھودنے کا فیصلہ حضرت سلمان فارسیؓ کی رائے کے نتیجہ میں ہوا۔ آپ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، اللہ کے برگزیدہ پیغمبر اور رسول، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ ہستی ہیں جن کی ذات اقدس کو خود اللہ تعالیٰ نے قابل تقلید ٹھہرایا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ عجز و انکساری کا مظاہرہ کیا اور خود کو ہی درست سمجھنے کی غلط روش کا خاتمہ کیا، جس سے بحیثیت قوم افراد میں برابری و احترام کے جذبات جنم لیتے ہیں جن سے اتحاد و یگانگت کی فضاء پیدا ہوتی ہے اور بالآخر ایک ایسی قوم تشکیل پاتی ہے جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''المئومن للمومن کا لبنیان یشد بعضه بعضا''

''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے مثل عمارت ہے جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط کرتی ہے۔''

مذہبی انتہا پسندی کی ایک اہم وجہ دنیاوی مفادات ہیں جن کے حصول کیلئے دنیا ہی کو متاع حیات سمجھنے والے شر پسند اور ناعاقبت اندیش راہنما سادہ لوح افراد کو جذباتی طور سے مشتعل کر کے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں تا کہ دنیاوی آسائشوں کا حصول ممکن ہو جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کی زندگی کے بارے میں واضح طور پر فرمایا:

''دنیا مومن کیلئے قید خانہ اور کافر کیلئے جنت ہے۔''

مذہبی انتہا پسندی کو پروان چڑھانے میں حکمرانوں نے ہر دور میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اپنے اقتدار کا جواز پیدا کرنے اور اسے طول دینے کیلئے اکثر حکمران شر پسند عناصر کی سرپرستی کرتے ہیں تا کہ ملک میں انتشار پیدا ہو۔ واضح رہے کہ منتشر معاشرے میں ''اعتدال'' ناپید ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں معاشی ناہمواری، عدم مساوات، عدل و انصاف کا فقدان، احترام آدمیت کی نفی اور افراتفری جنم لیتی ہے اگر مسلمان حکمران ''سید القوم خادمهم'' کے سنہری فرمان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یاد رکھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان بھی سمجھ لیں کہ:

''تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''

تو وہ یقیناً اپنے طرز عمل کو تبدیل کر لیں۔ سوچیں! کہ بارگاہ ایزدی میں جب یہ حکمران جائیں گے تو اپنی رعیت کے بارے میں کیا یہی بتائیں گے کہ ہم نے انہیں عدل فراہم کرنے کی بجائے ظلم کے راستے کی طرف گامزن کیا، وحدت کی لڑی میں پرونے کی بجائے منتشر کر دیا، اخوت کے بیج بونے کی بجائے نفرتوں کے ایسے آلاؤ جلائے جس میں تکریم آدمیت اور وحدت انسانیت جل کر راکھ ہو گئی یقیناً مسلمان ایسا نہیں چاہتا۔

باہمی رائے اور رویوں میں اختلاف انسانی فطرت ہے تاہم اختلافات جب تنگ نظری، عدم برداشت اور تعصب کی بناء پر جنم لیں تو مذہبی انتہا پسندی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں بلا شبہ اپنے ہی مسلمان بھائیوں کی طرف سے سازشوں سے ملت اسلامیہ کو دھچکا لگا ہے لیکن ہمیں یہاں بھی سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے راہنمائی لینی چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ایسی داخلی سازشوں کا سامنا رہتا تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی انتہائی قدم نہ اٹھایا جیسا کہ غزوہ بنی المصطلق سے واپسی پر جب لشکر مریسیع کے چشمہ پر خیمہ زن تھا تو حضرت عمرؓ کے ملازم جہجاہ بن مسعود غفاری کا جھگڑا سنسان برجہنی سے ہوگیا، نوبت مہاجرین اور انصار کے مابین جھگڑے تک پہنچ گئی۔ عبداللہ بن ابی نے جو کہ منافقین کا سردار تھا اس واقعہ کو خوب اچھالا اور واضح طور پر قریش کو غاصب کہا اور اعلان کیا کہ مدینہ پہنچ کر طاقت والے کمزوروں کو نکال دیں گے۔ عبداللہ بن ابی کی یہ فتنہ انگیز گفتگو جب دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو حضرت عمرؓ نے اس منافق کو قتل کرنے کا مشورہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب فرمایا:

- ''اے عمر! یہ کیونکر ہوسکتا ہے، لوگ کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے، یہ قطعی مناسب نہیں۔''

لیکن افسوس صد افسوس کہ ہمارے ہاں اس وقت مذہب کے نام پر قتل و غارت کا بازار گرم ہے اور یہی مذہبی انتہا پسندی کا خطرناک ترین پہلو ہے اور اس سے بھی کہیں زیادہ دکھ کا مقام یہ ہے کہ انتہا پسند گروہ خود کو جہاد کا علمبردار کہتے ہیں، اپنے رفقاء کی ہلاکت کو شہادت قرار دیتے ہیں اور دوسرے گروہ کو بقول ان کے جہنم واصل کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی امت میں پیدا ہونے والے اس فتنہ کا اندازہ تھا لہٰذا خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ:

''لاترجعو بعدی کفارا یضرب'' ''دیکھو میرے بعد ایک دوسرے کو قتل کر کے کافر نہ ہو جانا۔''

اور اسی تاریخی موقع پر واضح ارشاد فرمایا:

''کل المسلم علیٰ المسلم حرام، دمه و ماله و عرضه''

''ہر مومن کی جان، مال اور اس کی آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔''

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مردوں سے بیعت لیتے وقت یہ اقرار بھی کراتے کہ اس شخص کو قتل نہیں کرینگے جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔

مذہبی انتہا پسندی کا ایک اور انتہائی افسوس ناک پہلو عبادت گاہوں کو تشدد کا نشانہ بنانا ہے اور قتل جیسے گھناؤنے فعل کا ارتکاب بھی بسا اوقات انہی عبادت گاہوں میں کیا جاتا ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات میں دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کی حفاظت کا درس ملتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کو دیکھا جائے اور اسوہ حسنہ کی پیروی کی جائے تو مذہبی انتہا پسندی کے

موجودہ رحجان سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک متوازن شخصیت سے نوازا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو معاشرہ تشکیل دیا وہ ہر لحاظ سے ہر طرح کی مذہبی انتہا پسندی سے پاک اور افراط وتفریط کی بجائے اعتدال پر قائم تھا۔ افراد کی برتری کا معیار تقویٰ تھا، حقوق وفرائض کا ایسا نظام تشکیل پایا کہ نہ کسی کی حق تلفی ہو اور نہ کسی فریق پر بوجھ، مساوات کا یہ معیار ٹھہرا کہ واضح طور پر فرمایا:

''خدا کی قسم! اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا۔''

عدل وانصاف کا یہ نمونہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مسلمان کے مقابلے میں ایک یہودی کے حق میں اس لئے فیصلہ فرماتے ہیں کہ یہودی کا موقف درست تھا۔

مذہبی انتہا پسندی کے شکار افراد کی شخصیت کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تنگ نظر، متعصب اور سخت گیر شخصیت کے مالک ہوتے ہیں۔ ہمیشہ ذاتی پسند وناپسند کے معیار پر دوسروں کو پرکھنے کی غیر صحت مندانہ اور جاہلانہ روش کا شکار ہوتے ہیں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات ان تمام منفی صفات کی نفی کرتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت صرف احکام الٰہی کے تابع نظر آتی ہے اور سیرت طیبہ کے بہت سے واقعات ایسے ملتے ہیں کہ جب کسی معاملہ کے متعلق صحابہ اکرامؓ نے استفسار فرمایا کہ کیا یہ حکم خداوندی ہے؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں یہ میری رائے ہے تو صحابہؓ نے اس سے اختلاف فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں سے فرماتے تھے کہ تم پر ان باتوں کا ماننا لازم ہے جو وحی الٰہی ہیں جہاں میری ذاتی رائے ہو تو تم اس سے اختلاف کر سکتے ہو۔

حیات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درج بالا پہلوؤں کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کر کے ہی عالمی اور ملکی سطح پر مذہبی انتہا پسندی کے رحجان کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمیں سوچنا ہے کہ کیا ہم نے تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کیا ہے یا نہیں؟ اگر ہم المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده کی عملی تصویر بن جائیں تو مذہبی انتہا پسندی کا وجود ہی نہ رہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تلقین کو اپنا لیں کہ بشرا ولا تنفر تو ہمارے اردگرد سے نفرتوں کے بادل چھٹ جائیں۔ اپنی روزمرہ زندگی میں وسعت نظری پیدا کریں، واقعات کو ان کے اصل حقائق کے آئینے میں جانچیں اور حالات کو غیر جانبدار ہو کر پرکھیں، اپنے اقدامات کیلئے کمزور دلائل نہ ڈھونڈیں بلکہ درست سمت میں فیصلے کریں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

''اللہ کی حدود میں مداہنیت کرنے اور اللہ کی حدود کا ارتکاب کرنے والوں کی مثال یہ ہے کہ بحری جہاز میں قرعہ اندازی کے ذریعے کچھ لوگ بالائی منزل میں بیٹھے ہوں اور کچھ نچلی منزل میں، نچلی منزل والے پانی کیلئے بالائی منزل میں جاتے ہوں جس سے ان کو تکلیف ہوتی ہو تب نچلی منزل والوں نے ایک کلہاڑی لے کر جہاز کے نچلے حصے کو توڑنا شروع کیا (تاکہ سمندر سے پانی لے لیں) پھر بالائی منزل والوں نے توڑنے والوں سے کہا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ تم کو ہمارے پانی لینے سے تکلیف ہوتی

ہے اور ہمیں پانی کی ضرورت ہے۔اب اگر انہوں نے (بالائی منزل والوں نے) ان کے ہاتھوں کو پکڑ لیا تو وہ ان کو بھی بچالیں گے اور خود کو بھی اور اگر انہوں نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا تو وہ ان کو بھی ہلاک کر دیں گے اور خود کو بھی۔"

چنانچہ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم خود کو بھی اور دوسروں کو بھی ہلاک ہونے سے بچانے کی کوشش کریں، اپنے غلط اقدامات کیلئے تاویلیں نہ گھڑیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد مبارک کو اپنا لیں کہ جس میں آپ نے فرمایا:

امرنی ربی بتسع الاخلاص فی السر والعلانیه والعدل فی الرضا والغضب و القصد فی الغنیٰ والفقر وان اعضو عمن ظلمنی واصل من قطعنی و اعطیٰ من حرمنی وان یکون نطقی ذکراً۔

"مجھے میرے رب نے نو (۹) باتوں کا حکم دیا ہے:

ظاہر و باطن میں اخلاص کو اپنا شعار بناؤں، خوشنودی و ناراضگی دونوں حالتوں میں عدل کروں، خوشحالی و تنگ دستی میں میانہ روی اختیار کروں، جو مجھ پر ظلم کرے اس کو معاف کردوں، جو مجھ سے قطع تعلق کرے اس سے صلہ رحمی کروں، اس کو دوں جو مجھے محروم رکھے، میری زبان گویا ہو تو ذکر الٰہی سے، خاموشی کی حالت میں میں اس کی آیتوں میں غور وفکر کروں اور میرے دیکھنے میں عبرت پذیری ہو تو ہمارا معاشرہ امن ومحبت کا گہوارہ بن جائے اور اس کے باوجود اگر معاندانہ جذبات پیدا ہوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد مبارک کو یاد رکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "جزیرۂ عرب میں اپنی عبادت کئے جانے سے شیطان مایوس ہو گیا ہے لیکن وہ ان کو (مسلمانوں کو) آپس میں (لڑائی کیلئے) بھڑکائے گا۔"

چنانچہ لازم ہے کہ ہم شیطان کے پیروکار ہونے سے بچیں۔

تمت بالخیر

دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ
تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

خالدہ جمیل، لاہور (صدارتی ایوارڈ یافتہ)

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

اسلام چند خیالات اور نظریات کا نظام نہیں کہ اسے محض کتابوں سے پڑھ لیا جائے تو بس اس کے تمام رموز ذہن نشیں ہوگئے بلکہ دنیا کے تمام خود ساختہ نظاموں سے الگ تھلگ ایک خدائی نظام ہے۔ یہ ایک دعوت اور تحریک ہے۔

ہر دور میں ہر رسول نے جب اسے حکمرانوں اور معاشرہ کے مختلف لوگوں کے سامنے پیش کیا تو تھوڑے ہونے کے باوجود اس کے ماننے والوں کو گمنامی اور گوشہ نشینی سے اٹھا کر بگڑے ہوئے باطل پرستوں کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا۔ ان لوگوں سے آواز اٹھوائی اور طاغوت و باطل کے دیو قامت لوگوں سے لڑا دیا۔ اسلام داعیان کو ایک ایک کر کے جمع کرتا گیا۔ سعید اور نیک بخت افراد کی تنظیم قائم کی اور جماعت قائم کروائی۔ تحریک کی شکل میں لوگوں کو جوڑا۔ ہر دور میں اسلام نے لوگوں کی رہنمائی کی تحریک اور تعمیر کا طریقہ بتایا۔ کبھی حضرت نوحؑ کی ظالم قوم کو ٹکرایا، کبھی اقوام ثمودؑ اور عادؑ کا حضرت صالحؑ اور ان کے ساتھیوں سے مقابلہ کرایا۔ کبھی مصر میں حضرت موسیٰؑ اور ان کے ساتھیوں کو فرعون سے لڑا دیا۔ کبھی حضرت ابراہیمؑ اور لوطؑ کی نمرود سے مڈبھیر کرا دی۔ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا۔ کبھی حضرت عیسیٰؑ اور ان کے ساتھیوں کو ظالم حکمرانوں کا ظلم و استبداد برداشت کرنا پڑا۔ کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کے سامنے مکہ اور طائف کے واقعات کبھی آپ کے ساتھیوں نے حبش کے دلدوز مصائب دیکھے۔ ابوجہل اور ابولہب جیسے متکبرین سے واسطہ پڑا۔ اسلام جب بھی آیا اس نے خاموش طبع لوگوں کو خانقاہوں اور درباروں، گھروں اور جھونپڑوں سے اٹھا کر بڑے بڑے ظلم پرستوں سے جنگ کرائی یا پھر ان کو اقتدار کی باگیں دے کر ظالم حکمرانوں کا خاتمہ کرا دیا۔ مظلوم محرومین کو ان کے پنجہ سے چھڑایا۔

یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل پر گامزن محبوب فطرت ہے

"مذہب":

مذکر۔ راستہ۔ طریقہ۔ عقیدہ

مذہب کا اصطلاحی مفہوم وسعت ہے۔

مذہب انسانیت کی طرح قدیم ہے اور انسان ہی کے ساتھ وجود میں آیا ہے۔ انسانوں کا اپنے خالق کے ساتھ ایک تعلق ہے جو بعض مخصوص حدود کے اندر مقید کیا جا سکتا ہے۔ یہ حدود اللہ کی طرف سے ہی معین کی جاتی ہیں۔

(اسلامی تصور):

چند اعتقادات و عبادات کا احاطہ کرتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔ سورۃ العمران، آیت نمبر ۱۹۱

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا

ترجمہ: اے ہمارے رب نہیں پیدا کیا تو نے یہ سب بے مقصد

ارشاد ربانی: سورۃ التین۔ آیت نمبر ۴

فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ

ترجمہ: بہترین ساخت پر

ارشاد ربانی: سورۃ الذٰریت ۵۶

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

ترجمہ: اور نہیں پیدا کیا میں نے جن و انس کو مگر محض اس غرض سے کہ میری عبادت کریں۔

ارشاد ربانی: سورۃ البقرہ۔ آیت نمبر ۲۹

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے پیدا کیا تمہاری خاطر وہ کچھ جو زمین میں ہے۔

دور حاضر میں مذہب کی ضرورت و اہمیت

مذہب کی ضرورت:

ہر دور۔ ہر علاقہ۔ ہر طبقہ۔ ہر معاشرہ کے لئے مسلم ہے۔

۱۔ مذہب ایک فطری خواہش ہے۔

۲۔ مذہب ایک روحانی اقتضاء ہے۔

۳۔ مذہب ایک معاشرتی ضرورت ہے۔

تو لہٰذا تخلیق آدم کے وقت اس کا مقصد واضح کر دیا اسی طرح تخلیق آدم کے ساتھ ہی مذہب کی ابتداء ہوئی اور اسی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے اور کئی صحیفے اور کتابیں نازل فرمائیں۔

''مذہب کی ضرورت اور انسانی زندگی میں اس کا مقام''

ابتدائے آفرینش سے آج تک انسان کسی نہ کسی انداز میں مذہب، عقیدہ اور رجحان فکر سے وابستہ رہا ہے۔ عالم انسانی کا کوئی دور ایسا نہیں بتلایا جاسکتا کہ جس میں مذہب کسی نہ کسی انداز میں کارفرما نہ ہو کہیں پر توحید الٰہی کا علمبردار نظر آتا ہے اور کہیں بت پرستی ستارہ پرستی، شجر پرستی اور آتش پرستی کی شکل میں نظر آتا ہے۔ دنیا کا کوئی بھی خطہ ہو، کوئی بھی طبقہ ہو، کوئی بھی معاشرہ ہو کوئی بھی دور ہو بہر حال وہ مذہب سے یکسر خالی نہیں۔

بہر حال دنیا میں اس وقت بہت سے الہامی وغیر الہامی، ادیان و مذاہب موجود ہیں لیکن ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جن کے پیروکاروں کی تعداد قابل ذکر نہیں البتہ اسلام یہودیت، عیسائیت، ہندومت اور بدھ مت ایسے مذاہب ہیں کہ جن کے پیروکار ایک قابل ذکر تعداد میں موجود ہیں۔

''مذہب کیا ہے''

اس کے متعلق مختلف مفکرین کی بے شمار آراء موجود ہیں۔

۱۔ ولیم جیمز: عالم تنہائی کے چند جذبات اعمال اور تجربات کہ جن سے خدا سے تعلق پیدا ہو۔
۲۔ کارلو پرٹن: تسخیر کائنات کی انسانی قوت کو مذہب قرار دیا۔
۳۔ میکس ملر: نے غیر محدود کے ادراک کی ذہنی صلاحیت کو مذہب کہا ہے۔
۴۔ پروفیسر ٹیلر: کے خیال میں روحانی ہستیوں پر ایمان کو مذہب کہا جائے گا۔
۵۔ پروفیسر منریز: کے خیال میں مذہب کے احساس سے روحانی ہستیوں کی پرستش کا نام ہے۔
۶۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم: خداوند قدوس کے تمام تر جزئیات کے ساتھ ایمان کو مذہب کہتے ہیں۔
۷۔ ہکسلے: کسی شئے کو مقدس سمجھنا مذہب ہے۔
۸۔ جی گرجیف: نے انسانی تصور کو مذہب قرار دیا ہے۔
۹۔ فرید وجدی: نے ان معقول خیالات کے مجموعہ کو مذہب قرار دیا ہے۔
۱۰۔ برونائٹ ہیڈ: نے اعتقادی قوت کو مذہب کہا ہے۔
۱۱۔ ذولف اوٹو: نے مذہب کو ایک ایسی غیبی حقیقت کا مکاشفہ قرار دیا ہے۔
۱۲۔ پارکر: نے اندرونی و بیرونی فطری قوانین الٰہی کی اطاعت کو مذہب قرار دیا ہے۔
۱۳۔ میتھو آرنلڈ: نے ان اخلاقی ضابطوں کو مذہب قرار دیا ہے کہ جن میں جذبات سموئے جائیں۔
۱۴۔ فریڈرچ: ہر محدود چیز کو ایک لامحدود کا نمائندہ سمجھنا مذہب ہے۔
۱۵۔ ای کی ٹیلر: نے روحانی موجودات پر عقیدت کو مذہب کہا ہے۔

۱۶۔ کانٹ: کے بقول ہر فریضہ کو خدائی حکم سمجھنا مذہب ہے۔

مذہب کی تعریف:

مذہب انسان کے اس رجحان فکر کا نام ہے کہ جسے وہ شعوری اور اعتقادی طور پر اپناتا ہے خواہ اس کی بنیاد کسی الہام وحی پر ہو اور خواہ وہ کسی فرد یا افراد کی ذہنی اختراع ہو۔

انسانی زندگی میں مذہب کا کردار:

۱۔ تکمیل حیات
۲۔ احیاء کی تحریکیں
۳۔ شرف انسانیت
۴۔ مادیت پرستی کے باوجود رجحان خیر
۵۔ تسکین فطرت
۶۔ مضر اشیاء وایجادات کا تعمیری کردار
۷۔ تربیت اخلاق
۸۔ تعمیر معاشرت

انتہا پسندی:

''آخر''۔ اخیر۔ غایت۔ حد Fundamentalism, Extremist

اس اصطلاح کو سب سے پہلے ۱۷۹۶ء میں برطانوی سیاست دان چارلس جیمز فاکس ۱۷۴۹ء تا ۱۸۰۰ء نے استعمال کیا۔ دور حاضر میں اس سے وہ جماعتی گروہ مراد لیا جاتا ہے جو کسی بڑی جماعت کے اندر رہ کر قدرے زیادہ تخیل پرست وانتہا پسند ہو۔ بھارتی اشتراکیوں میں ایم این رائے آنجہانی کی ریڈیکل پارٹی اسی نوعیت کی تھی۔

دور حاضر میں یہ تاثر کہ اسلام انتہاء پسندی کی دعوت ہے یا کہ اچھے مسلمان کے لئے انتہا پسند ہونا ضروری ہے۔ اس لئے اسلام کے خلاف انتہاء پسندی کے اس پروپیگنڈے کو کئی طریقوں سے اور مختلف پہلوؤں سے بار بار دہرایا جاتا ہے۔ یہ کام اسلام کی پوری تاریخ میں مسلمانوں کے مخالفین کرتے آئے ہیں۔

جب انگریز ہندوستان میں مسلط ہوئے تو انہوں نے پادریوں اور ہندوؤں کے ذریعے یہ الزام تراشی کی کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ مسلمان علماء نے اس وقت ان الزامات کا جواب بڑی خوبصورتی سے دیا۔ مولانا محمد علی جوہر کی خواہش کے مطابق مولانا مودودیؒ نے اس پروپیگنڈے کا جواب ''الجہاد فی الاسلام'' کی شکل میں دیا۔ اس وقت مولانا مودودی جمعیت علماء ہند کے آرگن الجمعیت دہلی کے مدیر تھے اور حضرت مفتی کفایت اللہ کے دارالافتاء میں معاون بھی ہوئے۔

دور حاضر میں روس کے زوال اور امریکہ کے واحد سپر پاور بن جانے کے نتیجے میں یہ پروپیگنڈہ ایک نئے رنگ و روپ میں سامنے آیا۔ یہ الزام لگایا گیا کہ مسلمان بنیاد پرست ہیں، انتہا پسند ہیں جب مسلمان اہل علم نے اس بات کی وضاحت کی کہ مغرب میں بنیاد پرستی کا جو مفہوم مروج ہے اس کی گنجائش اسلام میں نہیں ہے اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ بنیاد پرست انتہا پسند وہ ہے

جو اسلام کے بنیادی اصولوں پر گامزن ہو تو پھر اس معنی میں مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ سب بنیاد پرست انتہا پسند ہوں۔ یہ بات ذہن میں ہو کہ اسلام کے بنیادی مطالبات بہت ہی مختصر ہیں:

توحید۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ

حج:

جو استطاعت رکھتا ہو۔ (تو زندگی میں صرف ایک بار)

زکوٰۃ:

جو نصاب کا مالک ہو اگر نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں بلکہ وہ خود مستحق زکوٰۃ ہوتا ہے۔

روزہ:

نماز اور روزہ میں روزہ سال میں ایک مہینہ اور یہ روحانی اور جسمانی عبادت ہے اس کے معنی رکنا۔ غیر مسلم بھی ہر وقت کھاتے پیتے نہیں۔ یہ کوئی ایسا فعل نہیں جو مسلمان کرتے ہیں۔

نماز:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مسلمان اور کافر کے درمیان فرق نماز ہے تو معلوم ہوا کہ جو شخص نماز کا پابند ہو جائے وہ بنیاد پرست مسلمان ہے۔ آخر اس میں تشدد کی کیا بات ہے۔

کلمہ شہادت:

جو عقیدہ ہے یہ بھی مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ دنیا کے تمام انسان کوئی نہ کوئی کلمہ شہادت پڑھتے ہیں۔ اپنے دین کے مطابق گویا اسلام کے بنیادی مطالبات کا فلسفہ بڑا اہم بنیادی مطالبات نہایت ہی محدود ہیں اور نہایت ہی پرسکون پرامن ہیں لہٰذا مسلمان کے انتہاء پسند ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ ہمارا مذہب ہمیں شائستگی اور تہذیب کا درس دیتا ہے۔

اسلام کے عطا کردہ نظام میں انتشار و افتراق کی کوئی گنجائش نہیں۔ وہ ہر قسم کی تفریق کی ہر قسم کے امتیاز کو ختم کرتا ہے۔ اسلام ہی وہ سچا مذہب ہے جس کے تمام اصول وضوابط اور احکام و مسائل ٹھوس حقیقت پر مبنی ہیں۔ اسلام ایک پرامن اور صالح معاشرے کے قیام کا جو نقشہ پیش کرتا ہے وہ نہ صرف اپنے اندر انفرادیت رکھتا ہے بلکہ منزل من اللہ ہونے کی وجہ سے خاص اہمیت کا حامل بھی ہے۔

اسلام اور امن سلامتی:

اسلام کی بنیادی اصطلاحات دو ہیں۔ ایک ''ایمان'' اور ''اسلام'' اس دین نے یہ دو لفظ کیوں چنے ہیں یعنی شخص مجموعہ عقائد پر پختہ یقین پیدا کرے یا اس کے ذہن میں وہ یقین بیٹھ جائے وہ ''مومن'' ہے اور جو شخص ان کا اقرار کر کے اسلامی سوسائٹی

میں شامل ہو جائے اور عمل بھی شروع کر دے ''مسلم'' ہے۔

لفظ ایمان امن کے مادہ سے ہے۔ امام اور راغب اصفہانی نے ایمان کے معنی اطمینان کے لئے ہیں جس کی وجہ سے ایک شخص کی زندگی میں سکون اور ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لفظ ''امن'' میں امانت عقل اور عدل اور علم کے معانی بھی ہیں۔ امن و سکون بھی اس لفظ کے معنی میں شامل ہے۔ ہلاکت سے بے خوف ہونا بھی اس لفظ کے معنی میں شامل ہے۔ امن کی جگہ اور اطاعت شعاری بھی اور تصدیق اس کے معانی میں شامل ہے۔ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں (الامن) اصل میں امن کے معنی نفس کے مطمئن ہونے کے ہیں۔

امن۔ امانہ اور ایمان یہ سب اصل میں مصدر ہیں۔ امان کے معنی کبھی حالت امن کے آتے ہیں اور کبھی اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی کے پاس بطور امانت رکھی جائے۔

ارشاد ربانی ہے:

۱۔ (۹۔۲۷) وَتَخُوْنُوْآ اَمٰنٰتِكُمْ (سورۃ انفال) یعنی وہ چیزیں جن پر تم امین مقرر کئے گئے ہیں۔ ان میں خیانت نہ کرو۔

۲۔ پھر ارشاد ربانی ہے: ہم نے بار امانت آسمان اور زمین پر پیش کیا۔ (۳۳۔۷۲) سورۃ الاحزاب۔
بعض نے عدل و انصاف مراد لیا ہے۔

۳۔ ارشاد ربانی ہے: وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (۳۔۹۷) سورۃ العمران
ترجمہ: جو شخص اس مبارک گھر میں داخل ہوا، اس نے امن پالیا۔

۴۔ ارشاد ربانی: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا (۲۱۔۶۷) سورۃ الرُّوم
ترجمہ: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو مقام امن بنایا ہے۔

۵۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ترجمہ: ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کیلئے جمع ہونے اور امن پانے کی جگہ مقرر کیا ہے۔ (۲۔۱۲۵) سورۃ البقرہ
کبھی ایمان کا لفظ بطور مدح استعمال ہوتا ہے اور اس سے حق کی تصدیق کر کے اس کا فرمانبردار ہو جانا مراد ہے۔

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ ایمان کے معنی میں سے کوئی بھی مفہوم انتہا پسند سختی توڑ پھوڑ کے معنی سے کوئی دور کا تعلق بھی نہیں رکھتا۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایمان کا انتہا پسندی سے کوئی تعلق نہیں جو بے چینی۔ بے تابی پریشانی اور بے یقینی کی حالت میں پیدا ہوتا ہے۔

قانون فطرت اور انسانی نفسیات کے ماہر یہ بتاتے ہیں کہ ایمان یقین اور اسلام اور سکون کے نتیجے میں تشدد انتہا پسند جرائم کم ہو جاتے ہیں۔

امریکہ کی بعض رپورٹیں بتاتی ہیں، انتہائی تشدد اور وحشی سوسائٹی میں جب ایمان پھیلا ہے تو لوگوں کے اندر ٹھہراؤ اور سکون پیدا ہو گیا۔

دوسرا لفظ جو اسلام کے بنیادی تصورات کا اظہار کرتا ہے وہ لفظ ''اسلام'' ہے۔ اسلام کا مفہوم ہی امن و سلامتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایک شخص سلامتی میں داخل ہوگیا اس کی زندگی پر امن ہوگئی۔

اس لفظ کے معانی ہیں ''امن، سلامتی، صلح، اعلان، بے خوفی، سر تسلیم خم کرنا، فرماں بردار ہونا'' ہر ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی دوسرے انسان کو ملتے ہی یہ لفظ کہے ''السلام علیکم'' یعنی میری طرف سے تم پر سلامتی ہو میں تمہارے لئے سلامتی کی دعا کرتا ہوں۔ یہ کہ تم میری طرف سے امن میں ہو۔ اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ ایمان اور اسلام دونوں کا انتہاء پسندی سے کوئی تعلق نہیں۔ انتہاء پسندی مغرب کا پیدا کردہ ہے۔

امام راغب اصفہانی، لفظ اسلام کے معانی اور استعمالات کے بارے میں فرماتے ہیں: ''السلم والسلامۃ'' کے معنی ظاہری اور باطنی آفات سے پاک اور محفوظ رہنے کے ہیں۔

۱۔ ارشاد ربانی: بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (۲۶۔۸۹)

ترجمہ: پاک دل لیکر آیا۔ وہ بچ جائیگا۔ سورۃ الشعراء

''ظاہر عیوب سے سلامتی کے متعلق فرمایا:

۲۔ ارشاد ربانی: مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا۔ (۲۔۷۱) سورۃ البقرہ

ترجمہ: اس میں کسی طرح کا داغ نہ ہو۔

پس سلم یسلم سلامه و سلاما کے معنی سلامت رہنے اور سلامت رکھنے کے ہیں۔

۳۔ ارشاد ربانی: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ (۸۔۴۳) سورۃ الانفال

ترجمہ: خدا نے تمہیں اس سے بچالیا۔

۴۔ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ: (۱۵۔۴۶) سورۃ الحجر

ترجمہ: ان میں سلامتی (اور خاطر جمع) سے داخل ہو جاؤ۔

اسی طرح فرمایا: اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا۔ (۱۱۔۴۸) سورۃ ھود

ترجمہ: ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اتر آؤ۔

اہل جن کے لئے فرمایا۔ ارشاد ربانی: (۶۔۱۲۷) سورۃ الانعام

ترجمہ: ان کے لئے سلامتی کا گھر ہے۔ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ

۵۔ ارشاد ربانی ہے: وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ (۱۰۔۲۵) سورۃ یونس

ترجمہ: اور خدا سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔

۶۔ ارشاد ربانی: مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ (۵۔۱۶) (سورۃ المائدہ)

ترجمہ: جس سے خدا اپنی رضامندی پر چلنے والوں کو نجات کے راستے دکھاتا ہے۔

"ان تمام آیت میں سلام معنی سلامتی کے ہیں بعض نے کہا ہے کہ یہاں السلام اسمائے حسنیٰ سے ہے۔

۷۔ اسمائے حسنیٰ: السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ (۵۹۔۲۳) سورۃ الحشر

ترجمہ: سلامتی اور امن دینے والا نگہبان کے ہیں۔

۸۔ ارشاد ربانی: سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ (۳۶۔۵۸) سورہ یٰس

۹۔ ارشاد ربانی: سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ (۱۳۔۲۴) سورۃ الرعد

ترجمہ: اور کہیں گے تم پر رحمت ہو یہ تمہاری ثابت قدمی کا بدلہ ہے۔

الاسلام: اس کے اصل معنی سلم (صلح) میں داخل ہونے کے ہیں۔

۱۰۔ ارشاد ربانی: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (۳۔۱۹) سورۃ العمران

ترجمہ: اللہ کے نزدیک دین تو صرف اسلام ہے۔

۱۱۔ ارشاد ربانی ہے: فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا (۳۔۲۰) سورۃ العمران

ترجمہ: سو اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو وہ ہدایت پا گئے۔

تو لہٰذا ''ایمان'' اور ''اسلام'' کی یہ لغوی تحقیق یہاں اس لئے دی گئی ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اللہ کے ہاں مقبول دین اسلام ہے اور اسلام میں دنیا اور آخرت کی سلامتی ہے لہٰذا ان آیات کی وضاحت سے صاف طور پر واضح ہے کہ اسلام کا مذہبی انتہا پسندی اور تشدد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دین اسلام نے اپنے عقائد کے لئے ''ایمان'' اور اپنے اعمال کے لئے ''اسلام'' کا لفظ محض اچھا کام یا اچھی اصطلاح اختیار کرنے کے لئے ہی نہیں اختیار کیا بلکہ اس نے سوسائٹی اور قانون کو امن وسکون اور انصاف اور مساوات عطا کی۔

اسلام میں قتل نفس گناہ کبیرہ ہے:

۱۔ قتل انسانی کو قرآن وسنت نے گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے: ۵=(۲۷۔۳۳) مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْفَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا.

ترجمہ: جس نے کسی انسان کے خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے والے کے قتل کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا۔ اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کی جان بچائی اس نے گویا تمام انسانوں کی زندگی بخش دی۔

ان آیات میں بیک وقت قتل اور فتنہ کی مذمت کی گئی ہے۔

۲۔ آخرت کے لئے قانون بہت سخت ہے۔

ارشاد ربانی ہے: (۴۔۹۳) سورۃ النساء

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا

ترجمہ: اور جو کوئی قتل کرے کسی مومن کو قصداً تو اس کی سزا جہنم ہمیشہ رہے گا۔

کسی اسلامی سوسائٹی میں ایک مسلم بھائی کے قتل کو تو گناہ کبیرہ قرار دیا ہے جبکہ کسی انسان کے قتل کو اس قدر بڑا جرم قرار دیا ہے کہ پوری انسانیت کے قتل کے برابر ہے۔ اس کے بعد

بہرحال قرآن وسنت میں قتل انسانی کو اکبرالکبائر میں شمار کیا گیا ہے اور حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کو بھی اس کے ساتھ منسلک کیا گیا ہے۔

اس کے بعد: ارشاد ربانی ہے۔ (۱۷۔۳۳) سورۃ بنی اسرائیل

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

ترجمہ: اور مت قتل کرو۔ اس جان کو جس کے قتل کو حرام ٹھہرایا ہے اللہ نے مگر حق کی بناء پر

اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے شمار فرمودات بھی ہیں۔ یہاں بطور نمونہ چند احادیث دی جاتی ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن محمدؓ سے روایت ہے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی معاہد ایسی حکومت کا شہری جو اسلامی حکومت کے ساتھ باہم امن کا عہد رکھتی ہیں (بغیر کسی جرم کے) قتل کیا وہ جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔ یاد رہے جنت کی خوشبو چالیس سال کے سفر کی دوری پر بھی پہنچتی ہے۔ فتنہ قتل سے بڑا جرم ہے فتنہ کی وجہ سے پیدا ہونے والی بے چینی اور عداوت سے بسا اوقات انسان اس فتنے کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بے چینی میں خود اپنے آپ کو بھی قتل کر دیتا ہے۔ اس لئے

''خاتمہ''

مانا کہ اس زمین کو نہ گلزار کر سکے
کچھ خار کم تو کر گئے گزرے جدھر سے ہم

امت مسلمہ آج جس انتشار وافتراق کا شکار ہے اور جس طرح فرقہ واریت اور گروہ بندی کی آگ میں جھلس رہی ہے اس سے ہر دردمند اور صاحب بصیرت مسلمان خون کے آنسو رو رہا ہے۔ ہماری نوجوان نسل کا دین سے ذہنی فکری اور عملی رشتہ بتدریج کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ دینی اور روحانی اقدار روبہ زوال ہیں اور تعلیم یافتہ طبقے کا مذہبی قیادت پر سے اعتماد اٹھتا جا رہا ہے۔

دوسری طرف اسی انتشار وافتراق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر لادینی اور اسلام دشمن قوتیں ملت اسلامیہ کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے میں مصروف ہیں۔ انہیں مذہبی انتہا پسندی کے لقب سے نواز رہی ہیں۔ دنیا کی سامراجی اور طاغوتی طاقتیں کسی قیمت پر یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ مسلمان مشرق سے مغرب تک قرآن مجید کے دامن سے عملاً وابستہ ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں متحد ہو جائیں اور اسلام عالمی سطح پر ایک عظیم ناقابل تسخیر انقلابی قوت

بن کر ابھرے۔

اگر مسلمانوں کو بین الاقوامی امن مسلم کامن ویلتھ کی شکل میں اسلام کی عالمگیر فتح کا خواب پھر شرمندہ تعبیر کرنا ہے۔

۱۔ تو پھر غلبہ اسلام کے لئے اور اس عظیم انقلابی جدوجہد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے تمام مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کے درمیان ممکنہ حد تک بھرپور عملی اتحاد اور فکری ہم آہنگی کی ضرورت ہے اگر ہم جداگانہ ملکی بنیادوں پر الگ الگ جنگ لڑیں گے یا بعض اکٹھے اور بعض جدا ہو کر کوشش کریں گے تو ہمارے اختلافات کبھی کم نہیں ہوں گے بلکہ سامراجی، طاغوتی اور لادینی قوتیں ان اختلافات کو مزید ہوا دے کر باہمی تصادم کی فضاء برقرار رکھیں گی۔ یہ تعصبات ہماری کوششوں کو آگے بڑھانے کی بجائے ہماری تمام تر توانائی ایک دوسرے کی مخالفت میں ضائع کرتے رہیں گے۔ اس کا اثر بین الاقوامی سطح پر یہ ہوگا کہ عالم اسلام دیگر سیاسی حوالوں کے علاوہ ملکی اور فرقہ وارانہ بنیادوں پر بھی باہم بٹا رہے گا اور اسلام کبھی بھی ایک مضبوط عالمی قوت بن کر نہیں ابھر سکے گا۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس عظیم اسلامی انقلابی جدوجہد کے لئے پاکستان کی سرزمین پورے عالم اسلام میں موزوں تر ہے اگر ہم نے متحدہ بنیادوں پر پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کر لیا اور قرآن سنت کے احکامات و تعلیمات پر مبنی حقیقی معنوں میں ایک جدید اسلامی فلاحی اور جمہوری معاشرہ قائم کر لیا تو انقلاب پورے عالم اسلام کی قیادت کرے گا۔ عالمی سطح پر امت مسلمہ کی تمام مشرقی قوتوں کو یکجا کرنا بھی قدرے آسان ہوگا اور عالم اسلام کی انقلابی قوتیں جو اپنے طریقے سے عظمت اسلام کی بحالی کیلئے کوشش کر رہی ہیں وہ بھی یقیناً ہمارا ساتھ دیں گی اور ہم دنیا میں ایک مضبوط موثر فعال اور عظیم انقلابی طاقت بن کر ابھریں گے اور انشاء اللہ عالمی سامراجی اور طاغوتی طاقتوں کے خلاف ہماری جنگ فیصلہ کن ثابت ہوگی۔

۳۔ تیسرا یہ کہ اختلاف مسائل کہ ہوا دینے کی بجائے ان مکاتب فکر کے درمیان مشترکہ پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے اور ان مشترکات کے حوالے سے انہیں ایک دوسرے کے قریب لایا جائے تاکہ جہاں جہاں غلط فہمیاں ہیں باہم مل بیٹھنے سے ان کا ازالہ ہو سکے اور ہم آپس میں متحد و متفق ہو کر ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو جائیں اور اسلام کی سربلندی اور شریعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نفاذ کیلئے جدوجہد کا آغاز کریں۔ اسی طرح اکٹھے ہونے سے جہاں عقائد و نظریات میں سختیاں اور قابل اعتراض ہیں ان میں باہمی میل ملاپ اخلاقی لحاظ اور رواداری کے باعث نرمی اور اعتدال پیدا ہو۔ ہر مکاتب فکر سے منسلک افراد میں باہمی رابطوں سے شعوری تربیت کا عمل شروع ہو تاکہ اعتقادی، انتہاپسندی کا رجحان رفتہ رفتہ خود بخود ختم ہو جائے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

کفر کی شام صبح یقین بن گئی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے تو دنیا حسین بن گئی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد دراصل ایک نئے عہد کی صبح جانفزا ہے۔ یہ ایک ایسے انقلاب نو کی نوید ہے جس نے انفرادی فکر وعمل کے ہر زاویے اور اجتماعی حیات انسانی کے ہر پہلو کو بدل ڈالا۔ اس انقلاب نے تہذیب وتمدن کا ایک ایسا ارفع نظام متعارف کرایا جو فی الحقیقت انسان کو حیوانی سطح سے اٹھا کر اشرف المخلوقات کے بلند درجے پر فائز کرنے کا سبب بنا۔

جن کا ہر فرد اپنی ذات تک محدود ہونے کی بجائے۔ دوسروں کے لئے سوچتا اور حرص وہوس کے منفی جذبوں سے آزاد ہو کر دوسروں کی دست گیری کے لئے ہر لمحہ آمادہ تیار رہتا تھا۔

فرد معاشرے اور عالمی سطح پر حسن توازن قائم کرنے والا اخلاقی اور تہذیبی نظام اسلام کا متصور ومطلوب ہے۔

دردل مسلم مقام مصطفیٰ است

آبروئے ما زنام مصطفیٰ است

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے جنہوں نے دشمنوں کو بھی انسان سمجھا اور ان کے ساتھ شرافت وعزت اور رحمت و رافت کا وہ سلوک روا رکھا جو چشم فلک نے پہلے نہ دیکھا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ زندگی کے ہر معاملے میں تمام انسانوں کے لئے مکمل نمونہ ہے۔ دشمنوں سے حسن سلوک کے معاملے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حسنہ کی شارح ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میرے رب نے مجھے حکم دیا کہ جو کوئی مجھ پر ظلم کرے میں اس کو قدرت انتقام کے باوجود معاف کر دونگا۔

جو مجھ سے قطع تعلق کرے میں اس کو اپنے ساتھ ملاؤں، جو مجھے محروم رکھے میں اس کو عطا کروں، غضب اور خوشنودی دونوں حالتوں میں حق گوئی کو شیوہ بناؤں۔

تنگ دستی اور فارغ البالی میں میانہ روی اختیار کروں اور خلوت اور جلوت ہر حال میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ (مشکوۃ شریف)

ارشاد ربانی ہے:

برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے لیکن جو شخص بجائے انتقام کے، معاف کر دے اور اصلاح ومحبت کی طرف قدم اٹھائے تو اللہ تعالیٰ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (۴۲-۴۰) سورۃ الشوریٰ

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات عفو ودرگزر میں اپنی مثال آپ تھی۔ آپ رحمتہ اللعالمین تھے جب ہم ایک فاتح کی حیثیت سے مفتوحین کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن سلوک دیکھتے ہیں تو حیرت زدہ رہ جاتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو قریش مکہ نے کون سا ظلم تھا جو آپ پر روا نہیں رکھا۔ ایک بار

انہوں نے جوش غضب میں فیصلہ کیا (نعوذ باللہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام تمام کرلیا جائے۔ اس ناپاک مقصد کے لئے انہوں نے مکہ کے ۸۰ شہ زور نوجوان منتخب کئے اور انہیں تاکید کی کہ جس طرح بھی ممکن ہو اپنی جانوں پر کھیل کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا (نعوذ باللہ) کام تمام کر دو۔ یہ ۸۰ نوجوان مسلح ہو کر نصف شب کے بعد مکہ سے روانہ ہوئے اور پہاڑ سے اتر کر نہایت خاموشی کے ساتھ رات کے اندھیرے میں لشکر اسلام کے قریب پہنچے لیکن اس سے پیشتر کہ وہ لشکر میں گھس کر اپنا ناپاک مقصد پورا کریں، جانثاران رسالت نے ان سب کو گرفتار کرلیا، جرم کھلا ہوا تھا اور سب مجرموں کی سزا قتل تھی لیکن صبح ہوتے ہی جب یہ لوگ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان سب کو چھوڑ دو۔ چنانچہ یہ سب بری کر دیئے گئے۔ (بخاری مسلم)

۱۔ دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک کی ایک مثال ہمیں فتح مکہ کے موقع پر ملتی ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمال رحمت ورافت سے اپنے جانی دشمنوں اور خون کے پیاسوں کو بھی معاف فرما دیا۔ اس موقع پر اپنے پیارے چچا سید الشہداء حضرت امیر حمزہ کے قاتل وحشی کو بھی معاف فرمایا۔

۲۔ ابوسفیان بن حرب کی بیوہ ہندہ کو بھی معاف فرما دیا جس نے حضرت حمزہ کی شہادت کے بعد ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور اسے کچا چبالیا تھا۔

۳۔ عکرمہ بن ابوجہل کو بھی معاف فرمایا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستانے میں ابوجہل سے کسی طرح کم نہ تھا۔ فتح مکہ کے دن وہ جان بچا کر یمن بھاگ گیا اس کی بیوی ام حکیم بنت حارث بن ہشام اسلام لائیں اور بارگاہ عالم میں ارشاد فرمایا، اسے امان ہے۔

۴۔ پھر عبداللہ بن ابی سرح کی بھی جان بخشی فرمائی جو کفر ونفاق کی حالت میں اس قدر خائن تھا کہ قرآن کریم کے الفاظ تک بدل دیا کرتا تھا۔

۵۔ صفوان بن امیہ بن خلف کو بھی امان عطا فرمائی جو لوگوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل پر آمادہ کرتا ہے۔

۶۔ عبداللہ کو بھی معاف فرمایا جو دن رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کرتا تھا اور انہیں جگہ جگہ ستایا کرتا تھا۔

۷۔ اور حد یہ کہ ابوسفیان کو بھی معاف فرما دیا جس کی زندگی کا ہر ہر لمحہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقصان پہنچانے کی تجویزیں سوچنے کے لئے وقف تھا۔

۸۔ غرض کہ حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عفو کرم باران رحمت کی مانند تھا کہ جو سب پر برسا، قریش مکہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون کے پیاسے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر فتح حاصل کرنے کے بعد انہیں یہ مژدہ جانفزا سنایا۔

یعنی آج کے بعد تم سے کوئی مواخذہ نہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ انمار کے لئے تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذی امر کے مقام

پر پڑاؤ کیا اور خود قضائے حاجت کے لئے لشکر گاہ سے دور چلے گئے۔ وہاں سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ بارش آ گئی جب بارش رکی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کپڑے سکھانے کے لئے ایک درخت کی شاخ پر پھیلا دیئے۔ ادھر دشمنوں نے دور سے دیکھ کر بھانپ لیا کہ آپ اپنے لشکر سے دور تنہا کپڑے سکھا رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے ایک نامور شہ زور سردار سے کہا کہ موقع اچھا ہے بہتر ہے کہ تم فوراً جا کر (نعوذ باللہ) کام تمام کر دو۔ مشورہ سنتے ہی وہ دبے پاؤں وہاں پہنچا، تلوار کھینچے سر پر کھڑا ہے۔ کہہ رہا ہے، اب تمہیں کون مجھ سے بچا سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اللہ'' یہ سننا تھا کہ وہ شخص تھر تھر کانپنے لگا۔ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی اب تلوار حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اب بتاؤ تمہیں کون بچا سکتا ہے۔ اس شخص نے کانپتے ہوئے کہا، کوئی نہیں مجھے معاف کر دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا! جاؤ میں نے تمہیں معاف کر دیا۔

جب خیبر فتح ہو گیا تو وہاں کے مفتوح یہودیوں نے ایک مقتول سردار کی بہن کو اکسایا۔ اس نے بکری کے شانے میں زہر ملایا اور نہایت نیاز مندی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قبول کرنے کی درخواست کی۔ کھانے کے وقت پہلے لقمہ سے آواز آئی کہ میں زہریلا ہوں۔ جب زینب کو آپ کے سامنے لایا گیا تو اس نے پوچھنے پر بتلایا اس گوشت میں زہر ملایا تھا۔ آپ نے اس خاتون کو معاف فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خدائے بزرگ و برتر تم لوگوں کو کبھی بھی مجھ پر مسلط نہیں کرے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ دشمن کے ساتھ عفو و درگذر سے کام لینے کے لئے جس بلند اخلاق کی ضرورت ہوتی ہے اس کی نظیر اولین سپہ سالار افواج اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ تاریخ انسانی میں کہیں نظر نہیں آتی۔ بنی قینقاع اور بنونضیر میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جاسوسی، فتنہ و فساد بغاوت اور در پردہ دشمن کی مدد کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن ان پر قابو پانے کے بعد انہیں بخش دیا جاتا ہے اور ان کی تمام منقولہ دولت ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی جاتی ہے۔ اسی طرح غزوہ حنین وطائف اور سریہ کے قیدیوں کو بغیر فدیہ کے رہا کر دیا جاتا ہے۔ کیا تاریخ عالم میں عفو و درگزر کی کوئی مثال دکھائی جا سکتی ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں عفو و درگذر اور دشمنوں سے حسن سلوک کے جو اعلیٰ ترین نمونے پیش فرمائے وہ ان کے بعد صحابہ اکرام اور ان کے بعد آنے والے تمام مسلمان جرنیلوں کے لئے مشعل راہ ہے۔ مسلمان جرنیلوں نے ہمیشہ اپنے بدترین دشمنوں کی عزت و آبرو اور ان کے مال و متاع کی حفاظت کی اور ان کے زن و مرد کو کامل آزادی عطا کی۔

دور فاروقی میں جب مسلمان فاتحانہ بیت المقدس میں داخل ہوئے تو تاریخ گواہ ہے کہ کسی شخص کا بال بیکا نہ ہوا مگر جب عیسائی اسی بیت المقدس میں داخل ہوئے تو انہوں نے شہری آبادی کو اس بے دردی اور ظالمانہ طریقے سے قتل کیا کہ خون کی ندیاں بہہ گئیں لیکن چھیانوے سال بعد جب مسلمان دوسری بار اس شہر میں داخل ہوئے تو کسی ایک شہری کے خون کا ایک قطرہ بھی نہ بہا۔ فاتح مسلمانوں نے عفو و درگذر کی زندہ و تابندہ مثالیں قائم کیں۔ یہ سب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مطہرہ پر عمل کرنے کا نتیجہ تھا۔ رحمتہ للعالمین کے نقش قدم پر چلنے کی برکات تھیں۔

قصہ مختصر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہر قوم ہر فرد کے لئے جو ترقی چاہتا ہو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع ضروری ہے اور جس قدر جس حد تک کوئی قوم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرے گی اس اس حد تک وہ ترقی کرتی جائے گی۔

اس پوری تحریر کا منشاء یہ ہے اگر مسلمان اپنے حقوق کے لئے دین کی سربلندی کے لئے مظاہرہ اور مزاحمت کرتا ہے تو یہ بین الاقوامی قانون کے مطابق جائز امر ہے۔اس کا مذہبی انتہا پسندی، بنیاد پرستی اور دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں۔

اس وقت اس بات کی ضرورت ہے کہ عالم اسلام کے سکالر اہل مغرب کو ان کو یونیورسٹیوں، درسگاہوں اور اجتماعات میں جا کر یہ سمجھائیں کہ اسلام کے نظریہ جہاد یا اپنے حقوق کے لئے اسلامی تحریکات کی مزاحمت اور مظاہروں کا عالمی تشدد اور دہشت گردی انتہا پسندی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔اس مذہبی انتہا پسندی بنیاد پرستی دہشت گردی کے تمام اسباب مغرب کے پیدا کردہ ہیں لہٰذا مغرب ہی اس کا ذمہ دار ہے اور اسی کا فرض ہے کہ وہ اس کا تدارک کرے۔

اسلام میں وسعت نظری پائی جاتی ہے وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ پوری کائنات کیلئے رحمت للعالمین اور رب کعبہ صرف مسلمانوں کا نہیں رب العالمین قرار دیتے ہیں۔اسلام وحدت عالم انسانی کا قائل ہے اور تمام انسانوں کے لئے ترقی امن خوشحالی تحفظ استحکام اور ہر قسم کی غلامی اور استحصال سے رہائی کی تعلیم دیتا ہے۔بغیر کسی رنگ، نسل، عقیدے، علاقے کی تمیز کے اسلام میں کامیابی انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی نعمتوں اور اس کی قویٰ کی تربیت سے حاصل ہوتی ہے اور یہ کامیابی کسی دوسرے انسان کو نقصان پہنچائے بغیر حاصل ہوتی ہے۔

سینہ روشن ہو تو ہے سوز سخن عین حیات
ہو نہ روشن تو سخن مرگ دوام اے ساقی

اصل بات تو یہ ہے کہ جب اسلام آیا تو اس نے ظلم وتشدد کے تمام نشانات مٹا دیئے بلکہ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو گذشتہ دور کی داستانوں اور ظلم پر آنسو بہائے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کے رجحان کو ختم کر کے تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں پوری عالم انسانیت کو امن انصاف اور خوشحالی کی راہ پر چلاوے جو کہ اسلام کا بنیادی اور حقیقی مقصد ہے۔

نہیں ہے کام زباں کا کچھ اب دعا کے سوا
نظر کسی پہ نہیں ہے میری خدا کے سوا

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ، تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

ریحانہ وہاج، کراچی

انتہا پسندی کا رجحان، ہر ایک کی بڑا بننے کی خواہش، اور اولاد کشی (مانع حمل، ضبط تولید وغیرہ) تو تمدن جدید کے خاص مفاخر ہیں وہ بھی اسلامی جذبوں کی سرشاری یعنی عزت نفس، آزادی و دلیری، حق گوئی و بے باکی، شجاعت و شرافت، انصاف و دیانت، محنت و مشقت، صبر و تحمل، خودداری و بردباری اور قومی وقار جیسے شرف انسانیت جذبوں کو پامال کر کے۔

دور حاضر میں انسانوں نے اپنے مقصد تخلیق کو نظر انداز کر کے مادی ترقی کو ہی اپنے لئے دنیاداری کے عیش وعشرت، اور ذاتی راحت وسہولت کو ہی مقصد زندگی سمجھ لیا ہے۔ اپنی دنیاداری کے ہر شعبہ کو نفسانی خواہشات ہی کے تابع کر کے زندگیاں گذار رہے ہیں، ہر طرف شیطانی رقص برپا ہے، رات کی سیاہی و خاموشی تک کو مصنوعی روشنیوں اور اپنے شور وغل سے دور کر لیا ہے، حرام وحلال، محرم و نامحرم کا امتیاز اور جائز و ناجائز کی تمیز گویا ختم ہی ہوتی جا رہی ہے۔ یہاں تک کہ مذہبی تقریبات تک کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ تقریبات بھی ہوتی تو مذہب کے نام پر ہیں لیکن ہوتی بڑی دھوم دھام، دکھاوا اور نام ونمود کے لئے (پبلسٹی کے لئے) اور ان کے لئے فضول خرچی کی انتہا نہیں ہوتی۔ انسانی معاشرے میں آج کل خیر وشر کا تعین دنیا میں ظاہر ہونے والے نتائج سے اس طرح متعین ہوتا ہے کہ خواہشات نفس کی پیروی میں جو معاون و مددگار ہو وہ خیر سمجھا جاتا ہے اور جو رکاوٹ بنے وہ شر ہے، اس کو روکو! مختصر یہ کہ آج کا انسانی معاشرہ، اتباع نفس کو دنیاداری کے تمام کاموں میں اس کو ہی فوقیت دے رہا ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ عادی ہوتا جا رہا ہے۔

ہر ملک اور ہر قوم کے معاشرے میں دو گروہ قائم ہیں ایک گروہ حکمران طبقہ، دولت مند اور نام نہاد مذہبی پیشواؤں پر مشتمل ہے تو دوسرا گروہ متوسط طبقہ، غرباء اور مجبور و بے کس عوام کا خود بخود بن گیا ہے۔ پہلا گروہ اگر اپنی انتہا پسندی میں خود کو اور خدا کو بھی بھولتا جا رہا ہے تو دوسرا گروہ اپنی بے بسی اور پہلے گروہ کے ٹھاٹ باٹ دیکھ دیکھ کر دہشت گردی، لوٹ مار اور جرائم کو اپناتا جا رہا ہے اور سستی نشہ آور چیزوں اور غیر معیاری تفریحات میں محو ہوتا جا رہا ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ دور حاضر کے لوگ خواہ وہ امیر ہوں یا غریب، جان و مال و منصب کے حامل ہوں یا محروم سب ہی منفی انتہا پسندی میں مبتلا ہیں، رجحان ہی نہیں بلکہ دور حاضر کا انسان انتہا پسندی کا عادی ہوتا جا رہا ہے اور آسائشوں اور عیش وعشرت کے سامانوں کے حصول کے لئے باہم مقابلہ کا بھی رجحان بڑھتا جا رہا ہے یہاں تک کہ لوگ خود اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کے فریضہ پر بھی ذاتی اغراض کو ترجیح دے رہے ہیں۔ نتیجہ میں دور حاضر کی نئی نسلوں میں مسلمان مقدمین کی وہ معاشرتی خوبیاں جو ماضی میں مسلمانوں کا طرہ امتیاز رہی ہیں (یعنی ذہانت، حوصلہ، عقل وتدبیر، ایمانداری، بردباری، محنت وجفاکشی جیسی صفتیں نظر نہیں آتیں اس کے برعکس یورپی وامریکی معاشروں کی تصنع و

بناوٹ، ریاکاری، بے حیائی اور عریانیت ان کی چال ڈھال، رہن وسہن، بات چیت اور عادات واطوار کے ساتھ مادری زبان چھوڑ کر ان ہی کی زبان میں گفتگو کا رواج عام ہو چکا ہے۔ پڑھیے

''اولاد کی تعلیم وتربیت ایک ایسا مرحلہ ہے جس کی طرف سے غفلت برتنا صرف اپنی اولاد ہی کو نہیں بلکہ آئندہ نسلوں تک کو برباد کر دینا ہے (اپنے ہی ہاتھوں)۔ یہ کام اس قدر چوکسی اور توجہ کا ہے کہ اگر پیدائش کے بعد چند دن بھی اپنے نونہالوں کی خبر گیری نہ کی جائے تو ان میں صدہا عیب اسی طرح جڑ پکڑ لیتے ہیں جس طرح بنجر زمین میں گھاس پھوس اور جھاڑ جھنکار خود بخود اگ پڑتے ہیں۔ زمین کی زرخیزی کاشتکار کے جوتنے بونے کا انتظار نہیں دیکھتی بلکہ خود ان بیجوں کو جو فضاء میں پھیلے ہوئے ہیں سمیٹ کر اپنی اوپری سطح میں دبا لیتی ہے لیکن کاشتکار وقت پر اس کو ہانک جوت کر اس میں بیج ڈال دے تو اس کو فضاء میں پھیلے ہوئے بیجوں کی حاجت نہیں رہتی یا یوں سمجھ لیا جائے کاشتکار اپنے آلات کے ذریعہ تدبیر وتجربہ سے کام لیتے ہوئے ان فضائی بیجوں کو زمین کی چھاتی چیر کر نکال کر پھینک دیتا ہے اور اپنی مرضی کی فصل حاصل کرنے کے لئے اس کی زرخیزی میں اپنے مطلب کا بیج ڈال دیتا ہے۔ گیہوں بوتا ہے تو گیہوں کاٹتا، جو بوتا ہے تو جو کاٹتا ہے۔ یہ بھی ہے کہ کاشتکار سستی وغفلت کے باعث پوری توجہ نہ دے اور ضرورت کے مطابق جدوجہد نہ کرے تو پھر زرخیزی اور اچھے بیج کے باوجود فصل اچھی نہیں ہو سکتی۔ ہر انسانی بچہ کا ذہن بھی زرخیز زمین کی طرح ہے اور والدین کاشتکاروں کی حیثیت رکھتے ہیں اگر والدین اپنی اولاد پر توجہ نہ دیں تو پھر ان کی فطری صلاحیتیں اور ذہنی بالیدگی گرد وپیش کے اثرات خود بخود قبول کر لیتی ہے۔'' (از: دور کی آواز۔ص ۱۔۲۱)

یہ انتہا پسندی ہی ہے جس نے مسلمان معاشروں کو بھی یورپی معاشرے کی طرح مشترکہ خاندانی نظام سے محروم کر دیا ہے۔ آج کل کی بہوئیں اور خود بیٹے اپنے بزرگوں کی بالادستی سے گریز کرنے لگے ہیں جس کی وجہ سے انسانی قدروں کا اہتمام، خونی رشتوں کے آداب کا پاس اور اخلاقی وسماجی قدروں کا احترام سکھانے والی تربیت سے دور حاضر کے بچے محروم ہوتے جا رہے ہیں، ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ کچھ سال بعد یورپی اور امریکی معاشروں کی طرح پاکستانی معمر حضرات کو اپنی آخری وقت کی زندگیاں اولڈ ایج ہومز میں گزارنا پڑیں گی جس کی ابتداء ایدھی ہوم سے ہو چکی ہے۔

یہ انتہا پسندی ہی ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں کے زوال کا سفر کہیں تھمنے ہی نہیں پا رہا بلکہ بہتری کے امکانات تو کجا ٹھہراؤ کی کوئی صورت بھی امید پیدا کرتی نظر نہیں آتی۔ پستیوں سے اٹھنے کی تدبیر کیا صحیح تشخیص بھی کہیں سے اب تک سامنے نہیں آئی یا پھر قوم کے کرتا دھرتا اس زوال کے مالہ اور ماعلیہ کو جانتے ہوئے اپنے اقتدار اور اپنے مقام کی خاطر ذاتی اغراض کی خاطر زبان پر نہیں لاتے۔ قوم کے چیمپئن روزانہ اپنے بیانات اور تقریروں میں قوم کو ترقی کی سیڑھی پر چڑھانے سے متعلق کتنے ہی دلآویز منصوبے پیش کرتے رہتے ہیں جن سے ان کا مقصد خود کو قوم کا خیر خواہ ظاہر کرنا ہوتا ہے اور بس۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان

رہنماؤں کا حال بھی عام مسلمانوں کی طرح ہے ان کے دل بھی اللہ تعالیٰ کی قوت و جبروت کے بجائے طاغوتوں کی شوکت و دہشت سے مرعوب ہیں۔ انہیں شریعت الہیہ کی بجائے یورپی وامریکی معاشروں کے غمزوں، اشاروں اور کنایوں سے لطف اندوز ہونے کا زیادہ شوق ہے۔ مختصر یہ کہ ہمارے مفکروں اور دانشوروں کے دماغوں سے پھوٹنے والی فکری لہروں کے دھارے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی سمت بہنے کے بجائے واشنگٹن اور لندن کی ہی طرف بہہ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی ملکوں میں بھی نظام اسلام کے بجائے اتاترک ازم، سیکولرازم اور کیپٹیل ازم کا تسلط قائم ہو چکا ہے۔

کہنا یہ ہے کہ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ امت مسلمہ آج کل مسٹر بش (امریکی صدر) کی زبان سے ادا ہونے والے ہر ہر لفظ کو اپنی نجات و تحفظ کا ذریعہ سمجھ رہی ہے اور پوری اسلامی دنیا یورپی و امریکی معاشروں کی نقالی کو، ان کی عادات و اطوار، رہن سہن، رسم و رواج و طرز حکمرانی اور وہاں بولی جانے والی زبان انگریزی کو اپنا چکی ہے اور اسلامی طرز معاشرت کو ترک کر چکی ہے۔

طوالت سے بچنے کی خاطر اتنا اشارہ اور کردوں کہ دور حاضر میں مسلمانوں کے زوال کا سبب اور اسلامی معاشرتی خوبیوں سے محرومی میں ان طاغوتی قوتوں کی منصوبہ بندی کا بھی دخل ہے جو ایک ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ تک اپنے تمام مادی وسائل، ہمہ قسم کے جنگی ہتھیاروں سے مسلح ہو کر افرادی قوت کی اکثریت کے ساتھ مسلمانوں کے پیچھے پڑے رہے لیکن کچھ نہیں بگاڑ سکے، اسلام تیزی سے پھیلتا رہا کیونکہ اس نظریہ کا اصل الاصول یہ ہے کہ تمام دنیا کے انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کی وجہ سے بھائی بھائی ہیں اور بھائی چارہ اور باہمی اشتراک و تعاون میں جغرافیائی حد بندیوں، قوموں کے اختلافوں، رنگ و نسل کے فرقوں اور زبان کی بیگانگیوں کے باوجود ہر انسان کی حیثیت اسلامی جماعت میں یکساں ہے، کسی قوم کو دوسری قوموں پر یا کسی شخص کو دوسرے اشخاص پر ترجیح حاصل نہیں ہے اس طرح کسی کی حق تلفی ہی نہیں ہو پاتی چنانچہ یہ نظریہ چند سالوں کے اندر ہی اندر مشرق و مغرب کیا پوری دنیا کے انسانوں اور ان کے کل طبقات کے لئے قابل قبول ہو کر عام ہو گیا اور مختلف عادتوں، رنگتوں، رواجوں، دعوؤں اور متضاد تقاضوں کے حامل لوگوں نے خود آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا لیکن آہ! طاغوتی قوتوں نے صلیبی جنگوں کے بعد نہایت چالاکی اور ہوشیاری سے اسلامی معاشرہ کی خوبیوں اور تہذیبوں کو اس طرح نشانہ بنایا کہ پوری اسلامی دنیا ایک صدی کے اندر ہی محکوم ہو کر ان کی غلام بن گئی۔ اس کامیابی کے لئے دشمن نے مسلمانوں سے دکھاوے کی اپنائیت کا ہتھیار استعمال کیا۔

آدمی ظلم کا مارا تو پنپ جاتا ہے
محبت سے مٹاتے ہو یہ کیا کرتے ہو

(حضرت باسط بھوپالی مرحوم)

فاتح بیت المقدس سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے سامنے عکہ فتح کرنے کے بعد جب جرمن نژاد ہرمن جو صلیبی انٹیلی جنس کا سربراہ تھا گرفتار کر کے لایا گیا تو اس نے کہا تھا۔

محترم سلطان!

''یہ جنگ جو ہم لڑ رہے ہیں۔ ہماری اور آپ کی جنگ نہیں یہ کلیسا اور کعبہ کی جنگ ہے جو ہمارے مرنے کے بعد بھی جاری رہے گی، اب ہم کوئی ملک فتح نہیں کریں گے، ہم کسی قلعہ کا محاصرہ نہیں کریں گے، ہم مسلمانوں کے مذہبی عقائد کا محاصرہ کریں گے، ہماری لڑکیاں، ہماری دولت اور ہماری تہذیب کی کشش جسے آپ بے حیائی کہتے ہیں اسلام کی دیواروں میں شگاف ڈالیں گی پھر مسلمان اپنی تہذیب سے نفرت اور یورپ کے طور طریقوں سے محبت کریں گے۔'' (از: قرآن اور ماضی، حال و مستقبل'' ص ۱۰۲)

کہنا یہ ہے کہ دشمن نے اسلام کی بالادستی کا راز پا کر یہ جان لیا کہ قرآن مجید کی تعلیم مسلمان میں ایسی دو خوبیاں بھی پیدا کر دیتی ہے جن کا توڑ ہمارے اختیار کردہ طریقہ جنگ سے نہیں ہو سکتا۔ قرآن پڑھنے سے ذہانت ایسی جلا پاتی ہے کہ مسلمان بچہ بھی ہمارے عقلاء اور دانشوروں سے زیادہ ذہین ہوتا ہے اور ان کی قلبی کیفیت اس درجہ حوصلہ پکڑتی ہے کہ وہ اپنے مقصد کی خاطر جان دینے کے لئے اس طرح آمادہ ہوتا ہے کہ جیسے کوئی اپنی تشنگی کو تسکین دینا چاہتا ہے پھر مسلمان کو کند ذہن بنانے اور حوصلہ شکنی کے لئے انداز بدل کر جو تدبیر اختیار کی گئی وہ عیاشی کی رغبت مسلمانوں میں پیدا کرنا اور حوصلہ شکنی کے لئے ان کو ہوس و لالچ کی طرف مائل کرنا تھا۔ جنگ کے بجائے صلح کے نعرے بلند ہوئے اور میدان چھوڑ کر مذاکرات کی میزوں پر مسلمانوں کو لا بٹھایا پھر دشمن دوست کا روپ دھار کر مسلم علاقوں میں گھس پڑا۔ تاجروں کے روپ میں، مشنریز کی صورت میں ہسپتال، مدرسے اور فلاحی ادارے کھول کر پینگیں بڑھائیں اور جلد ہی مسلمانوں کو عیاشی کی طرف راغب کر لیا اور ان کے دلوں میں ہوس و لالچ پیدا کر دیا۔ اگرچہ دشمن ان ہتھیاروں سے ہر طرح کامیاب ہو چکا ہے پھر بھی دشمن کا انداز انسان کی بلندی و عظمت اور دور جدید کی سائنسی ایجادات کی آڑ میں مسلمانوں کو یہ سبق پڑھا رہا ہے کہ پچھلے دور، دور کہن تھے جن کے اندر کوئی خوبی نہ تھی۔ اس دور کے لوگ جہالت اور نادانی میں مبتلا تھے دور نو کے لوگوں کو روشن خیال اور ترقی یافتہ ہونے کے لئے قدیم اسلامی تہذیب و تمدن اور آباء و اجداد کی معاشرتی خوبیاں بھلا دینا چاہئے۔ ساتھ ساتھ عیاشی کی رغبت اور ہوس و لالچ میں مبتلا رکھنے کا تسلسل بھی ہر طریقہ سے جاری ہے۔

علمائے یہود کے نظم عمل میں لکھا ہے ۔

''اگر ہم ہر موقع پر اخلاقی گراوٹ کی کوشش کرتے رہیں گے تو ہمارا غلبہ آسان ہو جائے گا۔ فرائڈ ہم میں سے ہے اور وہ جنسی تعلقات کو اعلانیہ پیش کرتا رہے گا تا کہ نوجوان نسل کی نظر میں کوئی شے مقدس نہ رہے اور وہ اپنی جنسی بھوک مٹانے میں لگ جائے یہی طریقہ اخلاق کے زوال کا بہترین طریقہ ہے۔'' (از: ''قرآن اور ماضی، حال و مستقبل'' ص ۴۴)

یہودیوں کی مقدس کتاب ''تلمود'' میں لکھا ہے:

''غیر یہودی قومیں ان گدھوں کی مانند ہیں جنہیں اللہ نے اس لئے پیدا کیا ہے کہ اللہ کی محبوب اور چہیتی

قوم (یہود) ان پر سواری کرے، یہودیوں کی خفیہ تعلیم کے مطابق یہودیوں کو غیر یہودی قوموں کی غفلت کا منتظر رہنا چاہئے اور جونہی ان گدھوں کو غافل پائیں دبوچ لینا چاہئے۔'' (از: ایضاً ص ۴۰)

مذہبی انتہا پسندی تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں:

تعلیمات اسلامی کو مرتب کرنے والا اور دنیاوی زندگی کے لئے انسانوں کے لئے متعین کرنے والا وہی خالق ہے جس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ انسان کی داخلی اور خارجی فطرتوں اور ان کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر ہی تو یہ نصاب تعلیم اپنی آسمانی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ انسان تک پہنچا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس تعلیم کے عملی نمونہ ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری دنیاوی زندگی اس تعلیم کے عین مطابق بسر ہوئی ہے گویا زبانی وکتابی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے احکام پر اپنی خواہشات کو نظر انداز کر کے عمل کیا ہے۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ○ (النجم۔۳۔۴)

ترجمہ: ''اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو وہی کرتے ہیں جو وحی انہیں کی جاتی ہے۔''

کبیر میں ہے کہ ''نفس کا سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ وہ اپنی خواہش ترک کر دے۔''

آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذات وصفات اور افعال کے اس مقام پر فائز تھے کہ ان کا اپنا کچھ باقی نہیں رہا وہ جو کچھ کرتے یا کہتے رہے وہ وحی الٰہی ہی ہوتی تھی۔

اب خالق کی یہ حکمت کہ اسلام دین فطرت ہے اس سے متعلق آیت بھی واضح اور محکم ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ (الروم۔۳۰)

ترجمہ: ''پس (اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نبیؐ کے پیرو) یک سو ہو کر اپنا رخ اس دین کی سمت میں جما دو، قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی۔ یہی بالکل راست اور درست دین ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔''

ظاہر ہوا کہ جس خالق نے انسان کو جن تمام فطرتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے اس خالق نے ان فطرتوں کی تسکین کے لئے عملی لائحہ عمل دیا ہے اور پھر اس پر خود یہ تصدیق بھی کر دی کہ یہی سیدھا دین ہے اور اللہ کی بنائی ہوئی چیز بدلی نہیں جا سکتی۔ تاریخ بھی بتاتی ہے کہ بڑی بڑی جنگوں کے باوجود انسانی فطرت کسی بھی زمانہ میں بدلی نہیں جا سکی۔ شدت اور انتہا پسندی قدیم زمانوں میں بھی تھی لیکن چند نفس پرستوں تک محدود تھی یعنی پورا انسانی معاشرہ آج کل کی طرح انتہا پسند نہیں تھا بلکہ چند نفس پرست اپنا ایک گروہ بنا کر اپنے مفاد کے لئے لوگوں کو غلام بنا لیتے تھے اور اپنے دور حکومت میں نیک لوگوں کو تکلیفیں اور اذیتیں پہنچاتے تھے۔ تاریخ ہی بتاتی ہے کہ کسی کو زہر کا پیالہ پینے پر مجبور کیا گیا تو کسی کو آگ میں ڈالا گیا، کہیں نیک لوگوں پر پتھر اور تیر برسائے

گئے، کبھی ان کو اپنے گھروں سے نکال کر بے وطن کیا گیا۔ اختصار کے پیش نظر ایک ہی مثال پر اکتفا کرتی ہوں۔

سقراط ایتھنز کا ایک فلسفی تھا جو آزادی، خودداری اور نیک چلنی کا معلم تھا وہ کسی کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہوا تھا اور نہ ہی اپنے فلسفہ کو منوانے کے لئے اس نے کسی پر زور ڈالا اور نہ زبردستی کی پھر بھی اس دور کے انتہا پسندوں نے اسے سزائے موت دی اور اس پر عمل بھی ہوا۔ سقراط نے زہر کا پیالہ پینے سے پہلے کہا تھا۔

''ایتھنز کے لوگو! جہاں تک میں تمہیں جانتا ہوں تم مجھ جیسے انسان کو قتل کر دو گے لیکن ایسا کر کے تم اپنے آپ کو مجھ سے زیادہ زخمی کر لو گے۔ ایک برے آدمی اور برے سماجی کا یہی وطیرہ ہے کہ وہ کسی اچھے آدمی کو زخمی کر کے خود کو نسبتاً زیادہ زخمی کر لیتا ہے اگر تم لوگ یہ سوچتے ہو کہ ایک آدمی کو مار کر تم کچھ لوگوں کے منہ بند کر دو گے تا کہ تمہاری گناہ آلود زندگی کا وہ محاسبہ نہ کر سکیں تو تم غلط سوچتے ہو یہ نہ تو فرار کا ممکن راستہ ہے اور نہ قابل احترام طریقہ حیات۔ آسان ترین راستہ تو یہ ہے کہ دوسروں کو نااہل نہ بتاؤ بلکہ خود اہل بننے کی کوشش کرو۔'' (اپولوجی) (اردو ترجمہ از: قرآن اور ماضی حال و مستقبل ص: ۸۹)

اس دور کا حکمران قیصر اور اس کا ٹولہ گمنام ہو گیا لیکن سقراط اپنی نیکیوں کے سبب تاریخ میں آج بھی زندہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی جنگیں لڑی ہیں جن سے یہ درس دیا کہ

''حفظ و دفاع اس دنیا میں ہر فرد و جماعت کا اولین فطری حق ہے جس پر امن عالم کا انحصار ہے۔''

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ کی مشہور و معروف سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''رحمتہ للعالمین'' کی جلد دوم کے صفحات ۱۸۵ تا ۲۰۲ پر ان غزوات و سرایا کا جو ۲ھ سے ۹ھ تک (۸ سال کے اندر) برپا ہوئے کا بیان اور نقشہ ہے۔

جس میں ہر دو جانب کے مقتولین کی تعداد صرف ۱۰۸ دی گئی ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے اپنے ایک مقالہ ''رحمت و شفقت کا ابر گہربار'' میں قاضی صاحب کے پیش کردہ اعداد و شمار سے متعلق لکھا ہے۔

''خاص توجہ کی محتاج یہ حقیقت ہے کہ رمضان ۱ھ (مارچ ۶۲۳ء) سے ۹ھ (۶۳۰ء) تک جتنی جھڑپیں یا کشمکشیں یا جنگیں ہوئیں ان میں مسلمانوں اور مخالفوں کا نقصان جانی زیادہ سے زیادہ ایک ہزار اٹھارہ نکلتا ہے...... انہیں آٹھ سال پر پھیلا لیا جائے تو فی سال کے حساب سے پونے چار سو آدمیوں کا نقصان ہوا اور یہ ان جنگوں کا نقصان ہے جن کے نہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواہاں تھے اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی میں پیش قدمی کی۔ ہجرت کے آٹھویں سال عرب کی اندرونی کشمکشیں ختم ہو گئیں اور تبلیغ نے پہلی منزل کامیابی سے طے کر لی یعنی عرب جوق در جوق گروہ در گروہ قبیلہ در قبیلہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے جو وجود اقدس حق و باطل کی پہلی امتحان گاہ یعنی غزوہ بدر میں تین سو تیرہ جانباز لا سکا تھا وہ تبوک کی جانب رواں ہوا تو اس کا پرچم حق تیس ہزار سرفروشوں پر لہرا رہا تھا۔'' (از: ''رسول رحمت''، ص ۷۸۰)

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے اپنے متذکرہ بالا مقالہ میں تصویر کا دوسرا رخ پیش کرتے ہوئے بتایا ہے کہ

۱۔ تیس سالہ جنگ ۱۶۱۸ء سے ۱۶۴۸ء تک جاری رہی جس میں جرمنی، فرانس، آسٹریا، سویڈن وغیرہ نے حصہ لیا اس میں صرف جرمنی کے ایک کروڑ اور بیس لاکھ آدمی مارے گئے۔

۲۔ امریکی خانہ جنگی ۱۸۶۱ء سے ۱۸۶۵ء تک جاری رہی اس میں ایک فریق شمالی ریاستیں دوسرا فریق جنوبی ریاستیں تھیں اور جنگ کا سبب غلامی کا مسئلہ تھا اس میں تین لاکھ آدمی شمالی ریاستوں کے اور پانچ لاکھ جنوبی ریاستوں کے مارے گئے، چوہتر (۷۴) کروڑ پونڈ خرچ ہوئے۔

۳۔ پہلی عالمی جنگ میں ایک کروڑ آدمی مارے گئے تھے اور دو کروڑ مجروح ہوئے تھے اس جنگ سے انفلوئنزا شروع ہوا جس میں مزید ایک کروڑ آدمی مر گئے۔

۴۔ دوسری عالمی جنگ میں مختلف ملکوں کے مقتولین کی تعداد ایک کروڑ بنتی ہے لیکن بہت سے ملکوں کا جانی نقصان معلوم نہ ہو سکا۔ وہ لکھتے ہیں یہ تمام اعداد بھی جمع کیے جائیں تو دوسری عالمی جنگ کا نقصان دو کروڑ افراد سے بھی بڑھ جائے گا۔ آتش ریز اور آتش خیز بموں سے شہر و قصبے، کارخانے، کھیتیاں، زمینیں، گاؤں، بندرگاہیں، بجلی اور پانی کے مراکز جس طرح تباہ ہوئے ان کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ ہیروشیما اور ناگاساکی میں ایٹمی بموں سے جو قیامت برپا ہوئی اسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔"

اس تقابلی جائزہ سے ظاہر ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ جیسے موقعوں پر بھی انتہا پسندی پسند نہیں فرماتے تھے پھر پوری ان کی تعلیمات میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ جہاں انتہا پسندی کا مظاہرہ ہوا ہو یہاں تک کہ ۱ھ میں مدینہ منورہ میں ہجرت کر کے آنے کے پہلے ہی سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو نوشتہ مرتب فرمایا جس میں حکمران اور رعایا کے حقوق و فرائض اور دیگر فوری ضروریات کا تفصیلی ذکر ہے جس کے متعلق مشہور اور مایہ ناز محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم نے اپنی کتاب "عہد نبوی میں نظام حکمرانی" میں لکھا ہے کہ یہ دنیا کا سب سے پہلا "تحریری دستور" ہے۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ آتے ہیں جہاں اس وقت متعدد فوری ضرورتیں تھیں:

۱۔ اپنے اور مقامی باشندوں کے حقوق و فرائض کا تعین۔

۲۔ مہاجرین مکہ کے توطن اور بسر برد کا انتظام

۳۔ شہر کے غیر مسلم عربوں اور خاص کر یہودیوں سے سمجھوتہ۔

۴۔ شہر کی سیاسی تنظیم اور فوجی مدافعت کا اہتمام۔

۵۔ قریش مکہ سے مہاجرین کو پہنچے ہوئے جانی و مالی نقصانات کا بدلہ۔

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ "یہودیوں سے ایک نیم عرب شہر کو حرم مقدم منوا لیا۔ ایک چھوٹی سی بستی کو جو بیس ایک محلوں پر مشتمل تھی شہری مملکت کی صورت میں منظم کر لینا جو بعد میں ایشیا، افریقہ، یورپ تین براعظموں میں پھیلی ہوئی ریاست کا صدر مقام بھی رہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ایسا سیاسی کارنامہ ہے جو نرمی اور حسن سلوک سے ہی ممکن ہوا۔"

(اقتباس۔ از عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی۔ ص: ۷۵ تا ۹۶)

پھر خطبہ حجتہ الوداع اور فتح مکہ پر ان تمام دشمنوں کو جنہوں نے مکہ میں رہنا دشوار کر دیا تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانی دشمن تھے معاف کر کے آزاد کر دینا اور صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کی شرائط پر بغیر عمرہ کئے ہوئے لوٹ آنا وغیرہ سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے روشن دلائل ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں انتہا پسندی معیوب اور قابل مذمت ہے بلکہ عام انسانوں سے بے لاگ انصاف کرنا، نسلی، قومی اور تمام دیگر امتیازات کو برخاست کر کے اکرمکم عند اللہ اتقاکم کے مطابق عزت و توقیر کرنا اسلامی تعلیمات کے بنیادی اصول ہیں پھر تالیف قلبی یعنی ایسا سلوک کرنا کہ غیروں کے دل بھی موم ہو جائیں جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا۔

ڈاکٹر عبدالحمید صاحب مرحوم نے کبیر، سرخسی وغیرہ کی یہ مشہور روایت نقل کی ہے۔

''ابھی مکہ فتح نہیں ہوا تھا کہ ایک مرتبہ وہاں سخت قحط پڑا۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ابو سفیان کے پاس پانچ سو اشرفیوں کی خطیر رقم بھیجی کہ مکہ کے غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ اس پر ابوسفیان نے بے بسی کے عالم میں جھنجھلا کر کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) چاہتا ہے کہ اب مکے کے غرباء اور نوجوانوں کو ورغلا کر بھٹکائے اور ہمارے خلاف کھڑا کر دے۔''

(از: عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص: ۲۵۷)

مختصر یہ کہ انتہا پسندی اسلامی تعلیمات کے کسی شعبہ میں بھی مباح نہیں ہے۔ دور حاضر میں بڑھتی اور پھیلتی انتہا پسندی کا خاتمہ صرف اور صرف ایک ہی صورت میں ممکن ہے کہ مسلم معاشرے کو یورپی اور امریکی معاشرتی نقالی سے نجات دلائی جائے اور یہ دور حاضر کے قائدین اور رہنماؤں کے بس کی بات نہیں مسلمانوں کو یورپی اور امریکی معاشرتی برائیوں نے جو شراب اور جنسی لذتوں کا عادی بنا لیا ہے اس سے نجات دلائی جائے۔ نازک اندام و نفاست پسند مسلم خواتین کو وردیوں میں جکڑ کر دفتروں، فیکٹریوں اور کارخانوں میں جھونک دینے کا سلسلہ ختم ہو تو وہ اپنی آئندہ نسلوں کو صحیح سمت میں پروان چڑھا سکیں۔ طالبعلموں کی تعلیم کا طریقہ ایسا اختیار کیا جائے کہ وہ رٹ کر یا نقل کر کے سند کے حامل ہو کر بھی عملی اعتبار سے جاہل ہی رہیں بلکہ وہ اپنی تعلیم و تربیت کے عملی نمونہ و مثال بن کر اپنی دنیاداری میں سامنے آئیں۔ ۱۵ فل اسکیپ صفحات کی قید مزید خیالات کو کاغذ پر منتقل کرنے سے روک رہی ہے اس لئے مندرجہ ذیل آیت نقل کر کے جتنا کچھ اب تک لکھا گیا ہے اس پر ہی اکتفا کرتی ہوں۔ الحمد اللہ

وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ط اُولٰٓئِکَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ O (المائدہ ۶۰)

ترجمہ: ''اور شیطان کے پوجاری ان کا ٹھکانا زیادہ برا ہے (اور وہ جہنم ہے) اور یہ سیدھی راہ سے زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔''

دورحاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ،
تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

تابندہ حبیب، لاہور

مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ دنیا میں فساد اور دہشت گردی ان کی طرف منسوب کردی گئی ہے۔ آج اہل مغرب اسلام کو عہد مظلمہ کی یادگار اور مسلمانوں کو جنگجو، انتہا پسند، جہل مرکت، تارک راہوں کے مسافر گردانتے ہیں۔ وہ کافی حد تک ایسا سوچنے میں حق بجانب ہیں:

آج جو مسلمان تشدد پسندی، قتل، غارت گری، تباہ کاری کی راہ اپنائے ہوئے ہیں ان کی وجہ سے اسلام اور دعوت اسلام کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے جبکہ اسلام امن وآشتی کا پیامبر ہے یہ تو انسانیت کو سنوارنے کے لئے دنیا میں آیا ہے۔

اسلام کوئی عقیدہ نہیں بلکہ نسل آدمؑ کا مقدس ومشترک منشور ہے جس کی تکمیل ہر انسان کا انفرادی واجتماعی فریضہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کو اس کے پیدا کرنے والے رب کی مرضی سے چلایا جائے۔

چنانچہ اسلام کی دعوت آفاقی ہے:

''اور جو کوئی چاہے سوا دین اسلام کے کوئی اور دین سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا۔'' (سورۃ آل عمران ۸۵)

ان آیات میں اسلام نے مذاہب عالم کو دعوت دی اور آج بھی وہ دعوت باقی ہے کہ اپنے ہاں کے اصلی مذاہب پر رجوع کرو، بعد کے زمانہ کے حذف واضافہ سے باز آجاؤ اور توحید، قیامت اور عمل صالح کے مابہ الاشتراک امر پر انضمام نہیں تو وفاق کرلو۔ ہر مذہب کی اصلی تعلیم کو مانیں تو پھر اصول کی حد تک اختلاف ہے ہی نہیں اور چونکہ بلا استثناء ہر جگہ اور ہر مذہب و ملت میں ایک آخری تسکین دہندہ کی بشارت وپیشن گوئی موجود ہے اس لئے اپنے مذہب کی کامل تعمیل میں اس کی اطاعت بھی آجاتی ہے۔ (ڈاکٹر حمید اللہ کا تبصرہ)

اللہ وحدہ لاشریک کی اطاعت قبول کرنے کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی انسانی معاشرہ اسلامی خطوط پر اپنے آپ کو استوار کرلے تو گویا مقصد انسانیت کی تحصیل وتکمیل ہو جاتی ہے۔

رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصب اللہ اور بندے کے درمیان تعلق استوار کرنا اور رابطہ پیدا کرنا ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے دیئے ہوئے اسی دین کی بدولت دنیا کی تقدیر بدل کر رکھ دی۔ اللہ رب العالمین کی طرف سے بانی اسلام کو رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنایا گیا تاکہ تمام دنیا کی اصلاح ہو سکے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعلیٰ اخلاق کی تمام تر پاکیزہ صفات سے آراستہ وپیراستہ کیا گیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہر شعبہ عمل میں تقلید کا ایک بہترین نمونہ بن جائے۔

عرب کے جاہل اور جمود زدہ معاشرہ میں علم وعمل کی حرکت اور انقلاب کی برکت جس قدر بھی پیدا ہوئی وہ سب کی سب روح اسلام کے سبب ہوئی تو کیا آج کے مسلمان، عرب کے اس نسل گزیدہ، اوہام گرفتہ، اخلاق باختہ، علم سوز اور تہذیب ناآشنا ماحول سے بھی گئے گذرے ہیں کہ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی کے باوجود ہم حبل اللہ کو پکڑنے میں ناکام ہورہے ہیں۔ ہم امامت دنیا کھو چکے۔ افسوس کہ عزت، آبرو اور ایمان بھی کھوتے جارہے ہیں۔

اسلام میں کوئی نقص نہیں۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک دین میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ اسلام تو ایک بہت ہی اعلیٰ پائے کا ترقی یافتہ نظام ہونے کے ساتھ ساتھ فطرت انسانی سے اس قدر مطابقت رکھتا ہے کہ دنیا کا کوئی اور نظام اس کا مقابلہ کرنے سے قطعاً قاصر ہے۔ نہ صرف امت مسلمہ بلکہ پوری دنیا کی فوز وفلاح، قوانین خداوندی یعنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے ریا اتباع میں ہی مضمر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وضع فرمودہ ضابطے قرآن الحکیم خاتم الکتب کی صورت میں تا قیامت محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔

قرآن المجید فرقان الحمید کتاب زندہ ہے اور اس ناطے اس کی تعلیمات اور اس کے احکام ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ تمام انسانیت کو سنوارنے کے لئے رحمت بن کر آنے والا مذہب تخریب کاری، انتہا پسندی، عدم رواداری، اختلاف ونزاع کا مظہر کیوں قرار دیا جارہا ہے؟ امت مسلمہ کو تو اللہ تعالیٰ نے امت وسط بنایا ہے تاکہ وہ دنیا کے لوگوں پر گواہ بنے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت مسلمہ پر گواہ ہو جائیں۔ بجائے اس کے کہ ہم اپنے قول، فعل، عمل کو اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قرآنی تعلیمات کے مطابق ڈھال لیتے اور الہٰی مقاصد کی تکمیل کرتے، ہم تو ان تعلیمات سے ہی بے بہرہ ہو گئے، ہماری روحیں زنگ آلود ہوگئیں جس کے نتیجہ میں ہمارے اعمال کا قبلہ دھند آلود ہو گیا ہے۔

چونکہ ہمارے دلوں میں غفلت کا عارضہ نشو ونما پانے لگا ہے اس لئے ہم اپنی اعلیٰ اقدار سے محروم ہو کر اسفل سطح میں جا گرے ہیں۔

علماء کرام کا کار منصبی اور نوجوانوں کی ذمہ داری:

دور حاضر میں ہمیں اجتماعی اور انفرادی سطح پر اپنے قلوب کی آلائشوں کو پاک اور صاف کرنے کی حد سے زیادہ ضرورت ہے۔ خاص کر ہمارے علماء کرام اور ہماری نوجوان نسل پر باقی تمام امتوں کی نسبت زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ہمارے علماء کرام کو تو مجدد بننا چاہیئے تھا مگر بدقسمتی سے وہ جامد ہو کر رہ گئے، ان کی غفلت کے باعث لوگ اندھیرے میں رہ رہے ہیں۔ علماء کا فرض تھا کہ اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قرآن کے پیغام کو صحیح انداز میں روشناس کراتے، خود بھی دینی علوم کے ساتھ ساتھ مفید دینوی علوم پر دسترس حاصل کرتے اور امت مسلمہ کو بھی اس کی ترغیب دیتے مگر وہ خود دین کے اہم معاملات پر متفق ہونے کی بجائے اپنے پیروکاروں کو فقہی جزئیات پر مناظرہ کرنا سکھانے میں مصروف رہے، انہیں فروعی معاملات پر الجھنے اور بگڑنے کا درس دیتے رہے۔ بات بات پر مذہبی اختلافات کو ہوا دیتے رہے اور مسلکی اختلافات رکھنے والوں کی گردن دبوچنے اور سر لینے کو

دارین کی فلاح بتایا۔

ان کے کرنے کا جو کام تھا، وہ ہنوز تشنہ اور نامکمل ہے یعنی متحد ہو کر اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں بندگان خدا کو انسانی حقوق دلانا، ان کو احتیاج و مفلوک الحال کرکے کرب سے نجات دلانا۔ بقائے باہمی، احترام آدمیت اور انسانی مساوات کی تعلیم دینا۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ہم مسلمان اپنے فرقہ کی بنیاد ہی دوسرے کی نیت پر شبہ کرنے پر رکھتے ہیں اور دوسرے کو اس کی بدنیتی کی سزا بھی خود ہی دینا چاہتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر ہم اور ہمارے علماء دوسروں کی نیت کا معاملہ خدا پر چھوڑ کر بحیثیت مجموعی غور کریں تو یہ حقیقت واضح ہے کہ اسلام میں موجود تمام فرقے ایک خدا کی وحدانیت، ایک قرآن کی حقانیت، ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں، ایک جیسا کلمہ پڑھتے ہیں، ایک جیسی نماز پنجگانہ ادا کرتے ہیں۔ ایک جیسے ماہ صیام کے روزے رکھتے ہیں، ایک جیسے زکوٰۃ کے نظام پر عمل پیرا ہیں اور ایک جیسا حج کرتے ہیں یعنی سرچشمہ ہدایت اسلام کی تمام بنیادی تعلیمات پر تو سب کا اتفاق ہے اگر اختلاف ہے تو صرف فروعی باتوں پر۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ اختلاف وتفرقہ دو مختلف معاملات ہیں۔ اختلاف کے بارے میں قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ

''لوگ اختلاف تو کرتے ہی رہیں گے۔''

یعنی اختلاف تو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا ایک اہم اصول ہے جس پر انسانوں کو پیدا کیا گیا ہے۔

کائنات میں یکسانیت کہیں بھی موجود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں ایک بوقلمونی اور رنگارنگی ہے۔ فروعی اور جزوی اختلافات برداشت کرنے کی بجائے اگر ''من دیگرم تو دیگری'' کی نوبت آجائے اور ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگانے شروع کردیئے جائیں تو یہی تفرقہ ہے جو شرک اور کفر سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

تفرقہ جب بھی ہوتا ہے وہ ''بغیا بینھم'' کی بنیاد پر ہوتا ہے یعنی مخالفت اور ایک دوسرے پر بالادستی حاصل کرنے کی خواہش۔ اس تفرقہ کا جو نتیجہ نکلتا ہے اسے قرآن الحکیم میں یوں بیان کیا گیا۔

''اور جو لوگ کتاب کے وارث بنائے گئے ان کے بعد وہ اس کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا ہیں۔''

یعنی جب دینی رہنماؤں میں تفرقہ پیدا ہو جاتا ہے تو اگلی نسلوں میں نعوذ باللہ خود کتاب اللہ کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔

دین میں تفرقہ درحقیقت عقیدہ ختم نبوت سے انحراف ہے کیونکہ امام اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام تر تعلیمات تو انسانیت کو ذلالت و گمراہی اور کفر و شرک سے نکال کر نورانیت، رشد و ہدایت کی طرف لانے کے لئے ہیں۔ بدعات اور رسوم و رواج سے تزکیہ کے لئے ہیں۔

یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہم خود کو نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی بھی کہلوائیں جبکہ ہمارا عمل ان کی تعلیمات سے انحراف کا جیتا جاگتا ثبوت ہو؟ تمام اہل اسلام کو (خاص کر دینی رہنما، علماء کرام اور نوجوان نسل) کو اس حقیقت کے شعور کے ساتھ

اپنا طریقہ کار طے کرنے کی ضرورت ہے جو فرقہ بندیاں، شخصی نسبتیں اور مختلف مکاتب فکر جس طرح آج امت مسلمہ میں پائے جاتے ہیں۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عہد صحابہؓ میں ان کا وجود نہیں تھا لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے تمام مسائل میں کتاب اللہ و تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کرے اور کسی بھی فرقہ سے اپنی نسبت جوڑنے کی بجائے صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے راستہ پر چلے۔ جب ہماری نیت اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کتاب اللہ کی طرف صدق دل سے رجوع کرنے کی ہوگی تو یقیناً ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ''غور وفکر'' کی صلاحیتوں کو کام میں لا کر فیصلہ کریں گے کیونکہ حق و باطل، ثواب و خطا میں تمیز کا ملکہ انسان کی فطرت میں ودیعت فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے:

''کیا ہم نے انسان کو دیکھنے کے لئے دو آنکھیں، بولنے کے لئے ایک زبان اور ہونٹ عطا نہیں کئے اور ہم نے اسے خیر و شر کی دونوں راہیں نہیں سمجھا دیں۔''

ویسے بھی فقہ، مسلک، فرقہ میں ہر دور میں ایسے لوگ لازمی طور پر موجود رہتے ہیں جن کی نیت اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں زندگی بسر کرنے کی ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک گروہ اپنی تشریح و توضیح کے مطابق ایک موقف کو ترجیح دے لیتا ہے تو دوسرا گروہ کسی دوسرے موقف کو اپنا لیتا ہے۔ اس سارے سلسلہ کا مثبت پہلو یہ ہے کہ بنیادی مذہب سب کا ایک ہے لیکن کچھ لوگ میلان فطرت کی وجہ سے کچھ لوگ افتاد طبع کی بدولت کچھ لوگ گھر کے ماحول کی بدولت جبکہ کچھ لوگ اپنے خاندان میں مروجہ طریقہ عمل کی بنیاد پر کسی مسلک، فرقہ کا مذہبی رنگ ڈھنگ اپنا لیتے ہیں۔ کسی بھی مسلک، فرقہ کے حامل افراد کی جزا و سزا کا معاملہ صرف خالق حقیقی پر چھوڑ دینا چاہئے نیز جن مسائل پر اختلاف ہیں بہتر یہی ہے کہ ان پر زیادہ غور وفکر نہ کیا جائے کیونکہ ان کی نوعیت متشابہات کی سی ہے جن کا حقیقی علم سوائے رب کائنات کے کسی اور کو نہیں ہے۔

ہمارے لئے تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہی کافی ہے کہ:

''تم سب اللہ کی رسی سے مضبوطی کے ساتھ چمٹے رہو اور آپس میں تفرقہ پیدا مت کرو۔'' (سورۃ آل عمران ۱۰۳)

ہم سب کو خاص کر امت مسلمہ کے جوانوں اور نوجوانوں کو یہ حقیقت ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ دہشت گردی اور تفرقہ پھیلانے والے مسلمان ہو سکتے ہیں نہ ایک سچا مسلمان دوسرے کو کافر قرار دے سکتا ہے۔ یہ ہرگز جہاد نہیں کہ ایک مسلمان اسلام یا اس سے وابستہ کسی فرقہ کے نام پر کسی مسلمان کا خون رائیگاں بہائے یا کسی اور قسم کی تکلیف یا اذیت دے۔ ایسی کارروائیوں میں ملوث عناصر اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے خاص کر ایسے جوان خون کو بھڑکاتے اور استعمال کرتے ہیں جن کو حقیقت اسلام کا مکمل ادراک نہیں ہوتا جن کے پاس جوش تو ہوتا ہے، ہوش نہیں۔ اور کسی نے کیا خوب کہا ہے:

"Zeal without Knowledge is Fanaticism"

ایسے نوجوانوں کو شر پسند عناصر بے گناہ لوگوں کی جان سے کھیلنے کی ترغیب دیتے ہیں، ان کا مقصد دراصل وسیع پیمانے پر خوف و ہراس کی مکدر فضاء اور دہشت پیدا کر کے لوگوں کا ذہن اہم معاملات سے پھیرنا ہوتا ہے۔

مسلمان نوجوانوں کا فریضہ ہے کہ وہ اسلام کی صحیح تعلیم حاصل کریں۔ اپنے دلوں سے تمام نفرتوں کا خاتمہ کریں اور نہ صرف امت مسلمہ بلکہ کل عالم کے لئے نوید رحمت بنیں، نہ کہ مصیبت۔ کہا جاتا ہے:

"Sin is mothered by ignorance"

چنانچہ آج کے مسلمانوں کو اپنے ذہنوں میں سے تعصب اور جہالت نکالنا ہوگا کیونکہ صاف اور سچی بات یہ ہے کہ کسی مسلمان کے اعمال میں نقص اس وقت ہی پیدا ہوتا ہے جب وہ مذہب کو ذاتی مفاد کے لئے استعمال کرے یا اسلامی تعلیمات سے متعلق کم فہمی کی بناء پر دوسروں کو لعن طعن کرے۔ ایذا دے، کفر کا فتویٰ لگائے یا قتل کرے۔ ایسی صورت حال میں اسلام کی کوئی غلطی نہیں، یہ تو فرد/ افراد کا ذاتی گناہ گنا جائے گا جس کا وہ خود ذمہ دار ہوگا اور رب العظیم کے سامنے جوابدہ بھی۔

ہم تو اس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہیں جن کے ہاتھ پر عمر بھر کسی دشمن جان کے لہو کا داغ نہیں لگا، جن کی تلوار کسی انتقام کی غرض سے نیام سے نہیں نکلی، جن کے ہاتھوں برپا ہونے والے انقلاب نے دار ارقم سے فتح مکہ تک کا سفر اس شان سے طے کیا کہ کم سے کم خون بہانے کی نوبت آئی جس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجران کے عیسائی وفد کو اپنا ذاتی مہمان بنا کر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ٹھہرایا تھا اور انہیں انہی کے عقیدے کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت دی تھی۔ جس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن عفو عام کا اعلان کیا تھا اور اسلام کے بدترین دشمن کے گھر کو دارالامن قرار دیا تھا۔

تعلیمات اسلام اور مذہبی رواداری:

رواداری اور برداشت اعلیٰ ترین انسانی صفات ہی نہیں بلکہ یہ انسانی شرافت کا لازمی تقاضا ہے۔ اسلام رواداری کا اتھاہ سمندر ہے۔ مذہبی رواداری و آزادی کا یہ حال ہے کہ اسلام اپنے پیروکاروں کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

''دین میں جبر نہیں'' (القرآن)

یہ ایک ایسا سنہری اصول ہے جو اسلام سے قبل سنا ہی نہ گیا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ امن و مفاہمت کے جذبہ سے زندگی گذارنے کی تلقین کی اور خود بھی پورے اتفاق اور صفائی قلب کے ساتھ دوسرے اہل مذہب وملت کے ساتھ زندگی بسر کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے کسی ذمی کو تکلیف دی تو میں اس کا فریق مخالف ہوں گا اور جس کا میں فریق مخالف ہوں تو میں روز قیامت اس سے مقاطعہ کروں گا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل کتاب کے ولیموں میں شریک ہوتے، ان کے بیماروں کی عیادت و اکرام کرتے، ان کے جنازوں میں شریک ہوتے، ان سے نقداً قرض لیتے اور اپنا سامان ان کے پاس رہن رکھواتے یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا سے جدائی فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرہ قرض کے سلسلہ میں مدینہ منورہ کے کسی یہودی کے ہاں رہن رکھی ہوئی تھی جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفائے راشدینؓ نے چھڑایا۔

یہ بھی اسلام کی رواداری ہی ہے کہ اس نے اہل کتاب کا کھانا جائز قرار دیا اور مسلم ومشرک والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں برابری رکھی۔

اسلام نے ہی اہل کتاب کو اہل ذمہ کا نام دیا (یعنی اللہ تعالیٰ کا ذمہ اور اس کی طرف سے عہد اور اس کی نگہبانی)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی برادری کے رشتوں کو زیادہ سے زیادہ مستحکم کرنے کا صرف حکم ہی نہیں دیا بلکہ خود اس پر عمل پیرا ہو کر دکھایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی تعلیمات سراسر اخوت، بھائی چارہ اور مساوات پر مبنی ہیں اور ان میں مسلم غیر مسلم، مومن وکافر، خویش وبیگانہ کی کوئی قید نہیں بلکہ یہ تمام نوع انسانی کے لئے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ''اگر اسلام کی حکومت میں کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کو قتل کرے گا تو وہ بہشت کی خوشبو تک نہ سونگھنے پائے گا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم دی کہ کوئی فرد کسی دوسرے کو ظلم وزیادتی کا شکار نہ بنائے، دوسری طرف مظلوم کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بہتر قرار دیا کہ وہ غصہ پی لے اور معاف کر دے اور کسی شکر رنجی کو دوام دینے کی بجائے اسے جلد از جلد ختم کر دے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا سے پردہ پوشی فرمائی تو وہ اسلامی ریاست جس کی بنیاد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے حکم سے مدینہ منورہ میں رکھی تھی، تمام عرب پر محیط ہو چکی تھی۔ بعد ازاں یہ ریاست پھیلتی چلی گئی اور جب خلافت راشدہ ختم ہوئی تو یہ ایک سلطنت کی شکل اختیار کر کے ایشیاء اور افریقہ کے براعظموں میں پھیل چکی تھی اور جب پہلی صدی ہجری کا اختتام ہوا تو یہ سلطنت براعظم یورپ تک وسیع ہو چکی تھی۔

یاد رہے کہ یہ فتوحات محض سیاسی نہیں تھیں بلکہ مسلمانوں نے تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں علاقوں کے ساتھ وہاں کے باشندوں کے دلوں کو بھی فتح کر لیا تھا اور تو اور ان کے مذاہب، ان کی تہذیب اور ان کی زبانوں کو بھی تسخیر کر لیا تھا۔

تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حب اسلام کی بنیاد پر مسلمانوں کے کردار میں جو دلکشی پیدا ہو گئی تھی اس نے غیر مسلموں پر حیرت انگیز اخلاقی اثرات مرتب کئے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ جب لوگوں کو امانتیں رکھوانی ہوتی تھیں تو وہ مسلمانوں کے پاس رکھوایا کرتے کیونکہ انہیں مسلمانوں کے کردار اور اخلاقیات میں سچائی نظر آتی تھی۔

اشاعت اسلام کے لئے جو تدبیر سب سے کارگر ثابت ہوئی وہ خود مسلمانوں کا سنہری کردار تھا جس کے باعث لوگ اور گروہ جوق در جوق اسلام کی طرف کھنچتے چلے آئے۔

اسلام کے زیر سایہ تو غیر مسلموں کو ایسی مذہبی آزادی دی جاتی ہے کہ جو خود اسلام کے پیروکاروں کو نہیں دی گئی مثلاً ایک اسلامی ریاست میں مسلمان شرابی پر تو حدود قائم کی جائے گی لیکن یہ حدود غیر مسلموں پر نہیں۔ اسی طرح خنزیر کا گوشت

مسلمانوں کے لئے حرام ہے لیکن غیر مسلمین کے مذہب میں اگر اس کی اجازت ہے تو اسلام اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ پر عمل پیرا مسلمانوں نے ہمیشہ دوسرے مذاہب کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کئے۔ اس طرح کہ جس ملک کو فتح کرتے تھے وہاں کے باشندوں کو جزیہ کی ادائیگی کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہنے کی اجازت دے دیتے اور اس جزیہ کے بدلے ان پر کسی بھی حملہ کی صورت میں ان کا دفاع کرتے اور ان کے عقائد، ان کی مذہبی رسومات، ان کی عبادت گاہوں سے کوئی تعرض نہ کرتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین اسلام کو دانائی (الحکمۃ) کا دوسرا نام قرار دیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''حکمت کی بات مومن کا گم شدہ سرمایہ ہے، وہ جہاں اسے پائے تو وہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔''

اس حدیث میں خدا پرست انسان (مومن) کا مزاج بتایا گیا ہے کہ وہ ہر قسم کے تعصب سے پاک ہوتا ہے، تمام دنیا والوں کو خدا تعالیٰ کی مخلوق کی نظر سے دیکھتا ہے اور تمام انسانوں کو خدا کا کنبہ سمجھتا ہے۔ اس کا یہ مزاج اس کو آفاقی بنا دیتا ہے اور اپنے اس مزاج کی بناء پر اس کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ جہاں بھی کوئی اچھی بات ملے وہ فوراً اس کو اپنا لیتا ہے وہ ہر حال میں مثبت طرز فکر پر قائم رہتا ہے اور کسی حال میں بھی منفی ذہنیت میں مبتلا نہیں ہوتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے بارے میں خالق کائنات خود فرماتا ہے:

''اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقیناً صاحب خلق عظیم ہیں۔''

رب الکریم قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

''اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریق پر جو بہترین ہو۔''

اسلام نے اہل کتاب کے ساتھ ایسے مذہبی مباحثہ ومجادلہ کو جائز قرار دیا ہے جس کی بنیاد عقل اور منطق پر قائم ہو اور اس کا انحصار مخاطبین کو بہترین طریقے کے ذریعہ مطمئن کرانے پر ہو۔ یہ بھی اسلامی رواداری کی ایک مثال ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محامد ومحاسن تو اتنے ہیں کہ گویا ایک بحر ذخار ہے جس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب خیبر فتح کیا تو وہاں کے یہودیوں کو جلاوطن کیا جانا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کمال رواداری سے انہیں وہاں برداشت کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی یہودی سرداریاں بھی برقرار رکھیں اور فصل کی بٹائی کے معاہدہ پر ان کی جائیدادوں پر برقرار رکھا۔ (بخاری، مسلم باب ذکر خیبر)

جب غزوہ احد کے موقع پر عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں سمیت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکر سے علیحدہ ہو گیا تھا اور منافقوں کا پورا گروہ کھل کر سامنے آ چکا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافقت کے الزام میں کسی سے باز پرس نہیں کی حتیٰ کہ جب عبداللہ بن ابی کے اپنے بیٹے نے اپنے باپ کی منافقت کا اعتراف کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے باپ کو قتل کرنے کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے سختی سے منع فرما دیا۔ جب عبداللہ بن ابی مر گیا تو آپ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے کفن کے لئے اپنا کرتا عنایت کیا۔

گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانیت کو اپنے عمل سے یہ سنہری سبق دیا کہ نیت کی جزا و سزا کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لینے کی بجائے صرف قادر مطلق پر چھوڑ دیا جائے۔

مسلمانوں کو تو اقوام عالم کا امام بننا ہے اور از سر نو اپنے کھوئے ہوئے دینی و دنیوی وقار کو حاصل کرنا ہے۔

ہم پر تو یہ ذمہ داری ہے کہ ظلم وطغیان کے خلاف جہاد کریں اور ان کے اسباب کو ختم کر دیں۔

مسلمانوں کے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ غیر مسلموں یا مسلمانوں کے دوسرے فرقوں اور مسلکوں سے صرف عقیدہ کی بنیاد پر جنگ کریں اور اسے جہاد کا نام دے کر اسلام کے فریم میں فٹ کیا جائے یہ تو سراسر فساد ہے۔

جنگ و جہاد اسلام میں صرف ایک ایسا صالح نظام کرنے کے لئے جائز ہے جو انسانیت کی سعادت کا باعث ہو اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرے۔ اسلام اپنے دشمنوں کے نفس وجود کا دشمن نہیں بلکہ ان کی ایسی حشمت کا دشمن ہے جو اسلام اور اس کے حقیقی پیروکاروں کے لئے باعث خطرہ ہو۔ ایسی کوششیں بربریت نہیں بلکہ اعلیٰ ترین عبادت اور خلق خدا پر انتہائی شفقت و رحمت ہے مگر یہ پیش نظر رہے کہ جنگ و جہاد محض دشمن سے تیغ آرائی کا نام ہی نہیں بلکہ حکمت و دانش اور تدبیر وفراست کے ہمہ پہلو استعمال کا عمل ہے۔

اگر جنگ ناگزیر ہو تو سپاہیوں اور سپہ سالاروں کے لئے باقاعدہ ضابطہ اخلاق مقرر کیا گیا ہے نیز مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ کافروں سے جنگ شروع کرنے سے قبل ان کو اسلام کی دعوت پہنچائیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی قوم سے جنگ نہیں کی یہاں تک کہ جنگ سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اسلام کی طرف دعوت دی۔

ہمارے مسلم بھائی شر پسندوں کے ہاتھوں کھلونا بننے سے پہلے یہ سوچ لیں کہ جس تناسب سے مسلمانوں کا کردار کمزور ہوتا جائے گا، اسی تناسب سے ان کی آنے والی نسلیں کمزور مسلمان بنیں گی اور غیر مسلمین کے دلوں سے ان کا رعب اور احترام کم ہوتا چلا جائے گا اور ان کے اسلام کی طرف آنے کی راہیں بھی مسدود ہوتی چلی جائیں گی۔

اب بھی وقت ہے کہ یا تو مسلمان اپنا قبلہ درست کرلیں اور اپنے مقصد وجود کو پورا کرنے کی کامل کوششیں کریں یا پھر قدرت کسی نئی قوم کو منصب امامت سونپ دے گی کیونکہ قرآن الحکیم میں تنبیہ فرما دی گئی ہے کہ ''اگر تم منحرف ہو جاؤ گے تو اللہ کسی اور قوم کو تمہاری جگہ لا کھڑا کرے گا اور پھر وہ قوم تم جیسی نہ ہوگی (سورۃ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۳۷)

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے

مقالہ سیرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلاصہ:

نائن الیون (9/11) کے سانحہ کے بعد مغرب کی ''مہذب دنیا'' جس طرح اسلام اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی ہے اس کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ ارشاد گرامی یاد آ جاتا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے دور کی

نشاندہی فرمائی تھی جب عالم کفر مسلمانوں پر یوں ٹوٹ پڑے گا جس طرح بھوکے دسترخوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں جتنی پیشن گوئیاں کیں وہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ پوری ہوتی چلی گئیں۔

مسلم معاشرہ کو مزید منقسم کرنے کے لئے جو حکمت عملی تیار کی گئی ہے وہ یہ کہ انہیں انتہا پسند اور روشن خیال کے خانوں میں بانٹا جارہا ہے۔

مغرب آج نسل انسانی کو یہ باور کرانے میں مصروف ہے کہ اس نے انسانوں کو حقوق کا شعور بخشا اور ان کے حقوق کا تعین کیا ہے لیکن تاریخ کے میزان پر یہ بات درست نہیں اس لئے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے عنوان سے حقوق کا جو تعارف اور تفصیلات قرآن پاک میں چودہ سو سال قبل اسلام میں آچکی ہیں آج کا کوئی نظام اس طرح کا جامع تصور اور نظام پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاف شفاف سیرت مبارکہ کو دنیا کے سامنے صحیح طور پر پیش نہیں کر پارہے ہیں کیونکہ ہم مسلمانوں کی عملی زندگی میں اس کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی، اس وقت ہم کمزور اور مغلوبہ قوم ہیں۔ ہم از خود فقہی گروہ بندی اور فرقہ واری کا شکار ہوگئے ہیں اور کئی بدعتوں اور غیروں کے باطل نظریات کو اپنا کر حقیقی اسلام سے بہت دور چلے گئے ہیں۔

حدیث شریف ہے ''اللہ کے اخلاق کو اپنا اخلاق بناؤ۔''

یعنی تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کی متقاضی ہیں کہ مسلمان اپنی اندرونی قوتوں کی اصلاح کر کے ایسا کردار اپنائیں جس سے نیابت الٰہی کی شان جھلکتی ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت میں ''عمومیت'' اور ''عالمگیریت'' ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث سے ظاہر ہے۔

''تمام مخلوق اللہ کی عیال ہے۔''

''تمام انسان بھائی بھائی ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات آپسی اتحاد واتفاق، باہمی روابط، محبت واخوت، بھائی چارہ اور انسانی تقدس کا درس دیتی ہیں۔

چونکہ ہماری پہچان، ہماری آبرو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت ہے چنانچہ ہماری تمام خرابیوں کا سبب یہ ہے کہ ہم اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت وتعلیمات کو فراموش کر چکے ہیں اور ''ناقہ بے زمام'' بن گئے ہیں۔

مذہبی انتہا پسندی کے خاتمہ کیلئے تجاویز:

1- اس وقت مسلمانوں کی مذہبی جتھا بندیاں جس رخ جارہی ہیں وہ قطعاً خوش کن اور حوصلہ افزاء نہیں۔

دین کے لئے تو فکر عمیق کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ہمارے دینی شعبہ میں بدقسمتی سے محض واعظانہ، مقررانہ اور کافی حد

تک جارحانہ انداز کے لوگ پیدا ہو رہے ہیں۔

ہمیں تو ضرورت ہے ایسے لوگوں کی جو دین اور روح عصر میں ربط پیدا کر سکیں محض فتووں سے کام نہیں چلے گا۔ بجائے اس کے کہ علماء کرام مختلف مشارب و مسالک کو اسلام کی منشاء کو بہتر انداز میں سمجھنے کا ''ذریعہ'' بنا کر پیش کرتے۔ انہوں نے خود اپنی کم علمی و کم فہمی کی بنیاد پر انہیں ''اصل'' بنا کر پیش کیا اور اس وقت بھی یہی سلسلہ جاری ہے جو اسلام کے جوہری رشتہ کو کمزور کیے جا رہا ہے۔ بقول اقبال:

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا جانیں یہ بے چارے دو رکعت کے امام

کہ یہی علمائے کرام جب جہد و تقویٰ سے روشن تھے تو قوموں کی امامت کرتے تھے۔ منبر و محراب سے لے کر ایوان ہائے حکومت ان کے تھے مگر یہ قناعت کر گئے محدود زندگی تک۔

دینی مدارس میں فقہ، تفسیر حدیث، علم الکلام، منطق، فلسفہ، ادب وغیرہ کے علاوہ ایسا نصاب سکھایا اور پڑھایا جائے جو طالب علموں کو مفید دنیوی علوم سے نہ صرف روشناس کرائے بلکہ ان کا علمی استدلال اس قدر مضبوط ہو کہ شرق و غرب میں کوئی بھی علمی، تہذیبی، سائنسی اور سیاسی چیلنج ان دینی مدارس کے فارغ التحصیل طلباء کو پریشان یا لاجواب نہ کر سکے۔

یاد رہے کہ دنیا کا کوئی مذہب اپنے پیروکاروں کو پابند نہیں کرتا کہ علم حاصل کیا جائے اور اس کو فروغ دیا جائے۔

اسلام ہی وہ ''پہلا'' مذہب ہے جس نے تمام مفید علوم حاصل کرنا مذہب میں داخل کیا اور انہیں ضبط تحریر میں لانے کا حکم دیا۔ خود رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم اور سائنس سے جس قدر محبت تھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوسرے معلمین دین سے امتیاز بخشتی ہے۔

نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر فرمایا کرتے ''علم کی روشنائی شہید کے خون سے زیادہ مقدس ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے ''جو شخص علم کی تلاش میں گھر سے نکلتا ہے خدا کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے ''علم و حکمت کا سبق سننے میں ہزاروں شہداء کی نماز جنازہ پڑھنے یا ہزار راتیں قائم الصلوٰۃ رہنے سے زیادہ ثواب ہے۔'' موجودہ حالات کی اہم ضرورت ہے دینی مدارس میں اس نوعیت کا دینی نصاب پڑھانے اور سکھانے کی جس کا مقصد اسلام کو کائنات کا واحد نجات دہندہ ضابطہ حیات ثابت کرنا ہو، نہ کہ فریق مخالف کو شکست دینے اور دوسرے فرقوں کے رد و ابطال پر زور دینے کا کام کرے۔

حالانکہ اسلام تو خود عصبیت کو ''نخوت جاہلیہ'' قرار دیتا ہے پھر بھی ہمارے علماء کرام نے کبھی صدق دل سے اور جذب دروں سے کام نہیں لیا (آج کل کے)

جس کی وجہ سے فرقہ اور مذہبی منافرت اس قدر بڑھی کہ زبان اور دل کا رشتہ کمزور پڑ گیا، صوم و صلوٰۃ کی روحانی تپش ماند پڑ گئی۔

آج کی نوجوان نسل کا فریضہ ہے کہ تحصیل علم کو اپنا اہم ترین فرض سمجھیں۔ دینی علم حاصل کرنے کی دھن میں دنیوی علم کا حصول ترک کریں نہ دنیوی علم اس طریق کا حاصل کریں کہ دنیا برتر اور دین کمتر نظر آئے (نعوذ باللہ)

ان کو باور کرایا جائے کہ ان کا میدان جنگ صرف علمی میدان ہے اور ان کا اسلحہ صرف کتابیں (اور آج کل کے دور میں کمپیوٹر بھی) ہیں۔

2- اس وقت عالم اسلام کو باہمی اتحاد کی شدید ضرورت ہے کیونکہ ان کی شناخت صرف اور صرف ان کا نظریہ اسلام ہے جس کی خاطر انہیں دنیا میں زندگی گزارنا ہے اور جان مالک کائنات کو لوٹانی ہے۔

اس وقت تمام امت مسلمہ کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ موجودہ دور کا انتشار، دہشت گردی، انتہا پسندی دراصل ''ردعمل'' ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کے دہرے معیار کی پالیسی کا جو برسوں سے انہوں نے اپنے زیر اثر علاقوں میں لاگو کر رکھی ہے۔ ان نام نہاد ترقی یافتہ ممالک نے انصاف وعدل ومعیشت کا ہر جگہ خون کیا جس کے نتیجہ میں ہر ملک میں لوگوں کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آ گیا ہے جو ظلم وستم و بربریت کا ردعمل اپنے انتہا پسندانہ اقدامات سے ظاہر کرتا ہے، یہ بھی انسان کا ایک فطری ردعمل ہے جس کی توضیح شیخ سعدیؒ کے ایک فارسی شعر کے ترجمہ سے ہو جاتی ہے۔

''جب انسان مایوس ہو جاتا ہے تو اس کی زبان دراز ہو جاتی ہے
جس طرح قابو میں آئی ہوئی بلی بالآخر کتے پر جھپٹ پڑتی ہے''

- دنیا کے موجودہ حالات جس رخ جا رہے ہیں ان کے پیش نظر اس امر کی ضرورت ہے کہ امت مسلمہ ہر کی اجتماعی دانش کو منظم اور مربوط کیا جائے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے سفارتی گفت وشنید کے ساتھ ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ اسلامی ممالک مختلف اداروں اور اتحادوں سے وابستہ ہونے کی بجائے خود ایک ایسا موثر اور فعال خود مختار اتحاد قائم کریں جو اقبال کے اس شعر کا حقیقی ترجمان ہو۔

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفویؐ ہے

فی الوقت امت مسلمہ کے حکمرانوں کی سوچ چونکہ عوامی رائے سے مختلف ہے لہٰذا ہر مسلمان کی یہ انفرادی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام، قرآن اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا از سر نو مطالعہ کر کے خود کو عملاً اس تعلیم کا نمونہ بنانے کی کوششیں کرے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے۔ ہر مسلمان کی انفرادی سعی انشاء اللہ ایک روز اجتماعی اتحاد بن جائے گی جو امت مسلمہ کی اصل قوت اور اصل منزل ہے۔

مقالہ سیرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مآخذ ومصادر

ا- القرآن الحکیم-

۲۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور رواداری (از: ڈاکٹر حافظ محمد ثانی)

۳۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمت انقلاب (سید اسعد گیلانی)

۴۔ احادیث اور معاشرہ (راجہ رشید محمود)

۵۔ اخلاقی مسائل میں اعتدال کی راہ (صدر الدین اصلاحیؒ)

۶۔ روح اسلام (سید ابوالحسن برنی)

۷۔ دنیا کے بڑے مذاہب (عماد الحسن فاروقی)

۸۔ اسلامی معاشرہ کی تعمیر نو (ڈاکٹر نصیر احمد ناصر)

۹۔ صراط مستقیم (ثریا عندلیب)

۱۰۔ داعی کے اوصاف (بنت الاسلام)

۱۱۔ ۷۳ فرقے کیسے بنے (تاریخ اسلام۔ از: موسیٰ خان جلالزئی)

۱۲۔ محسن کائنات...... اسلام اور جدید مسائل (ڈاکٹر ایم محی الدین قاضی)

۱۳۔ علمبرداشتہ (صاحبزادہ خورشید گیلانی)

۱۴۔ ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (نبی احمد خان لودھی)

۱۵۔ (E.C. Mckenzie) Quips and Quotes

۱۶۔ Internet.

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ،
تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

ڈاکٹر شازیہ شاہین قیصرانی، کوئٹہ

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ افضل و برتر ہے تمام مخلوقات سے خداوند بزرگ و برتر نے اسے عقل وشعور کی وہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو اس نے اپنی کسی اور مخلوق کو ودیعت نہیں کیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ہر انسان اپنی زندگی کو کسی خاص عقیدے کے تحت گزارنا چاہتا ہے۔ مذہب سے مراد ''وہ عقائد یا قانون وضوابط ہیں جس کے مطابق انسان اپنی عقلی اور شعوری صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اس کائنات میں اپنا وجود برقرار رکھ سکے اور ایک خاص عقیدے کے تحت زندگی گزار سکے۔''

مذہب ہر انسان کا خالصتاً ذاتی اور انتہائی حساس معاملہ ہے۔ ہر انسان میں فطری طور پر یہ خواہش موجود ہوتی ہے کہ وہ اپنے مذہب کو دنیا کے ہر مذہب سے زیادہ کامیاب دیکھنا چاہتا ہے لیکن یہی خواہش جب حد سے بڑھ جائے تو ''مذہبی انتہائی پسندی'' جنم لیتی ہے لہٰذا ہم مذہبی انتہا پسندی کی تعریف کچھ اس طرح سے کر سکتے ہیں۔ کہ

''جب انسان اپنے مذہب میں اعتدال کا رویہ نہ اختیار کر سکے۔''

یا دوسرے الفاظ میں

''اپنے مذہب کو صحیح سمجھنا دوسرے ہر مذہب کو غلط، اپنے مذہب کی تعلیمات کو درس قرار دینا اور دوسرے ہر مذہب کی تعلیمات کو غلط اور اپنے مذہب کے پیروکاروں کے علاوہ دوسرے ہر مذہب کے پیروکار کو واجب القتل تصور کرنا اور اپنے عقائد کو دوسروں پر زبردستی مسلط (inpose) کرنا مذہبی انتہا پسندی کہلاتا ہے۔''

اسے ہم ''مذہبی عصبیت'' بھی کہہ سکتے ہیں۔

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی:

تاریخ کا جائزہ لیجیے تو ہمیں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد کا رویہ تحمل، بردباری اور مذہبی رواداری کا شاہکار نظر آتا ہے۔ سب سے پہلے تو داعی امن، خاتم الرسل، سید کونین حضرت محمد مصطفیٰ ؐ کی حیات طیبہ کا جائزہ لیجیے۔ آپ ؐ فتح مکہ کے موقع پر کوئی مذہبی امتیاز روا نہ رکھتے ہوئے ہر عام وخاص کو عام معافی دینے کا اعلان فرماتے ہیں۔ آپ ؐ اپنے پیارے چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبانے والی ''ہندہ'' کو بھی معاف فرما دیتے ہیں۔ بلکہ فتح مکہ کے موقع پر حضرت ابوسفیان (جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) کے گھر کو عام پناہ گاہ قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ آپ ؐ تو اس دین کے مبلغ ہیں جو فرماتا ہے کہ

وجعلنکم شعو باً و قبائل لتعارفوان اکرمکم عنداللہ اتقاکم

یعنی قبیلے اور گروہ تمہاری پہچان کے لیے بنائے ہیں ورنہ عزت کا معیار اللہ کے ہاں تو تقویٰ ہی ہے۔

ہندو مذہب کی طرف آئے تو بادشاہ اشوک کے یہ الفاظ ملتے ہیں:

''بادشاہ اشوک ہر مذہبی عقیدے کا احترام کرتا ہے جو آدمی دوسروں پر زیادتی کرتا ہے وہ دراصل اپنے ہی عقیدے اور دھرم کو مجروح کرتا ہے۔ دوسرے کے مذہبی عقیدے کی بے حرمتی سے یک قلم دور رہنا دراصل اپنے ہی مذہب کا احترام کرنا ہے اور انسان کے لئے سب سے بڑا اعزاز ہے۔''

اسی طرح سکھ مذہب، یہودیت اور عیسائیت میں بھی مذہبی رواداری کا سبق ملتا ہے غرضیکہ ماضی میں ہمیں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اس درجہ نظر نہیں آتا جیسا کہ حالیہ دور میں پروان چڑھ رہا ہے اور شاید اس کی وجہ مذہب سے دوری اور درست مذہبی تعلیمات کا نہ ہونا ہے۔

پاکستان میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان:

پاکستان اس وقت نہایت نازک دور سے گذر رہا ہے اسے نہ صرف بیرونی چیلنجز کا سامنا ہے بلکہ اندرونی طور پر بھی اس وقت شدید مذہبی انتہا پسندی اور فرقہ پرستی کا شکار ہے اسال کئی ایسے واقعات ہوئے جس سے ملک میں انتہا پسندی کے زور پکڑنے کا پتہ چلتا ہے مثلاً

۱۔ کراچی میں کئی سنی اور شیعہ ڈاکٹرز، شکراء، سکالرز اور مذہبی علماء کا قتل۔

۲۔ کوئٹہ میں امام بارگاہ اثنا عشری پر جمعہ کے اجتماع پر فائرنگ اور ۵۶ افراد کی ہلاکت

۳۔ مساجد پر حملے، کالعدم تنظیم سپاہ صحابہ کے سربراہ مولانا اعظم طارق کا قتل۔

۴۔ کوئٹہ ہی میں ہزارہ قبیلے سے تعلق رکھنے والے ۱۱ افراد کا قتل

یہ سب واقعات اسی نفرت کا شاخسانہ معلوم ہوتے ہیں جو عرصہ دراز سے شیعہ اور سنی فرقے کے بیچ پیدا کی جا رہی ہے۔

۵۔ اسلام آباد میں دہشت گردی کی کارروائی میں گرجا گھر میں کئی عیسائیوں کو اس وقت قتل کر دیا گیا جب وہ اپنی عبادات میں مشغول تھے۔

۶۔ اسلام کے نام پر دوسرے اسلامی ممالک میں جا کر جہاد میں شامل ہونے والے کئی پاکستانیوں کی گرفتاری سے بھی ملک میں مذہبی منافرت کو ہوا ملی اور پاکستان کی عالمی سطح پر بدنامی ہوئی اور یہ بھی کہ مسلمان کو بحیثیت قوم دہشت گرد سمجھا جانے لگا اگرچہ کہ ان تمام واقعات میں بیرونی ہاتھ کے ملوث ہونے کے امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا بہر حال یہ سراسر انسانیت کی توہین اور مذہب اسلام کے لیے انتہائی نقصان دہ ہے۔

پروفیسر مجید خان چوہدری لکھتے ہیں:

''وطن عزیز میں فرقہ وارانہ دہشت گردی اور علاقائی عصبیت کی بنیادوں پر اپنے مدمقابل کو تیغ بکف کرنے کی علت ہمارے سابقہ فرماں رواؤں نے خود پروان چڑھائی اپنے ذاتی مفادات کیلئے اور اس لعنت نے ملک کی اقتصادی تعمیر و ترقی اور اسلام کی امن پسندی کو داؤ پر لگا دیا۔'' (جنگ راولپنڈی ستمبر ۲۰۰۱ء)

ہندوستان میں مذہبی انتہا پسندی:

ہندوستان میں کئی مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد موجود ہیں جن میں سرفہرست ہندو، مسلمان، سکھ اور عیسائی ہیں اگرچہ کہ ہندوستان کا دعویٰ ہے کہ وہ سب سے بڑی ''سیکولر ریاست'' ہے لیکن خود ہندوستان کو شدید مذہبی انتہا پسندی کا سامنا ہے۔

۱۔ حکمران جماعت ''بھارتیہ جنتا پارٹی'' خود ایک ہندو انتہا پسند تنظیم ہے اور وشوا ہندو پریشد اور راشٹریہ سیوک سنگھ جیسی انتہا پسندی تنظیموں کے زیر اثر بھی ہے۔

۲۔ گجرات میں حالیہ فسادات میں سینکڑوں مسلمان شہید، مسلم املاک نذر آتش، مرنے والوں کی تعداد ۳۲۰ سے زائد ہوگئی۔

(جنگ راولپنڈی۔ یکم مارچ ۲۰۰۲ء)

۳۔ مذہبی جنونیوں کے ہاتھوں ۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد کی شہادت۔

۴۔ بھارت کی چار ریاستوں میں حکمران جماعت بی جے پی کی شرمناک شکست کے بعد بابری مسجد کی جگہ رام مندر کی تعمیر کے اشتعال انگیز منصوبے کو خود سرکاری حلقوں نے پروان چڑھایا اور اس کے بعد پوری ریاست گجرات میں ہندو جنونیوں نے تباہی کی آگ بھڑکا دی۔

۵۔ سابق رکن پارلیمینٹ احسان جعفری کو ۱۸ اہل خانہ سمیت زندہ جلا دیا گیا۔

۶۔ ماضی میں بھی ''شدھی'' اور ''سنگھٹن'' کی تحریکوں نے سرسید احمد خان جیسے ''ہندو مسلم اتحاد'' کے داعی کو اپنا خیال تبدیل کرنے پر مجبور کیا اور آج بھارت کے انتہا پسند بھارت میں رہنے والے غیر ہندوؤں کو ''شدھی'' کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ''شری رمیش پتنلے'' کا بیان جو کہ راشٹریہ سیوک سنگھ کے سرگرم کارکن، فلسفی اور مفکر کہلاتے ہیں۔

''وہ کہتے ہیں مسلمان اور عیسائی مسئلہ کا حل یہ ہے کہ:

ا۔ انہیں قتل عام کے ذریعے ختم کر دیا جائے۔

ب۔ انہیں ملک بدر کر دیا جائے۔

ج۔ سب کو پارلیمینٹ ایکٹ کے ذریعے ہندومت قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔''

اس نے بعد میں اوپر کے دو حل مسترد کر دیئے۔

۷۔ حالیہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر بھی گاؤ کشی کے تنازع پر کئی افراد ہلاک ہوئے اور جگہ جگہ ہندو اور مسلمانوں میں جھڑپیں ہوئیں۔

۸۔ کشمیر میں بھی مسلمانوں کو کچلا جا رہا ہے۔

اسرائیل کی مذہبی انتہا پسندی:

یہودیوں کی سب سے بڑی ریاست ''اسرائیل'' ہے۔ اسرائیل جس طرح ایک عرصے سے بیت المقدس پر قبضہ جمائے ہوئے ہے اور فلسطینی عوام پر ظلم وستم جاری رکھے ہوئے ہے دنیا اس سے بخوبی واقف ہے۔

۱۔ ۱۹۵۲ء میں مغربی کنارے کے قصبے ''قبیہ'' میں اسرائیلی فوج نے ۶۹ فلسطینیوں کو رات کے وقت ان کے گھروں میں فائرنگ سے ہلاک کر دیا۔

۲۔ ''صابرہ'' اور ''شتیلہ'' کے قصبوں میں خون ریزی کی گئی۔

۳۔ ۱۹۵۶ء میں ۲۷۳ غیر مسلم مصری جنگی قیدیوں اور سوڈانیوں کو اجتماعی قبروں میں دفنا دیا گیا جس کا پتہ دنیا کو چالیس سال بعد چلا۔

۴۔ ۱۹۶۶ء میں غزہ کی پٹی میں مزید اسرائیلی فوج کے دستے بھیجے گئے اور ۲۰۰۰ گھر جلا دیئے گئے۔

۵۔ ۱۶۰۰ فلسطینیوں کو گرفتار کیا گیا اور انہیں لبنان اور اردن کی طرف وطن بدر کر دیا گیا۔

۶۔ ۱۹۷۷ء میں میں وزیر زراعت ایریل شیرون نے یہودی آباد کاریوں کا سلسلہ تیز کر دیا اور آج یہی بستیاں امن کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

۲۰۰۱ء میں ایریل شیرون کو اس کی تمام تر جرائم اور مذہبی انتہا پسندی کے باوجود اسرائیل کا وزیراعظم بنا دیا گیا۔ ایریل شیرون کی تمام تر پالیسیوں کا مقصد فقط فلسطینیوں کی سرکوبی اور ان کی نسل کشی، مسجد اقصیٰ پر قبضہ اور ہیکل سلیمانی کی تعمیر اور یہودی ریاست کو مزید مضبوط بنانا نظر آتا ہے اور انہیں مظالم کے ردعمل کے طور پر فلسطین میں خودکش حملے جاری ہیں۔

امریکہ اور یورپ کی مذہبی انتہا پسندی:

امریکہ اور یورپ خود کو اخلاق و روحانیت کا علمبردار گردانتے ہیں مگر آج وہ بھی مذہبی انتہا پسندی کا شکار نظر آتے ہیں۔

۱۔ صدر بش ایریل شیرون کو ان کی تمام تر مسلم کش سرگرمیوں کے باوجود "Man of Peace" کا خطاب دیتے ہیں اور انہیں اسرائیل کے تحفظ کے لئے کئے گئے مذکورہ بالا اقدامات پر قابل تحسین قرار دیتے ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں پر ظلم وستم پر دنیا خاموش ہے۔

> ''غیر سرکاری تنظیموں کی عالمی کانفرنس کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے جنوبی افریقہ کے صدر نے کہا کہ امریکہ نے کانفرنس میں اپنا نمائندہ نہ بھیج کر انسانیت اور انسانی حقوق کے تحفظ سے اجتناب کیا ہے۔ اسرائیل کی وحشیانہ جارحیت کا سلسلہ دراز ہوتا جا رہا ہے اس نے جنوبی لبنان کے مہاجر کیمپوں کو بھی نشانہ بنایا ہے۔ افسوس ناک امر یہ ہے کہ امریکہ اور اقوام متحدہ دونوں خاموش ہیں۔ امریکہ اسرائیل کی جارحیت اور مذہبی انتہا پسندی کی حمایت کر رہا ہے۔'' ایڈیٹوریل (جنگ راولپنڈی۔ یکم ستمبر 2001ء)

2- عرب اور عراق میں امریکی فوجوں کا داخلہ اور امریکی فوجوں کا چن چن کر مذہبی انتہاپسند اور دہشت گردی ہونے کے شبے میں مسلمانوں کو گرفتار کرنا اور ان سب کے ردعمل میں اب عراق میں بھی خودکش حملوں میں تیزی آ رہی ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی مواقع پر امریکہ اسلام کو ''دہشت گرد مذہب'' اور مسلمانوں کو ''جنونی'' کہہ چکا ہے۔

برطانیہ کے صدر ٹونی بلیئر نے بھی صدر بش کا ہمنوا بن کر جس طرح بغیر ثبوت وحقائق اور ہتھیاروں کی موجودگی کو جواز بنا کر عراق پر حملے میں امریکہ کا ساتھ دیا وہ بھی مسلمانوں سے ان کی بیزاری اور ان کے انتہاپسندی کے ترجمان کو ظاہر کرتا ہے۔

3 9/11 کے بعد کینیڈا میں مسجد کی شہادت بھی قابل ذکر واقعہ ہے۔

4- 9/11 کے بعد امریکہ میں پردہ دار خواتین سے بدتمیزی بھی کی گئی اور ہر داڑھی رکھنے والے مسلمان کو مذہبی انتہا پسند اور دہشت گرد سمجھا جانے لگا۔

5- حال ہی میں فرانس میں سکارف پر پابندی کے بعد اب سکھوں کے پگڑی باندھنے پر بھی پابندی لگا دی گئی ہے۔

سوال یہ ہے کہ آخر موجودہ دور میں مذہبی انتہاپسندی کا یہ عفریت اتنا کیوں بڑھ رہا ہے؟

مذہبی انتہاپسندی کی وجوہات اور اس کے نتائج:

میری نظر میں آج کے دور میں مذہبی انتہاپسندی کی مندرجہ ذیل وجوہات ہوسکتی ہیں۔

1- ایسا سیاسی ڈھانچہ جو مذہبی اقلیتوں کو تنہا اور کمزور ہونے کا احلاس دلائے۔

2- آزادی کی وہ تحریکیں جن کو بزور طاقت کچلنے کی کوشش کی جائے۔

3- مذہبی رہنماؤں کی مذہبی کتب کی غلط اور گمراہ کن تشریح جس سے لوگوں کو یہ احساس دلایا جائے کہ فلاں مذہب مسلک سے تعلق رکھنے والے افراد واجب القتل ہیں یا کسی بھی طریقے سے ایسے کسی عمل کو جنت کے ٹکٹ کے طور پر پیش کرنا اور مذہبی منافرت کو ہوا دینا۔

4- بڑی طاقتوں کی پشت پناہی جو کسی خاص مذہب کے افراد کو حاصل ہو اور وہ اس کا فائدہ اٹھا کر دوسرے مذاہب کی توہین و تذلیل کریں۔

5- مذہب سے دوری اور شعور و آگہی اور تعلیم کی کمی۔

6- نفسیاتی عوامل اور سماجی ناہمواریاں جہاں اقلیتوں کو ان کے بنیادی حقوق بھی میسر نہ ہوں اور وہ خود کو غیر محفوظ تصور کریں۔

7- انتہاپسندوں کو کھلی ڈھیل اور حکومتوں کی چشم پوشی۔

8- میڈیا کا غلط استعمال۔ آج انسان وہی سوچتا ہے جو میڈیا اسے دکھاتا ہے۔ میڈیا کے میدان میں مخصوص لابیاں اپنا کلچر اور اپنی تعلیمات پھیلا رہی ہیں اور دوسرے مذاہب کو دہشت گرد کے طور پر پیش کر رہی ہیں اس سے بھی مختلف مذاہب

میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔

اور ان سب عوامل کے نتیجے میں مذہبی انتہا پسندی جنم لیتی ہے جس کا نتیجہ دہشت گردی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اقلیتوں کو درپیش مسائل میں اضافہ ہوتا ہے۔ مذہب سے دوری اور نفرت ظاہر ہرتی ہے اور لادینیت کا رجحان بڑھتا ہے۔ قیمتی جانیں ضائع ہوتی ہیں اور امن کی صورتحال بد سے بدتر ہوتی جاتی ہے۔

آخر اس مسئلے کا حل کیا ہے؟ میری نظر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ اور اسلام کی روشن تعلیمات ہی میں ان مسائل کا حل پوشیدہ ہے۔

مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ۔ تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں:

ڈاکٹر رشید احمد جالندھری اپنے مضمون ''بابری مسجد کی شہادت۔ ہندوؤں کی مذہبی انتہا پسندی'' میں رقم طراز ہیں۔

''یہ بات محتاج بیان ہی نہیں کہ دنیا کے تمام مذاہب بنیادی طور پر نہ صرف انسان کو سچائی کا درس دیتے ہیں بلکہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ کائنات کی سب سے بڑی حقیقت سے رشتہ جوڑنے کے لئے انسانی فطرت ہمیشہ بے قرار رہی ہے اور جب کبھی انسان نے کسی وجہ سے اپنی فطرت سے انحراف کیا ہے تو اس کی روح برابر حیرت وتنہائی کی تاریکی میں بھٹکتی رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مذہب نہ صرف خدا سے شکستہ رشتوں کو استوار کرنے کی تلقین کرتا ہے بلکہ انسانیت کی خدمت کو زندگی کا مقدس نصب العین بھی قرار دیتا ہے۔ چنانچہ مذہب کی حقیقی روح سے روشناس ہو کر تاریخ کے ہر عہد میں انسان نے انسانی تہذیب اور زندگی کی بلند قدروں کو آگے بڑھانے کے لیے صحت مند کردار ادا کیا ہے لیکن تاریخ کی اس تلخ حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تاریخ کے ہر دور میں اہل ہوس کا ایک بڑا گروہ ایسا بھی موجود رہا ہے جو اپنی نفس پرستیوں اور داغ عیوب برہنگی کو ڈھانپنے کے لیے مذہب کو استعمال کرتا رہا ہے۔ یہی گروہ ہے جس کی ذہنی پستی، عقل و دانش سے دشمنی اور علمی نفاذ سے مذہب کی لطیف و پاکیزہ روح بیزار رہی ہے۔''

(المعارف۔ جنوری 1993ء)

اسلام صرف ایک مذہب ہی نہیں بلکہ مکمل ضابطہ حیات بھی ہے اور زندگی گذارنے کا جتنا واضح ڈھنگ اسلام پیش کرتا ہے کوئی اور مذہب نہیں کرتا۔ بلاشبہ اسلام کو Relegion of Peace اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ کو The Peace Maker of Universe کہا جا سکتا ہے۔ جائزہ لیتے ہیں کہ مذہب اور مذہبی انتہا پسندی سے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی تعلیمات کیا ہیں۔

احترام انسانیت:

آج کے دور میں ضرورت اس امر کی ہے کہ احترام انسانیت کا جو درس اسلام نے ہمیں دیا ہے پوری دنیا کو اس سے

روشناس کرایا جائے۔

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 70 میں ارشاد فرمایا گیا۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُم مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا

''یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ زندگی، چیزوں کی روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔

غور فرمایئے کہ یہاں ''اہل ایمان'' کا ذکر نہیں بلکہ ''اولاد آدم'' کا ذکر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو قابل عزت بنایا تو پھر کوئی شخص اپنے مذہب کی بنیاد پر کسی دوسرے مذہب والوں کیلئے قابل نفرت کیسے ہوسکتا ہے۔ جائزہ لیجئے تو ہر پیدا ہونے والا بچہ کسی خاص مذہب پر پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ تو دنیا میں اس کے والدین پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ اسے کس مذہب کا پیروکار بناتے ہیں۔

ہر دور میں انسانیت اور انسان کے عظمت و شرف کو بے دردی سے پامال کیا جاتا رہا ہے لیکن اسلام نے انسانیت کو ذلت کی گہرائیوں سے نکال کر اوج ثریا تک پہنچا دیا۔ اسلام میں ہر انسان کو شرف اور عزت و عظمت حاصل ہے چاہے انسان خدا کا اطاعت گذار ہو یا باغی۔ مسلم ہو یا کافر، نیک ہو یا بد، بحیثیت انسان قابل تکریم ہے۔

آدمیت احترام آدمی

باخبر شواز مقام آدمی

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔''

سنن بیہقی میں حدیث پاک ہے:

''اللہ کی مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے۔''

صحیح مسلم کی طویل حدیث کا یہ حصہ:

''اے ابن آدم میں بیمار تھا، تو نے میری عیادت نہیں کی......''

شرف و احترام انسانیت پر دلیل ہے اور یہی سمجھنے کی ہمیں ضرورت ہے کہ انسان جس طرح حسن تخلیق کے لحاظ سے احسن و افضل ہے اسی طرح مقصد زندگی کے لحاظ سے بھی ممتاز و برتر اور قابل احترام ہے۔ الغرض آج کے افراتفری اور مذہبی انتہا پسندی کے رجحان کا مقابلہ اسی صورت کیا جاسکتا ہے جب ہم اسلام کی روح کو سمجھتے ہوئے احترام انسانیت کا پاس کریں اور ہر انسان کی جان، مال، عزت کو محترم سمجھیں۔

جیسے کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

''جس نے ایک انسان کا قتل کیا گویا اس نے پوری انسانیت کا قتل کیا اور جس نے ایک انسان کو بچایا گویا پوری انسایت کو بچایا۔''

اعتدال اور میانہ روی:

مسند بزار میں حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما احسن العقد منی الغنی، ما احسن العقد منی الفقر، ما احسن العقد فی العبادة

''دولت مندی میں درمیانگی کتنی اچھی ہے۔ محتاجی میں درمیانگی کتنی اچھی ہے۔ عبادت میں درمیانگی کتنی اچھی ہے۔''

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

''بے شک اللہ نہیں پسند کرتا زیادتی کرنے والوں کو۔''

ویسے بھی قرآن پاک نے مسلمانوں کو ''امۃ وسطا'' (بیچ کی امت) کا خطاب دیا ہے کیونکہ انہیں تعلیم دی گئی ہے کہ وہ اکثر معاملات میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کریں۔ بالکل اسی طرح اعتدال کی راہ یہ ہے کہ اپنے مذہب سے اٹوٹ پیار ہونا چاہئے مگر اس کا اظہار دوسرے مذاہب کے افراد کو تضحیک، ذلت کا نشانہ بنا کر نہیں بلکہ اپنے مذہب کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر کرنا چاہئے۔

حلم و بردباری:

حلم و بردباری کے معانی یہ ہیں کہ انتقام کی قدرت رکھتے ہوئے کسی ناگوار یا اشتعال انگیز بات کو برداشت کرلیا جائے اور یہ قدرت سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے جبھی اس نے خود کو حلم کے ساتھ متصف کیا ہے۔ فرمایا:

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ عَلِيْمٌ. (البقرہ:۲۲۵)

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ. (آل عمران:۱۵۵)

اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا. (بنی اسرائیل:۴۴)

یعنی بے شک اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی ''یا رسول اللہ مجھے نصیحت فرمائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''غصہ نہ کر۔''

اسی طرح ارشاد فرمایا:

''پہلوان وہ نہیں جو لوگوں کو کشتی میں بچھاڑ دے بلکہ وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔''

(امام بخاری، کتاب الادب باب الحذر بن الصغف)

■ دسمبر 1992ء کو جب ہندوستان میں بابری مسجد کو شہید کیا گیا تو اس کے جواب میں ہمارے ملک میں جس طرح

اقلیتوں کو نقصان پہنچایا گیا اور مندروں کو مسمار کیا گیا وہ ہرگز ہماری مذہبی تعلیمات سے میل نہیں کھاتا اور یہی وہ حالات ہیں جب ہم قدرت رکھتے ہوئے بھی انتقام نہ لیں اور اپنے غصے پر قابو رکھیں تو اس انعام کے حقدار بھی بن سکتے ہیں جس کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص باوجود قدرت کے غصہ کو ضبط کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن سب کے سامنے بلا کر انعام خاص کا مستحق ٹھہرائے گا۔'' (ترمذی ابواب البر والعلہ باب ماجاء فی کثرۃ الضعف)

اور یہی وہ رویہ ہے جس کے ذریعے ہم مذہبی انتہا پسندی کے عفریت کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

معاشرے میں اقلیتوں کے حقوق اور اس کی پاسداری:

اسلام ہمیں تحمل اور رواداری کی تعلیم دیتا ہے۔ صدیوں سے مسلمان دنیا بھر میں مذہبی رواداری کا مظاہرہ کرتے آئے ہیں جس کی مثال ملنا مشکل ہے جب اسلام کی حکومتیں عروج پر تھیں تو دیگر مذاہب کے لوگوں کو کسی مداخلت کے بغیر اپنے مذہبی امور پر عمل کرنے کی آزادی تھی اگر کسی مسئلہ کی وجہ سے کسی جھگڑے کا امکان ہوتا تو مسلمان اس کی روک تھام کیلئے ہر ممکن کوشش کرنا چاہئے اس کے نتیجے میں فریق مخالف کو کچھ رعایتیں ہی کیوں نہ دینا پڑتیں۔ اسلام درحقیقت عقیدے اور فکر کی آزادی کا پرچار کرتا ہے۔

اسلام اقلیتوں کے حقوق کی پاسداری کرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذمیوں کے حقوق کی پاسبانی فرمائی۔ میثاق مدینہ کی ایک شق ملاحظہ ہو۔

''اگر کسی یہودی پر کوئی ناحق تہمت لگائے تو اس یہودی کو خدا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت حاصل ہوگی۔''

اس سے بڑی مثال اقلیتوں کے حقوق کی پاسداری کی کیا ہوگی۔

میثاق مدینہ کے بارے میں منٹگمری واٹ کو کہنا پڑا:

This treaty helped to mantain peace in the oasis
(Montgomery Watt, *Muhammad Prophet and Statesman* p-95-96)

دی آکسفورڈ انسائیکلو پیڈیا آف دی اسلامک ورلڈ میں فاضل مقالہ نگار ذمیوں یا اقلیتوں کے بارے میں لکھتا ہے:

Islam has a much better record than other civilizations particularly the west

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذمیوں کو مندرجہ ذیل حقوق عطا فرمائے۔

1- سیاسی حقوق
2- معاشرتی حقوق

3- معاشی حقوق

اسلام اقلیتوں کے حقوق کی پاسداری کرتا ہے۔

1- اقلیتوں کو زبردستی مسلمان نہیں کیا جاسکتا۔

2- درج ذیل معاملات میں وہ آزاد ہیں۔

دین، عبادات، قانونی معاملات، دیگر امور مثلاً ان کا عائلی نظام و معاشرت وغیرہ۔

انہیں معاشرے میں عزت و وقار حاصل ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودی کے بچے کی بیمار پرسی فرمائی جب یہودیوں کا کوئی جنازہ گزرتا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو جاتے تا کہ ان سے ہمدردی کا اظہار ہو۔

زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے ایک اقلیتوں پر بھی خرچ ہوسکتا ہے۔ ان کے معاشی حقوق بھی محفوظ ہیں۔

ان کے کلچر اور زبان کو تحفظ حاصل ہے۔

انہیں قانون میں مکمل تحفظ ہے مثلاً اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل یا زخمی کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے گا اگر کوئی مسلمان کی شراب یا آلات موسیقی کو خراب کر دے یا ضائع کر دے تو مسلمان اس کی قیمت ادا کریں گے۔

مدینہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود سے جو معاہدہ کیا اس میں صاف صاف درج تھا کہ:

''یہود کو ہر طرح کی مذہبی آزادی ہوگی۔ مذہبی امور سے کوئی تعارض نہیں کیا جائے گا۔ مسلمان اپنے دین پر اور یہود اپنے دین پر رہیں گے۔''

ذمی کو جان و مال کا تحفظ حاصل ہے۔ ان کی عبادت گاہیں محفوظ ہیں۔ جنگ میں بھی پجاریوں اور راہبوں پر تلوار اٹھانا جائز نہیں۔ جہاں تک سیاسی حقوق کا تعلق ہے تو ذمی اسلامی ریاست میں سربراہ مملکت نہیں بن سکتا البتہ باقی عہدے حاصل کر سکتا ہے۔

بقول مولانا مودودیؒ:

''ذمیوں کی عزت و وقار ایک اسلامی ریاست میں محفوظ ہے نہ تو ان سے کوئی بدسلوکی کی جا سکتی ہے نہ ان کی توہین کی جاسکتی ہے۔'' (اسلامی ریاست، صفحات ۵۸۵-۵۷۲)

غرضیکہ مذہب اسلام اقلیتوں کو وہ تمام حقوق عطا کرتا ہے جو انہیں سکون قلب اور احترام کا احساس مہیا کرسکیں ان میں ریاست سے وفاداری کا جذبہ پیدا کرسکیں اور یہی وہ چیز ہے جو اقلیت اور اکثریت میں انتہا پسندی اور نفرت کے بجائے احساس ذمہ داری اور تحمل و بردباری پیدا کرسکتی ہے۔

مذہبی رواداری:

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے کہ

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْتَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۔ (البقرہ)

دین کے بارے میں کوئی زبردستی اور جبر نہیں۔ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔ (جس کا جی چاہے قبول کرے جس کا چاہے نہ کرے)

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل نجران کے عیسائیوں کو اپنے طریق پر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نماز ادا کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور فرمایا:

''ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو چنانچہ انہوں نے مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جبکہ مسلمان رخ کعبہ کی طرف کر کے نماز پڑھتے رہے۔'' (ابن ہشام ۴۔۵)

انسان کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے عقل و دانش عطا فرمائی ہے تو دین اسلام انسان کو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے انسان اس وسیع وعریض دنیا اور پوری کائنات کی تخلیق پر غور کرے گا تو پکار اٹھے گا کہ اس کائنات کا خالق و مالک ایک ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ سے ثابت ہے کہ دین اسلام جبر کے ذریعے نہیں پھیلا۔ حتیٰ کہ قرآن پاک تو خود توحید کے سلسلے میں بھی انسان کو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ پوری اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ اسلام جبراً نہیں پھیلا بلکہ فرمایا گیا: اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَ الْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ

اور اللہ کے راستے کی طرف حکمت اور اچھے انداز میں بلاؤ۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مذہب اسلام رواداری کا سبق دیتا ہے وہ تمام انسانوں کے لئے عزت کا معیار ایک ہی قرار دیتا ہے۔

یہی وہ رواداری ہے جس کا آغاز اسلام کے اس حکم سے ہوتا ہے کہ کسی دوسرے مذہب کے پیشواؤں اور خداؤں کو برا نہ کہو۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ (الانعام)

''اور ان کے بتوں کو گالی مت دو جن کی وہ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں اگر مت ان کو گالی دو گے تو اس کے نتیجے میں اپنی کم علمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنے لگیں گے۔''

یہی وہ مذہبی رواداری ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں نظر آتی ہے کہ وہ اپنے پیارے چچا حضرت ابو طالب کو دعوت اسلام دیتے رہتے ہیں مگر وہ قبول نہیں کرتے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں مجبور نہیں فرماتے۔

اور یہی وہ مذہبی رواداری ہے جو اس حکم میں نظر آتی ہے کہ

''کسی مسلمان کو اجازت نہیں کہ وہ دیگر مذاہب میں مداخلت کرے۔''

اور یہی وہ رواداری ہے جو عظیم مغل بادشاہ بابر کی وصیت میں نظر آتی ہے کہ:

1- تم مذہبی تعصب کو اپنے دل میں جگہ مت دینا اور لوگوں کے مذہبی جذبات کا خیال رکھنا۔

2- گاؤ کشی سے بالخصوص پرہیز کرنا۔

3- تمہیں کسی قوم کی عبادت گاہ مسمار نہیں کرنی چاہئے۔

بابر کا یہ وصیت نامہ کوئی نیا اعلان نہیں تھا بلکہ اسلام شروع سے ہی مذہبی رواداری اور اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔

انتہا پسند جماعتوں پر پابندی:

اس وقت دنیا میں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والی انتہا پسند جماعتوں نے مذہبی منافرت کو ہوا دی ہے۔ یہی وہ جماعتیں ہیں جو دوسرے مذاہب کے متعلق گمراہ کن معلومات فراہم کرتی ہیں اور انہیں ایک دوسرے سے متنفر کرتی ہیں۔ حال ہی میں پاکستان میں جنرل پرویز مشرف نے کچھ مذہبی انتہا پسند تنظیموں کو کالعدم قرار دیا ہے اور کچھ پر پابندی لگائی ہے اور کچھ کو زیر نگرانی رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس وقت ضرورت ہے کہ دوسرے ممالک میں بھی اسی نہج پر کام کیا جائے اور مذہبی انتہا پسندوں سے کڑی سختی سے نمٹا جائے تاہم اس ضمن میں خیال رہنا چاہئے کہ پرامن طور پر تبلیغ میں مصروف دینی جماعتوں کو اس زمرے میں شامل نہیں کرنا چاہئے۔

دینی مدارس کا صحیح استعمال:

بلاشبہ دنیا میں سب سے بڑا سوشل نیٹ ورک یہی دینی مدارس ہیں مگر دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ کچھ مدارس میں طلبہ کو سیاسی مقاصد کیلئے استعمال کرتے ہوئے انہیں دوسرے مذاہب سے متنفر کیا جاتا ہے اور عام بنیادی تعلیم سے بھی محروم رکھا جاتا ہے جس کے باعث وہ طلباء جو یہاں سے فارغ التحصیل ہوتے ہیں عملی زندگی میں حالات و واقعات کا صحیح تجزیہ نہیں کر پاتے اور انتہا پسندوں کے ہاتھوں استعمال ہونے لگتے ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انما بعثت معلم

''بے شک میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''

ضرورت ہے کہ روشن خیال علماء کو سامنے لایا جائے جو اپنے مقام کو پہچانیں اور مذہب اسلام کو مذہبی انتہا پسند نہیں بلکہ ایسے روشن خیال مسلمان دین جو نہ صرف مذہبی انتہا پسندی کے خلاف جہاد میں شامل ہوں بلکہ اسلام کی تبلیغ، ترویج و اشاعت بھی کر سکیں۔

عصبیت کا قلع قمع:

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار بڑے سخت انداز میں ارشاد فرمایا:

''وہ شخص مسلمان نہیں ہے جو تعصب کی دعوت دے۔ وہ شخص بھی مسلمان نہیں ہے جو کسی عصبیت کی وجہ

سے جنگ کرتا ہے اور وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے جو کسی عصبیت پر مرے۔"

آج کے دور میں عصبیت ہی ہے جو شیعہ کو سنی، ہندو کو مسلمان، مسلمان کو یہودی کا سر قلم کرنے پر اکساتی ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے پوچھا:

"کیا یہ عصبیت ہے کہ آدمی اپنی قوم سے محبت کرے۔"

فرمایا "نہیں! عصبیت یہ ہے کہ آدمی ظلم میں بھی اپنی قوم کی مدد کرے۔" (ابن ماجہ)

عہد حاضر میں اسلامی تحریکوں کا احیاء:

آج اگر اسلامی تحریکوں کی حکمت عملی کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ اسلامی تحریکوں کے پاس اس سوال کا واضح جواب ہی موجود نہیں ہے کہ موجودہ دور کا اصل چیلنج کیا ہے اور اس کا سامنا کرنے کیلئے انہیں کیا حکمت عملی اختیار کرنی چاہئے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی تحریکیں نئے سرے سے مذہب کی ترویج کریں۔ مختلف مذاہب میں مکالمے کو ترجیح دیں اور وہ خوف بھی غیر مسلموں کے دلوں سے نکالنا ہے جو صلیبی جنگوں سے چلا آرہا ہے اور جیسے ہوا ہمارے مذہب کے چند نام نہاد افراد نے موجودہ دور میں دی اور یہ تبھی ممکن ہے کہ جب ہم روشن خیالی کو اپنائیں۔ مذہبی رواداری کو اپنے اندر پیدا کریں اور اسلامی کو دہشت گرد نہیں انتہا پسند نہیں بلکہ امن پسند مذہب کے طور پر روشناس کرائیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ

الناس سوا سیتة کاسنان المشط الواحد الافضل لعربی علی عجمئی ولا بعجمی علی عربی ولا لا سود علی احمر ولا لاحمر علی الاسود بالتقویٰ

تمام انسان کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہیں۔ نہ تو کسی عربی کو عجمی پر نہ کسی عجمی کو عربی پر اور نہ کسی کالے کو گورے پر اور نہ کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل ہے مگر اخلاق و کردار کی پاکیزگی کی وجہ سے فضیلت دی جائے گی۔ (مشکوٰۃ شریف)

آج بین الاقوامیت اور موجودہ ترقی کی بنیاد مذہبی انتہا پسندی کا مانا جا رہا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کا مذہب اسلام اور کسی دوسرے مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مذہب اسلام تو ان تقسیموں کو تسلیم نہیں کرتا وہ تو انسان کو ایک عالمگیر وحدت کے رشتے میں پروتا ہے اور اسے ایک اکائی تسلیم کرتا ہے وہ اتنی بات مانتا ہے کہ اجتماعی زندگی کے ارتقاء اور نشو ونما کے لیے قوموں اور گروہوں کا وجود ایک معاشرتی اہمیت ضرور رکھتا ہے مگر یہ عارضی اہمیت حق و ناحق کا معیار نہیں اور نہ اس کی محبت اس درجہ ہونی چاہئے کہ دوسروں کی حق تلفی ظلم اور جارحیت کا سبب بن جائے۔

قرآن میں ہے کہ یہ عارضی تقسیم خدا کی نشانی ہے۔

غرضیکہ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں وہ تمام راستے بتاتی ہیں جو ہمیں مذہبی انتہا پسندی سے چھٹکارا دلا سکے۔

خداوند تعالیٰ ہمیں عصبیتوں سے محفوظ رکھے اور اسلام کی سربلندی کے لیے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

حوالہ جات

۱۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔جلد ششم۔علامہ سید سلیمان ندویؒ

۲۔ اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات۔مولانا مجیب اللہ ندوی

۳۔ خطبات بہاولپور۔از ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔خطبہ 12- تبلیغ اسلام اور غیر مسلموں سے برتاؤ۔صفحہ(313-299)

۴۔ اسلام کا نظام حیات۔سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں۔ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی۔

۵۔ اسلامی ریاست۔مولانا ابوالاعلیٰ مودودی۔

۶۔ المعارف

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ، تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

فرح بتول، کوئٹہ

انتہا پسندی کسی بھی معاملہ میں ہو قابل ستائش نہیں ہوتی۔ کجا یہ کہ مذہب کے نام پر کی جائے اور مذہب کو بنیاد بنا کر اپنے ذاتی و سیاسی مفاد اور اغراض حاصل کئے جائیں۔ عصر حاضر میں پوری عالم انسانیت اس انتہا پسندی کا شکار نظر آتی ہے اگرچہ پورے اقوام عالم میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان دن بدن بڑھتا جا رہا ہے، ہندومت، عیسائیت، یہودیت کوئی بھی مذہب اس سے خالی نہیں ہے لیکن جہاں کہیں بات آتی ہے بگاڑ کی، فساد کی، قتل و غارت گری اور دہشت گردی کی تو وہاں انتہا پسندی کا تمام تر الزام اور ذمہ داری مسلمانوں کے کھاتے میں ڈال دی جاتی ہے اور اس موقع پر دنیا یہ بھول جاتی ہے کہ بابری مسجد کو شہید کر کے وہاں مندر تعمیر کرنے والے بھی انتہا پسند ہیں اور سکارف لینے پر پابندیاں عائد کرنے والے بھی۔ وہ بھی انتہا پسند ہیں جو اپنے ملک میں ہونے والی دہشت گردی کو انتہائی جدید ٹیکنالوجی اور سائنس کی ہر طرح کی ترقی کے باوجود روک نہیں سکے اور الزام ہزاروں میل دور بیٹھے ایک مسلمان پر لگا کر اس کے پورے ملک کو نیست و نابود کر دیتے ہیں لیکن چونکہ وہ لوگ ''مہذب'' دنیا کے مہذب باشندے اور تہذیب یافتہ ممالک ہیں لہٰذا ان کا کوئی عیب ''عیب'' شمار نہیں ہوتا۔ کوئی برائی ''برائی'' نہیں رہتی اگر کوئی خرابی یا برائی ہے تو وہ مسلمانوں میں پائی جاتی ہے۔ مسلمانوں کا اپنے دین اور مذہب کے دفاع میں ہر اقدام دہشت گردی شمار ہوتا ہے اور مسلمانوں کو انتہا پسند کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کی صحیح تعلیمات اور سنت کے طریقوں کو چھوڑ رکھا ہے اور دن بدن زوال پذیر ہو رہے ہیں ان کی طاقت اور قوت زائل ہو رہی ہے۔ اغیار ان پر مسلط ہو رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جو اقتدار، عزت اور شرف بخشا تھا وہ ان سے چھن رہا ہے آج ہم قرآن پاک اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واضح ہدایات اور بار بار کی گئی تاکید کے باوجود افتراق و انتشار کی لعنت میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ایک خدا، ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ایک قرآن کے ہوتے ہوئے ہمارے اندر لاتعداد فرقے، گروہ اور دھڑے موجود ہیں باوجود اس کے کہ ہماری تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب بھی مسلمانوں پر کوئی افتاد پڑی اور تباہ و برباد ہوئے اس کی وجہ یہی فرقہ بندی اور تعصبات تھے۔

فرقہ واریت کی ابتداء خلافت راشدہ کے آخری حصے میں ہوئی جب فتنہ سبائیت (جو کہ ایک یہودی منافق عبداللہ ابن سبا کی بنائی ہوئی تحریک تھی) کے نتیجے میں تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت ہوئی۔ اپنی شہادت سے قبل حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے قتل کے درپے لوگوں سے (جن میں منافقوں کی چالبازی میں آ کر بڑی تعداد میں مسلمان بھی شامل تھے) اپنے قتل کی وجہ دریافت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

''یاد رکھو اگر آج تم نے مجھے قتل کر دیا تو قیامت تک نہ تو اکٹھے نماز پڑھ سکو گے اور نہ اکٹھے جہاد کر سکو گے۔''

ان کی یہ بات حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی اور ان کے خون سے نفاق کی جو لکیر کھینچی گئی اس میں مسلمانوں کا جاہ و جلال دفن ہو گیا اور آج مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ ان میں نئے نئے فرقے اور گروہ بن رہے ہیں اور ہر مسلک اور فرقے والوں کی مسجد بھی الگ ہے جہاں کسی دوسرے مسلک سے تعلق رکھنے والے فرد کی نماز نہیں ہوتی۔ ایک فریق دوسرے پر اگر گمراہی، جہالت اور شرک کرنے کا الزام لگاتا ہے تو دوسرا اس سے بڑھ کر حملہ آور ہوتا ہے اور پہلے گروہ پر کفر کا فتویٰ لگا دیتا ہے حالانکہ اسلام کی تعلیمات تو یہ تھیں کہ ''کفار کے خداؤں کو بھی برا نہ کہو۔'' اور اب مسلمانوں کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ بڑے دعوے سے دوسرے مسلمانوں کو مشرک، کافر اور ایسے ہی دیگر کئی الزامات و القابات سے نوازتے ہیں۔

اس فرقہ بندی اور انتہا پسندی میں کمی ہونے کی بجائے دن بدن اضافہ ہو رہا ہے اور یہ اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ اگر صرف انتہا پسندی کا ہی ذکر ہو تب بھی ذہن سب سے پہلے مذہبی انتہا پسندی کی طرف ہی مائل ہوتا ہے اور اسی تفرقہ بازی سے ہی اسلام دشمن عناصر بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں کیونکہ جب اسلام آیا اور دنیا میں پھیلا تو اس نے بڑی بڑی عظیم الشان اور ناقابل تسخیر حکومتوں کے تختے الٹ دیئے اور دیگر مذاہب کی نظر میں ایک حریف مذہب کے طور پر سامنے آیا اور وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ مغربی دنیا میں اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کھنچاؤ بڑھتا گیا اور کسی بھی مذہب نے اسلام کی ترقی کو دل سے قبول نہ کیا۔ انہیں جب اور جہاں موقع ملا اس دین کو اور اس کے پیروکاروں کو بھرپور نقصان پہنچانے کی کوشش کی جب خلافت راشدہ کے آخری ایام سے مسلمانوں میں فرقہ واریت کی ابتداء ہوئی اور بتدریج اس میں انتہا پسندی شامل ہوتی گئی اور اموی وعباسی دور خلافت میں تقریباً پورا عرب معاشرہ اس تفرقہ بازی کی لپیٹ میں آ گیا تو اس موقع سے غیر مسلموں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کی دن بدن پھیلتی ہوئی حکومت کے ٹکڑے کر دیئے اور انہیں جانی، مالی اور ہر شعبہ زندگی میں ایسا نقصان پہنچایا کہ جس کی تلافی آج تک نہیں ہو سکی جو اقتدار انہیں ملا تھا وہ چھن گیا اور دیگر مذاہب پر جو رعب اور دبدبہ قائم تھا یکلخت ختم ہو گیا اور اس سارے نقصان کی وجہ مسلمانوں کے اس اتحاد و اتفاق کا خاتمہ تھا جو اسلام کا منشاء اور مقصد تھا اور جس کی لڑی میں اسلام کے ابتدائی اور عروج کے زمانہ میں تمام مسلمان پروئے ہوئے تھے جب مسلمانوں نے قرآن اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ دیا تو گمراہیوں میں بھٹک کر رہ گئے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ:

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر انہیں تھامے رہو گے اور ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور وہ قرآن اور میری سنت ہے۔''

چونکہ مسلمان وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان دونوں چیزوں سے دور ہٹتے گئے لہٰذا انہیں اس کے سنگین نتائج و اثرات بھی بھگتنا پڑے لیکن مسلمانوں نے کسی سانحہ سے کوئی سبق حاصل نہ کیا حالانکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ اس واقعہ سے سبق حاصل کر کے اپنا کھویا ہوا اتحاد و اتفاق دوبارہ قائم کرتے۔ شریعت کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے اور معمولی اختلافات کو بھلا کر محبت اور یگانگت کی وہ فضاء قائم کرتے جو مذہب اسلام کا مقصد ہے لیکن مسلمان قرآن اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور

ہوتے گئے اور اسلام کے فلسفہ اخوت و اتحاد کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ مذہب اسلام جو امن و سلامتی کا داعی اور انسان دوستی اور رواداری کا پیامبر ہے اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ آج اس کے ماننے والے دنیا بھر میں خواہ کہیں بھی ہیں مسلسل پریشانی، اضطراب، تشویش اور گویا خوف کی حالت میں ہیں اور ان تمام پریشانیوں اور مسائل کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم نے اس کلمہ حق کی مشعل کو بلند رکھنے میں کوتاہی کی اور اس نظام حق کو جو اخوت، محبت، بھائی چارے اور مل جل کر اتفاق سے رہنے کا درس دیتا ہے، تفرقہ بازی اور فرقہ بندیوں سے بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔

اسلام تو ایک ایسے معاشرے کا تصور پیش کرتا ہے جس کی بنیاد توحید پر ہو۔ خاندان، قبائل، رنگ و نسل کے تمام امتیازات کو ختم کرتا ہے، مل جل کر محبت سے رہنے کی نہ صرف تاکید کرتا ہے بلکہ خود پیار محبت بڑھانے کے کئی طریقے بتاتا ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ:

''مسکین کو کھانا کھلاؤ اور ہر شخص کو سلام کرو خواہ اسے جانتے ہو یا نہ جانتے ہو۔''

انفرادی طور پر نماز پڑھنے کے مقابلے میں باجماعت نماز کی فضیلت بیان کی، ہمسائیوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے اور انہیں خوش رکھنے کی تاکید کی۔ خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم ہمسائیوں کے حقوق پورے کرنے کی تلقین کی۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مشترک ہمسائیوں کا بے حد خیال رکھا کرتے تھے۔ دوستوں اور رشتے داروں سے صلہ رحمی کرنے کا حکم دیا اور فرمایا:

''ایک دوسرے کو تحائف دیا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے۔''

غرض یہ کہ ہر تعلیم ہر سبق اسلام کا اتفاق، اتحاد اور بھائی چارے کا ہے جس میں کہیں بھی گروہ بندی کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ یہی مسلمانوں کی کامیابی کا وہ راز اور یہی وہ طاقت تھی جس کے بل بوتے پر انہوں نے دنیا کے ایک بڑے حصے پر طویل عرصہ تک شاندار حکومت کی لیکن جب اسلام دشمن عناصر نے اس راز کو پالیا تو مسلمانوں کو مغلوب کرنے کیلئے اسی طاقت پر کاری ضرب لگا کر عرب وعجم، وطنیت، قومیت، نیشنل ازم اور فرقہ بندی جیسے خوش نما نعروں کے ذریعے مسلم امہ کو گروہوں میں تقسیم کر کے ان کی ایسی کمر توڑی کہ آج مسلمان کثیر افرادی قوت اور بے شمار وسائل ہونے کے باوجود دوسروں کے دست نگر ہو گئے۔ دنیا کو انداز جہاں بانی سکھانے والے عالمی سامراج کے انداز سیاست کا شکار ہو کر اپنے آپ پر بھی اختیار کھو بیٹھے اور حالت یہاں تک آ پہنچی کہ مسلمان ایک اسلامی ریاست کے شہری ہونے کے باوجود امن اور سکون سے نماز تک ادا نہیں کر سکتا۔ مسلح سپاہیوں کے پہروں میں نماز ادا کرنے کے باوجود کہیں فائرنگ سے بے گناہ نمازی مارے جاتے ہیں تو کہیں بم دھماکے سے امام بارگاہ مقتل گاہ بن جاتی ہے اور پھر ایسی تمام کارروائیوں کا الزام کسی مخالف فرقہ کی تنظیم پر عائد کیا جاتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آج تک کوئی مذہبی جماعت اس میں واقعتاً ملوث پائی گئی؟ یا یہ ثابت ہوا کہ کوئی مذہبی رہنما اپنے مخالفین کو قتل کرنے کا اپنی جماعت کو درس دیتا ہو؟ یا ایسی کوئی تربیت دیتے ہوئے کوئی جماعت پکڑی گئی ہو؟ یقیناً جواب نفی میں ہوگا کیونکہ اسلام اپنے ماننے والوں اور کلمہ گویوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے وہ ہرگز اس پر ظلم نہیں کرتا، اس کی مدد سے دست بردار نہیں ہوتا اور اس کو

حوادث کے مقابلے میں تنہا نہیں چھوڑتا۔''

اور یہ حقیقت ہے کہ مسلمان لاکھ نظریاتی اختلافات کے باوجود دوسرے مسلمانوں کے جانی دشمن نہیں بنتے محض ثانوی قسم کے فقہی مسائل کے نظریاتی اختلاف کی بناء پر اور اسکی واضح مثال کسی بھی دہشت گردی کے واقعے میں نظر آتی ہے جب کوئی بھی شیعہ سنی یا وہابی نہیں ہوتا بلکہ صرف مسلمان ہونے کے ناطے متاثرین اور زخمیوں کی ہر طرح سے مدد کرنے کو ہر شخص تیار ہوتا ہے اور یہ بات بھی سب جانتے ہیں کہ ایسے واقعات میں کس کا ہاتھ ہوتا ہے؟ کون لوگ یہ کام کرتے ہیں؟ اور ان کے عزائم کیا ہیں؟ لیکن اتنی واضح صورتحال کے باوجود کوئی مذہبی جماعت یا ان کا رہنما یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ فرقہ واریت اور گروپ بندیوں میں کس کا نقصان اور کس کا فائدہ ہو رہا ہے؟ اور ہمیں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معاملے میں کیا تعلیم دی تھی؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

''مومنوں کی مثال آپس کی محبت اور وابستگی اور ایک دوسرے پر رحم وشفقت کے معاملے میں ایسی ہے جیسے ایک جسم کی حالت ہوتی ہے کہ اس کے کسی ایک عضو کو بھی تکلیف ہو تو سارا جسم بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔'' (بخاری ومسلم)

فرقہ واریت کا یہ کینسر آج مسلمان علماء سے عوام کے اندر گہرائی تک سرایت کرتا جا رہا ہے اور وہ عوام جنہیں معاشی مسائل اور دیگر پریشانیوں سے فرصت نہیں ملتی وہ بڑے شوق اور رغبت سے ان فقہی مسائل اور اپنے مسلک کی خوبیوں اور دیگر کی خامیوں پر بحث کرتے نظر آتے ہیں۔ ہر شخص خواہ اسلام کے بنیادی ارکان جانتا ہو یا نہ نماز روزے اور دیگر روزمرہ کے دینی فرائض کو پورا کرے یا نہ کرے لیکن اپنے مسلک کی تبلیغ اتنے مدلل انداز میں کرتا ہے گویا اس سے بڑا عالم اور مذہبی رہنما اور کوئی نہیں اور اس طرح دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کرتا ہے اور یوں اس فرقہ بندی کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

اسلام اور شریعت ہمیں براہ راست قرآن وسنت سے راہنمائی کرنے کی دعوت دیتی ہے اور صاف اور سیدھا راستہ بتاتی ہے جو ہر قسم کے پیچ وخم سے پاک ہے اور قرآنی احکامات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا تاکہ اس کی روشنی میں ہر شخص صراط مستقیم کی طرف رہنمائی حاصل کر سکے۔

اسلام کے بنیادی عقائد پر کسی فرقے کا نہ تو کوئی اختلاف ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اختلافات صرف ثانوی قسم کے ان مسائل پر ہے جن کے نصوص قرآنی میں مختلف پہلو نکلتے ہیں۔ ان اختلافات اور ان کی شدت پر صحیح اسلامی تعلیمات یعنی براہ راست قرآن وسنت سے اگر رہنمائی حاصل کی جائے تو قابو پایا جا سکتا ہے کیونکہ ان اختلافی مسائل میں سے اکثریت ان مسائل کی ہے جن پر خاموشی اختیار کرنا ہی انسان کے حق میں بہتر ہے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی مسائل نہایت تفصیل سے بتائے اور کئی مسئلوں پر خاموشی اختیار فرمائی جبکہ صحابہ کرامؓ کو باریک بینی سے چھان بین کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جتنی تفصیل سے وضاحت فرما دیتے ان کے لئے وہی کافی تھا اگر کبھی کسی نو مسلم صحابیؓ سے یہ غلطی ہوتی بھی کہ بار بار ایک ہی مسئلے پر مختلف سوالات کئے تو قرآن پاک میں اس کی صراحت سے ممانعت آ گئی خصوصاً سورہ مائدہ:

میں یہ حکم آیت نمبر 101 میں موجود ہے لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ جب اسلام دور دراز علاقوں تک پہنچتا گیا اور صحابہ کرامؓ کا گروہ جنہوں نے خود دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیض حاصل کیا تھا، آہستہ آہستہ دنیا سے رخصت ہونے لگے اور نومسلموں کی تربیت ان خطوط پر نہ ہوسکی جن پر صحابہ کرامؓ یا تابعین کی ہوئی تھی لہٰذا ان کی تربیت میں کئی جھول اسلام قبول کرنے کے بعد بھی باقی رہے۔ جس کی وجہ سے انہوں نے ہی ہر مسئلہ پر بال کی کھال اتارنے اور نئی نئی افترا پردازیاں اور نت نئے مسائل ایجاد کرنے کا آغاز کیا اور دوسرا اسی زمانہ میں یونانی علوم خصوصاً فلسفہ اور علم الکلام کا رواج عام ہو چکا تھا اور ان مسائل کو عقلی دلائل سے ثابت کرنے کی کوششیں ہونے لگیں۔ ان مسائل میں ابتداً جبر وقدر، ذات وصفات باری تعالیٰ، رویت باری تعالیٰ، خلق وغیر خلق قرآن جیسے مسائل شامل ہوئے جن میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا اور ذات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بھی نور یا بشر حاضر وناضر ہیں یا نہیں جیسے مسائل شامل ہوتے گئے اور اسلام جو ایک نہایت سادہ اور آسان راہ عمل پیش کرتا تھا اس کو ایسے مسائل پیدا کر کے پیچیدہ بنا کر عوام کو بھی ان میں الجھا کر رکھ دیا گیا۔

سادگی، امن، سلامتی، محبت اور اتفاق، رحم دلی، حقوق العباد اور دیگر اسی طرح کی بے شمار خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے 23 برس کے قلیل عرصہ میں، صدیوں کے انتشار پسند عرب قبائل کو اسلام نے متحد ومتفق کر دیا اور وہی جاہل قومی جو ''پانی پینے پلانے اور گھوڑا آگے بڑھانے'' پر ہونے والے معمولی جھگڑوں کو اتنا بڑھاتے کہ نسلوں تک ختم نہ ہوتا، اس طرح متحد ہو کر ابھرے کہ ساری دنیا پر چھا گئے۔

آج مسلمانوں سے وہی اتحاد ختم ہوتا جا رہا ہے اور معمولی اور غیر اہم اختلافات کی بناء پر گروہوں میں تقسیم در تقسیم ہوتے جا رہے ہیں۔ کوئی فریق دوسرے سے کسی نقطہ اعتراض پر جھکنے یا پیچھے ہٹنے پر تیار نہیں ہوتا حالانکہ ایسا موقع جہاں معمولی اختلافات بڑھنے کا اندیشہ ہو وہاں اپنے درست اور جائز موقف سے دستبردار ہونے کی مثال حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر اس وقت پیش کی جب عہد نامہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' مٹانے پر مشرکین بضد تھے اور کوئی صحابیؓ اس پر آمادہ نہ ہوا تو تلخی بڑھنے سے قبل ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ سے اپنا نام قلم زد کر دیا لیکن آج کے مسلمان ایسی تمام روشن مثالوں کے باوجود اختلافی مسائل میں انتہا پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فریق مخالف کو قائل کرنے بلکہ بچھاڑنے کی کوشش کرتے ہیں اور شریعت کی وہ تمام تعلیمات بھول جاتے ہیں جن میں انسان کو اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نہ صرف دنیاوی بلکہ دینی معاملات میں بھی معتدل رہنے کا حکم ہے۔

عبادت جو مذہب کا اولین مقصد ہوتا ہے اس میں بھی یہی حکم ہے کہ دین اور دنیا کو ساتھ ساتھ لیکر چلو، دنیا میں رہتے ہوئے اس سے کنارہ کش ہوئے بغیر آخرت کو مدنظر رکھو اور عبادت اور دینی فرائض کے ساتھ دنیاوی فرائض اور حقوق بھی احسن طریقے سے پورا کرو۔ ہمارے مذہب اسلام کی تو یہ تعلیمات ہیں جن میں کسی پہلو سے بھی انتہا پسندی کی جھلک نظر نہیں آتی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ:

''جس چیز میں نرمی ہوتی ہے وہ اسے زینت دیتی ہے اور جس چیز سے نکال لی جاتی ہے اسے عیب والا کر

دیتی ہے۔"

اب اگر کوئی شخص اس مذہب کا پیروکار ہونے کا دعویدار ہوتے ہوئے کٹر پن کا مظاہرہ کرتا ہے تو اپنی دنیا اور آخرت تو داؤں پر لگاتا ہی ہے دوسرے کئی لوگوں کو بھی گمراہ کر دیتا ہے اور پوری قوم کو اس کے برے اثرات بھگتنا پڑتے ہیں۔ ملت کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی جاتی ہے اور دیگر عناصر اور اقوام کو غالب آنے کا سنہری موقع مل جاتا ہے حالانکہ اسلامی تعلیمات اس سے بالکل متضاد ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔"

ان ارشادات گرامی کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مطہرہ میں سو سے زائد امن کے معاہدے میثاق مدینہ اور صلح حدیبیہ جیسے عظیم امن کے چارٹر موجود ہیں اس کے باوجود فرقہ بندیوں میں مسلمان ایسے جکڑے ہوئے ہیں اور پھر اس میں انتہا پسندی کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں کہ کوئی بھی نقصان اور بڑے سے بڑا سانحہ بھی انہیں سنبھلنے کا موقع نہیں دیتا اگرچہ ہر چھوٹے بڑے سانحہ کے بعد اس کی نہایت پرزور مذمت اور مسلمانوں کی وحدت اور دشمنوں کی سازشوں کا نعرہ بلند ہوتا ہے۔ علماء کرام نہایت پرجوش تقریریں کرتے ہیں لیکن آج تک کتنے لوگ ہیں جو اس فرقہ واریت کی فضاء سے باہر نکلے؟ کتنی مذہبی جماعتیں ہیں جنہوں نے تمام اختلافات کو بھلا کر اتحاد و اتفاق سے رہنے اور فرقہ بندی کو چھوڑنے اور ختم کرنے کا عہد کیا؟

حقیقت تو یہ ہے کہ جب تک مسلمان صحیح معنوں میں تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن پاک کے بتائے ہوئے طریقے اور راستے کو نہیں اپناتے نہ ان کو دنیا میں سکون مل سکتا ہے اور نہ ان اختلافات کی وجہ سے آخرت کی کامیابی۔ راہ ہدایت پر چلنے اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعویٰ کرنے والوں کے پاس اب بھی وقت ہے کہ وہ اس مسئلہ کی سنگینی کو سمجھیں اور انتہا پسندی اور کٹر پن کو چھوڑ کر اعتدال کی وہ راہ اپنائیں جس کی تعلیم ہمارا مذہب دیتا ہے تاکہ تاریخ اپنے آپ کو نہ دہرائے اور اغیار کو غالب آنے کا موقع نہ ملے کیونکہ تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی مسلمانوں کو اغیار نے مغلوب کیا اس کی وجہ ان کے باہمی اختلافات اور خانہ جنگی ہی تھی۔

اللہ تعالیٰ ہر طرح کے مصائب وفتن سے مسلمانوں کی حفاظت فرماتے ہوئے انہیں قرآن وسنت اور شریعت کے مطابق پرامن، بقائے باہم اور احترام وتکریم انسانیت کے ساتھ صبر وتحمل اور ضبط و برداشت کے اصولوں کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین)

مذہبی انتہا پسندی اور اس کا خاتمہ،
تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

نور جہاں بنت احمد عرب، کراچی

انتہا پسندی کے معنی:

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں۔ انتہاء پسندی کے معنی حد سے گزر جانا، توازن برقرار نہ رکھنا، میانہ روی اختیار نہ کرنا یا اعتدال سے کام نہ لینا ہیں۔

دنیا کے کسی بھی مذہب کے بانی نے مذہبی انتہا پسندی کی تعلیم نہیں دی مگر ہر مذہب میں کچھ ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جو جذباتی طور پر انتہا پسند ہوتے ہیں۔ ایسے ہی جذباتی لوگوں کے جذبات کو مزید ابھارنے کے لئے کچھ موقع شناس مذہبی اور سیاسی رہنما کہیں اپنی مذہبی برتری جتانے کیلئے اور کہیں اپنی سیاست چمکانے کی خاطر انہیں اپنا آلہ کار بنا لیتے ہیں یا پھر دوسری وجہ یہ کہ کچھ لوگ صرف اپنی شہرت و ناموری اور دنیاوی دولت کی خاطر ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاتے ہیں اور اسی مذہبی انتہا پسندی کی بناء پر ایک ہی مذہب کے لوگ کئی کئی فرقوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں اور پھر ان فرقوں کے درمیان نفرت و عداوت کے جذبات کچھ اس طرح ابھارے جاتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں۔

مثلاً: ہندوؤں میں کئی فرقے ہیں۔ برہمن، شودر وغیرہ، عیسائیوں کے فرقے رومن کیتھولک اور پروٹیسٹنٹ، مسلمانوں کے دو بڑے فرقے سنی اور شیعہ ہیں اور یہ تمام مذہبی فرقے مذہبی انتہا پسندی کی وجہ سے آپس میں دست و گریبان ہو جاتے ہیں۔

اب ہمیں یہ جائزہ لینا ہے کہ مذہب اسلام میں مذہبی انتہا پسندی کس حد تک پائی جاتی ہے؟ یا یہ کہ کیا ہمارا دین ہمیں مذہبی انتہا پسندی کی اجازت دیتا ہے؟ یا پھر یہ کہ اس مذہبی انتہا پسندی کے خاتمہ کیلئے رحمت عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کیا ہیں اور قرآن کریم اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس مذہبی انتہا پسندی کے بارے میں ہمیں کیا احکامات ملتے ہیں؟ اس کیلئے سب سے پہلے ہمیں یہ جاننا ہوگا کہ دین اسلام کیا ہے؟

دین الحق:

ڈاکٹر اسرار احمد لفظ ''دین'' کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں لفظ ''دین'' پر توجہ کو مرکوز کیجئے تو عربی لغت میں اس کا اساسی مفہوم بالکل وہی ہے جس میں یہ ''اساس القرآن'' یعنی سورہ فاتحہ کی تیسری آیت میں متحمل ہوا ہے یعنی بدلہ (جو لامحالہ نیکی کا اجر کی صورت میں ہوگا اور بدی کا سزا کی شکل میں)۔ آگے چل کر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ

حاصل کلام یہ کہ ''دین الحق'' سے مراد ہے ''دین اللہ'' یعنی وہ نظام زندگی جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کلی و مطلقہ

کی بنیاد پر قائم ہوا اور یہ دراصل خاتم النبین آخر المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا شدہ اتمامی وتکمیلی صورت ہے اس ''المیزان کی جو تاریخ انسانی کے مختلف ارتقائی مراحل پر قدرے مختلف ارتقائی صورتوں میں عطا ہوتی رہی تھی۔ سابق رسولوں کو علیٰ نبینا و علیھم الصلوٰۃ والسلام! اور اس اعتبار سے اس کی حیثیت ہے اس نظام عدل اجتماعی کی جس میں ہر ایک کے حقوق وفرائض کا صحیح صحیح تعین کر دیا گیا ہے تا کہ لوگ قائم رہیں اس نظام قسط پر لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (الحدید ۲۵) نقوش رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمبر) صاف ظاہر ہے کہ دین اسلام دراصل جزا وسزا کا دین ہے۔

سورۃ الزلزال میں ارشاد ہوتا ہے جس نے ذرہ برابر نیکی کی وہ اسے دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی وہ اسے دیکھے گا۔ تو جس دین میں اتنا عدل اور توازن ہو کہ ایک ذرہ کی بھی کمی بیشی نہ ہو وہ دین بھلا کیسے انتہا پسندی کا دین ہو سکتا ہے؟ انتہا پسندی خواہ کسی بھی روپ میں ہو چاہے وہ مذہب، تجارت، طاقت ہو یا دولت بالآخر ایک دن انسان کو پستی میں لے جاتی ہے۔

عرب کے معاشرے ہی پر نظر ڈالیں۔ ظہور اسلام سے قبل پورا عرب انتہا درجے کی جہالت اور گمراہی میں مبتلا تھا۔ لوٹ مار، قتل وغارت گری کا بازار گرم تھا۔ بے حیائی اور شراب نوشی عام تھی۔ بقول حالی:

وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بیباک جیسے

اور قریب تھا یہی انتہا پسندی ان کو لے ڈوبتی کہ رب کریم کو ان کی حالت زار پر رحم آیا اور اس کا دریائے رحمت جوش میں آ گیا پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان کی کایا پلٹ گئی۔ میں سمجھتی ہوں کہ اہل عرب اس خطہ زمین پر یقیناً ایک بے مثال قوم ہیں جن کو زوال کے بعد ایسا عروج نصیب ہوا کہ روئے زمین پر جس کی مثال نہیں ملتی ورنہ عموماً ہوتا تو یہی ہے کہ جو قوم اپنی جہالت اور گمراہی کی انتہا کو پہنچی تو ایک وقت وہ آیا کہ اس قوم کا نام ونشان ہمیشہ کیلئے صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ چاہے وہ قوم عاد ہو یا ثمود، قوم لوط یا نوح یہ یقیناً قرآن کا اعجاز ہے اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخلصانہ کوششوں اور بے لوث دعاؤں کا ثمر ہے کہ عربوں کی زندگی میں ایک انقلاب برپا ہو گیا اور وہ قوم جو ذلت ورسوائی کے عمیق گڑھے کے کنارے پر کھڑی تھی کتاب الٰہی کی تعلیمات سے بہرہ مند ہو کر اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تربیت پا کر انسانیت کے بام عروج پر پہنچ گئی اور پھر اسی قوم نے کتاب وسنت کی تعلیم وتبلیغ کے ذریعہ دنیا کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا! ہر ایک کام میں اوسط اور درمیانہ درجہ اچھا ہے۔ دراصل عملی زندگی میں اعتدال وتوازن ہی اسلام کا منشاء ہے انتہا پسندی کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پسند نہیں فرماتے۔

سید سلیمان ندوی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بیان فرماتے ہیں کہ اس دنیا کی نجات صرف اعتدال میں ہے

جب کبھی مزاج انسانی کی طرح اس کے ان عناصر میں جن سے اس کی ترکیب ہوئی ہے افراط وتفریط پیدا ہوگی روئے زمین پر فساد رونما ہوگا، انسانی جماعتوں اور قوموں میں بھی یہ ترازو جب اعتدال کے معیار پر پوری نہ ہوگی کبھی دونوں پلے برابر نہ ہوں گے۔

آسمان سے زمین تک ایک ایک ذرہ اعتدال کی ترازو میں تلا ہوا ہے۔ کیمسٹری اور علم الفلک کا واقف کار اس ترازوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور حیرت کرتا ہے کہ کہیں ایک ذرے کی کمی بیشی نہیں ہے جس طرح اس مادی دنیا میں یہ حیرت انگیز توازن ہے، ٹھیک اسی طرح روحانی اور اخلاقی دنیا میں بھی توازن کی ضرورت ہے۔ عقائد ہوں کہ عبادات، اخلاق ہوں کہ معاملات اسی توازن کا نام حق اور عدل ہے۔

ترجمہ:

اور آسمان کو اونچا کیا اور ترازو رکھی کہ اس ترازو میں کمی بیشی نہ کرو اور تول کو ٹھیک رکھو اور ترازوں کو گھٹاؤ نہیں۔ (سورہ رحمٰن)

''بے ارادہ دنیا کی میزان کا نام قانون فطرت ہے اور بالا رادہ دنیا کی میزان کا نام ''قانون شریعت'' ہے، بے ارادہ دنا کا نام نظام عدل اسی خدائی میزان فطرت سے چل رہا ہے اگر اس میزان میں ایک ذرہ بھی کمی بیشی ہو جائے تو عالم کا نظام درہم برہم ہو جائے اسی طرح دنیا کی سکینت، طمانیت اور امن وامان کا نظام اسی میزان شریعت کے ذریعے قائم ہوسکتا ہے اگر یہ نہ ہوتو اس کے نظام کا درہم برہم ہونا بھی لازمی ہے۔''

مذہب میں زبردستی نہیں:

اگر ہم دین اسلام کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اسلام میں مذہب کا سبؑ سے اہم اور اولین جزو ایمان ہے اور ایمان کے معنی یقین ہیں۔ اہل یورپ کا یہ عام دعویٰ ہے کہ دنیا میں اسلام صرف اور صرف بزور شمشیر پھیلا ہے مگر اس حقیقت سے ہم اور آپ کیا پوری دنیا واقف ہے کہ طاقت یا تلوار کے زور پر ہم کسی کے لوح دل پر یقین کا کوئی حرف نقش نہیں کر سکتے۔

قرآن مجید میں واضح الفاظ میں ارشاد ہوتا ہے: ''دین میں کوئی زبردستی نہیں ہدایت گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔'' (سورۃ البقرۃ)

قرآن کریم میں ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ:

اور کہہ دے کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے تو جو چاہے قبول کرے اور جو چاہے انکار کرے۔ (کہف ۴)

قرآن کریم میں ایک آیت بھی ایسی نہیں جس میں کافر کو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم ہو اور نہ ہی حیات طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہمیں کوئی ایسی مثال یا واقعہ نظر آتا ہے۔

دین اسلام تو دراصل سلامتی کا دین ہے اور اس کی تعلیمات تو یہ ہیں کہ ''کفار کا محارب فریق صلح کیلئے جھکے تو تو بھی جھک جا۔'' (سورۃ انفال۔۸)

اسلام نے تو ان مشرکوں سے بھی جو ہمارے کسی دوست مشرک قبیلے کے دوست ہوں اور ہم سے صلح و آشتی کے ساتھ رہنا چاہتے ہوں لڑنے کو منع کیا۔

ترجمہ:

تو اگر وہ تم سے کنارہ پکڑیں پھر نہ لڑیں اور تمہارے سامنے صلح کی طرح ڈالیں تو اللہ نے تم کو ان پر حملہ کرنے کی راہ نہیں دی۔ (انبیاء۔۱۲)

اسی طرح مسلمانوں کا ایک دوسرے پر تلوار اٹھانا جائز نہیں بلکہ کفر کا موجب ہے۔

صلح حدیبیہ اور میثاق مدینہ دونوں معاہدے مذہب اسلام میں انتہا پسندی کی نفی کرتے ہیں گو کہ صلح حدیبیہ کی چند شرائط سراسر مسلمانوں کے حق میں نہیں تھیں مگر رحمت کون و مکان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں مذہبی انتہا پسندی کا ثبوت نہیں دیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مذہب اسلام ہمیں انتہا پسندی کا درس نہیں دیتا بلکہ عدل و انصاف، صبر و تحمل، محبت و اخوت اور مساوات کا سبق سکھاتا ہے۔

آپ فتح مکہ ہی کو دیکھ لیجیے ہمیں کہیں بھی مذہبی انتہا پسندی کی مثال نہیں ملتی بلکہ عفو و درگذر، تحمل و بردباری اور رحم و کرم کی مثالیں ملتی ہیں اگر ہمارے مذہب میں انتہا پسندی ہوتی تو فتح مکہ کا دن انتقام کا دن ہوتا عام معافی کا نہیں۔ مکے میں قتل و غارت گری اور لوٹ مار کا بازار گرم ہوتا اور اس مقدس شہر کی گلیوں میں خون کی ندیاں بہہ رہی ہوتیں مگر فاتح مکہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام معافی کا اعلان فرما کر اور اپنے اعلیٰ اخلاق و کردار کا مظاہرہ کر کے صرف مکہ فتح نہیں کیا بلکہ اہل مکہ کے دلوں پر بھی فتح حاصل کر لی۔

کئے تسخیر دل اپنی صداقت سے امانت سے
ہر ایک چھوٹا بڑا پڑھنے لگا کلمہ محمدؐ کا

ذات وصفات میں انتہا پسندی سے گریز:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری حیات طیبہ میں ہمیں کہیں بھی انتہا پسندی نظر نہیں آتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ درمیانی راہ اختیار فرمائی اور لوگوں کو بھی اس کی ہدایت فرمائی۔ دین کی تبلیغ ہو یا میدان جہاد، سیاست ہو یا گھریلو زندگی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر جگہ اعتدال کا مظاہرہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ اور ہر موقعہ پر اس بات کا لحاظ رکھتے تھے کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زائد از اعتدال مدح نہ کریں۔ بار بار فرماتے تھے ''میری شان میں اس طرح مبالغہ نہ کر جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے پیغمبروں کی شان میں کیا۔'' (بخاری جلد اول)

ایک مرتبہ ایک صحابیؓ ملک شام سے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا یہ تم نے کیا کیا؟ عرض کی کہ میں نے شام میں رومیوں کو دیکھا کہ وہ اپنے مذہبی افسروں کو سجدہ کرتے ہیں تو میرا جی چاہا کہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ کروں۔ فرمایا! ایسا نہ کرو (ابن ماجہ)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شادی کے موقعہ پر تشریف فرما تھے انصار کی چند لڑکیاں گا رہی تھیں، گاتے گاتے انہوں نے یہ گانا شروع کیا دو اور ہم میں ایک ایسا پیغمبر ہے جو کل کی بات جانتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا کہ یہ نہ کہو وہی کہو جو پہلے گا رہی تھیں۔ (صحیح بخاری)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے محبوب نبی تھے اور دونوں جہاں کے بادشاہ تھے چاہتے تو ہر کام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مرضی سے انجام دے سکتے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہیں بھی انتہا پسندی کا ثبوت نہیں دیا اور نہ ہی اپنی مرضی کسی پر مسلط کرنے کی کوشش فرمائی۔ ہاں اگر حکم خداوندی ہوتا تب تو آپ ضرور ہر حال میں اس پر عمل کرتے جیسا کہ ہم صلح حدیبیہ کے موقعہ پر دیکھتے ہیں مگر اگر صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی رائے ہوتی تو صحابہ کرامؓ سے بھی مشورہ فرماتے اور اگر کسی کا مشورہ پسند آتا تو اسے قبول فرما کر اس پر عمل بھی فرماتے۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرامؓ جن جن باتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ دینا چاہتے تو پہلے پوچھ لیتے تھے کہ یا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ وحی ہے یا رائے ہے؟ جب فرماتے تھے کہ رائے ہے تو وہ اپنا مشورہ بھی پیش کرتے۔

غزوہ بدر میں ایک صحابی کی رائے قبول فرمائی۔ غزوہ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مقام پر پڑاؤ ڈالنا چاہا۔ ایک صحابہؓ نے عرض کی ''یارسول اللہ! اس مقام کا انتخاب وحی سے ہے یا رائے سے ہے؟ فرمایا محض رائے ہے تو عرض کی کہ جنگی نقطہ نظر سے یہ مقام بہتر نہیں فلاں مقام بہتر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی رائے پسند کی اور اس پر عمل بھی فرمایا۔

اس طرح غزوہ احزاب میں خندق کھودنے میں حضرت سلمانؓ فارسی کی رائے پر عمل کیا۔

فتح مکہ کے موقعہ پر انتہا پسندی سے گریز:

فتح مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بے مثال عفو و درگذر ملاحظہ فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ارشاد ہوتا ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ

اے (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے تمام عالم کیلئے آپ کو رحمت بنا کر بھیجا۔

تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس پیکر رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مکہ فتح کیا تو کہیں بھی مذہبی انتہا پسندی کا مظاہرہ نہیں کیا حالانکہ اس دن جب تمام اہل مکہ اپنے سابقہ دلدوز جرائم کے تصور سے خوف و ہراس میں مبتلا تھے۔ مشرکین میں سے آج کوئی کسی کا والی تھا نہ مددگار مسلمانوں پر جو ظلم وستم کے پہاڑ انہوں نے توڑے تھے اس کے پیش نظر ہر شخص اپنے بھیانک انجام کو سوچ سوچ کر لرزہ براندام تھا، نفسا نفسی کے اس عالم میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

''لا تثریب علیکم الیوم ط یغفر اللّٰہ لکم وھو الرحم الرحمین

کی صورت میں ایسی بے مثال فیاضی سے دشمن کو نوازا کہ تاریخ انسانی ہمیشہ محتاج مثال رہے گی۔

حالانکہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے قدم قدم پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ میں کانٹے بچھائے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کو طرح طرح کی اذیتیں دی تھیں۔ تین سال تک شعب ابی طالب میں دین اسلام قبول کرنے کی پاداش میں محصور رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے منصوبے بنائے حتیٰ کہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو یہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ مدینے پر بار بار چڑھائی کی کہ کسی طرح دین اسلام اور داعی اسلام کا (نعوذ باللہ خاتمہ کریں) جنگ بدر، جنگ احد اور جنگ احزاب برپا کی۔ اس موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبانے والی ہندہ، ان کا قاتل وحشی، عکرمہ بن ابوجہل اور صفوان بن امیہ اور ان جیسے سینکڑوں دشمنان اسلام شہر میں موجود تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج ان سے ایک ایک بدلہ چکانے پر قادر تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قدرت انتقام کے باوجود انہیں عام معافی دے دی۔

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں کھا کر دعائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں

یہ شان ہے فاتح مکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔

اب ذرا دوسرے فاتحین پر بھی نظر ڈالیئے کہ انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا؟

چنگیز خان اور ہلاکو خان کی بربریت کے واقعات سن کر یا پڑھ کر ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جنہوں نے قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا۔ انسانی سروں کے مینار بنائے اور بغداد کو تہس نہس کر کے وہاں خون کی ندیاں بہا دیں۔ ہٹلر نے کیا کچھ نہیں کیا؟ ہٹلر اور مسولین جنگی جنون اور انتہا پسندی کی وجہ سے تاریخ میں سفاک اور ظالم مشہور ہوئے اور تو اور موجودہ دور میں امریکہ نے افغانستان اور عراق میں ظلم وستم کی انتہا کر دی۔ افغانستان کو تو گویا اس نے بالکل ہی کھنڈر بنا دیا۔

عراق پر بھی اس نے راکٹوں اور میزائلوں کے ذریعہ بموں کی برسات کر دی۔ ٹی وی پر جب اس بمباری کو دکھایا جاتا تھا تو کلیجہ کانپ اٹھتا تھا اور رگوں میں خون منجمد ہونے لگتا۔ یہ جنگی انتہا پسندی آخر دنیا کو کیوں نظر نہیں آتی؟

دنیاوی اعمال میں اعتدال:

دنیاوی اعمال کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشورہ حدیث ہے ''دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔'' یعنی انسان جو اعمال دنیا میں کرے گا اس کا بدلہ اسے آخرت میں ملے گا۔ اگر نیک اعمال ہیں تو اچھا صلہ اور اگر بد اعمال ہیں تو برا صلہ۔ سورۃ نجم میں ارشاد ہوا: ''اور انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے گی۔'' دیکھیئے ان دونوں یعنی حدیث مبارکہ اور آیت قرآنی کو حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے۔ قرآنی آیت ہمیں توازن کا درس دے رہی ہے یعنی نہ بہت زیادہ نہ بہت کم۔

غزوات میں انتہا پسندی سے گریز:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جو غزوات ہوئیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں کہیں بھی مذہبی انتہا پسندی کا ثبوت نہیں دیا کیونکہ اسلام کی امن پسندی نے یہ قانون بنایا ہے کہ اگر کسی مخالف قوم سے لڑنا ہی پڑے تو بھی

میدان جنگ میں پہنچ کر صلح و آشتی کا خیال دور نہ کیا جائے بلکہ تلوار کے فیصلے سے پہلے دو باتیں ان کے سامنے رکھی جائیں۔ اول یہ کہ تم کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ اور لڑائی سے ہاتھ روک کر ہمارے بھائی بن جاؤ اگر یہ منظور نہیں تو اپنے مذہب پر قائم رہ کر ہماری سیاسی حکومت کو قبول کرلو اس صورت میں تمہاری حفاظت ہماری ذمہ داری ہوگی اگر وہ ان دو میں سے کوئی ایک بات قبول کرلیں تو ان سے لڑنا جائز نہیں۔ یہ قانون جو سرتاپا امن پسندی اور خون ریزی سے بچنے کی آخری کوشش پر مبنی ہے اس کو مخالفوں نے اس صورت میں پیش کیا ہے کہ مسلمانوں نے بزورِ شمشیر اپنے مذہب کو پھیلایا ہے حالانکہ یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے۔ اب آپ ذرا غیر مسلم قائدین اور دانشوروں کی رائے بھی ملاحظہ فرمائیں کہ وہ دین اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

غیر مسلم قائدین اور اہل قلم کی آراء:

گاندھی جی! میں پورے یقین اور وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں، اسلام نے بزور شمشیر سرفرازی و سربلندی حاصل نہیں کی بلکہ اس کی بنیاد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلوص، خودی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلبہ، وعدوں کا پاس، غلام اور دوست احباب کے ساتھ یکساں محبت آپ کی جرأت اور بے خوفی اور اللہ اور خود پر یقین جیسے اوصاف ہیں۔

ماسٹر تارا سنگھ، سکھ لیڈر ''جب کوئی مجھ سے یہ کہتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحب نے تلوار کے زور پر اسلام پھیلایا تو مجھے اس کی کم فہمی پر ہنسی آتی ہے۔

جارج ریواری کا خراج تحسین: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عظیم المرتبت پیغمبر ہیں جنہوں نے اس دنیا کی روحانی تسکین کا سامان کیا بلکہ وہ ایک ایسے ہمہ گیر معاشرتی اور بین الاقوامی انقلاب کے بانی اور معلم تھے جن کی نظیر تاریخ نے کبھی نہیں دیکھی۔

رابندر ناتھ ٹیگور: اسلام دنیا کے مذاہب میں سب سے بڑا مذہب ہے۔ نبی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام ساری دنیا کیلئے سراسر رحمت ہے دنیا کو اسی سے امن وسکون مل سکتا ہے۔

مصنف جارج برناڈ شا: میں نے ان تمام باتوں کو بغور مطالعہ ومشاہدہ کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہستی عظیم تھے اور انسانیت کے نجات دہندہ۔

اگر مذہب اسلام انتہا پسندی کا مذہب ہوتا تو ان تمام لوگوں کی اس کے بارے میں یہ رائے نہ ہوتی۔

صحابہ کرامؓ کے زمانے میں انتہاء پسندی سے گریز:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہؓ کرام نے بھی امن پسندی کے اس قانون پر عمل کیا۔ صحابہؓ کرام کے زمانے میں ایرانیوں سے جب لڑائی شروع ہوئی تو مسلمانوں نے تین روز تک میدان جنگ میں تلوار نہیں اٹھائی۔ حضرت سلمانؓ فارسی تین روز تک ان کو سمجھاتے رہے۔ (جامع ترمذی)

جنگی قیدی:

بدر کے قیدی گرفتار ہو کر آئے لیکن ان سے یہ نہیں کہا گیا کہ تلوار یا اسلام بلکہ یا تو ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا یا جو ان میں فدیہ دینے کے قابل نہ تھے مگر پڑھے لکھے تھے تو ان سے مسلمانوں کو تعلیم دینے کو کہا گیا اور جو پڑھے لکھے نہ تھے انہیں ایسے ہی رہا کر دیا گیا۔

قرآن پاک نے جنگ کے قیدیوں کے متعلق کہا (سورہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ترجمہ: لڑائی ختم ہونے کے بعد ان قیدیوں کو احسان دھر کر چھوڑ دیا فدیہ لے کر چھوڑ دو۔

ان تمام واقعات میں مذہبی انتہا پسندی کہاں نظر آتی ہے؟

ان تمام باتوں کی روشنی میں یہ حقیقت کھل کر ہمارے سامنے آ جاتی ہے ہمارا دین جو دین کامل ہے، اعتدال کا دین ہے اور یہ اعتدال زندگی کے ہر گوشہ پر محیط ہے چاہے وہ حکومت ہو یا سیاست، معاشرت ہو یا معیشت، عبادت ہو یا معاملات، جنگ ہو یا امن۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بھلا سیاست کا دین سے کیا تعلق مگر ان کا یہ خیال ہمارے نزدیک درست نہیں کیونکہ ہمارے دین میں تو سیاست بھی دین ہی کے تابع ہوتی ہے اگر ایسا نہ ہو تو بقول شاعر مشرق

جدا ہو دین سے سیاست تو رہ جاتی ہے چنگیزی

ہماری دینی تعلیمات ہمیں میانہ روی کا سبق سکھاتی ہیں جس سے مراد درمیانہ راستہ ہے کوئی بھی عمل ہو، فعل ہو یا قول اگر حد سے بڑھ جائے تو اسے انتہا پسندی کا نام دیا جاتا ہے اور یہی انتہا پسندی اکثر اوقات بڑے بڑے نقصانات کا سبب بنتی ہے۔

عبادات میں میانہ روی، مذہب اسلام نے عبادت میں بھی کہیں انتہا پسندی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ آپ نماز ہی کو دیکھ لیجئے جو ایک فرض عبادت ہے مگر اس میں بھی کتنی آسانیاں مہیا کر دی گئی ہیں مثلاً اگر کوئی شخص بیمار ہے یا کمزور تو اسے یہ اجازت دی گئی کہ اگر وہ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر پڑھے اگر بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکے تو لیٹ کر پڑھے اور اگر یہ بھی طاقت نہ ہو تو صرف اشاروں سے نماز ادا کرے۔

روزہ بھی ایک فرض عبادت ہے مگر اس میں بھی مسلمانوں پر کوئی انتہا پسندی مسلط نہیں کی گئی بلکہ اگر کوئی مریض ہے یا مسافر تو وہ بعد میں قضا روزے رکھ سکتا ہے اسی طرح دیگر عبادات میں بھی کوئی جبر یا سختی کے احکام موجود نہیں۔

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی:

فلسطین میں یہودیوں کی انتہا پسندی اپنے عروج پر ہے جس کے نتیجہ میں آئے دن بے گناہ اور نہتے فلسطینیوں کو مذہبی جنون کا نشانہ بنا کر شہید کیا جاتا ہے۔

ہندوستان میں آئے دن مذہب کے نام پر مسلمانوں کا قتل عام کیا جاتا ہے۔ ہندوؤں کی مذہبی انتہا پسندی کی حالیہ مثال بابری مسجد ہے جسے انتہا پسندوں نے مذہب کے نام پر ڈھا دیا اور اس کی جگہ رام مندر تعمیر کرنے کی مذموم کوششیں آج بھی

جاری ہیں۔

کشمیر ہندوؤں کی مذہبی انتہا پسندی کی زندہ مثال ہے جہاں کے مجبور اور مظلوم مسلمان تقریباً گذشتہ پچاس سال سے ان کے ناروا ظلم وستم کا شکار ہیں۔ سینکڑوں بچے یتیم ہو چکے ہیں، ہزاروں خواتین بیوہ ہو چکی ہیں اور نہ جانے کتنی خواتین کی بے حرمتی کی گئی ہے۔ کشمیر میں شاید ہی کوئی گھر ایسا ہو جس کا چراغ اس مذہبی انتہا پسندی کی تیز وتند آندھی سے بچ گیا ہو ورنہ تو وہاں ہر گھر میں صف ماتم بچھی ہوئی ہے اور ایک اندازے کے مطابق اب تک تقریباً ایک لاکھ کشمیری جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔

حال ہی میں ہندوستان کے صوبے گجرات میں مذہبی انتہا پسندوں نے مسلمان بچوں کو زندہ جلا دیا اور ان کی مال و املاک کو تباہ و برباد کر دیا۔

عیسائیوں کی انتہا پسندی بوسنیا میں دیکھئے۔ ایسے ایسے واقعات ہیں کہ جن کو لکھتے ہوئے انسانیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔

مندرجہ بالا ممالک میں ایسے ممالک بھی ہیں جن کی پشت پناہی آج کے وہ بڑے ممالک جو خود کو امن کا علمبردار کہتے ہیں اور مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام لگاتے ہیں کر رہے ہیں۔

اسلام ہمیں روزمرہ زندگی میں بھی ہر کام کو اعتدال میں رہتے ہوئے کرنے کا حکم دیتا ہے۔

سوویت یونین کے قبضے کے بعد افغانستان میں مسلمانوں کے سارے ہی فرقے سوویت یونین کی افواج کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے ملک کو کیمونزم کے چنگل سے آزاد کرانے کے لئے تقریباً دس سال برسرپیکار رہے مگر سوویت یونین کی شکست کے بعد یہی دھڑے آپس میں اقتدار کی خاطر دست وگریبان ہو گئے اس وقت اچانک اخبارات اور دوسرے ذرائع سے طالبان کا نام سننے میں آیا اور کابل پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ قبضے کے بعد یہ لوگ اپنے ہی بھائیوں کے ساتھ اور اپنی انتہا پسندی سے اپنے ہی بھائیوں پر زیادتی کے مرتکب ہوئے، ان کی مذہبی انتہا پسندی کی مثال اس بات سے لگائی جاسکتی ہے کہ افغانستان میں بغیر داڑھی کے کسی مرد کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔ ٹیلیویژن اسٹیشن ختم کر دیئے گئے۔ تعلیمی اداروں میں طالبات کیلئے مشکلات پیدا کر دیں۔ پردے کے احکامات نہایت سخت کر دیئے گئے۔ مذہب کے نام پر یہ جبری قوانین لاگو کئے گئے۔ کھیلوں کے میدانوں کو سزا دینے کیلئے مخصوص کر دیا گیا، سیاسی آزادی اور جمہوری اقدار کو پامال کیا گیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آج مسلمانوں میں بھی کچھ ایسے فرقے پیدا ہو گئے ہیں جنہوں نے مذہبی انتہا پسندی کا ثبوت دیا اور اسلامی تعلیمات کو غلط رنگ میں پیش کر کے جہاد کے نام پر دہشت گردی کے مرتکب ہوئے جبکہ اسلام میں فرضیت جہاد کی شرائط بیان کی گئی ہیں مگر یہ عناصر ان شرائط کو نظر انداز کر کے نوجوانوں کے جذبات کو ابھارتے ہیں اور پھر اس سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس سلسلے میں اپنی بچپن کی دوست جو مجھے اپنی بہن کی طرح عزیز ہیں ان کے بیٹے کا واقعہ نقل کر رہی ہوں۔

اس بچے کے والد دس پندرہ سال سے سعودی عرب میں مقیم ہیں اور والدہ گورنمنٹ اسکول کی ٹیچر ہیں یہ بچہ ان کی سب سے پہلی اولاد ہے اس سے چھوٹے اس کے دو بہن بھائی ہیں۔ ہمارے مذہبی رہنماؤں

نے اس بچے کا ایسا برین واش کیا کہ نہ اسے اپنی ماں کے بڑھاپے کا خیال آیا اور نہ اپنے دونوں چھوٹے بہن بھائیوں کا۔ اس نے نہ اپنی ماں کی بات مانی اور نہ پورے خاندان کی اور لاکھ سمجھانے کے باوجود یہ معصوم اور کم عمر لڑکا جہادی تنظیم میں شامل ہو کر اپنے ہی ہم مذہب بھائیوں سے جہاد کرنے کے لئے افغانستان چلا گیا۔ میں نے اپنے طور پر سمجھانے کی بڑی کوشش کی یہاں تک کہ اسے وہ حدیث بھی سنائی جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابیؓ کو جہاد میں جانے کی صرف اس وجہ سے اجازت نہ دی تھی کہ اس کی ماں بوڑھی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا'' کہ تمہارا جہاد یہی ہے کہ تم اپنی ماں کی خدمت کرو'' افغانستان کی جنگ ختم ہونے سے لے کر آج تک اس کا کوئی پتہ نہ چل کا کہ آیا وہ شہید ہو گیا یا قید کر لیا گیا؟ اس کی مجبور ماں آج تک امید و بیم کی کشمکش میں مبتلا ہے ابھی کچھ عرصہ قبل خبر آئی تھی کہ وہ شہید ہو چکا ہے۔ ماں تو پھر ماں ہے خود میرا دل بھی اس خبر پر یقین کرنے کو نہیں چاہتا آج بھی ہر نماز میں اس کی سلامتی کی دعا مانگتی ہوں۔ اس کی ماں نے بڑے حوصلے اور صبر کا مظاہرہ کیا اور واقعی وہ بہت صابر خاتون ہیں مگر ہوا یہ کہ سوچ سوچ کر ان کے دماغ میں ٹیومر ہو گیا ہے۔ آپ شاید یقین نہ کریں یہ حقیقت ہے کہ آج جب میں یہ واقعہ لکھ رہی ہوں تو اس کا معصوم اور پرنور چہرہ میری آنکھوں کے سامنے ہے جس کی عمر صرف ۲۰ سال تھی اور اس نے جوانی کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تھا کہ مذہبی انتہا پسندی کا شکار ہو گیا اور اسی واقعہ نے مجھے یہ مضمون لکھنے پر مجبور کیا۔ میں سوچتی ہوں نہ جانے کتنے معصوم نوجوان اسی طرح مذہبی انتہا پسندی کی بھینٹ چڑھ گئے یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ وہ شہید ہوئے یا ان کی قربانیاں رائیگاں گئیں۔''

کاش کہ اس وقت اعتدال کا راستہ اختیار کیا جاتا اور تعلیم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں افہام وتفہیم سے کام لیتے ہوئے سارے مسلمان دھڑوں کو اقتدار میں شامل کیا جاتا تو شاید آج امریکہ یا کسی اور جارح ملک کو افغانستان کے داخلی معاملات میں دخل دینے کی جرأت نہ ہوتی اور یوں افغان عوام کو جنگ کے نام پر کھلی دہشت گردی سے محفوظ رکھا جا سکتا تھا۔ افغانستان کے ارباب اقتدار کو یہ سوچنا چاہئے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا یہ احکامات جاری فرمائے تھے؟ کہ دوسرے مذاہب کے لوگ مدینے اور مکے میں رہنے ہی نہ پائیں؟ کیا بعد میں صحابہ کرامؓ کے ادوار میں بھی ایسا ہوا؟ اسلامی مملکت میں رہنے والے ہر مذہب کے لوگوں کی جان مال عزت وآبرو کی ذمہ داری اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ اسلام ایک جامع مذہب اور اس کی تعلیمات رہتی دنیا تک تمام انسانوں کے لئے مشعل راہ رہیں گی۔

جس طرح اللہ تعالیٰ رب العالمین ہیں اس طرح ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے صرف مسلمانوں کیلئے رحمت بنا کر نہیں بلکہ تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کا مفہوم ہے:

ایک انسان کا ناحق قتل پوری انسانیت کا قتل ہے (میرے خیال میں تو اس حدیث کی روشنی میں مسلمانوں کو یہ قطعی اجازت نہیں کہ بے گناہ انسانوں کو ناحق قتل کیا جائے۔

لہٰذا میں سمجھتی ہوں کہ خودکش حملے بھی اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں کیونکہ ان حملوں میں معصوم اور بے قصور لوگوں کی جانیں ضائع ہوتی ہیں اور یہ کوئی دینی خدمت نہیں بلکہ اس سے اسلامی ممالک اور تمام مسلمانوں کو شدید مالی و جانی نقصان پہنچ رہا ہے اور دشمنان اسلام کو مسلمانوں کے خلاف مشترکہ کارروائی کا موقعہ فراہم کیا جا رہا ہے۔

امریکہ میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر حملے میں کس کی کارروائی تھی یہ معمہ آج تک حل نہیں ہوا بہرحال اس کا خمیازہ پوری مسلم قوم کو بھگتنا پڑ رہا ہے اور دنیا میں مسلمانوں کو شک کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے۔ یہاں ایک سوال یہ بھی بار بار ذہن میں آتا ہے کہ کسی ایک فرد یا گروہ کی سزا پوری قوم کو دینا اور وہ بھی تمام اتحادیوں کے ساتھ کہاں کا انصاف ہے؟ کیا یہ مذہبی انتہا پسندی نہیں؟ یہ کہاں کی امن پسندی ہے کہ صرف چند لوگوں کو گرفتار کرنے کی خاطر پورے ملک کو تباہ و برباد کر دیا جائے، معصوم اور بے قصور لوگوں کے خون سے ہاتھ رنگے جائیں اور ان کے ملک پر ناحق قبضہ کر لیا جائے۔ کیا یہ مذہبی انتہا پسندی نہیں؟

مذہب اسلام میں تو پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ ''ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔'' وہ تو جنگوں میں فوجی دستوں کو روانہ کرتے وقت یہ ہدایت فرماتے ہیں کہ ''دیکھو عورتوں، بوڑھوں اور بچوں پر تلوار نہ اٹھانا حتیٰ کہ سرسبز درختوں کو نہ کاٹنا اور کھیتوں کو نہ جلانا اور پھر مسلمان اس پر عمل پیرا بھی رہے۔

کہاں ہیں امن عالم کے یہ جھوٹے دعویدار۔ کیا ان لوگوں نے کبھی اسلام کی ان تعلیمات پر بھی غور کیا؟ صرف دنیا میں امن کا ڈھنڈورا پیٹنے سے امن قائم نہیں ہو سکتا اس کیلئے نیک نیتی اور خلوص کی ضرورت ہے۔ یہ مخالفین اچھی طرح اس بات کو جانتے ہیں کہ دین اسلام'' دراصل حق ہے انہیں یہ خوف ہے کہ اگر یہ دین اپنی جامع تعلیمات اور خوبیوں کی وجہ سے دنیا میں پھیل گیا تو دنیا پر ان کی اجارہ داری ختم ہو جائے گی اور وہ اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔

آخر میں مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ واقعی اگر ہم دنیا کو امن و سلامتی کا پیغام دینا چاہتے ہیں اور دنیا کو گلزار امن بنانے کے خواہشمند ہیں تو آیئے آج صدق دل سے یہ عہد کریں کہ ہم اپنی زندگیاں قرآن و سنت کے سانچے میں ڈھالیں گے۔ ہمارا ہر عمل احکامات قرآنی کے تابع ہوگا اور ہم سچے دل سے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کریں گے پھر انشاء اللہ ہم یقیناً اپنے نیک مقاصد میں کامیاب و کامران ہوں گے۔ اللہ ہمارا حامی اور مددگار ہو۔

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ،
تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

ڈاکٹر قرۃ العین بدر، حیدر آباد

انتہا پسندی:

بیسویں صدی اپنی زندگی کے آخری سالوں میں چند ایسی اصطلاحات متعارف کرا گئی ہے جو مستعمل تو کئی صدیوں سے تھیں لیکن معروف صرف بیسویں صدی کے آخری دو عشروں میں ہوئی ہیں۔ ان اصطلاحات میں بنیاد پرستی، انتہا پسندی، شدت پسندی، دہشت گردی اور عالمگیریت وغیرہ زیادہ قابل ذکر ہیں۔

ہمارا آج کا موضوع انتہا پسندی کے حوالے سے ہے۔ اس لئے سب سے پہلے تو یہ طے کیا جائے کہ اس انتہائی مروج اور معروف اصطلاح کی تعریف کیا ہے۔ کیوں کہ انتہا پسندی اور اصول پسندی میں نہایت معمولی سا بلکہ نازک سا ہی فرق ہے۔ کیا جو بھی شخص اپنے اصولوں پر قائم ہے اور ان کے مطابق اپنی زندگی گزارنا چاہتا ہے اس کو بلا تکلف انتہا پسند کہا جا سکتا ہے؟......
اکیسویں صدی اور خاص طور سے گیارہ ستمبر (۹/۱۱) کے واقعہ کے بعد تو یہی رویہ اختیار کر لیا گیا ہے لیکن تاریخ انسانی گواہ ہے کہ ایسا شخص جو اپنے اصولوں پر قائم رہتا ہے اور ان کے مطابق زندگی گذارتا ہے وہ انتہا پسند نہیں بلکہ اصول پسند ہے اور ایسے افراد قابل تعریف ٹھہرتے ہیں۔ ان کی استقامت کو سراہا جاتا ہے۔ ان کی تعریف وتوصیف کی جاتی ہے اور ان کی اصول پسندی کو مثال بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ تاریخ اسلام کا بالکل ابتدائی واقعہ ''مانعین زکوٰۃ'' اس کی ایک عمدہ مثال ہے۔

نبی آخری الزماں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زمین سے پردہ فرمائے کچھ ہی عرصہ گذرا تھا اور خلافت کا بوجھ اشرف البشر بعد الانبیاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاندھوں پر تھا۔ آپؓ اپنی ذاتی زندگی میں انتہائی ذکی الحس، نرم دل، نرم خو، نرم مزاج اور صلح جو شخصیت تھے۔ حلیم ومنکسر المزاجی آپؓ کی پہچان تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد عرب کے جو قبائل مرتد ہو گئے تھے ان میں سے ایک گروہ ان لوگوں کا بھی تھا جو کہتے تھے کہ ہم نماز تو پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو بزور شمشیر اور بزور طاقت زکوٰۃ کی ادائیگی پر مجبور کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ معاملہ ان کے نزدیک شریعت کے ان واضح اور منصوص مسائل میں سے تھا جن کے بارے میں دو رائے نہیں ہو سکتی تھیں۔ اس وجہ سے اس معاملے میں انہوں نے شوریٰ تک سے مشورہ نہیں کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا رویہ یہ تھا کہ بحیثیت خلیفہ جس طرح دیگر امور شرعی مثلاً نماز، روزہ، حدود وتعزیرات وغیرہ کا نفاذ ان کی ذمہ داری ہے اسی طرح زکوٰۃ کی وصولیابی بھی اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے چنانچہ انہوں نے اپنے اسی نقطہ نظر کے مطابق یہ فیصلہ کر لیا کہ اگر یہ اسلامی بیت المال کو زکوٰۃ ادا نہ کریں تو ان کو طاقت کے زور

سے اطاعت پر مجبور کیا جائے۔

وہ اسلامی حکومت کا ابتدائی دور تھا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رخصت ہوئے کچھ ہی عرصہ گذرا تھا۔ ہر طرف ایک افراتفری کا سا سماں تھا ایسے وقت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ فیصلہ ''انتہا پسندی'' محسوس ہوا اور آپ سب نے حضرت عمر فاروقؓ کو اپنا نمائندہ منتخب کر کے حضرت ابوبکرؓ سے گفتگو کرنے کے لئے بھیجا (حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت پر اعتراض کرنے والے تاریخ کے اس اتفاق پر توجہ کریں کہ مدینے کی اس وقت کی فضاء اور ریاست میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد دوسری معتبر ترین اور برگزیدہ ہستی حضرت عمر فاروقؓ کی ہی تھی جن کو پوری امت نے متفقہ طور پر اپنا نمائندہ منتخب کیا تھا)۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس مسئلے پر پوری شرح صدر کے ساتھ گفتگو کی۔ صحابہ کرامؓ کے ذہنی تحفظات اور خدشات کا ذکر کیا۔ اس فیصلے کے نتائج اور عواقب گنوائے۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کو جو جواب دیا وہ تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھا گیا ہے۔ آپؓ نے فرمایا:

''تجھے وہ وقت یاد ہے جب تم اسلام سے عصبیت کی بناء پر اپنے عزیزوں کو قتل کرنے چل پڑے تھے، تم جاہلیت میں کتنے سخت اور متشدد تھے اور آج مسلمان ہو کر بزدل ہو رہے ہو؟ اور یہ ہلکی بات مجھے کہہ رہے ہو۔ دین کا میرے زندہ ہوتے ہوئے نقصان ہو جائے اور دین پر عمل رک جائے ایسا میرے جیتے جی نہیں ہو سکتا۔ لوگ نماز اور زکوٰۃ کا انکار کر دیں یا دین کی کسی معمولی چیز کا بھی انکار کر دیں، میں زندہ نہیں رہوں گا یا پھر اللہ کے دین کو زندہ رکھوں گا۔''

پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک حدیث پیش کی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ:

''مجھے حکم ملا ہے کہ میں تین چیزوں پر لوگوں سے جنگ کروں۔ کلمہ لا الہ الا اللہ کی شہادت پر، نماز قائم کرنے پر اور زکوٰۃ کی ادائیگی پر۔''

''پس اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں اس سے کم پر قناعت نہیں کروں گا۔ اگر یہ لوگ اس زکوٰۃ میں سے ایک رسی بھی روکیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ادا کرتے رہے ہیں تو میں اس کے لئے بھی ان سے جنگ کرتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ اللہ جو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے اگر میں ان لوگوں سے جنگ کرنے کے لئے کسی کو بھی نہ پاؤں گا تو ان سے تنہا جنگ کروں گا۔''

بعد از جنگ ابو رجاء عطاروی بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ لوگ جمع ہیں اور حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کا سر بار بار چومتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ''میں آپ کے قربان جاؤں اور اگر آپ نہ ہوتے تو ہم تباہ ہو گئے ہوتے۔''

اکیسویں صدی کی اصطلاحات کی روشنی میں حضرت ابوبکرؓ کا رویہ تو سخت انتہا پسندانہ ٹھہرتا ہے لیکن حقیقتاً یہ رویہ انتہائی

اصول پسندی اور استقامت کا رویہ ہے اور اگر خدانخواستہ اس نازک مرحلے میں حضرت صدیق اکبرؓ اس وقت اس انتہا پسندی کو اختیار نہ کرتے بلکہ مصلحت، مفاہمت اور رواداری اور فراخ دلی سے کام لیتے تو شاید آج اس کرہ ارض پر کوئی اسلام کا نام لیوا نہ ہوتا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی حیات مبارکہ میں اس قسم کی اصول پسندی کی اور بھی چند مثالیں ہیں پھر حضرت عمر فاروقؓ کا سفر بیت المقدس بھی جدید اصطلاح میں اسی طرح کی انتہا پسندی کی ایک مثال ہے، شہر میں داخل ہوتے وقت چوں کہ اونٹ پر سواری کی باری غلام کی تھی اس لئے آپؓ نے غلام کو سوار کرا دیا اور اونٹ کی نکیل خود تھام لی۔ مصلحت اور حکمت کا تقاضا تو یہ تھا کہ پروٹوکول کا خیال رکھا جاتا اور حضرت عمرؓ خود اونٹ پر سوار رہتے...... لیکن آپؓ نے اپنی ذات کے لئے اصولوں کو قربان نہیں کیا...... ہوا کیا! آپ کی اسی انتہا پسندی نے اہل بیت المقدس کے دلوں کو مسخر کر ڈالا اور اسی انتہا پسندی نے ان پر وہ اثر ڈالا جو نہ کسی جنگ سے پڑ سکتا تھا اور نہ ڈالر، (درہم) خرچ کر کے۔

لیکن حضرت عمر فاروقؓ کی مذہبی رواداری اور فراخ دلی ملاحظہ کیجئے کہ اسی بیت المقدس میں جب نماز کا وقت آیا تو مرکزی کلیسیا کے چیف پادری نے آپؓ کو دعوت دی کہ آپؓ گرجا کے اندر ہی نماز ادا کر لیں مگر آپؓ نے گرجا سے باہر آ کے کھلے آسمان کے نیچے نماز پڑھنے کو ترجیح دی اور یہ فرمایا کہ ''اگر میں آج گرجا میں نماز پڑھوں گا تو کل تمام مسلمانوں کے لئے مثال قائم ہو جائے گی اور جہاں جہاں مسلمانوں کا تسلط ہوگا وہاں یہ گرجا گھر اور کلیسا کی عمارتیں مسجدوں میں بدل جائیں گی۔ (تاریخ کا المیہ (Irony) ملاحظہ ہو کہ ایسے ممالک میں بھی جہاں مسلمانوں کا اقتدار یا تسلط نہیں ہے بلکہ مسلمان انتہائی قلیل اقلیت میں ہیں۔ سینکڑوں اور ہزاروں گرجا گھر صرف چند لاکھ ڈالر اور پاؤنڈ کے عوض مسجدوں میں تبدیل ہو گئے ہیں بلکہ گیارہ ستمبر (9/11) کے بعد بھی یہ عمل نہ صرف جاری ہے بلکہ تیزی سے جاری ہے۔)

تاریخ اسلام میں نہیں بلکہ تاریخ عالم اس اصول پسندی کی مثالوں سے بھری پڑی ہے اور تاریخ نے ہمیشہ ان اصول پسندوں اور استقامت پسندوں کو ہی زندہ رکھا ہے اور ہمیشہ سنہرے حرفوں سے یاد کیا ہے جبکہ مصلحت پسندوں اور مفاہمت پسندوں کو تاریخ نے ننگ فورم ننگ مذہب اور ننگ وطن کے ناموں سے یاد کیا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر انتہا پسندی کیا ہے؟ ہمارے نزدیک انتہا پسندی یہ ہے کہ کسی بھی معاملے میں خواہ دین کا معاملہ ہو، مذہب کا معاملہ ہو مسلک کا معاملہ ہو۔ سیاست ہو، ادب ہو، معاشرت ہو یا تعلیم ہو یا انسانی حقوق و فرائض کا معاملہ ہو اس میں اپنی ایک رائے قائم کرنا اور پھر اپنی اس رائے کو زبردستی مسلط کرنا انتہا پسندی ہے۔ آپ کو اپنی رائے پر قائم رہنے کا پورا حق حاصل ہے لیکن اگر میں اپنی رائے کو درست سمجھتا ہوں تو مجھے اپنی رائے پر قائم رہنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کا پورا حق اور اختیار حاصل ہونا چاہئے۔ ہم اس وقت بین الاقوامی معاملات کو نہیں چھیڑ رہے ہیں کہ کس شخص، ادارے، حکومت اور حکومت کا رویہ انتہا پسندانہ ہے، ہم صرف اپنی بات کرتے ہیں اور موضوع صرف مذہبی انتہا پسندی سے متعلق ہے۔ اس لئے ہم اپنی گفتگو کو صرف مذہبی انتہا پسندی تک محدود رکھیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ مذہبی انتہا پسندی کے مقابلے میں دیگر انتہا پسندیاں یقینی سیاسی انتہا پسندی، معاشرتی انتہا پسندی (جنسی

آزاد خیالی، آزاد روی اور شخصی آزادی کا خوبصورت نام دیا جاتا ہے) اور ثقافتی انتہا پسندی زیادہ خطرناک رجحان اور رویے ہیں۔

مذہبی انتہا پسندی:

اکیسویں صدی میں مذہبی انتہا پسندوں کی اصطلاح صرف مسلمانوں کے ساتھ جوڑ دی گئی ہے حالانکہ اس وقت تمام مذاہب عالم میں اس کا رواج اور رجحان بڑھتا جا رہا ہے لیکن صرف مسلمان سے یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ خود کو مسلمان نہ کہے اور یہ تسلیم کرلے کہ وہ صرف اس کرہ ارض کا ایک پرامن باشندہ ہے جس کا نہ کوئی مذہب ہے اور نہ کوئی دین لیکن ہر مسلمان کا بنیادی موقف یہ ہونا چاہئے کہ:

''میں مسلمان ہوں اور فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ مسلمان ہوں، اسلام کی چودہ سو برس کی شاندار روایات میرے ورثے میں آئی ہیں، میں اس بات کے لئے تیار نہیں ہوں کہ اس کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ضائع ہونے دوں۔ اسلام کی تعلیم، اسلام کی تاریخ، اسلام کے علوم وفنون، اسلام کی تہذیب میری دولت وسرمایہ ہے اور میرا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کروں۔ بحیثیت مسلمان ہونے کے میں مذہبی اور ثقافتی دائرے میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتا ہوں اور میں یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ اس میں کوئی مداخلت کرے۔''

اس طرح اسلام کی تعلیمات یہ بھی ہیں کہ دوسروں کے مذاہب میں مداخلت نہ کی جائے۔ اسلام کی تعلیمات میں ''لا اکراہ فی الدین'' سے لے کر ''لکم دینکم ولی دین'' کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسلام تو دین فطرت ہے اور مسلمان قوم ''امت الوسطیٰ'' ہے یعنی مسلمان قوم افراط وتفریط سے مبرا اور منزہ ہے اس میں انتہا پسندی یا مذہبی شدت پسندی یا مذہبی جنونیت کا ہلکا سا شائبہ بھی نہیں ہے۔

قرآن مجید فرقان حمید میں تو غیر مذاہب کے خداؤں تک کو برا کہنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ○ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○

(ترجمہ):۔ ''اور ان مشرکین کے پیچھے نہ پڑو۔ اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو (وہ خود ایسا بندوبست کرسکتا تھا کہ) یہ لوگ شرک نہ کرتے۔ تم کو ہم نے ان پر پاسبان مقرر نہیں کیا ہے اور نہ تم ان پر حوالہ دار ہو اور (اے ایمان والو) یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انہیں گالیاں نہ دو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بناء پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں، ہم نے تو اسی طرح ہر گروہ (فرقہ) کے لئے اس کے عمل کو خوشنما بنا دیا ہے پھر انہیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اس وقت وہ انہیں بتا دے گا کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں۔'' (سورۃ الانعام: ۱۰۸،۱۰۷)

ان دو آیات مبارکہ کے مخاطب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام ہیں لیکن اس کا دائرہ ہر مسلمان تک پھیلا ہوا ہے اور خصوصاً وہ لوگ اس کے مخاطب ہیں جو تبلیغ دین کی اہم خدمات سرانجام دیتے ہیں۔

ان آیات مبارکہ کا صاف مطلب یہ ہے کہ تمہیں داعی اور مبلغ بنایا گیا ہے کوتوال یا داروغہ نہیں بنایا گیا۔ تمہارا کام صرف یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے اس روشنی کو پیش کردو اور اظہار حق ادا کرنے میں اپنی حد تک کوئی کسر نہ اٹھا رکھو اب اگر کوئی اس حق کو قبول نہیں کرتا ہے تو نہ کرے۔ تم کو نہ اس کام پر معمور کیا گیا ہے کہ لوگوں کو حق پرست بنا کر ہی رہو اور نہ تمہاری ذمہ داری اور جواب دہی میں یہ بات شامل ہے کہ تمہارے حلقہ نبوت میں کوئی شخص باطل پرست نہ رہ جائے لہٰذا اس فکر میں خواہ مخواہ اپنے ذہن کو پریشان نہ کرو کہ اندھوں کو کس طرح بینا بنایا جائے اور جو آنکھیں کھول کے نہیں دیکھنا چاہتے انہیں کیسے دکھایا جائے۔

تمام مسلمانوں کو عموماً اور مبلغین اسلام کو خاص طور پر یہ ہدایت کی گئی ہے کہ جو روشنی تمہیں دکھا دی گئی ہے اس کے اجالے میں سیدھی راہ پر خود چلتے رہو اور دوسروں کو اس کی دعوت دیتے رہو جو لوگ اس دعوت کو قبول کرلیں انہیں سینے سے لگاؤ اور ان کا ساتھ نہ چھوڑو خواہ وہ دنیا کی نظر میں کیسے ہی حقیر اور کم تر ہوں اور جو اسے قبول نہ کریں ان کے پیچھے لٹھ لے کے نہ پڑ جاؤ جس برے انجام کی طرف وہ خود جانا چاہتے ہیں اور جانے پر مصر ہیں اس کی طرف جانے کیلئے انہیں چھوڑ دو۔

عام مسلمان اور تبلیغ کرنے والے اپنی تبلیغ کے جوش میں اتنے بے قابو نہ ہو جائیں کہ مناظرے اور بحث وتکرار سے معاملہ بڑھتے بڑھتے غیر مسلموں کے عقائد پر سخت حملے کرنے اور ان کے پیشواؤں اور معبودوں کو گالیاں دینے تک نوبت پہنچ جائے کیونکہ یہ چیز ان کو حق سے قریب لانے کے بجائے اور زیادہ دور پھینک دے گی۔

ہر قوم کو اپنی روایات، اپنے رسوم ورواج اور اپنے معتقدات عزیز ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کی علانیہ تحقیر وتوہین سے اس قوم کے افراد مشتعل ہو سکتے ہیں۔ اس طرح کی کسی چیز پر تنقید کرتے ہوئے ناقد کو لازماً یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ معاملے کے صرف وہی پہلو زیر بحث آئیں جو آنے چاہئیں اور اسی انداز میں آئیں جو شائستہ بحث وتنقید کے شایان شان ہے۔ وہ انداز نہیں ہونا چاہئے جو جذبات کو مجروح کرنے والا اور دلوں کو دکھانے والا ہو۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ غیر مسلموں کو تبلیغ کرتے ہوئے بھی اس بات کا حکم دیا جا رہا ہے کہ ان کے پیشواؤں، اماموں یا اس مسلک سے متعلقہ اہم شخصیات (بلکہ ہیروز) کو برے الفاظ سے یاد کرنا کس قدر معیوب بات ہے ہر مسلک کے پیروکاروں کے نزدیک چند شخصیات انتہائی محترم اور معزز ہیں ان میں ایسی شخصیات بھی شامل ہیں جن کی عصمت، پاکیزگی اور تقدس خود قرآن مجید میں کی گئی ہے اور جن کی فہم وفراست اور دانش کا تذکرہ قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ ایسے اولیاء اللہ اور سابقون الاولون کیلئے نازیبا کلمات کا استعمال کس قدر نازیبا اور اسلام کی رواداری، فراخ دلی اور ذہنی کشادگی کے خلاف ہے۔

قرآن نے آباء واجداد کے طریقوں کی نفی نہیں کی ہے اور ان کی اہمیت کو بھی تسلیم کیا ہے۔ بس صرف یہ مطالبہ کیا ہے کہ ان طریقوں کو ان آلودگیوں سے پاک کر کے اختیار کیا جائے جو اس میں عقل وفطرت اور تعلیم الٰہی کے خلاف گھس آئی ہوں اسی طرح تمام مسلمانوں کو آگاہ کیا گیا ہے کہ قوم کے عقائد واعمال کی تطہیر تو ضروری ہے لیکن یہ کام نہایت حکمت ودانش کے

ساتھ ہونا چاہئے ہر قوم فرقے اور مسلک والوں کو اپنی روایات سے گہری وابستگی ہوتی ہے اور یہ چیز اس فطرت کے تقاضوں میں سے ہے جو خود خدا نے انسان کے اندر ودیعت کی ہے۔ اس وجہ سے یہ تو ضروری ہے کہ جو خلاف فطرت چیز فطرت کے اندر گھس آئی ہے وہ اس سے دور کی جائے لیکن خود فطرت پر کوئی جارحانہ حملہ کرنے کی غلطی نہ کی جائے ورنہ اس سے کام بننے کے بجائے اور بگڑ جایا کرتا ہے کسی کی ماں کو گولی دے کر یہ توقع کی جائے کہ وہ آپ کو گلدستہ پیش کرے گا تو یہ بات خلاف فطرت ہوگی وہ اگر اس گالی کا جواب گولی سے نہیں دیتا ہے تو بھی اسے غنیمت جانئے اور اس شخص کی برداشت، رواداری اور ذہنی کشادگی کی تعریف کی جانی چاہئے۔

مختصراً یہ کہ اسلام کی روح میں عدل وانصاف اور اعتدال ہے۔ مسلمان ایک ''امت الوسطیٰ'' ہیں یعنی ایسی امت جو ہر قسم کی انتہا پسندی اور شدت پسندی سے پاک ہیں پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جدید دور میں کچھ علاقوں کے مسلمانوں میں یہ مذہبی شدت پسندی یا انتہا پسندی کیوں اور کیسے رواج پا گئی ہے اس کی بے شمار معاشی، سماجی سیاسی اور کسی حد تک بین الاقوامی وجوہات ہیں۔ (اندازہ ہے کہ بین الملکتی عصبیتوں اور کشیدگیوں کی جنگ پاکستان کی سرزمین پر لڑی جا رہی ہے) ان وجوہات میں ناانصافی، عدل سے انکار، ذلت اور رسوائی بھی شامل ہیں اور یہ انتہا پسندی غیروں بلکہ اپنوں کے رویوں کا ردعمل بھی ہے تاہم ہم اپنے تناظر میں دیگر عوامل کو نظر انداز کر کے صرف مذہبی نقطہ نظر سے جائزہ لیں تو اس کی بڑی وجہ جہالت، کم علمی اور قرآن وحدیث کی کم فہمی بلکہ غلط فہمی پر مبنی تشریح وتوضیح ہے۔

ایک بہت مشہور حدیث ہے کہ:

عَنْ اَبِیْ سعیدنِ الْخُدرِی عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمْ قَالَ مَنْ کرائی مِنْکُمْ مُنْکَرًا اَفَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِن لَّمْ وَیَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذَالِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ. (رواہ مسلم)

(ترجمہ):۔ ''حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کوئی تم میں سے کوئی بری اور خلاف شرع بات دیکھے تو لازم ہے کہ اگر طاقت رکھتا ہو تو اپنے ہاتھ سے (یعنی قوت وزور سے) اس کو بدلنے (یعنی درست کرنے) کی کوشش کرے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر اپنی زبان سے اس کو بدلنے کی کوشش کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل ہی میں (اس سے نفرت کرے) اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔''

ہمارے چند علمائے کرام اور واعظین عظام اس حدیث مبارکہ کی اس انداز میں تشریح کرتے ہیں کہ ہر شخص اسے فرض عین سمجھ لیتا ہے کہ جہاں کہیں کوئی برائی ہوتی دیکھے تو اس کو طاقت سے روکے اور برائی بھی وہ جسے وہ خود اپنے طور پر یا اپنے علم و فہم کی بنیاد پر برائی سمجھتا ہے اور طاقت کا مطلب اس کے نزدیک جسمانی قوت، ڈنڈا، خنجر، پستول، ٹی ٹی اور کلاشن کوف ہے یا اپنے جیسے دوسرے لوگوں کو ملا کر ایک گروہ بنالینا تاکہ ان برائیوں کا خاتمہ کرسکیں جو ان کی نظر میں ان کی فکر، علم اور مسلک کے لحاظ سے بری ہیں اور برائی کو طاقت سے روکنا کیوں کہ ایمان کا اعلیٰ ترین درجہ ہے اس لئے کوئی مسلمان خود کو ایمان کے کمتر درجے پر

تو فائز نہیں کر سکتا اس لئے وہ اپنے محلے میں کھلی ہوئی ویڈیو شاپ پر ڈنڈے لے کر چڑھ دوڑتا ہے۔ واعظین اپنے وعظ میں اسے یہ بھی سکھا اور پڑھا چکے ہوتے ہیں کہ اس فرض عین کی ادائیگی کے دوران اگر دو چار افراد اس کے ہاتھوں واصل بجہنم ہو جائیں تو اس کے لئے جنت میں دو چار محلات تعمیر ہو جائیں گے اور اگر خود اس نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی تو ''مرتبہ شہادت'' پر فائز ہو جائے گا اور اس صورت میں بھی جنت میں حوریں اس کے استقبال کے لئے دیدہ و دل فرش راہ کیئے ہوئے ہوں گی۔

اس حدیث مبارکہ اور اس جیسی دوسری احادیث یا قرآن مجید فرقان حمید کی ایسی آیات جن میں نیکی کا حکم دینے اور برائیوں سے روکنے کا حکم دیا گیا ہے ان کی اسی قسم کی تشریح و تفسیر نے عام ''سیدھے سادے'' سادہ لوح اور کم علم مسلمانوں میں انتہا پسندی، شدت اور تشدد کے جذبات پیدا کر دیئے ہیں اور اپنے مسلک کے علاوہ کسی بھی دوسرے مسلک کو اختیار کرنے والے کو کافر کے لقب سے نوازنے کے فتاویٰ جاری کرنے کا ایک منظم اور مربوط کاروبار شروع کر دیا گیا اور انہی، کفر کے فتوؤں کی روشنی میں سادہ لوح لوگ ایک دوسرے کے قتل کو جائز بلکہ فرض عین سمجھنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے میں مذہبی انتہا پسندی نے فروغ پایا ہے۔

یہ حقیقت ہے اور اس سے کسی کو انکار بھی نہیں ہونا چاہئے کہ ہر مومن کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے بگڑے ہوئے اور غلط کار حکمرانوں کے خلاف جہاد کرے۔ ان کے خلاف ہاتھ سے جہاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آئینی اور معقول ذرائع سے انقلاب قیادت کی کوشش کی جائے انہیں مسند اقتدار سے ہٹا کر حکومت کی باگ ڈور صالح اور خدا ترس افراد کے ہاتھ میں دی جائے یعنی ''طاقت'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو قانونی اقتدار اور اختیار حاصل ہو اور یہ اقتدار اور اختیار جس سطح کا ہو اسی سطح تک اس کو استعمال کیا جائے مثلاً یہ کہ خوش قسمتی سے اگر آپ حکومت کے سربراہ ہیں تو پھر پوری مملکت میں برائی کو بزور طاقت روکنا اور معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنا آپ کی آئینی، قانونی، مذہبی اور شرعی ذمہ داری ہے اگر آپ کسی ادارے یا شعبے کے سربراہ ہیں تو پھر اس ادارے میں جو اختیارات آپ کو حاصل ہیں ان کو استعمال کر کے اپنے ادارے اور شعبے سے برائیوں کا خاتمہ بزور طاقت کریں اور اپنے ادارے کو ملازمین کی بدعنوانی (کرپشن) سے پاک کر دیں۔ اور اس طرح سے آپ کے اختیارات کا دائرہ اگر کم ہو کر صرف کسی ایک خاندان تک رہ جائے تو اس خاندان میں برائی کو روکنا اور نیکی کو فروغ دینا آپ کی ذمہ داری ہے اور آپ صرف اسی کے لئے جواب دہ ہوں گے۔ یہی صورت زبان سے روکنے کی بھی ہے یعنی آپ کو ہاتھ کا اختیار حاصل نہیں ہے لیکن کچھ لوگوں کے لئے آپ زبانی وعظ و تقریر سے برائی سے روکنے کی تلقین کر سکتے ہیں تو یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ کوئی بھی ڈاکٹر یا طبیب اپنے مریض کو سگریٹ یا شراب نوشی سے پرہیز کی تلقین کرتا ہے اب اگر مریض اپنے معالج کے مشورہ کو تسلیم کر لیتا ہے تو وہ اس کے لئے تریاق ثابت ہوتا ہے اور اگر نہیں مانتا ہے تو یہ خود مریض کیلئے زہر ہے۔ معالج کو زبان سے روکنے کا اختیار حاصل ہے اگر معالج اپنا یہ اختیار بھی استعمال نہیں کرتا ہے تو وہ اپنے فرض سے روگردانی کرتا ہے اور اگر انسان اتنا کمزور اور بے اختیار ہو (جیسا کہ ہماری اکثریت ہے) کہ وہ نہ ہاتھ سے روکنے کی قدرت رکھتا ہو اور نہ زبان سے تو کم از کم اس برائی کو برائی تو سمجھے اس کو نیکی تو نہ گردانے۔ خرابی کو خرابی ہی رہنے دے۔ خوبی نہ بنا دے۔ علاج کی قدرت نہ بھی ہو تو مرض کو مرض تو مانے صحت سے تو تعبیر نہ کرے اور کم از کم اس کو دل میں برا سمجھے اور برائی کی طرف سے منہ پھیر لے اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کرتا

رہے کہ اس کو ہاتھ یا کم از کم زبان کا اختیار تو حاصل ہو جائے۔

جہاد:

اس مضمون کے ابتداء میں عرض کیا گیا ہے کہ اسلام ایک متوازن مذہب ہے یہ اپنی فطرت میں افراط وتفریط سے مبرا ہے اگر ایک جانب اس میں یہ انتہا پسندی نہیں ہے کہ ہر شخص یا ہر جماعت اور فرقے کو یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ کفر کے فتوؤں کا کاروبار کرے اور دوسری جماعتوں، فرقوں اور مذاہب کے لوگوں کے قتل اور سزائے موت کے لائسنس جاری کرے وہیں دوسری جانب یہ انتہا پسندی بھی نہیں ہے کہ آپ برائیوں کو نہ صرف برداشت کریں، انہیں جڑ پکڑنے دیں بلکہ پھلنے اور پھولنے کے پورے مواقع مہیا کریں اور پورا معاشرہ ان برائیوں کی زد میں آ کر اقوام عالم کی صفوں میں ''کرپشن'' میں اول یا دوم مقام حاصل کر لے اور ہم اس کو مصلحت، صلح جوئی، رواداری، فراخدلی اور کشادہ دلی کے خوبصورت ناموں کے ساتھ ان کو نہ صرف برداشت کرتے جائیں بلکہ قبول کرتے ہوئے اسی رنگ میں رنگ جائیں اور برائیوں کے خلاف کسی بھی قسم کی جدوجہد (لفظ جہاد، اختیاراً استعمال نہیں کیا گیا ہے کیونکہ اس لفظ سے کچھ نازک آبگینوں کو ٹھیس لگ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اور انہیں اس لفظ میں مذہبی انتہا پسندی کی بو آنے لگتی ہے) نہ کریں۔ یہ اسلام اور مسلمان کی فطرت کے خلاف ہے کہ وہ ظلم و بربریت اور کفر وشرک کے نظام کی بالادستی نہ صرف قبول کر لے بلکہ اس کے فروغ اور نشو ونما میں اپنی بہترین صلاحیتیں بھی کھپا دے۔ اس لئے برائی اور بدکاری کو روکنے کے لئے اور غیر عادلانہ اور غیر منصفانہ نظام کے خلاف جدوجہد کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی کرنا یا اس پر شرمندہ ہونا اور اپنی معذرتیں پیش کرنا غیرت اسلامی کے خلاف ہے۔ اسلام کی ہدایت یہ ہے کہ برائیوں سے پاک اور نیکیوں سے بھرپور عادلانہ اور منصفانہ معاشرہ قائم کرنے کی راہ میں جو کوئی بھی رکاوٹ ہو اسے ہٹانے اور دور کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے اور مسلسل اور آخری حد تک کی جائے خواہ اس میں مال خرچ ہو یا اپنی جان جائے اسی کوشش وکاوش اور جدوجہد کو شریعت نے جہاد فی سبیل اللہ کا نام دیا ہے۔ راہ خدا میں جہاد کرنے کا مفہوم یہ ہوا کہ صرف اللہ کی رضا کی خاطر اس کے دین کی پیروی اور شہادت حق ادا کرنے کیلئے وہ سب کچھ کر ڈالا جائے جو انسان کے بس میں ہو۔ تمام قوتیں اور وسائل اس مقصد میں صرف کر دینے کا نام ''جہاد'' ہے۔

اکیسویں صدی کے موجودہ حالات میں اور عالمی تناظر کو پیش نظر رکھتے ہوئے بھی یہ بات ذہن میں بالکل صاف اور واضح ہونی چاہئے اور اس میں کسی قسم کا ابہام نہیں ہونا چاہئے کہ جہاد کسی ملا، مولوی یا واعظ کا حکم وعظ یا نصیحت نہیں ہے بلکہ یہ رب العزت کا حکم، پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پاک خلفائے راشدین کا عمل اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی تمام زندگی کا عکس ہے۔ (پورے قرآن مجید فرقان حمید میں بے شمار مقامات پر لیکن سورۃ انفال اور سورۃ براۃ تو پوری کی پوری جہاد کے موضوع پر ہی نازل ہوئی ہیں۔ قرآن مجید کے تو ایک لفظ کیا بلکہ ایک حرف کی نفی بھی کفر ہے۔ آپ مسلمان ہوتے ہوئے پوری پوری سورتوں کی نفی کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں!) لہٰذا جہاد ہے یا نہیں اس پر تو قطعاً کسی بحث کی گنجائش ہی نہیں ہے البتہ جہاد

کب فرض ہوتا ہے اور کب نہیں۔ اس پر بات کی جاسکتی ہے مگر یہاں بھی لائبریریاں چھاننے، انٹرنیٹ کھنگالنے، فتوے تلاش کرنے یا تراشنے اور مقالے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہر طرف اور ہر جگہ زمینی حقائق کو اگر بغور دیکھ لیا جائے تو از خود یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ جہاد کا وقت ہے یا نہیں؟ جب مسلمان محکوم اور غلام بنا لیے جائیں اور ان کی مذہبی، سیاسی و سماجی آزادیوں کے ساتھ ان کا وطن بھی ان سے چھین لیا جائے جب ان کی عزت، آبرو، جان اور مال کفار یا کوئی بھی ظالم اور جارح اپنے لئے جائز قرار دے ڈالے تو اس وقت جہاد فرض ہو جاتا ہے اس لئے کوئی سوال پوچھنے یا بحث کرنے کے بجائے مظلومین کی حالت اور المدد المدد کی چیخیں ہی جہاد کے فرض کو یاد دلانے کیلئے کافی ہوتی ہیں اور اگر ایسے مواقع پر مسلمان حکومتیں ''صم وبکم'' رویئے کا مظاہرہ کریں تو پھر ایک عام مسلمان کیا کرے!

گزشتہ صدی کے آخری عشروں میں کیا جانے والا جہاد جسے اب لوگ طنز اور استہزا کے طور پر افغان جہاد کے نام سے پکارتے ہیں کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ اس جہاد میں لاکھوں مسلمانوں نے اپنی جانیں قربان کر دیں تاکہ سفید برفانی ریچھ کو بحر ہند کے گرم پانیوں تک پہنچنے سے روکا جاسکے ورنہ یہ ریچھ اپنی طوفانی رفتار میں پاکستان کی مقدس سرزمین کو بھی پامال کر جاتا۔ اس جہاد میں لاکھوں مجاہدین نے اپنی جانیں قربان کر دیں لیکن اس کا پھل یہ ملا کہ سفید برفانی ریچھ کو ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ افغانستان سمیت وہ تمام ریاستیں جو سابقہ سوویت یونین نے ہڑپ کر رکھی تھیں، آزاد ہو گئیں، پاکستان بچ گیا، سوویت یونین ٹوٹ پھوٹ کر تحلیل ہو گیا اور وہ سرخ انقلاب جس سے ہمارے دوست خاص طور پر مغربی مربی تھر تھر کانپ رہے تھے اس نے بھی دم توڑ دیا اور ان مہربانوں اور فریبیوں نے سکھ کا سانس لیا۔ یہ سب جہاد کی برکت تھی۔ اسی جہاد کی جواب ایک طنز بلکہ گالی بن گیا ہے جب تک یہ جہاد جاری رہا اس وقت تک امریکہ اور اس کے حواریوں کی نظر میں یہ ''مقدس جنگ'' تھی لیکن بعد میں ان مجاہدین کا شکر گزار ہونے اور جہاد کا احترام کرنے کے بجائے احسان فراموشی اور اسلام دشمنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجاہدین کو دہشت گرد اور جہاد کو ممنوع قرار دے دیا گیا اور اپنے محسن افغانستان کے کوہ ابیض کو کوہ اسود میں بدل دیا اور تمام پرامن میدانی اور پہاڑی علاقوں کو ''تورا بورا'' کے غاروں میں تبدیل کر دیا لیکن جہاد آج بھی ایک مذہبی فریضہ اور مظلوم کا آخری ہتھیار ہے۔ شیشنیا (چیچنیا) سے فلسطین، عراق، افغانستان اور کشمیر تک کا جہاد کا جو سلسلہ جاری ہے وہ کسی پر قبضہ کرنے یا اس کا حق مارنے کے لئے نہیں ہے بلکہ بوڑھوں سے لے کر بچوں تک مردوں سے لے کر عورتوں تک نہتے لوگوں سے لے کر مسلح مجاہدین تک سب ہی ظالم، جابر اور شیطانی قوتوں کے خلاف برسرپیکار ہیں۔ ایسا جہاد وہاں کے باشندوں کا حق ہے کیوں کہ نہ صرف غیر قانونی اور بلا جواز ان سے ان کا وطن چھینا جا رہا ہے بلکہ تشدد، بربریت اور دہشت گردی کے ذریعے انہیں خوفزدہ کرنے خاموش کرنے اور غلام بنانے کی کوشش کی جارہی ہے لہٰذا ایسی صورت حال میں آزادی کے لئے جدوجہد اور ظالموں دہشت گردوں غاصبوں اور قاتلوں کے خلاف مسلح جہاد نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے اور اس کے لئے کسی مسلم ملک کے سربراہ کے فتویٰ یا حکم کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ صرف مجاہدین کو کسی مرکزی نظم سے خود کو مربوط کرنے کی ضرورت ہے یہ جہاد مذہبی انتہا پسندی کی تعریف میں نہیں آتا ہے مذہبی انتہا پسندی تو وہ ہے کہ جب یہ اعلان کیا جائے کہ

''اب مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگوں کا آغاز ہو چکا ہے۔''...... اور یہ کہ ''تہذیبوں کے تصادم میں اسلامی تہذیب کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔''

تمام مسلم ممالک میں شریعت کے پابند افراد کو اقتدار میں لانے یا یہ کہیئے کہ اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کی جانے والی کوششیں نہ صرف جائز ہیں بلکہ ایسی جدوجہد نہ کرنا قابل مواخذہ ہے کیونکہ اللہ جل شانہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سختی سے حکم دیتے ہیں کہ اقتدار انہیں لوگوں کے ہاتھوں میں ہونا چاہیئے جو اللہ جل شانہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم اور سنت کے مطابق تمام امور مملکت بشمول مالیات و معاشیات و دفاع چلائیں اور عدل و انصاف و احسان سے کام لیں۔

جہاد فی سبیل اللہ کی شکل کیا ہو اس کا تعین حالات ہی کر سکتے ہیں۔ حالات کی مناسبت سے جدوجہد کی مختلف شکلیں اختیار کی جاتی ہیں۔ اسلام نے اصولی طور پر مختلف حالات کے لئے تین مختلف شکلیں مقرر کی ہیں یعنی:

۱۔ داخلی جہاد

۲۔ دعوتی اور فکری جہاد

۳۔ مسلح جہاد

مندرجہ بالا سطور میں جس جہاد کا ذکر کیا گیا ہے وہ داخلی جہاد کی ایک صورت ہے کہ خود اسلامی معاشرے میں جو برائیاں سر اٹھائیں ان کے خلاف جدوجہد کی جائے اور برائیوں کو ختم کر کے نیکیوں کو پروان چڑھایا جائے کیوں کہ یہ اندر کی برائیاں شہادت اسلام کی راہ میں بڑی خطرناک رکاوٹ ہوتی ہیں اس لیے مسلم معاشرے میں جو برائی اور ضلالت بھی پیدا ہوا سے ختم کر دینے کی کوشش جہاد ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس حال میں پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا پاؤں رکاب میں رکھ رہے تھے۔ سب سے بڑا اور سب سے بہتر جہاد کیا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ دیر تامل کر کے فرمایا سب سے افضل جہاد ظالم حاکم کے سامنے کلمہ حق کا اعلان کر دینا۔ (نسائی)

یہ جہاد سب سے افضل اس لئے قرار دیا گیا ہے کیوں کہ مسلمان حکمرانوں کی یہ ذمہ داری قرار دی گئی ہے کہ:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ط (سورۃ الحج۔۴۱)

ترجمہ: ''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخش دیں تو نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔''

اور جو حاکم یہ ذمہ داری پوری نہیں کرتا ہے وہ ظالم ہے اور اس کو نیک راہ سمجھانا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے لیکن جو شخص یہ فرض ادا کرتا ہے وہ افضل جہاد میں شریک ہے۔

جہاد کی دوسری قسم دعوتی و فکری جہاد ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ غیر مسلم حلقوں کی طرف سے اسلام کے خلاف جن

شبہات کو پیش کیا جائے یا جو اعتراضات اٹھائے جائیں اور جو دلیلیں دی جائیں ان کا مناسب اور مسکت جواب دیا جائے اور کوئی شبہ یا اعتراض یا دلیل رد کیے بغیر ایسی نہ چھوڑی جائے جو اسلام کے چہرے کا باریک سا حجاب بھی بن سکتی ہو۔

دعوتی وفکری جہاد دراصل عقل واستدلال کے اسلحہ سے لڑنے کا نام ہے اور یہ لڑائی اس وقت تک جاری رہنی چاہئے جب تک اسلام کی مخالفت کے سارے فکری اور استدلالی قلعے مسمار نہ ہو جائیں چاہے وہ کسی قسم کے ہوں۔

اس فکری اور استدلالی جنگ کے لئے قرآن نے یہ اصولی ہدایت دی ہے کہ "وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ" یعنی بحث ومباحثہ کا وہ طریقہ اختیار کرو جو سب سے اچھا ہو یعنی یہ کہ وہ خیر خواہانہ، دل نشین اور مدلل ہو جس میں مخاطب کے ذہن، عقل وفہم اور نفسیات کی رعایت رکھی گئی ہو پھر اس جہاد کی ایک لازمی شرط صبر واستقلال ہے تاکہ داعی طعن وتشنیع سخت کلامی دل آزاری ایذا رسانی اور مخالفتوں کے طوفان میں عالی ظرفی حق پسندی دل سوزی معقولیت اور سنجیدگی کا ثبوت دے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی بھی مرحلے پر دوسرے سے مرعوبیت کا تاثر ابھرے یا اپنی کمزوری ظاہر ہو۔

جہاد کی تیسری شکل وہ ہے جسے "مسلح جہاد" کا نام دیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی راہ روکنے والوں کے خلاف مسلح جنگ کی جائے اور اس وقت تک کی جائے جب تک وہ اس راہ کو کھلا چھوڑ کر ہٹ نہیں جاتے یہ جہاد کی آخری اور افضل ترین شکل ہے کیوں کہ مسلمان اس میں اپنا مال وقت صلاحیت اور بالآخر اپنی جان خدا کی راہ میں صرف کر دیتا ہے۔ عملی طور پر یہ جہاد کی سب سے مشکل اور صبر آزما قسم ہے اگرچہ کہ اس کے لئے اسلامی ریاست کی شرط ہے لیکن اگر اسلامی یا مسلم ریاستیں اس فریضے کو ادا کرنے میں کوتاہی برت رہی ہوں یا اس سے منہ موڑے ہوئے ہوں تو کسی بھی مربوط مرکزی نظم کے تحت یہ جہاد جاری رکھا جا سکتا ہے۔

انسانی جان کا قتل (قتل نفس):

اسلام نے اور اسلام کے قانون نے اس نوکری کو یا اس کام کو جس میں انسانوں کا خون بہانا پڑے ایک ایسا گناہ قرار دیا ہے جس کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر کفر کا لفظ جاری ہوا ہے۔ اسلام کے قانون نے مسلمانوں ہی کا قتل نہیں بلکہ کسی بھی انسان کو قتل کرنا اور اس کا خون بہانا ایک بہت بڑی مصیبت، گناہ اور پاپ قرار دیا ہے چنانچہ سورۃ فرقان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ (سورۃ فرقان)

یعنی وہ لوگ جو خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتے کسی جان کو قتل نہیں کرتے جسے اللہ نے روک دیا ہے اور جسے اللہ نے حرام کر دیا۔ لیکن اگر انہیں کرنا پڑتا ہے تو صرف ان جانوں کے لئے وہ قتال جائز رکھتے ہیں جن جانوں کو اللہ کی عدالت کے قائم رکھنے کے لئے سزا دینا ضروری ہے۔

شریعت نے قتل نفس کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے جو کوئی انسان اس دنیا میں کر سکتا ہے اور اگر قتل نفس کو جائز رکھا

ہے تو صرف فتنہ وفساد دور کرنے کے لئے اور جب فتنہ وفساد کو مٹا دیا جائے تو پھر قتل نفس کو جائز نہیں رکھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میرے بعد تم کافر نہ ہو جانا، کافروں کا چلن نہ اختیار کر لینا اور کافروں کا چلن یہ ہوگا کہ مسلمان مسلمانوں کی گردنیں مارنے لگیں۔''

حضرت اسامہ بن زیدؓ کا ایک قصہ بہت مشہور ہے کہ آپ کی سربراہی میں ایک دستہ کفار سے جنگ کے لئے روانہ کیا گیا۔ کفار کے سردار کا حضرت اسامہؓ سے مقابلہ ہوا جس وقت حضرت اسامہؓ نے اسے زیر کرلیا اور قریب تھا کہ آپ اس کا سر قلم کردیں اس نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا اور اسلام قبول کرلیا لیکن حضرت اسامہؓ کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ وہ اپنی موت کے خوف سے ایمان لایا ہے اور یہ کہ دم آخر ایمان لانے کی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ تو جان بچانے کا بہانہ ہے اس لئے آپؓ نے اس کی گردن اڑا دی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک پر اس درجہ حزن وملال چھا گیا کہ فرمایا:

''اے اسامہ! افسوس تو نے اس آدمی کو مار ڈالا حالانکہ اس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا۔''

حضرت اسامہؓ کا کہنا ہے کہ انہیں ساری زندگی اس کا قلق رہا کہ ان سے یہ فعل کیوں سرانجام پایا۔

قتل نفس کی اجازت صرف اس صورت میں ہے یا صرف اس صورت میں جائز ہے جب اس کا مقصد فتنے کا خاتمہ ہو۔

سورۃ بقرہ میں ارشاد ربانی ہے کہ:

''ان سے لڑو جہاں بھی تمہارا ان سے مقابلہ پیش آئے اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے اس لئے کہ قتل اگرچہ برا ہے مگر فتنہ اس سے بھی زیادہ برا ہے۔'' (سورۃ بقرہ ۱۹۱)

مزید ارشاد ہوا کہ:

''تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے پھر اگر وہ باز آجائیں تو سمجھ لو کہ ظالموں کے سوا اور کسی پر دست درازی روا نہیں۔'' (سورۃ بقرہ۔۱۹۳)

سورۃ بقرہ میں ہی ارشاد ربانی ہے کہ:

والفتنہ اکبر و امن القتل (سورۃ بقرہ ۲۱۷)

''فتنہ خون ریزی سے شدید تر ہے۔''

ایک اور آیت مسلح جہاد کی ضرورت اور اہمیت پر منفی پہلو سے روشنی ڈالتی ہے۔ ارشاد ہے کہ

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ط وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ط (الحج ۴۰)

ترجمہ: ''اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعضوں کے ذریعے دفع نہ کیا کرتا تو ڈھا دیئے جاتے صومعے اور گرجے

اور کلیسے اور مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے اور اللہ ان لوگوں کی ضرور مدد کرتا ہے جو اس (کے دین) کی مدد کرتے ہیں۔"

اس آیت سے اور زیادہ واضح ہو گیا کہ اگر دین کی حفاظت کی خاطر تلوار نہ اٹھائی جائے اور فتنہ کی جڑ نہ کاٹ دی جائے اور اس کو پھلنے پھولنے اور برگ و بار لانے کا موقع دیا جاتا رہے تو خود دین کی جڑ کٹ جائے گی۔ فتنہ پسند عناصر خدا کی زمین کو فساد سے بھر دیں گے اور خود خدا کا نام لینا دوبھر کر دیں گے اور خدا پرستی کے ایک ایک نشان کو مٹا کر دم لیں گے اس لئے دین کی بقاء اور تحفظ کے لئے مسلح جہاد کی ضرورت ناگزیر ہے۔

لیکن مسلمانوں کے لئے واضح ہدایت ہے کہ تمہاری جنگ نہ تو اپنی مادی اغراض کے لئے ہو اور نہ مال غنیمت و کشور کشائی مطلوب و مقصود ہو۔ یہ بھی ہدایت بلکہ تنبیہ ہے کہ ان لوگوں پر ہاتھ نہ اٹھاؤ جو دین حق کی راہ میں مزاحمت نہیں کرتے اور نہ لڑائی میں جاہلیت کے طریقے اختیار کرو اور نہ اپنی حد سے آگے بڑھو۔ عورتوں بچوں بوڑھوں بیماروں اور زخمیوں پر ظلم کرنا انہیں قیدی بنانا دشمن کے مقتولوں کا مثلہ کرنا کھیتوں اور مویشیوں کو خواہ مخواہ برباد کرنا اور دوسرے تمام وحشیانہ اور ظالمانہ افعال "حد سے گزرنے" کی تعریف میں آتے ہیں اور حدیث میں ان سب کی مخالفت وارد ہے اسی لئے قوت کا استعمال صرف وہیں کیا جائے جہاں وہ ناگزیر ہو اور اسی حد تک کیا جائے جتنی اس کی ضرورت ہے۔"

مسلح جہاد کی اجازت جن مقاصد کے لئے ہیں وہ یہ ہیں۔

ا۔ دفاعی:

یعنی جب دوسرا گروہ آپ پر حملہ کرے تو دین اور اسلامی یا مسلم ریاست کے تحفظ کے لئے تلوار یا قوت استعمال کی جائے۔

دفع فتنہ:

فتنے کے معنی ہیں Persecution یعنی کسی گروہ یا شخص کو محض اس بناء پر ظلم و ستم کا نشانہ بنانا کہ اس نے رائج الوقت خیالات و نظریات کی جگہ کچھ دوسرے نظریات کو حق پا کر قبول کر لیا ہے اور وہ تنقید و تبلیغ کے ذریعے سے سوسائٹی کے رائج الوقت نظام میں اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔ سورۃ بقرہ کی مندرجہ بالا آیات کا منشا یہ ہے کہ بلاشبہ انسانی خون بہانا بہت برا فعل ہے لیکن جب کوئی گروہ انسانی زبردستی اور بالجبر اپنا فکری استبداد دوسروں پر مسلط کر دے اور لوگوں کو قبول حق سے بالجبر روکے اور اصلاح و تغیر کی جائز و معقول کوششوں کا مقابلہ دلائل سے کرنے کے بجائے حیوانی طاقت سے کرنے لگے تو وہ فعل قتل کی بہ نسبت زیادہ سخت برائی کا ارتکاب کرتا ہے اور ایسے گروہ کو بزور طاقت و شمشیر ہٹا دینا بالکل جائز ہے۔

اسلام طاغوت کے بت کو توڑنے کے لئے تو قوت استعمال کرتا ہے لیکن کسی انسان یا گروہ کو جبریہ مسلمان بنانے کی کلی مخالفت کرتا ہے ہر شخص کے سامنے دین کی دعوت پیش کر دی جائے حق کو باطل سے ممتاز کر دیا جائے اور پھر آخری فیصلہ اس کے

ضمیر پر چھوڑ دیا جائے اسے حق ہے کہ جو راستہ چاہے اختیار کرے ہمارا فرض طاغوت کے پھیلائے ہوئے جالوں کو توڑنا ظلم کے بندھنوں کو کاٹنا اور حق کی دعوت پہنچا دینا ہے پھر اگر کوئی اس دعوت کو قبول کرتا ہے تو وہ امت مسلمہ کا جزو ہے اور اگر قبول نہیں کرتا ہے تو اسے اس کا بھی پورا پورا اختیار ہے۔

خدا کی صفت یہ ہے کہ بدتر سے بدتر مجرم اور گناہ گار کو بھی معاف کر دیتا ہے جبکہ وہ باغیانہ روش سے باز آ جائے یہی صفت انسان بھی اپنے اندر پیدا کریں (تخلقوا باخلاق اللہ)۔ ہماری لڑائی انتقام کی پیاس بجھانے کے لئے نہ ہو بلکہ خدا کے دین کا راستہ صاف کرنے کے لئے ہو جب تک کوئی گروہ راہ خدا میں مزاحم رہے بس اسی وقت تک اس سے لڑائی بھی ہو اور جب وہ اپنا رویہ چھوڑ دے تو اس کا امان حاصل ہے۔

کافر، مشرک اور دہریے ہر ایک کو اختیار ہے کہ اپنا جو عقیدہ رکھتا ہے رکھے اور جس کی چاہے عبادت کرے یا کسی کی نہ کرے اس گمراہی سے اس کو نکالنے کے لئے ہم اسے فہمائش اور نصیحت کریں گے مگر اس سے لڑیں گے نہیں۔

لاعلمی میں کسی کو مورد الزام ٹھہرانا:

سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (سورۃ بنی اسرائیل ۳۶)

ترجمہ: ''کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہونی ہے۔''

اس کا منشا یہ ہے کہ لوگ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں وہم و گمان کے بجائے علم کی پیروی کریں۔ اسلامی معاشرے میں اس منشاء کی ترجمانی وسیع پیمانے پر اخلاق میں قانون میں سیاست اور انتظام ملکی میں علوم وفنون اور نظام تعلیم میں غرض ہر شعبہ حیات میں کی گئی اور ان بے شمار خرابیوں سے فکر وعمل کو محفوظ کر دیا گیا جو علم کے بجائے ''گمان'' کی پیروی کرنے سے انسانی زندگی میں رونما ہوتی ہیں۔ اخلاق میں ہدایت کی گئی کہ بدگمانی سے بچو اور کسی شخص یا گروہ پر بلاتحقیق کوئی الزام نہ لگاؤ۔ (سورۃ حجرات)۔ قانون میں یہ مستقل اصول طے کر دیا گیا کہ محض شبے کی بنیاد پر کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ تفتیش جرائم میں یہ قاعدہ مقرر کیا گیا کہ گمان پر کسی کو پکڑنا اور مار پیٹ کرنا یا حوالات میں دے دینا قطعی ناجائز ہے۔ غیر قوموں کے ساتھ برتاؤ میں یہ پالیسی متعین کر دی گئی کہ تحقیق کے بغیر کسی کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھایا جائے (سورۃ حجرات)۔ اور نہ مجرد شبہات پر افواہیں پھیلائی جائیں۔ نظام تعلیم میں بھی ان نام نہاد علوم کو ناپسند کیا گیا جو محض ظن وتخمین اور لاطائل قیاسات پر مبنی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ عقائد میں اوہام پرستی کی جڑ کاٹ دی گئی اور ایمان لانے والوں کو یہ سکھایا گیا کہ صرف اس چیز کو مانیں جو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیئے ہوئے علم کی رو سے ثابت ہو۔

موضوع تو بہت وسیع ہے لیکن مضمون کی طوالت کے خوف سے اس مضمون کو یہیں ختم کرتے ہیں لیکن اس بات کا اعادہ ضروری ہے کہ اسلام میں کسی قسم کی انتہا پسندی یا شدت پسندی نہیں (دہشت گردی کا تو کوئی واسطہ اسلام سے ہے ہی نہیں) بلکہ ہر شخص کو اپنے علم اور عقیدے کے مطابق عمل کرنے کی پوری اجازت ہے اسلام کسی کو بزور طاقت یا بزور شمشیر مسلمان بنانے کی تائید نہیں کرتا ہے۔ دور اولین سے لے کر آج تک بیشمار مثالیں ملتی ہیں جب بے شمار لوگوں کو بزور طاقت یا بالجبر اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جا سکتا تھا مگر ایسا نہیں کیا گیا حتیٰ کہ غلاموں کے ساتھ بھی یہ سلوک نہیں کیا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام کا واقعہ مشہور ہے کہ آپؓ یہ خواہش رکھتے تھے کہ وہ غلام مسلمان ہو جائے مگر آپؓ نے اس پر کوئی زبردستی نہیں کی۔ اسی طرح اسلام قبول کرنے کے بعد جب ایک شخص امت مسلمہ کا جزو بن گیا تو اس کی جان، مال، عزت و آبرو کی حفاظت پوری امت مسلمہ کی ذمہ داری بن جاتی ہے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص جان کے خوف سے بھی مسلمان ہو جائے تو اس کو امان دینا اور اس کی جان و مال کی حفاظت واجب ہو جاتی ہے۔

اکیسویں صدی میں پوری امت مسلمہ کا عموماً اور پاکستانی مسلمانوں کا خصوصی فرض ہے کہ علمی اور اقتصادی میدانوں میں دوسروں سے پیچھے نہ رہ جائیں۔ اس وقت مسلمانوں کی درماندگی کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ان میں جوش عمل اور محنت کی عادت کا فقدان ہے اور سہل انگاری کاہلی اور کم ہمتی ان کی خصلت میں شامل ہوگئی ہیں جب تک مسلمان ان خرابیوں میں گرفتار رہیں گے نہ ان کا اخلاقی معیار بلند ہوگا اور نہ دنیوی فلاح انہیں حاصل ہوگی۔ وہ پست اور درماندہ رہیں گے اور ان کی وجہ سے اسلام بدنام رہے گا اور دوسری اقوام کو اپنی طرف متوجہ نہ کر سکے گا بلکہ خود عام مسلمانوں کے ذہن اسلام سے ہٹ کر دوسرے ازموں کی جانب راغب ہو سکتے ہیں اس لئے امت مسلمہ اس گرداب سے نکلے۔ تعلیم و تعلم سے اپنا ٹوٹا ہوا رشتہ پھر جوڑے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کو فروغ دے اور سب سے اہم یہ ہے کہ اپنا مزاج سائنسی بنائے۔ سائنسی تحقیق اور تفتیش کے اداروں کو پروان چڑھائے ہر مسلمان ملک صنعت و زراعت و معیشت میں خود کفیل ہو جب تک ہم غیروں کے زیر کفالت رہیں گے ہم ذلیل و خوار رہیں گے لینے والا ہاتھ ہمیشہ دینے والے ہاتھ کے نیچے ہوتا ہے روٹی کا مطالبہ عزت و غیرت کا سودا ہے۔ ایک حدیث مبارکہ کے مطابق:

''صنعت و حرفت کے ذریعے روزی کی تکمیل انسان پر فرض (کفایہ) ہے۔''

امت مسلمہ کی ذمہ داریاں:

اکیسویں صدی کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اور اقوام عالم میں اپنا مقام بلند کرنے کے لئے امت مسلمہ پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں انہیں مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ:

۱۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کامل ایمان و ایقان رکھنا اور اس ایمان پر کامل استقامت کے ساتھ جمے رہنا۔

۲۔ ہر عمل، فعل اور قول صرف اللہ سبحانہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہو۔

۳۔ تعلیم کو عام کرنا اور تمام مسلم ممالک میں سو فیصد شرح خواندگی حاصل کرنا۔

۴۔ تمام جدید علوم بشمول سائنس، ٹیکنالوجی اور معاشیات میں اعلیٰ ترین مہارت حاصل کرنا۔

۵۔ دفاعی امور میں خود کو اتنا مضبوط اور توانا بنانا کہ غیر بری نگاہ بھی نہ ڈال سکیں۔

۶۔ قرآن، حدیث، فقہ اور دیگر اسلامی تعلیمات کو حکمت کے ساتھ سمجھنا اور بالکل صحیح فہم کے مطابق ان پر عمل کرنا۔

۷۔ زراعت، صنعت، دفاع اور معیشت میں خود کفیل ہونا۔

۸۔ عدل و انصاف پر مبنی صحیح جمہوری اسلامی معاشرے کا قیام کہ جس میں فوری اور سستا انصاف نہ صرف فراہم ہو رہا ہو بلکہ فراہم ہوتا نظر بھی آتا ہو۔

۹۔ تمام عصبیات یعنی خاندانی، برادری، گروہی، صوبائی، لسانی اور اقربا پروری سے پاک صرف اور صرف اہلیت، قابلیت اور صلاحیت کی اہمیت کو تسلیم کر کے احساس محرومی سے پاک معاشرے کا قیام جس میں ہر شخص کی رائے کا احترام کیا جائے۔

۱۰۔ معاشرے کے تمام افراد، حلقوں، مسلکوں، مذہبوں اور گروہوں کے مابین محبت، الفت، خیر خواہی، رواداری، فراخدلی اور ذہنی کشادگی کا فروغ اور ایک دوسرے کی جان، مال، عزت اور آبرو کے تحفظ کی ضمانت دینا (اس میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی امتیاز نہ رکھنا)۔

۱۱۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنے فرائض اور دائرہ اختیار کا ادراک ہونا اور انہی کے مطابق عمل کرنا یعنی اپنی حدود سے تجاوز نہ کرنا۔

۱۲۔ معاشرے میں نیکیوں کو پروان چڑھانا اور برائیوں کا قلع قمع کرنا۔

۱۳۔ ہر شخص کو اپنے حقوق و فرائض کی مکمل آگاہی ہونا نیز انتہائی دیانتداری اور ایمانداری سے اپنے فرائض کی ادائیگی کرنا (جب ہر شخص اپنے فرائض دیانتداری اور ایمانداری سے ادا کرتا ہے تو ہر شخص کو اس کے حقوق بن مانگے یا چھینے بغیر مل جاتے ہیں۔ اسی سے احساس محرومی مٹ جاتا ہے)۔

۱۴۔ اور سب سے اہم یہ کہ خدا کی حاکمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اور اس کو مقتدر اعلیٰ مانتے ہوئے تمام مسلم ممالک میں اسلامی جمہوریت حکومتیں قائم کی جائیں جن کی بنیاد ''اللہ کی حکومت، اللہ کے لئے، اللہ کے ذریعے'' کے نظریے پر ہو۔ شہنشائیت، آمریت، شخصی حکومت، خاندانی اور وراثتی حکومت ایک جماعتی حکومت تیس تیس اور پینتیس پینتیس سالہ یا تا حیات صدر حکومتوں کو ختم کر کے اسلامی اصولوں کی بنیاد پر حکومتوں کا قیام تاکہ معاشرہ کے تمام طبقات کے احساس محرومی دور ہو سکیں۔

ذمہ داریوں کی یہ فہرست مزید طویل ہو سکتی ہے تاہم اہم نکات یہی رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ پوری امت مسلمہ کو تعلیمات اسلامی پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ معاشرے میں فلاح و بہبود کے جذبات فروغ پا سکیں اسی میں ہماری دنیوی اور اُخروی فلاح مضمر ہے۔

سبحان ربک رب العزة عما یعقون○ وسلام علیٰ المرسلین○ والحمد لله رب العالمین○

حوالہ جات

(۱) تفہیم القرآن (جلد اول، دوم، سوم) مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

(۲) تدبر القرآن (جلد اول، دوم، سوم، چہارم، پنجم) مولانا امین احسن اصلاحی

(۳) سیرۃ النبی (جلد چہارم، پنجم) مولانا سید سلیمان ندوی

(۴) محسن انسانیت، نعیم صدیقی

(۵) ترجمان القرآن (جلد اول) مولانا ابوالکلام آزاد

(۶) ترجمان الحدیث (جلد اول، دوم، چہارم) مولانا منظور نعمانی

(۷) رحمۃ للعالمین جلد اول، دوم، سوم: مولانا سلیمان منصور پوری

(۸) خطبات بہاولپور: ڈاکٹر حمید اللہ

(۹) دین و شریعت: مولانا منظور نعمانی

(۱۰) اسلامی ریاست: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

(۱۱) اسلامی ریاست: مولانا امین احسن اصلاحی

(۱۲) اسلام کا سیاسی نظام: مولانا محمد اسحٰق سندیلوی

(۱۳) الرحیق المختوم: مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری

(۱۴) خطبات آزاد: مولانا ابوالکلام آزاد

(۱۵) ایمان و عقل: مولانا ابوالکلام آزاد

(۱۶) الجہاد فی الاسلام: مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ،
تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

زاہدہ صابر، ہری پور

فاطر فطرت کی کائنات ہست و بود میں موجودات کے مطالعہ اور مظاہر کے مشاہدہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح بے نقاب ہو جاتی ہے کہ مظاہر و موجودات عالم اپنی اندرونی ساخت اور بیرونی روابط کے ناطے سے ایک خاص اور متعین نظام کے پابند ہیں لیکن اشرف المخلوقات کا حال اس کے برعکس ہے۔ ایک خدا اور ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لیوا یہ امت گروہ بندیوں میں منقسم ہو کر افتراق و انتشار کا شکار ہو چکی ہے۔

محبت و مودت، اخوت و یگانگت اور اتحاد بین المسلمین کی جگہ جسد ملت کو نفرت و کدورت، بغض وعناد اور مذہبی انتہا پسندی جیسی بیماریوں سے پالا پڑا ہوا ہے۔

شومئی قسمت سے حالت یہ ہوگئی ہے کہ امت مسلمہ مختلف طبقوں اور فرقوں میں تقسیم ہو کر اپنے اپنے مسلک کے تحفظ کو اسلام کی سلامتی کا ضامن گردان رہی ہے۔

امت مسلمہ میں مذہبی اختلاف وتفریق اور بدنظمی و انتشار روز افزوں ہے۔ علماء اور خطباء اکثر اجتماعات میں ایک دوسرے کے خلاف ایسی تقاریر کرتے رہتے ہیں جیسے وہ روز اول سے ہی ایک دوسرے کے حریف ہوں۔ دینی مدرسوں میں تعلیم دی جا رہی ہو یا مساجد میں خطبہ، کوئی دینی محفل ہو یا کوئی بڑے پیمانے پر منعقد ہونے والی کانفرنس، اختلافی مسائل کا ذکر اس شدومد سے کیا جاتا ہے جیسے ملت اسلامیہ کو اس کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں ہے۔ کوئی اور مسئلہ درپیش ہی نہیں۔ نہ اقتصادی، معاشی اور معاشرتی مسائل ہیں اور نہ ہی کفار کا دفاعی خطرہ لاحق ہے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں پر کفر و شرک کا فتویٰ عائد کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔

انتہا پسندی کا اصل سبب:

دینی طاقتوں کا انتشار اور افتراق ہر حساس اور دردمند مسلمان کیلئے فکرمندی کا باعث ہے۔ قرآن کے الفاظ میں بَغْيًا بَيْنَهُمْ یعنی آپس کی ضدم ضدا اور ایک دوسرے پر غالب رہنے کی جوکش مکش گذشتہ امتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا سبب بنی تھی بلاشبہ وہی اس امت مسلمہ کے فکری انتشار کا بھی اصل سبب ہے۔

قرآن کی رو سے اس صورتحال کے رونما ہونے کی وجہ علم و ہدایت کی کمی نہیں ہوتی بلکہ اہل دین کے مختلف طبقوں کی جانب سے پورے دین کو توازن اور اعتدال کے ساتھ اختیار کرنے کے بجائے اپنے اپنے ذوق اور پسند سے مطابقت رکھنے والے

دین کے مختلف حصوں کو منتخب کر کے اور پھر اپنی افتادِ طبع اور فہم کے مطابق اس کی تاویل کر کے ان ہی کو پورا دین یا دین کا اہم ترین جزو قرار دینا، ان پر بے جا اصرار کرنا اور دوسروں سے اسے ماننے کا مطالبہ کرنا اس کا سبب بنتا ہے۔

قرآن نے اس کیفیت کی یوں بھرپور عکاسی کی ہے۔

وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ O

فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ O (المومنون)

دین میں فرقہ بندی اور انتہا پسندی کے اسباب کو سمجھنے کے لئے یہ ایک اہم آیت ہے۔ اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دینی عناصر میں اختلافات کا بڑا سبب مختلف طبقوں کا اپنی اپنی پسند اور ذوق کے مطابق دین کے کسی ایک یا بعض اجزاء کو پورا دین بنا بیٹھنا ہے۔

گذشتہ اہل کتاب کی طرح قرآن کو ماننے والے بھی اسی صورت حال کا شکار نظر آتے ہیں مثلاً کوئی عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی خاص انداز اور مخصوص نصاب کو، کوئی تصوف کے کسی متعین ڈھنگ کو۔

کوئی اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے کسی خاص مفہوم کو، کوئی سیاست الیکشن اور نظام حکومت کی کسی خاص تعبیر کو اور کوئی قتال فی سبیل اللہ کی کسی مخصوص تشریح کو پورا نہیں تو کم از کم اصل دین سمجھ بیٹھا ہے۔

ضروری نہیں کہ وہ زبان سے بھی یہی بات کہے مگر اس کے عمل سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ گویا دین میں اصل اہمیت تو بس اسی جزو کی ہے جسے اس نے اہم جانا ہے اور باقی تمام معاملات ثانوی اور غیر اہم ہیں۔ اس کے نتیجے میں مختلف گروہوں کی جانب سے دین پر عمل کرنے میں عدم توازن اور افراط و تفریط کا زبردست مظاہرہ نظر آتا ہے۔

اپنے فہم اور استدلال پر اس بے جا اعتماد اور اس میں آنکھیں بند کر کے مگن ہو جانے کے نتیجے میں مسجدیں، مدرسے، قرآن کی تفسیریں فقہ کی کتابیں اور تنظیمی لٹریچر سب الگ الگ ہو جاتا ہے اور یوں ایک ہی دین کو ماننے والوں میں مستقل نوعیت کے فرقے اور جماعتیں وجود میں آ جاتی ہیں پھر گروہی تعصب اور انتہا پسندی کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات پر بھی اپنے علماء کی رائے کو مختلف تاویلات کے ذریعے ترجیح دی جانے لگتی ہے۔

اس ساری صورتحال کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں میں اخلاص کے ساتھ تلاش حق کا جذبہ مفقود ہوتا ہے اور صرف ناک اونچی رکھنے کا داعیہ جو اپنی اصل کے اعتبار سے خالص شیطانی ہے انسان کو نفس پرستی کی تاریک گھاٹیوں میں جا گراتا ہے یہی وہ نفسانی کیفیت ہے جسے قرآن بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ سے تعبیر کرتا ہے۔

جیسے ابو امامہؓ سے روایت ہے "ما تحت ظل السمآء من اله يعبد من دون اللّٰه تعالىٰ اعظم عند الله عزوجل من هو يتبع.

یعنی آسمان کے نیچے اللہ تعالیٰ کے سوا جتنے معبود پوجے جا رہے ہیں ان میں اللہ کے نزدیک بدترین معبود وہ خواہش نفس ہے جس کی پیروی کی جا رہی ہو۔ خواہش نفس کو الٰہ بنا لینے سے مراد اس کی بندگی کرنا ہے۔ فی الحقیقت یہ بھی ویسا ہی شرک

ہے جیسا کسی بت کو پوجنا یا کسی مخلوق کو خدا بنالینا۔

ارشاد خداوندی ہے اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰاهُ یعنی کبھی تم نے اس شخص کے حال پر غور کیا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا الٰہ بنالیا ہو۔ اس گفتگو سے قرآن وسنت کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ رسولوں کے لائے ہوئے دین واحد میں اختلاف اس طرح پیدا ہوتے ہیں کہ پہلے تو بعض لوگ پورے کے پورے دین میں داخل ہونے کے بجائے اپنے اپنے ذوق اور پسند کے مطابق دین کے مختلف اجزاء کو بنیادی اہمیت دے کر ان کو بطور کل دین اختیار کرتے اور دین کے دیگر پہلوؤں سے صرف نظر کرنا شروع کرتے ہیں پھر نفس کی بندگی کا شکار ہو کر اپنے فہم اور موقف کی برتری ثابت کرنے کے لئے بحث وگفتگو کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

جو رفتہ رفتہ مناظرہ بازی سے گزرتے ہوئے مباہلوں اور جدال وتکرار کی منزلیں اختیار کر لیتا ہے اور پھر دوسرے فہم اور موقف والوں سے نفرت اور ان سے انقطاع تعلقات اور پھر تکفیر اور قتال کی منازل میں داخل ہوتا ہے۔ آپس میں سلام ودعا اور رشتہ داریاں بند ہوتی اور مسجدیں اور مدرسے الگ ہوتے ہیں اور یوں فرقے وجود میں آتے ہیں۔

اور یہ نامسعود سلسلہ اپنے حامیوں کے ذہنوں کی ساخت میں جو ٹیڑھ پیدا کر دیتا ہے اس کے نتیجے میں ان فرقوں کے افراد پھر باہم مزید تفرقے کا شکار ہوتے ہیں۔ یوں مسلک در مسلک اور نئی مساجد تیار ہوتی ہیں۔

مسجد جو صرف اللہ کی بندگی کیلئے بنی چاہئے تھیں اپنی ناک اونچی رکھنے کے لئے اور امت مسلمہ میں تفرقوں کو فروغ دینے کے لئے بننے لگتی ہیں۔ اور بسا اوقات یہ ناگوار صورتحال دیکھنے میں آتی ہے کہ ایک مسجد کے عین سامنے دوسری مسجد کا دروازہ ہوتا ہے اور دونوں سے بیک وقت حیّ علی الفلاح کی آوازیں آتی ہیں۔

یہ ہے وہ عمل (Process) جو امت واحد کو جسے حکم الٰہی کے مطابق سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مستحکم رہنا چاہئے شکست وریخت کے عمل سے دوچار کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا ہے آج پوری امت مسلمہ اسی صورتحال کا شکار ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جس کتاب ہدایت میں ہمارے ہر مسئلے کا حل موجود ہے اور جو کتاب ہمارے افتراق واختلاف کے اسباب کی یوں ٹھیک ٹھیک نشان دہی کر رہی ہے کیا اس میں ہمارے اس انتشار کے علاج اور اتحاد کا نسخہ موجود نہیں ہوگا ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ ضرورت صرف اخلاص کے ساتھ اس ہدایت نامے کی طرف رجوع کرنے کی ہے۔ اللہ کا یہ وعدہ ہمارے حوصلے بڑھا رہا ہے کہ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا یعنی جو لوگ ہماری خاطر کوشش کریں گے ہم انہیں اپنی راہیں دکھائیں گے۔

وحدت نسل انسانی:

نسل انسانی پر اسلام کا ایک عظیم احسان وحدت انسانی کا وہ تصور ہے جو قومیت، وطنیت، لونیت اور لسانیت کے بتوں کو پاش پاش کر کے دریاؤں اور پہاڑوں کی سرحدوں کو مٹا کر ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیتا ہے جس میں کالے اور گورے شیر وشکر ہو جاتے ہیں حبش کے بلالؓ روم کے صہیبؓ اور حجاز کے ابوبکرؓ وعمرؓ ایک خاندان اور مکہ کے ابوجہل وابولہب دوسرا خاندان بن جاتے

ہیں۔ نسل انسانی کی وحدت کا نظریہ وہ نظریہ ہے جس پر امن کی عمارت کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔

اس کے مقابلے میں قومیت یا قوم پرستی دنیا میں جنگ نفرت اور تعصب کے جذبات کو فروغ دیتی ہے اور رواداری کے اصول کو پامال کرتی ہے۔ انسانیت میں غیر فطری تقسیم پیدا کرتی ہے اور اخلاق کی تباہی کا باعث بنتی ہے۔

اسلام کو ہی یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے پوری قوت سے ذہن نشین کرایا کہ تم سارے کے سارے ایک ماں باپ کی اولاد ہو اور سب ایک ہی جان سے پیدا کئے گئے ہو۔ اس نے اعلان کیا کہ خاندان قبیلہ اور ذات پات کی تقسیم صرف باہمی تعارف کے لئے ہے۔ اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں اور نہ ہی یہ وجہ امتیاز ہے البتہ امتیاز اور برتری کی بنیاد خوف خدا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط (الحجرات)

''یعنی'' اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہیں مختلف شاخ اور خاندان اس لئے بنا دیا کہ آپس میں تعارف رہے ورنہ اللہ کے نزدیک وہی بزرگ ہے جو زیادہ متقی ہے۔

تعلیمات قرآن کی صرف یہ ایک آیت ان تمام اصولوں کی جامع ہے جن پر عمل پیرا ہو کر اقوام عالم حقیقی امن کو پا سکتی ہے اس آیت میں وحدت انسانی کے مختلف اسباب بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ انسانیت کی وحدت

۲۔ خالق کی وحدت

۳۔ نسلی وحدت

یہی وہ فطری مستحکم اور دائمی بنیادیں ہیں جن پر نسل انسانی کی حقیقی وحدت کا شاندار قصر تعمیر کیا جا سکتا ہے اور جس کے سائے کے نیچے امن وسکون حاصل ہو سکتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی وحدت کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

الناس عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن عیالہ (مشکوۃ)

تمام قومیں اور سارے انسان خدا کا کنبہ ہیں۔

سب لوگوں میں بڑا محبوب خدا کے نزدیک وہ ہے جو اللہ کے کنبے سے بھلائی کرے۔ پیغمبرؐ اسلام نے جبل رحمت کے پہاڑی اعلان میں انسانی حقوق کی بنیاد رکھتے ہوئے فرمایا ''لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں ہے مگر تقویٰ کے سبب سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصبیت جاہلیہ کو رد کرتے ہوئے فرمایا:

لیس منا من دعا الیٰ عصبیۃ و لیس منامن قاتل عصبیۃ و لیس منا من مات علی عصبیۃ (مشکوۃ)

وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کی دعوت دے اور وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت پر جنگ

کرے اور وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے جس کی موت عصبیت پر واقع ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصبیت کی تعریف کرتے ہوئے کہ عصبیت کیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

ان تعین قومک علی الظلم

عصبیت یہ ہے کہ تم ظلم پر اپنی قوم کی ناجائز مدد کرو۔ یہ انسانی حقوق کی دستاویز Charter of Human Rights ہے جسے سب سے پہلے اسلام نے پیش کیا۔

مذہبی انتہا پسندی اسلام سے پہلے:

اسلام سے قبل دین کے باب میں قطعاً آزادی نہ تھی بلکہ مذہب تبدیل کرنے پر سخت اذیتیں دی جاتیں بقول علامہ فرید وجدی انہیں بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا جاتا۔ ان کی دونوں ٹانگیں دو گھوڑوں کے پاؤں میں باندھ کر ان کو مختلف سمتوں میں چھوڑ دیتے تھے۔ تانبا پگھلا کر ان پر ڈالتے تھے یا مدھم آگ پر ان کو کئی کئی روز تک لٹکائے رکھتے تھے ان کے شور وغوغا کی بالکل پروا نہ کی جاتی تھی۔ ان کا گوشت کٹ کٹ گرتا اور چربی پگھل کر بہہ جاتی۔

قرآن مجید اس زمانے کے یہود ونصاریٰ کا ذکر یوں فرماتا ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصَارٰى عَلٰى شَىْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَىْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ (البقرہ ۱۱۳)

یہودی کہتے ہیں کہ عیسائیوں کا دین بے بنیاد ہے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کا دین بے اصل ہے حالانکہ ان دونوں کے پاس اللہ کی کتاب ہے اور وہ اسے پڑھتے ہیں۔ ایسی ہی بات انہوں نے بھی کہی جو بھی مقدس کتابوں کا علم نہیں رکھتے پھر ان مذہبی گروہوں کے خیالات فاسدہ کی یوں تردید فرمائی۔

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌO وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِىْ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُ اللّٰهَ وَاجْتَنِبُو الطَّاغُوْت (فاطر)

کوئی قوم ایسی نہیں جس میں خدا کے حساب سے ڈرانے والا کوئی نہ آیا ہو اور بلاشبہ ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے۔

جس کا پیغام یہ تھا کہ اللہ کی عبادت کرتے رہو اور شیطان سے بچتے رہو پھر پیغام محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والوں کے لئے تمام پچھلے پیغمبروں اور صحیفوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (البقرہ) یعنی پرہیزگار وہ ہے جو قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ سے پہلے نازل شدہ کتابوں پر۔"

پھر نبی ہونے کے لحاظ سے کسی میں فرق نہیں کرتے۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرۃ) ہم اس کے رسولوں میں کوئی فرق نہیں کرتے۔

اسلام نے دیگر مذاہب کے ساتھ پرامن بقائے باہمی کا رشتہ قائم کرنے کیلئے اہل کتاب کو آگے بڑھنے کی دعوت دی۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ.

''اے اہل کتاب آؤ کسی ایسی بات پر باہم سمجھوتہ کر لیں جو تمہارے اور ہمارے درمیان مشترک ہے۔

اسلام تمام مذاہب کے پیشوا اور رہنماؤں کو برا بھلا نہ کہنے کی ہدایت کرتا ہے اور یوں فرماتا ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ط (انعام)

یہ کس قدر سختی سے حکم دیا گیا ہے کہ خدا کے سوا دوسرے معبودوں کے ماننے والوں کے سامنے ان کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہو کہ کہیں ناسمجھی میں وہ تمہارے حقیقی اور سچے خدا کو برا بھلا نہ کہنے لگیں۔

اسلام دین حق کی دعوت غیر مسلموں کو پہنچانے کا حکم تو دیتا ہے مگر انہیں بزور اسلام لانے پر قطعی مجبور نہیں کرتا۔ فرماتا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا

یعنی اگر آپ کا خدا چاہتا تو زمین پر بسنے والے سب ایمان لے آتے۔

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (یونس)

لیکن اگر اس کی حکمت کا تقاضا نہیں تو کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔

اسلام چونکہ امن و آشتی کا داعی ہے اس لئے قرآن نے جبر و اکراہ اور ایسی تبلیغ سے منع فرمایا جس میں فتنہ و فساد یا سختی اور جبر کا پہلو ہو مثلاً حکم ہوا۔

فَذَكِّرْ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ط لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (الغاشیہ)

تم نصیحت کرنے تک اپنے آپ کو محدود کرو تم پر صرف نصیحت کی ذمہ داری ہے تم ان پر زبردستی پہرہ دینے اور سختی کرنے کیلئے نہیں بھیجے گئے۔

اسلام کا بنیادی نظریہ حیات تمام دیگر ادیان کو نہ صرف آزادی بخشتا ہے بلکہ سیاسی نظام اور معاشرتی ماحول میں ان کی مکمل حفاظت کا انتظام بھی کرتا ہے۔

دوسرے مذاہب اور ان کی آزادی کو برقرار رکھنے کا یہی شدید جذبہ تھا جس کے باعث ابتدائی جنگوں میں مسلمانوں نے نہتوں شہریوں، بوڑھوں عورتوں اور بچوں کی ہمیشہ حفاظت کی۔ کسی مذہب کے پجاریوں، پروہتوں اور راہبوں پر تلوار نہ اٹھائی اور نہ کسی عبادت گاہ کو مسمار ہونے دیا۔ ان جنگوں کا مقصد تمام انسانوں کی آزادی کو بحال کرانا تھا نہ کہ کمزوروں اور مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کا استحصال، اسلام ذمی شہریوں کو بھی مسلم شہری کے حقوق عطا کرتا ہے۔ ذمیوں کے قتل پر قصاص کا حکم دیتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے غیر مسلم کو قتل کیا وہ جنت کی بو سے محروم رہے گا۔ (ابن کثیر)

اختلاف رائے:

دین کے احکامات کو تین طرح سے شمار کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ (اعتقادات) یا ایمانیات: ان کا تعلق عقیدہ اور ضمیر سے ہے جن کو ماننے، تسلیم کرنے اور یقین کرنے پر ایمان کا مدار ہے۔ قرآن کی صداقت، توحید و رسالت اور آخرت پر ایمان ان میں شامل ہے۔ یہ بنیادی احکامات ہیں جن میں کسی مصالحت کی گنجائش نہیں۔

۲۔ اخلاقیات مثلاً سچ بولنا، دوسروں سے حسن سلوک کرنا اتفاق و اتحاد اور عجز و انکساری کرنا اسی طرح جھوٹ بولنے، غیبت کرنے اور کبر سے اجتناب کرنے کا حکم دیا۔

۳۔ عبادات: ان کو دین میں بنیادی حیثیت حاصل ہے مثلاً نماز روزہ حج زکوٰۃ قریب ترین رشتہ داروں سے نکاح کی ممانعت، طلاق کے ذریعہ رشتہ نکاح کا خاتمہ، والدین اور زوجین کے حقوق وغیرہ۔ دین و شریعت کے یہ تمام حصے بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ قرآن مجید میں صریح الفاظ میں ان کو واضح کر دیا ہے۔ متواتر احادیث ان کو بیان کرتی ہیں اور اسلام کے عہد اول سے آج تک مسلمانوں کے تعامل نے ان کی حقانیت و صداقت کو اس قدر روشن کر دیا ہے کہ اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین کے درمیان ان مسائل میں کوئی اختلاف نہیں رہا ہے۔ کون ہے جس کو خدا کی توحید اور محمد عربی کی رسالت سے اختلاف ہو۔ سچائی کے قابل اجر ہونے اور جھوٹ کے نادرست ہونے پر کبھی اتفاق رائے نہیں رہا ہے اور نہ ہی نماز و روزہ کی فرضیت سے انکار کیا ہے۔

۴۔ جزوی تفصیلات: البتہ اگر اختلاف رائے ہوا ہے تو جزوی تفصیلات میں ہوا ہے مثلاً نماز کے اوقات اور ان کے جائز و مستحب حصے، وضو کی سنتیں اور نواقص، طلاق کی مختلف صورتیں اور اس کے اثرات و نتائج، دعاء کے آداب وغیرہ۔

قرآن مجید نے عام طور پر اصولی احکام بیان فرمائے ہیں اور پھر جزوی احکامات کے بعض حصوں پر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصریحات بھی قطعی اور واضح نہیں ہیں جن کی بنیاد پر صرف ایک ہی رائے قائم کی جا سکے لہٰذا اختلاف رائے محسوس ہوتی ہے۔ دلائل میں اختلاف مختلف وجوہ سے پیدا ہوتا ہے کبھی لفظ ایک ہی ہوتا ہے مگر خود اس ایک لفظ کے اندر ایک سے زیادہ مفہوم کی گنجائش رہتی ہے مثلاً وامسحو بروسکم (مائدہ)

اس میں عربی قواعد کی رو سے پورے سر کا مفہوم بھی ادا کیا جا سکتا ہے اور سر کے کچھ حصہ کے مسح کا بھی، کہیں ایک حکم کی صراحت موجود ہوتی ہے اور اس پر اتفاق بھی ہوتا ہے لیکن اس حکم کا سبب متعین کرنے میں اور دوسرے مواقع پر اس کی روشنی میں مسائل حل کرنے میں رائے اور نقطہ نظر کا اختلاف ہو جاتا ہے کبھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہی کام دو طریقوں سے کیا ہوتا ہے جس راوی نے آپ کا جو طریقہ دیکھا وہ نقل کرتا ہے اور جن لوگوں تک حدیث ان کے ذریعے پہنچتی ہے وہ اس کو اختیار کرتے ہیں۔

حالانکہ منشائے رسالت یہ ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عمل ابتداء میں کیا بعد میں اس حکم میں تبدیلی کی گئی۔ اب چونکہ مجتہد تک قطعی طور پر یہ بات نہیں پہنچ پاتی کہ ان میں سے کون سا عمل آپ کا پہلا عمل ہے اور منسوخ ہے اور کون سا عمل بعد کا ہے اور ناسخ ہے اس کے تعین میں اختلاف رائے پیدا ہو جاتا ہے۔

کبھی روایات میں ترجیح کے لئے الگ الگ معیار ہوتے ہیں۔ ایک فقیہہ اپنے نقطہ نظر کے مطابق ایک روایت کو راجح سمجھتا ہے جبکہ دوسرا اس کو مرجوع اس لئے ان مسائل میں اختلاف بالکل فطری عمل ہے۔

اور چونکہ یہ اختلاف اجتہاد اخلاص، حق کی تلاش وجستجو اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع و پیروی کی بنیاد پر ہے اور کتاب وسنت کی حدود میں رہتے ہوئے ہے اس لئے قطعاً مذموم نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مختلف سنتیں اور طریقے زندہ ہوتے ہیں اور وہ عملی زندگی میں جگہ پاتے ہیں جو تنگی کے وقت یسر وسہولت کا سامان بنتے ہیں۔

اگر دین میں یہ بات مطلوب ہوتی کہ ان مسائل میں امت مسلمہ کے درمیان سرمو اختلاف نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے لئے کیا دشوار تھا کہ وہ توحید ورسالت اور اقامت صلوٰۃ وغیرہ کی واضح ہدایات کی طرح فاتحہ خلف امام، رفع یدین، امین بالجہر وغیرہ کی بابت بھی اپنی کتاب میں قول فیصل فرما دیتا۔

وہ مسائل کو ہم تک اسی تواتر سے پہنچا دیتا جس تواتر کیساتھ ہمیں نماز کی رکعات کا علم ہے۔ ان فروعی اختلافات کو بحث ومناظرہ کے ذریعے حل کرنا اور جوش وخروش کا مظاہرہ کرنا کون سی دینی خدمت ہے۔

اختلاف صحابہؓ:

شریعت کی روح اور منشاء کیسب سے زیادہ واقف صحابہ کرامؓ تھے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض فروعی اختلاف صحابہؓ میں بھی موجود تھے حضرت عبداللہ بن عباسؓ عیدین میں ہر رکعت میں نو نو تکبیرات زائد پڑھنے کے قائل تھے۔ بعض تین تین کے اور بعض اس سے زائد کے قائل تھے۔ جنابہ عائشہ صدیقہؓ اس بات کو ضرورت نہ سمجھتی تھیں کہ عورتیں غسل میں اپنی چوٹی کھولیں جبکہ عبداللہ بن عمرؓ اس کو ضروری جانتے تھے۔

کسی کا شوہر غائب ہو جائے لاپتہ ہو تو حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ چار سال انتظار کے بعد اس کا نکاح توڑ دیا جائے جبکہ حضرت علیؓ کا خیال تھا کہ جب تک مرد کی موت کی تحقیق نہ ہو جائے اسی حال میں رہے۔ اور دوسرا بھی سمجھتے تھے اور باہم ایک دوسرے کا احترام واکرام بھی کرتے تھے اور یہ اختلاف کبھی ایک دوسرے پر طعن وتشنیع کا سبب بھی نہ بن پاتا تھا۔ وہ ایک دوسرے کے پیچھے بلا تامل نماز بھی ادا کرتے تھے اور مسائل میں ایک دوسرے کی طرف رجوع بھی فرماتے تھے۔

تابعین اور سلف صالحین کا بھی یہی حال رہا ہے۔ انہوں نے کبھی کسی علمی اختلاف رائے کو باعث نزاع اور جدال نہیں بننے دیا۔ امام سفیان ثوریؒ ایسے اختلافی مسائل کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ یہ نہ کہو کہ علماء نے ان مسائل میں اختلاف کیا ہے۔ بلکہ یہ کہو کہ امت کے لئے توسیع اور فراخی پیدا کی ہے۔ وہ مسائل میں اختلاف کو امت کے لئے مضر نہیں سمجھتے تھے۔ اسی لئے امام مالکؒ نے خلیفہ ہارون الرشید کو اس بات سے منع کر دیا کہ ان کے مجموعہ حدیث موطا امام مالک، پر جبراً تمام مسلمانوں سے عمل کرایا جائے امام شافعیؒ بغداد آئے جہاں امام ابوحنیفہؒ کی قبر ہے تو نماز فجر اس طرح ادا کی کہ دعائے قنوت نہیں پڑھی (حالانکہ وہ نماز فجر میں دعائے قنوت کے قائل ہیں) اور امام ابوحنیفہ کی قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ مجھے اس قبر والے

سے شرم آتی ہے۔ کہ یہاں آکر بھی میں ان کی مخالفت کروں۔ حافظ ابن تیمیہؒ کی وضاحت میں کس قدر اعتدال ہے فرماتے ہیں۔

سلف صالحین نے ایسا بھی کیا ہے۔ اور ایسا بھی، وہ کبھی نماز میں زور سے بسم اللہ کہتے ہیں۔ اور کبھی آہستہ کبھی ثناء پڑھتے اور کبھی نہیں پڑھتے کبھی تین مواقع پر رفع یدین کرتے کبھی نہیں کبھی دو سلام پھیرتے کبھی ایک ہی پر اکتفا کرتے کبھی امام کے پیچھے قرات کرتے۔ کبھی نہیں کرتے۔ کبھی جنازے پر سات تکبیرات کہتے کبھی پانچ اور کبھی چار۔

ان میں سے بعض لوگ اس طرح عمل کرتے اور بعض اس طرح یہ تمام باتیں صحابہؓ سے ثابت ہیں اور یہ مختلف طریقے نبیؐ سے منقول ہیں پس کسی مسئلہ میں انتہا پسندی اختیار کر لینا غیر اہم بحثوں میں الجھنا یا دوسروں کو الجھانا قوم وملت کیلئے زبردست نقصان اور خسارہ ہے۔ اس سے فرقہ بندی بڑھتی ہے۔ اختلاف وانتشار کو ہوا ملتی ہے۔ جو یقیناً گناہ ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب مسلمانوں نے نبیؐ کے ارشادات وہدایات پر عمل کرتے ہوئے اپنی صفوں میں حقیقی وحدت کو قائم رکھا۔ غلو اور انتہا پسندی سے دور ہیں۔ مسلمانوں میں اختلاف کی خلیج گہری ہوتی چلی جارہی ہے۔ امت مسلمہ کی وحدت کا شیرازہ شیعہ، سنی، دیوبندی اور وہابی کی صورت میں نزاع کی انتہا تک پہنچ چکا ہے۔

دین متین کے محافظ علماء منبر ومحراب کے تقدس کو پامال کر رہے ہیں اس صورت میں کسی دوسرے سے بھلائی کی توقع عبث ہوگی کیونکہ

جب مسیحا دشمن جاں ہو تو کیا ہو زندگی
کون راہ بتلا سکے جب خضر بہکانے لگے

وہ ادارے اور خانقاہیں جہاں سے اتحاد ملت کی صدا بلند ہونی چاہیئے تھی وہاں سے افتراق ملت کا شور وغوغا برپا ہو رہا ہے۔ افسوس کہ

چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ:

تشدد قتل وغارت اختلافات اور انتہا پسندی کی پیدا کردہ منافرت کو دور کرنے کے لئے نبیؐ کی تعلیمات کی روشنی میں درج ذیل اقدامات مفید اور ممد ہو سکتے ہیں۔

۱۔ دعوت کے پیغمبرانہ طریق کار کو از سر نو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ کا فرمان "اپنے رب کی طرف دعوت حکمت اور مواعظ حسنہ کی ذریعے دو اور اگر مباحثہ کی ضرورت پیش آجائے تو مجادلہ بھی احسن طریقہ سے کرو" نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے۔ کسی کے حق پر ہونے کا یہ مطلب تو نہیں ہوتا کہ مخالف کے خلاف فتنہ وفساد کی آگ بھڑکا دی جائے آخر فریقین یہ فرمان رسولؐ کیوں بھول جاتے ہیں۔ میں اس شخص کو جنت کے وسط میں مکان دلانے کا ضامن ہوں جس نے حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دیا۔ یہاں زور حق پر نہیں جھگڑا چھوڑنے پر ہے۔

۲۔ نبیؐ کو اپنی امت سے بے پناہ محبت ہے۔نفرت کرنے والوں سے آپ کا کوئی واسطہ نہیں۔آپؐ نے فرمایا:"ان دو آدمیوں کو بخشش نہیں ہوتی جن کے درمیان عداوت وکینہ ہو" گویا عداوت ودشمنی سے سختی سے منع کیا گیا۔

۳۔ دوسروں کے ماں باپ کو یہاں تک کہ جھوٹے خداؤں کو بھی گالی دینے سے نبیؐ نے منع فرمایا۔

بخاری کی حدیث ہے نبیؐ نے فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کو قتل کرنا کفر اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک پیغمبر حضرت موسیٰؑ کو اپنے ایک سب سے بڑے باغی فرعون کے پاس بھیجا تو نرم بات کرنے کی ہدایت کی۔علماء امت کو بھی اپنے رویہ پر غور کرنا چاہئے۔

۴۔ مختلف مکاتب فکر کے نمائندہ علماء کو ایک مستقل فورم کی شکل میں ایک ساتھ بیٹھ کر مشترک پہلوؤں کو اجاگر کر کے باہمی میل ملاپ اور رواداری کے باعث غلط فہمیاں دور کی جاسکتی ہیں۔اور سختی کو کم کیا جاسکتا ہے۔

۵۔ انتہا پسندی کے باعث پڑھا لکھا طبقہ دین سے دور ہوتا چلا جارہا ہے۔اس کی فکر کرنی چاہئے اور فرقہ واریت کے مہلک نتائج سے دوسروں کو آگاہ کرنا چاہئے۔

۶۔ کسی کی تقریر وتحریر پر فتویٰ لگانے سے قبل یہ معلوم کرلینا چاہئے کہ اس کا اصل مقصد اور منشا کیا تھا۔

۷۔ ہر پڑھا لکھا آدمی اپنے آپ کو فتویٰ دینے کے منصب پر نہ بٹھالے یہ بہت مشکل کام ہے اور اس میں تقویٰ اور سمجھ بوجھ کی ضرورت ہوتی ہے۔جو ہر کس وناکس کا کام نہیں۔

۸۔ مخالف اسلام عناصر مسلمانوں کے درمیان غلط فہمیاں اور اختلاف پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کررہے ہیں۔ان سے ہوشیار رہنا اور حالات کا تجزیہ کر کے کوئی فیصلہ کرنا چاہئے۔

غرضیکہ اسلام نے پرامن بقائے باہمی اور اس جہان آب وگل کی سلامتی کے لئے جو دستور وضع کیا ہے۔اگر اقوام عالم اپنے مصنوعی اور قطعی بیکار ضوابط کی جگہ صرف اسے اپنا چارٹر بنالیں تو کوئی شبہ نہیں کہ دنیا سے فتنہ وفساد اور باہمی چپقلش معدوم ہوجائے اور جارحیت وانتہا پسندی کا نام ونشان باقی نہ رہے۔

بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

قومی سیرت کانفرنس برائے خواتین

۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء



مقالاتِ سیرت

"دورِ حاضر میں انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں"



وزارتِ مذہبی امور، زکوٰۃ و عشر،
حکومت پاکستان